

خواتین اور دو شہزادوں کیلئے نئے نئے کہانیاں اور نئے نئے کہانیاں
www.paksociety.com

مارچ 2016

www.paksociety.com
پاک سوسائٹی

www.paksociety.com

پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام

READING SECTION

Online Library For Pakistan

WWW.PAKSOCIETY.COM

READING SECTION

Online Library For Pakistan

WWW.PAKSOCIETY.COM



خواتین ڈاٹ نیٹ

خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈاٹ نیٹ

37- اردو بازار کراچی

رکن آل پاکستان سٹوڈنٹس سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان سٹوڈنٹس سوسائٹی

MEMBER
APNS
CPNE

بانی و مدیر اعلیٰ — محمود ریاض

سجاد رنگارنگ

آقہ ریاض

رضیہ جمیل

امت الصبور

التمیز بھٹی

کمان

تاریخ



READING
Section



14 مسید

کہنویں ہستی
کرن کرن کرن
ہمارے نام

15 احاد

274 نادرہ خاتون

166 نسل
نسر احمد

132 سفرِ نا تمام
بریم سمیسو

80 شہرِ آشوب
امتہ القزیز شہزاد



20 ہم آہنگی کے گھر میں
استاذی

120 ایکسٹریکٹ
ایکسٹریکٹ

68 تسیم شریف

74 بریم شہزاد

244 مسرت سلیم

249 فرحین اظفر

259 تمثیلہ زاہد

ہمیشہ
من کا کھانا
کچھ کلاما کتاب
نئی نئی ہاں

268 امت الصبور

29 شایین رحیم

22 شمیمہ احمد سے ملاقات
شایین رحیم

26 امت الصبور

33 ادارہ

263 عورت علی شاعر

264 قائل اجیری

263 جون ایلیا

264 محمود شاعر

غزل
غزل
غزل

220 عمیرہ احمد

36 آمنت ریاض

آب حیات
دشتر جنوں

پاکستان (لاہور) 700
انجمن (لاہور) 8000
امریکا (نیو یارک) 7000

ماہنامہ خواتین اور لڑکیاں اور ادارہ خواتین اور لڑکیاں کے تحت شائع ہونے والے ہر ماہنامہ شائع اور لڑکیاں کے لئے شائع ہونے والی ہر شے کے حقوق طبع و نقل جن ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی نئی ویب سائٹ پر ڈراما اور فلمی کلیپ اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ صورت دیگر ادارہ قائل ہمارے حق رکھتا ہے۔

READING
Section



286 خالہ جیلانی

موتھ کے پوان

265

شگفتہ حجاب

284

ام الم

آپ کا اور کئی قاتلہ

282

واصفہ آہیل

زلگازنگ سلسلہ

خبریں ویریں



290

بیرونی ٹیکس کے مشورے اور امت الصیون

271

خالہ جیلانی

آپ کی بیاض سنے



کراچ 2016

جلد 43 نمبر 11

قیمت 60 روپے

288

عدسان

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں

پبلشر آذر ریاض نے بہن حسن پر تنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، کارپورٹ ٹاؤن آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

READING
Section

مذہب کھینچتی

سچا تین ڈاٹجسٹ کا مارچ کا شمارہ لیے مانتے ہیں۔
انسانی معلوم تاریخ میں موجود کسی دانا بادشاہ کا نقل ہے۔ کامیابی کی کنی ہے صحیح وقت پر صحیح فیصلہ۔
ادب وہ حقیقت ہے کہ جو انسانوں کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ قوموں کی اجتماعی زندگی میں بھی فیصلہ کن
اہمیت رکھتی ہے۔

23 مارچ 1940ء برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ کا ایسا ہی فیصلہ کن موڑ تھا جس نے تاریخ کے دھارے بدل دیے۔
مسلمانوں کے لیے ایک نئے آزاد وطن کا مطالبہ جو آج کے مل کر پاکستان کے قیام کی بنیاد بنا۔ آزادی کے متوالوں نے
ہر تعلق خاطر سے رشتہ توڑ کر نیا ملک بنایا تھا۔ آنکھوں میں بہت سے خواب تھے اور جن میں صاف تھیں۔ یہ وہ دور
تھا جب سیاست کا دربار نہیں تھی اور دلوں میں مثبت الوطنی کا جذبہ موجزن تھا لیکن وہ تہذیبی عمل جسے نسل در نسل
منتقل ہوتا تھا، وہ آگے نہ بڑھ سکا، معاشی ناہمواریوں نے اس تعمیری اور مثبت انداز فکر کو گھبراہٹ سے نل دیا۔
انڈیا کے کج مزاج روشن نہ ہونے کے معنی بزدلیوں کو ہوا دی گئی جس نے منافرت کی فضا کو جنم دیا۔ اور مثبت قریبی
ہوتی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کا کہہ سکتے ہیں کہ ایک بار پھر امید کے چراغ فروزاں ہوئے ہیں۔ بہتری کے آثار نمودار ہو رہے ہیں۔
دعا کریں کہ یہ کوششیں بالآخر ہوں اور ملک میں امن اور خوش حالی آئے۔ آمین۔

مصنفین سے درخواست

اپریل کا شمارہ سالگرہ نمبر ہوگا۔ مصنفین سے درخواست ہے اپنی تحریریں جلد از جلد بھجوائیں تاکہ سالگرہ نمبر میں
شامل ہو سکیں۔

قارئین سے سروے

ہماری قارئین بے مدد ہیں اور باصلاحیت ہیں۔ ہر ماہ جو خطوط ہمیں موصول ہوتے ہیں، انہیں پڑھ کر مذاق ہوتا
ہے کہ بیشتر قارئین بہت عمدہ تخلیقی صلاحیت رکھتی ہیں۔ ان کی صلاحیتوں کو سامنے لانے کے لیے ہم ہر ماہ موقع پر
اپنی قارئین سے سروے کرتے ہیں۔

اس بار بھی سالگرہ نمبر میں سروے شامل ہوگا۔ اس کے سوالات یہ ہیں۔

- ① ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے لکھنے والوں کی صلاحیتیں سامنے لانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس سال بھی بہت
سے نئے نام سامنے آئے۔ آپ کس مصنف کو اس سال کی بہترین دریافت قرار دیں گی؟
- ② صاف گوئی انہی بات ہے لیکن کبھی کبھی یہ عادت دو سروے کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ کوئی ایسی بات
جو آپ نے کہ کر دی لیکن بعد میں اس پر آپ کو پچھتاوا ہوا؟
- ③ آپ کو مزید جتن دیکھنا پسند کرتی ہیں یا تقریبی پینل اچھے لگتے ہیں؟ ٹی وی پر چھٹے چھتر تیز بولنے کی عادت والوں
کی ایسی عیبی کرتے جرب زبان اینکر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا آپ ان اینکرز کی باتوں
پر یقین کرتی ہیں؟ یا اپنی رائے رکھتی ہیں۔ کون سے اینکر آپ کو بہت برے لگتے ہیں؟
- ④ تاریخ واقعات میں مطالعہ کے علاوہ کون سی چیز زیادہ خوشی دیتی ہے۔ گھومنا پھرنا، دوستوں سے
گپ شپ، ٹی وی دیکھنا یا شاپنگ کرنا۔
- ⑤ کوئی ایسی دعا یا خواہش جو پوری نہ ہوئی تو اس وقت بہت دکھ ہوا لیکن اب احساس ہوتا ہے کہ اس
کے پورا نہ ہونے میں ہی بہتری تھی۔
- ⑥ ہماری مصنفین نے بہت سے ایسے کردار تخلیق کیے ہیں جو غیر معمولی تھے۔ بہت مضبوط، دلچسپ، جان دار
آپ کو کون سا کردار بہت پسند آیا؟ اور دل میں یہ خواہش ہوئی کہ آپ اس کردار کی طرح ہوتیں؟
ان سوالات کے جوابات اس طرح بھجوائیں کہ یا اس مارچ تک ہمیں موصول ہو جائیں۔

READING
Section

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتاب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، مسنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں وہ ہم نے ان ہی چھ معتقد کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن ووشی

ادارہ

جنت میں درخت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جس رات مجھے معراج کرائی گئی، میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو انہوں نے فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی امت کو میری طرف سے سلام پیش کہجیے اور ان کو بتلاہجیے کہ جنت کی مٹی پاکیزہ اور عمدہ ہے، اس کا پانی پینا ہے اور وہ ایک چھیل میدان ہے اور۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”جو شخص سبحان اللہ و بچھہ کہے، اس کے لیے جنت میں ایک کھجور کا درخت لگا دیا جاتا ہے۔“ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن ہے۔)

سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ

بوکہتا وہاں

درخت لگانا ہے۔“ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن ہے۔)

قائدہ : اللہ کی جنت اتنی وسیع ہے کہ اس کا تصور بھی ہم نہیں کر سکتے لہذا اللہ کی تسبیح و تحمید پر درختوں کا لگانا کوئی مشکل امر نہیں۔ اس لیے اسے حقیقت پر محمول کرنے میں کوئی امر مانع نہیں۔ البتہ بعض لوگ اسے مجاز پر محمول کرتے ہوئے اس سے مراد اجر کا اثبات اور اس کی کثرت لیتے ہیں جو کہ درست نہیں ہے کیونکہ آئندہ حدیث سے بھی پہلے معنی کی تائید ہوتی ہے۔

فوائد و مسائل : قبعان، قاع کی جمع ہے : صاف، ہموار زمین جس پر کوئی درخت نہ ہو۔

1۔ اللہ کی تسبیح و تحمید سے جنت کی چھیل زمین میں درخت لگ جاتے ہیں۔ جو شخص بتنا زیادہ اللہ کا ذکر

درخت لگانا

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

READING
Section

کرے گا، اس کا حصہ زمین جو اسے جنت میں ملے گا،
انتہائی درختوں سے معمور اور شاداب ہوگا۔

جنت کا خزانہ

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا میں تجھے
جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کی خبر نہ دوں
؟“ تو میں نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپ
نے فرمایا۔

”یہ خزانہ (لا حول ولا قوۃ الا باللہ ہے۔“ یعنی برائی
سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت اللہ ہی کی طرف سے
ہے۔ (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل : 1۔ اس میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ کو
جنت کا ایک خزانہ یعنی وہاں کا ایک نہایت بیش قیمت
اور نفس ذخیرہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کی فضیلت کی وجہ یہ
معلوم ہوتی ہے کہ اس میں انسان اپنی بے بسی اور بے
چارگی کا اظہار اور ہر طرح کی قوت و اختیار کا سرچشمہ
صرف اللہ کی ذات کو ماننے کا اعلان کرتا ہے اور یہ بات
اللہ کو بہت پسند ہے۔

2۔ اس کلمے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی چیز کا
اختیار نہیں رکھتا، وہ کسی شے سے بچ سکتا یا کسی نیکی کی
توفیق سے بہرہ ور ہو سکتا ہے تو صرف اور صرف اللہ
تعالیٰ کے ارادہ و مشیت ہی سے ہو سکتا ہے۔

اللہ کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”بے شک آسمانوں اور زمین کی
پیدائش اور رات اور دن کے اول بدل کر آنے جانے
میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ وہ جو کھڑے،
بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (سوتے ہوئے) اللہ کو یاد
کرتے ہیں۔“ (آل عمران 190-191)

فائدہ آیات : انسان کی تین ہی حالتیں ہوتی ہیں
یا تو وہ کھڑا ہوتا ہے، چاہے چل رہا ہو یا کسی ایک جگہ
کھڑا ہو، یا بیٹھا ہوا ہوتا ہے یا پھر لیٹا ہوا۔ عقل مند
لوگ جن کو رب کی معرفت حاصل ہوتی ہیں، وہ تینوں

حالتوں میں یعنی ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

تمام اوقات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اوقات میں
اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے (مسلم)

سوتے اور بیدار ہونے کے وقت کی دعا

حضرت حذیفہ لور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہما سے
روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب
اپنے بستر پر استراحت فرما ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے
”باسمک اللہم! موت واجبا۔“

”تیرے نام سے (اے اللہ!) میں مرتا اور زندہ ہوتا
ہوں۔“ اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ
مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ

”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں
مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف سب نے اکٹھا
ہونا ہے۔“ (بخاری)

فائدہ : صبح و شام کے ان وظیفوں کی پابندی کا یہ
بہت بڑا فائدہ ہے کہ انسان ہر وقت اللہ کو یاد کرتا اور
رکھتا ہے۔

ذخیرہ اندوزی

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت
ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”بازار میں مال لانے والے کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ
اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔“

گناہ گار

حضرت معمر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت
ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”گناہ گاری ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔“

کر دیا۔ (پھر ایسا ہوا کہ) ان کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا، چنانچہ وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور کہا۔
 ”کیا تم میں سے کوئی شخص بچھو کاٹنے کا دم کر سکتا ہے؟“ میں نے کہا۔ ”ہاں“ میں (کر سکتا ہوں) لیکن جب تک تم ہمیں بکریاں نہیں دو گے میں اسے دم نہیں کروں گا۔“

انہوں نے کہا۔ ”ہم تمہیں تیس بکریاں دیں گے (تم دم کرو) ہم نے ان کی یہ پیش کش قبول کر لی۔

میں نے سات بار سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس (مریض) پر دم کیا تو وہ صحت یاب ہو گیا اور ہم نے بکریاں وصول کر لیں، پھر ہمارے دل میں شک پیدا ہوا۔ (معلوم نہیں) یہ بکریاں لینا جائز تھا یا نہیں) ہم نے کہا۔

”جلدی نہ کرو حتیٰ کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ جب ہم لوگ حاضر خدمت ہوئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

”کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ یہ (سورت) دم ہے؟“ بکریاں تقسیم کر لو اور میرا بھی حصہ رکھو۔“

دوسری دو سندوں سے بھی یہ روایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔

جائز رزق

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”انسان کے دل کی ایک ایک شاخ ہر واوی میں ہوتی ہے (وہ دنوی مفاو کے لیے ہر راستے پر چلنے کے لیے تیار ہوتا ہے) جس شخص کا دل ہر واوی کے پیچھے پڑ جاتا ہے (دنیا کے لیے ہر مشغولیت میں گرفتار ہو جاتا ہے) اللہ کو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ اسے کس واوی میں تباہ کر دے اور جو اللہ پر توکل کرتا ہے (اللہ کی طرف توجہ رکھتے ہوئے یقین کرتا ہے کہ جائز رزق

اس کے لیے کافی ہوگا) اسے اللہ تعالیٰ انتشار سے بچا لیتا ہے (اور وہ اطمینان کی زندگی گزارتا ہے۔“

فوائد و مسائل : ذخیرہ اندوزی کا مطلب یہ ہے کہ جب عوام کو کسی چیز کی زیادہ ضرورت ہو، تا جرات اس وقت اپنا مال روک لے تاکہ قیمت اور بڑھ جائے۔ اس میں لالچ اور خود غرضی پائی جاتی ہے۔ ایسے شخص کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ عوام مصیبت میں مبتلا ہوں تاکہ وہ دولت جمع کر سکے۔ اس قسم کی خواہشات ایک مسلمان کی شان کے لائق نہیں۔

ذخیرہ اندوزی شرعاً ”ممنوع“ ہے اور ممنوع کام سے ارتکاب سے روزی میں حرام شامل ہو جاتا ہے۔

گناہ گار کے لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ ایسا غلط کام وہی کر سکتا ہے جو گناہوں کا عادی ہو چکا ہو۔ جس سے کسی کبھار کوئی گناہ کا کام ہو جاتا ہے وہ اتنے بڑے جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔

اپنی ذاتی ضروریات کے لیے مناسب مقدار میں چیز خرید کر رکھ لینا ذخیرہ اندوزی میں شامل نہیں، مثلاً اگر کوئی شخص اپنے گھر میں استعمال کے لیے سال بھر کی ضروریات کے مطابق فصل کے موسم میں غلہ خرید لیتا ہے تو وہ مجرم نہیں۔

افلاس

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔ ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔

”جو مسلمانوں سے کھانے پینے کی چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جدام اور افلاس میں مبتلا کرے گا۔“

دم کرنے والے کا اجرت لینا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تیس سواروں کو ایک فوجی مہم پر بھیجا۔ (راستے میں) ہم کچھ لوگوں کے ہاں (ان کی کہتی میں) ٹھہرے۔ ہم نے ان سے کھانا مانگا۔ انہوں نے (ہماری مہمائی کرنے سے) انکار

اچھا گمان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”ہر شخص کو اس حال میں موت آئی چاہیے کہ وہ اللہ کے بارے میں اچھا گمان رکھتا ہو۔“

فوائد و مسائل :

1- انسان کو اللہ کی رحمت کی امید اور اس کی ناراضی کا خوف دونوں کی ضرورت ہے۔ امید اسے نیکیوں کی رغبت دلاتی ہے اور خوف اسے گناہ سے باز رکھتا ہے۔

2- زندگی میں امید پر خوف کا غلبہ رہنا چاہیے لیکن وفات کے وقت امید کا پہلو غالب ہونا چاہیے۔

3- اللہ سے حسن ظن کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے بارے میں یہ امید رکھے کہ اس کی توفیق سے زندگی میں جو نیک کام ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے گا اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا۔

4- امید کا یہ مطلب نہیں کہ زندگی میں اللہ کی نافرمانی کی عادت ہو اور نیکیوں کی طرف رغبت نہ ہو۔ جب نصیحت کی جائے تو کہہ دے۔ اللہ بہت رحم کرنے والا ہے یہ امید کا غلط تصور ہے۔

ایثار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہیں بھوک کا سامنا کرنا پڑا جب کہ وہ سات افروختے وہ فرماتے ہیں۔

”مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات بھجوریں عنایت فرمائیں۔ ہر آدمی کے لیے ایک بھجور۔“

فوائد و مسائل : 1- معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی ان کی ضرورت کی خوراک نہیں تھی اس کے باوجود جو چند بھجوریں موجود تھیں، وہی دے دیں۔

2- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے تھے قائد کو اپنے ساتھیوں کا اسی طرح خیال رکھنا

چاہیے۔
3- تھوڑی چیز تقسیم کرتے وقت بھی انصاف اسی طرح ضروری ہے جس طرح زیادہ مال کی تقسیم میں۔
4- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا صبر و ایثار بے مثال ہے کہ ایک ایک بھجور ملی تو اسی پر اکتفا کر لیا کسی نے زیادہ حصہ لینے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔

روز قیامت

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں انہوں نے کہا: ”جب یہ آیت نازل ہوئی۔“

ثم لتسعلن يومئذ عن النعيم

ترجمہ پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال ہوگا۔“

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا۔

”ہم سے کون سی نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا؟“

ہمیں تو صرف پانی اور بھجوریں ہی میسر ہیں۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”آگاہ رہو ایہ (سوال) ضرور ہوگا۔“

فوائد و مسائل : 1- جو نعمتیں ہماری نظر میں معمولی ہیں غور کیا جائے تو وہ بھی بڑی نعمتیں ہیں لہذا ان کا شکر کرنا ضروری ہے۔

2- معمولی سے معمولی غذا بھی بھوکا رہنے کے مقابلے میں بہت بڑی نعمت ہے۔

3- ”آگاہ رہو ایہ ضرور ہوگا۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اگر آج تمہارے پاس نعمتوں کی فرلوانی نہیں ہے تو عن قرب یہ ہو جائے گی، یعنی فتوحات ہوں گی اور تمہیں وافر مقدار میں غنیمتیں حاصل ہوں گی لہذا تمہیں بہت سی نعمتیں میسر ہوں گی۔ دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ ہر ایک انسان کو دنیا میں تھوڑا بہت مال و متاع ملا ہی ہے، یعنی کسی کو کم، کسی کو زیادہ لہذا قیامت کے دن ہر شخص سے اس کو دی جانے والی ہر

نعت کے بارے میں سوال ہو گا ہماری رائے میں
دوسرا مفہوم راجح ہے واللہ اعلم۔

میت بر رونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے میں شریک تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک خاتون کو دیکھا (جو رو رہی تھی) تو اسے بلند آواز سے منع کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”عمر! اسے روئے دو“ آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں دل کو غم پہنچا ہے اور وقت زیادہ نہیں گزرا (غم تازہ ہے)۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنو عبدالمطلب کی عورتوں کے پاس سے گزرے وہ جنگ احد میں ہلاک ہونے والے اپنے اقارب پر رو رہی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”لیکن حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر رونے والیاں کوئی نہیں۔“ (یہ سن کر انصار کی خواتین آکر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رونے لگیں۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سہید ہوئے تو فرمایا۔
”افسوس! یہ اہلی واپس نہیں لگیں۔ انہیں حکم دیا کہ واپس چلی جائیں اور آج کے بعد کسی مرنے والے پر نہ روئیں۔“

فوائد و مسائل : حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب احد میں شہید ہو گئے ان کے گرانے کی خواتین ابھی ہجرت کر کے مدینے نہیں آئی تھیں اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہارِ ترحم کے لیے فرمایا ”حمزہ روئے والا کوئی نہیں۔“ اس کا مقصد رونے والیوں کے عمل کی تعریف کرنا نہیں تھا بلکہ ان کی بے کسی کا اظہار تھا کہ اس موقع پر ان کے اہل خانہ بھی موجود نہیں ہیں جن کو فطری طور پر سب سے زیادہ صدمہ ہوتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشیاء پر فدا ہونے والے تھے

یہ ان کی محبت کا مکمل تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بات فرمائی جس سے انہیں محسوس ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے رویا جائے تو انصار کی خواتین فوراً تیار ہو کر آئیں کیونکہ ان کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل گیر ہونا اپنے غم و حزن سے زیادہ تکلیف دہ تھا اس لیے انہوں نے اس غم ملی وجہ سے آواز سے رونا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واقع فرمایا کہ میرا مقصد یہ نہیں تھا اس لیے ان خواتین کو واپس چلے جانے کا حکم دے دیا۔ میت کے گرج جھو کر رونا بیٹا اور لوح کرنا منع ہے بلکہ لوح کے بغیر بھی میت والوں کے گرج ہونا منع ہے۔ دیکھیے (سنن ابن ماجہ، حدیث ۱۳۳) جو شخص نعوت کے لیے آئے تو وہ نعوت کر کے چلا جائے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا۔

”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مرعہ گوئی سے منع فرمایا۔“

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”صبر ابتداء صدمہ کے وقت ہی ہوتا ہے۔“

فائدہ : وہ صبر جو شرعاً ”مطلوب“ ہے یہ ہے کہ جب مصیبت آئے یا غم پہنچے اس وقت اپنے آپ کو غلط حرکات و اقوال سے بچائے کیونکہ جذباتِ غم کی شدت کے موقع پر اپنے آپ پر قابو رکھنا اور جائز و ناجائز کے فرق کا خیال کرنا بہت مشکل ہے۔ جو شخص اس موقع پر احکامِ شریعت کو ملحوظ رکھتا ہے اصل صبر اسی کا ہے جس پر اسے وہ تمام انعماتِ خداوندی حاصل ہوں گے جن کا قرآن و حدیث میں وعدہ کیا گیا ہے۔ بعد میں جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا ہے خود بخود صبر آنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ صبر کوئی ایسی چیز نہیں جس پر کسی کی تعریف کی جائے یا اسے ثواب کی امید ہو۔

ہم تقریر سے کھیرتے ہیں

انشائیہ

کالج والوں تک کیسے پہنچ گئی کہ انہوں نے ہمیں ایک مباحثے کا جج بنا دیا۔ ہم نے بہت غور کیا کہ ہم تو خود بولنے سے قاصر رہتے ہیں۔ ججی کیا کریں گے۔ جواب ملا کہ ابھی پچھلے دنوں فلاں کالج والوں نے بھی تو ایک مشاعرے کی صدارت ایک ایسے صاحب سے کرائی جو شعر کہنا تو درکنار ایک مصرع بھی موزوں نہیں پڑھ سکتے۔

اس پر ہم لاجواب ہو گئے۔ دلائل ان لوگوں کے پاس اور بھی تھے۔ لیکن اندیشہ پیدا ہوا کہ جوں جوں وہ سامنے آئیں گے ہمارا ازالہ حیثیت عریٰ ہی ہوگا۔ ٹیک نامی کا کوئی امکان نہیں۔ ہم نے کہا ”اچھی بات ہے لیکن ایک بات کی ضمانت دیجیے کہ فیصلے کے بعد مقابلے میں شریک ہونے والے اور انعام نہ پانے والے ہمیں تازیں گے نہیں۔“ کیونکہ ایک بار تھیو سوفیکل ہال کی چھت پر ہم نے تقریروں کے ایک مقابلے میں مصحفی کی ٹیک نامی صاحبہ نے جن کے اسکول کو انعام نہ ملا۔ آنکھیں بند کر کے اور منہ کھول کر ایسی تقریر کی کہ اگر وہ ہماری شان میں نہ ہوتی تو ہم سہلا انعام ان ہی کو دیتے۔

ایک موقع پر ایک صاحب زادے کا رد عمل بھی کچھ اسی قسم کا تھا۔ ان کو انعام نہ ملا تو مٹھیاں بھینچ کر بولے۔ ”اب دیکھوں گا آپ کیسے جیکب لائن سے گزرتے ہیں۔ روز چلے آ رہے ہیں ترکی ٹوپی لگائے، قوالی سننے۔“ جن لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارا تصوف سے شغف کم ہو گیا ہے۔ وہ غلطی پر ہیں، اب ہم قوالوں کو اپنے گھر بلا لیتے ہیں۔

ہمیں اسکول سے نکلے (خود نکلے تھے، نکالے نہیں گئے تھے) اتنے دن ہو گئے ہیں کہ کچھ اندازہ نہ تھا کہ زبان اردو کتنی ترقی کر گئی ہے۔ ہم پرانے مولویوں سے پڑھے تھے۔ جو لب سزک اور فوق البصر تک وغیرہ تک کو غلط قرار دیتے ہیں۔ ادب اور صحافت کے کوچے میں مولانا چراغ حسن حسرت مرحوم ایسے سخت گیموں سے پالا بڑا، جنہوں نے ایک انسانہ نگار کی عظمت کو محض اس لیے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ اس نے زور بیان میں ہیرو کی زبان سے

ہم تقریر کرنے سے کتراتے ہیں، بلکہ مشاعرہ بھی اسی باعث نہیں پڑھتے کہ شعر ارشاد کرنے سے پہلے شاعر کا تقریر کرنا اب قریب قریب آداب میں داخل ہو گیا ہے۔ یہ بات نہیں کہ ہم تقریر نہیں کر سکتے۔ ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا۔ لیکن اس کے لیے ذرا اہتمام کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تو یہی کہ ہماری ٹانگوں کو کسی ستون یا کرسی کے پائے سے کس کر باندھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ہمارے دوسرے اعضائے رئیسہ کی طرح یہ بھی ایسی خدا ترس واقع ہوتی ہیں کہ جہاں تقریر کا موقع آیا، پھر پھر کانپنے لگیں۔ نرم دلی کے باعث آواز میں بھی رقت آجاتی ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اب روئے کہ تب روئے، دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمیں دلائل پر قابو نہیں رہتا۔ دلائل ہمارے ذہن میں ایسے باافراط ہوتے ہیں کہ لب تک آنے کے لیے ایک دوسرے پر پلے پڑتے ہیں۔ بغض تو موقع محل بھی نہیں دیکھتے اور بلا سیاق و سباق وارد ہو جاتے ہیں۔ کئی بار تو ایسا بھی ہوا کہ کئی ایک نے بیک وقت ہماری زبان پر آنے کی کوشش کی تو ایک کچھ سا سب کر ہمارے حلق میں اٹک گئے۔

ایسے میں سطحی نظر والوں کو ہماری تقریر اگر ابھی ہوتی معلوم ہو تو وہ قابل معافی ہیں۔ حلق تر رکھنے کے لیے ہمیں پانی بھی بار بار پینا پڑتا ہے۔ جیتے تو اور لوگ بھی ہیں، لیکن ہمیں اپنی ضرورت کے پیش نظر منتظمین جلسہ سے گزارش کرنی پڑتی ہے کہ اسٹیج پر ٹکا لگا دیا جائے۔ اب کتنے لوگ ہیں جو ایسا اہتمام کر سکیں۔ ابھی پچھلے دنوں ایسا اتفاق ہوا کہ بزم تاریخ والوں نے ایک مباحثہ کرایا۔ موضوع ایسا تھا کہ ہمیں بے اختیار تقریر کرنے کی خواہش ہوئی۔ ہم نے اس خواہش کا اظہار کیا تو سیکریٹری صاحب بولے۔

”آپ کا تقریر کرنا ہمارے لیے فخر کا باعث ہوتا لیکن کیا کریں، کسے ڈی اے والے نہیں مانتے۔ کہتے ہیں۔ ”شہر میں ویسے ہی پانی کی قلت ہے۔“

خدا جانے ہمارے تقریر نہ کرنے کی شہرت ایک مقامی

یہ کہلوایا تھا کہ۔
 ”سنائی میرا پیار پھاڑ کی طرح اٹل ہے اور سمندر کی
 طرح بیابان۔“

نکھواتے ہیں۔ یہاں ایک بی بی نے اپنی تقریر کا آغاز اس
 شعر سے کیا۔
 دل میں ایک چھتی ہوئی تقریر ہونی چاہیے
 نالہ کیسا بات میں تاثیر ہونی چاہیے
 تو ہم نے پوچھ لیا کہ آپ کس کالج سے تشریف لائی
 ہیں؟ فوراً کہنے لگیں۔ ”آپ انجان بنتے ہیں۔ جس فٹ
 پاتھ پر آپ اپنے دفتر کی کھڑکی میں سے گنڈریوں کے چھلکے
 پھینکتے ہیں وہیں تو ہماری کلاس لگتی ہے آپ نے مجھے ضرور
 دیکھا ہوگا۔“

اس بحث کا موضوع تھا کہ نئی پودکی بے راہ روی کی ذمہ
 داری والدین پر عائد ہوتی ہے۔ بعض طالبات نے اپنی
 بات میں زور پیدا کرنے کے لیے اگلیوں سے اوجھڑا اشارے
 بھی کیے، جدھر ان کے والدین بیٹھے تھے تقریر سن رہے تھے۔
 لیکن سب ہی ایسی نہیں تھیں۔ بعضوں نے ان کو ہرگز
 کرانے کے لیے زورِ خطابت صرف کیا۔ ایک صاحبہ نے
 کہا کہ۔

”حضرت آدم علیہ السلام کے تو والدین ہی نہیں تھے۔
 اس کے باوجود آپ لوگ جانتے ہیں کہ ان سے جنت سے
 نکالے جانے کے قابل بعض باتیں سرزد ہوئیں۔“
 لیکن سب سے موثر استدلال ان صاحبہ کا تھا جنہوں
 نے کہا۔

”یہ نئی نسل نہایت ناظف اور نالائق ہے۔ ہر ای کی
 حرکتیں خود کرتی ہے اور ذمہ دار والدین کو گھمرائی ہے۔ کار
 بد تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر۔“

اس پر ہمیں بہت دن پہلے کی ایک بات یاد آئی۔ اخبار
 (ڈان) کی ملکیت کا جھگڑا تھا۔ آرام باغ میں ایک جلسہ
 ہوا۔ ایک بہت محترم اور معزز نے صدارت کی۔ ایک
 مقرر نے نہایت غیظ و غضب میں تقریر کی اور آخر میں
 فیصلہ صادر کیا کہ۔

”ڈان میرے باپ کی ملکیت نہیں، ڈان ایڈیٹر صاحب
 کے باپ کی ملکیت نہیں۔ ڈان (انٹلی سے اشارہ کرتے
 ہوئے) صاحب صدر کے باپ کی ملکیت نہیں، بلکہ قوم کی
 ملکیت ہے۔“

نہ ہوگا۔ ایک اور صاحبہ غالباً ”فارسی طالب علم تھیں۔ وہ
 صدر گرامی، قدر گرامی کے نیچے بھی زیرِ ڈالتی گئی تھیں۔
 ان کا صدر گرامی کہنا، ہمیں تو بہت بھلا معلوم ہوا، متعارف
 کے معنی میں ہم ایک لفظ روشناس بولا کرتے تھے۔ ہمیں
 اندازہ نہ تھا کہ اس کا تعلق روشنی سے ہے۔ دو تین
 طالبات کو روشناس کہتے سنا تو صحیح مطلب سمجھ میں آیا۔
 رجعت پسند میں ہم ہمیشہ زیرِ زبردستی پڑھتے رہے۔ اپنی اس
 رجعت پسندی کا احساس اس وقت ہوا جب اک مقررہ
 سے رجعت پسند سنا۔ اگر اتنے دنوں میں زیرِ ترقی کر کے
 پیش تک نہ پہنچے تو زبان کی ترقی ہی کیا ہوگی۔ اسی مہاٹھے
 میں ہمیں پہلی بار معلوم ہوا کہ صحیح لفظ مدح سرائی نہیں،
 مداح سرائی ہے۔

اسکولوں کی عمارتیں کم ہونے کی وجہ سے ہمارے بہت
 سے اسکول فٹ پاتھوں پر قائم ہیں۔ ہم نے اکثر دیکھا کہ
 ذرا استاد کلاس سے غائب ہوا اور کوئی بندر نچالے والا یا بلا
 درو دانت نکالنے والا یا چورن بیچنے والا ان کی جگہ آ بیٹھا۔ یہ
 بات فائدہ سے خالی نہیں، اس سے طلبہ کا ذوق و اشعار بڑھتا
 ہے۔

سچائی چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے۔

اور۔
 بشر راز دل کہہ کر ذلیل و خوار ہوتا ہے

اور
 مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے

وغیرہ ایسے ایبات ہیں کہ عمر بھر کام آتے ہیں۔ ان
 اسکولوں کے طالب علم جب فارغ التحصیل ہو کر رکشہ یا
 بین چلاتے ہیں تو ان اشعار کو رکشہ اور بس کی پشت پر



”سب کو معلوم ہے کہ میں اس فیلڈ میں کب آئی اور کیسے آئی اور میری ابتدائی زندگی کے بارے میں سب کو معلوم ہے۔“

”لیکن ہماری سچی نسل کو آپ کے بارے میں جاننے کا شوق ہے۔ تو پھر میں چاہوں گی کہ آپ اپنے بارے میں کچھ بتائیں؟“

”ہوں۔ اچھا۔ میرا جنم لاہور میں ہوا۔ میرے تین بھائی اور دو بہنیں ہیں، جبکہ میں گھر میں بڑی ہوں۔ اور ہم بھائیوں، بہنوں میں ایک ایک سال کا ہی فرق ہے۔ اس لیے جب تھوڑے بڑے ہوئے تو سب ایک ہی عمر کے لگا کرتے تھے۔ ویسے بھی مجھے لگتا ہے کہ عمروں کا فرق تھوڑے ہی عرصے لگتا ہے، پھر سب ایک برابر ہی لگتے لگتے ہیں۔ یہ میں اپنی بہنوں کی بات کر رہی ہوں۔ جبکہ بھائیوں میں فرق رہا۔ سب سے



باصلاحیت فنکارہ

شمینہ احمد سے ملاقات

شایین رشید

چھوٹا بھائی دس سال کے کیپ سے اور ایک بھائی چار سال کے کیپ سے پیدا ہوا۔ میرے والد چونکہ فارسٹ ڈیپارٹمنٹ میں تھے تو چونکہ وہ سفر میں رہتے تھے، کبھی اس شہر، تو کبھی اس شہر تو ہمیں بھی اپنی کم عمری میں بہت کچھ دیکھنے کا موقع ملا۔ کئی شہروں میں رہنے کا موقع ملا۔ میری ابتدائی تعلیم اور بچپن جہلم میں گزرا۔ البتہ کلج کی ابتدا پشاور شہر سے کی۔

”گویا مزے کی زندگی گزری؟“

”کہاں مزے میں گزری۔ جب میں سیکنڈ ایری کی طالبہ تھی تو میرے والد کا انتقال ہو گیا۔ اور ہم سب نانی کے گھر آ گئے۔“

”گھر کی کفالت؟“

”میری والدہ، امشاء اللہ بڑھی لکھی خاتون تھیں۔ انگریزی بہت اچھی تھی ان کی۔ خود دار تھیں اس لیے

شمینہ احمد کے لیے اگر میں یہ کہوں کہ ہم انہیں اپنی کم عمری سے دیکھ رہے ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ اور ہم نے انہیں ہمیشہ بہترین کردار میں دیکھا۔ خواہ وہ مزاجیہ کردار ہوں یا سنجیدہ۔ ان کی مقبولیت میں کبھی فرق نہیں آیا۔ ہم نے کبھی ان کے بارے میں یہ نہیں سنا کہ ان کی پرکار منس اچھی نہیں ہے۔ لباس کے معاملے میں ہمیشہ بلا وقار پایا۔ میں نے اکثر اپنی سینئر فنکاراؤں کو مارڈرن لباس میں دیکھا ہے۔ اسکرین پر بھی اور آف وی اسکرین بھی مگر شمینہ احمد کو کبھی نہیں دیکھا، ان کی شخصیت میں ہمیشہ ایک وقار ہی دیکھا ہے۔ ہم شمینہ احمد کو ہمارے آپا کہہ کر بلاتے ہیں۔

”ابتدا کہاں سے کریں۔ وہاں سے کہ آپ اس فیلڈ میں کب آئیں یا یہ کہ آپ پہلے اپنے بارے میں

بتائیں؟“



اپنے بچوں کی کفالت خود کرنا چاہتی تھیں۔ ورنہ جولائی میں جو خاتون یہ وہ ہو جائے وہ تو ہمت ہی ہار دیتی ہے۔ مگر میری والدہ نے ہمت نہیں ہاری اور انہوں نے تنہا اپنے بچوں کی کفالت کی۔ انہوں نے انگلینڈ جا کر نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کی۔ بطور پویشٹن بھی کام کیا اور بطور ٹرانسلیٹر بھی کام کیا۔ وہ لندن کورٹ میں بطور ٹرانسلیٹر کام کرتی تھیں جو لوگ اپنا مقدمہ اردو میں لے کر آیا کرتے تھے۔

”آپ کے دیگر بہن بھائی۔ اسی فیلڈ سے وابستہ ہیں؟“

”نہیں۔۔۔ وہ اس فیلڈ میں نہیں ہیں۔ بہن لندن میں اور دو بھائی امریکہ میں اور ایک بھائی لاہور میں ہوتے ہیں۔“

”والدین کی کیا خواہش تھی کہ آپ کیا نہیں پڑھے ہو کر۔ خصوصاً والد کی؟“

”دونوں نے ہم بچوں پر کبھی فورس نہیں کیا کہ ہمیں یہ بننا چاہیے یا وہ بننا چاہیے۔ بس دونوں کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ ہمیں پڑھنا ہے اور بہت پڑھنا ہے اور ہمیشہ دن تو پڑھنا آنا ہے۔ اور ہم آکر دکھاتے تھے۔“

”تعلیم کے علاوہ کیا سرگرمیاں تھیں آپ کی؟“

”چھی پڑھائی تو ہمیں کرنی ہی ہوتی تھی۔ اور اللہ کا شکر کہ اللہ تعالیٰ نے ذہن بھی اچھا دیا تھا اور شوق بھی ڈال دیا۔ تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ میں غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی کافی تیز تھی اور مجھے گیمز سے اگرچہ لگاؤ زیادہ نہیں تھا مگر کچھ بھی میں نے فٹ بال اور

بیڈمنٹن کھیلی کہ یہ لڑکیوں کے لیے لازمی تھی۔ البتہ دوسری سرگرمیوں جیسے ڈرل، تھیٹر کا شوق تھا مجھے۔ پتلیاں بنانے کا بہت شوق تھا اور نہ صرف خود بناتی تھی بلکہ اپنے بہن بھائیوں اور اپنی دوستوں کو بھی سکھاتی تھی اور مزے کی بات کہ ”پتلی شو“ بھی کیا کرتے تھے بالکل ٹکٹ لگا کر۔“

”والدین نے تو پڑھائی پہ زور دیا۔۔۔ اپنے طور پر

آپ نے سوچا تھا کہ آپ کو کیا پڑنا ہے؟“

”بالکل سوچا تھا۔ مجھے ڈاکٹر بننا تھا یا پینئر اور اینٹنگ کا بھی شوق تھا مگر لواکارہ بننے کا کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ ہمیں تو بس پڑھائی کرنی تھی۔ ڈاکٹر بن نہ سکی کہ ماہر کس کم آئے تھے البتہ ہینٹنگ کا بہت شوق تھا تو ہوم آنا سکن کلج میں داخلہ لے لیا اور شام کے وقت ہینٹنگ کی کلاسز بھی جوائن کر لیں اور اس کلج سے میں نے ایم ایس سی کی ڈگری حاصل کی کیری ایڈو آرٹ میں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ اداکاری کا شوق بھی جانتا گیا اور پھر آہستہ آہستہ اس فیلڈ میں عمل طور پر آگئی۔ اور بہت کام کیا اس فیلڈ میں اور اب تک کر رہی ہوں۔“

”تھک نہیں جاتیں کیا؟“

”تھک جاتی تو کام نہ کر رہی ہوتی۔ مجھے ہر وقت کام کرنا اور اہنگلو رہنا اچھا لگتا ہے۔ کیونکہ اس میں انسان کی کامیابی ہے۔ میں نے اپنی زندگی جبر مسلسل میں گزار دی ہے تب کہیں جا کر مقام ملا ہے۔ کوئی پڑا مقام ایسے ہی نہیں مل جاتا۔ بہت محنت کرنا پڑتی ہے۔ آج کل کے بچے شارٹ کٹ کے ذریعے آگے بڑھنا چاہتے ہیں اور میں نے دیکھا ہے کہ شارٹ کٹ

کبھی آپ کو دریا کا مریا نہیں دے سکتا۔
 ”آپ نے یگ ایچ میں ماں کے کردار کرنا شروع
 کر دیے تھے۔ کیوں؟ کسی نے کہا بھی نہیں؟“
 ”شاید اس لیے کہ میں اپنے گھر کی بڑی مٹی اور
 مجھ میں بڑوں والا انداز گنگو اور شفقت آئی تھی۔
 اور۔ شاید ”ماں“ کا پہلا کردار میں نے بہت اچھے
 انداز میں کر لیا تھا۔ اس لیے مجھے یہ کردار ملنے لگے اور
 کوئی کیوں کچھ کہتا۔ ایک اچھی نئی بھائی اسما رٹ ماں
 جو سب کو مل گئی تھی۔“ ٹینہ احمد نے مسکراتے
 ہوئے کہا۔

”کسی کردار کو کرنے سے انکار کیا آپ نے؟“
 ”یہی تو عادت بری ہے۔ کہ انکار نہیں کر سکتی۔
 میں ہر کردار کو ایک چیلنج سمجھ کر کرتی ہوں اور اللہ کا
 لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ناظرین نے مجھے ہر کردار میں قبول
 کیا ہے۔“

”آپ نے کامیڈی کردار بھی کئی کیسے پروڈکشن
 بھی کی؟“
 ”جی۔ بالکل یہ تینوں کام میں نے کیے ہیں اور
 بڑے دل سے کیے ہیں اور جیسا کہ آپ کو بتایا کہ مجھے
 ہر کام کرنے کا شوق بھی ہے اور ہر کام کو میں چیلنج سمجھ
 کر کرتی ہوں۔“

”حقیقت میں کیا ہیں مسجیدہ طبعیت یا نارمل۔“
 ”دونوں میں نے خوش رہنا اور۔ خوش رکھنا
 سیکھا ہے۔ مگر کبھی کبھی زندگی کے جھمیلوں میں او اس
 بھی ہو جاتی ہوں پریشان بھی ہو جاتی ہوں۔ میری
 زندگی کے بارے میں سوچ یہ ہے کہ اگر اسے ہم اسی
 خوشی گزاریں تو آرام سے گزر جائے گی ورنہ دوڑتے
 دوڑتے گزر رہی جاتی ہے اور میں نے دیکھا کہ روٹے
 والوں کا کوئی ساتھ نہیں دیتا۔“
 ”سیونگ کرتی ہیں؟“

”بالکل کرتی ہوں۔ زندگی میں دو تین بار ایسا ہوا
 کہ میرے پاس بالکل بھی سیونگ نہیں گئی۔ بڑی
 مشکل میں وقت گزرا، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ وقت

جلدی گزر گیا۔ اور اب میں نے سیونگ کو اپنی عادت
 بنالی ہے۔ ہمارے ملک میں یہ بڑی بد قسمتی ہے کہ
 ہمارے فن کاروں کے لیے کوئی سیکورٹی نہیں ہے۔
 ہمیں اپنے لیے خود ہی سوچنا پڑتا ہے اور اپنا فوج بچانا
 ہوتا ہے۔ برسوں سے وقت سے۔“

”گویا زندگی پلاننگ کے ساتھ گزارتی ہیں؟“
 ”بالکل۔ زندگی پلاننگ کے ساتھ ہی گزارنی
 چاہیے۔ اور میں سب کو کہتی ہوں کہ پلاننگ ضرور
 کریں اور اپنی پلاننگ کے مطابق چلنے کی کوشش بھی
 کیا کریں، مگر زلت اللہ پر چھوڑ دیا کریں۔ کیونکہ اللہ
 ہمارے لیے بہت بڑا پلانر ہے۔ وہ جو بہتر سمجھے گا وہی
 ہمارے لیے کرے گا۔“

”کیا اولاد کے لیے ان کے ماں باپ ہی خیر خواہ
 ہوتے ہیں یا کچھ اور بھی لوگ ہوتے ہیں؟“
 ”والدین سے بڑھ کر تو کوئی خیر خواہ ہو ہی نہیں سکتا،
 مگر زندگی میں اچھے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو آپ
 سے دل سے محبت کر کے آپ کے لیے اچھا سوچتے
 ہیں۔ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے زندگی میں بہت
 سے اچھے لوگ ملے جو میرے لیے استلو کا درجہ بھی
 رکھتے ہیں۔ جنہوں نے مجھے اس فیلڈ کے بارے میں
 بہت سی گائیڈ لائنز دیں اور نہ صرف اس فیلڈ کے
 بارے میں ڈرامے کے بارے میں بلکہ کیا اچھا ہے،
 کیا برا ہے، کس بات کی اہمیت ہے، کس کی نہیں
 ہے اور میں ان سب کی شکر گزار ہوں جنہوں نے
 مجھے سمجھا اور سمجھایا۔“

”حساس ہیں؟“
 ”بہت زیادہ حساس ہوں۔ لےنے اور گرو بہت سی
 ایسی باتیں ہیں جنہیں دیکھ کر مجھے دلی دکھ ہوتا ہے کہ
 ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے
 کہ انسان کا اپنے سے کم حیثیت والوں کے ساتھ
 سلوک بہت برا ہوتا ہے اور مجھے اس بات پر بہت
 افسوس ہوتا ہے۔ میں تو پہلے پہلے سے لے
 لوگوں سے کام گزار رہی ہوں جنہیں پیسوں کی

ضرورت ہوتی ہے، تاکہ ان کی "پا" بھی متاثر نہ ہو اور ان کی مدد بھی ہو جائے۔ اس معاملے میں بہت حساس ہوں۔ میں نے تو بہت سے لوگوں کو پڑھایا بھی ہے، تاکہ وہ بڑھ لکھ کر اپنے پیروں پہ کھڑے ہو جائیں۔

"آپ کے بچے بھی اس فیلڈ میں ہیں؟"

"لو! کاری کی فیلڈ میں تو نہیں ہے۔ البتہ میرا بیٹا "ساجا" میں جا رہا ہے۔ جبکہ میری بیٹی نے ایل ایل ایم کیا ہے اور کینیڈا میں رہتی ہے، شادی شدہ ہے اور بیٹے کی بھی شادی ہو گئی ہے۔ خیر سے اللہ نے مجھے وادی اور ثانی دونوں کے رتبے سے نوازا ہے۔"

"سزا جا" کیسی ہیں آپ؟"

"بھئی یہ سوال تو آپ کو دسروں سے پوچھنا چاہیے۔ لیکن میں آپ کو بتاؤں کہ میں خوش مزاج ہوں، لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے غصہ نہیں آتا تو یہ غلط ہو گا۔ مجھے بے مقصد باتوں پر بہت غصہ آتا ہے۔ ٹریفک کے نظام پر بہت غصہ آتا ہے۔ لوگ بہت غلط طریقے سے ڈرائیونگ کرتے ہیں۔"

"جنہیں ڈرائیونگ آتی ہے وہ اس بات کو خاص طور پر نوٹ کرتے ہیں کہ لوگ غلط چلا رہے ہیں یا صحیح۔ آپ خود ڈرائیونگ کرتی ہیں؟"

"جی۔ میں ڈرائیونگ کرتی ہوں اور بڑے صبر و تحمل سے ڈرائیونگ کرتی ہوں اور دسروں کو غلط ڈرائیونگ کرتے ہوئے دیکھ کر کڑھتی ہوں۔"

"کھانے کا شوق ہے؟ کھلانے کا شوق ہے یا پکانے کا شوق ہے؟"

"کھانا کھانے اور کھلانے کا شوق ہے۔ پکانے کا زیادہ شوق نہیں ہے۔ بے شک گزارے کے لیے پکا لیتی ہوں مگر یہ نہیں کہہ سکتی کہ میں پکانے کے معاملے میں ماہر ہوں۔ لاہور کے ذائقہ دار پکوان بہت پسند ہیں۔"

"جی کوئی اچھی بات۔ اور کوئی بری بات بتائیے؟"

"اچھی بات تو یہ ہے کہ خوش مزاج ہوں۔ صبر و

شکر والی ہوں۔ کام کرنے میں محنت کر کے مکملے میں مڑا آتا ہے۔ اور بری بات یہ ہے کہ کبھی کبھار غصہ بہت آجاتا ہے جو صحیح نہیں ہے اور جو کام کرنے کا سوچ لوں تو بس پھر سوچ جاتی ہوں۔"

"شہرت نے کبھی مسائل پیدا کیے؟"

"شہرت آج کی نہیں ہے اب کافی ٹائم ہو گیا ہے اور کبھی شہرت کو سر پر سوار نہیں کیا تو مسائل بھی کیوں جنم لیں گے۔"

"آپ ملک سے باہر جاتی رہتی ہیں۔ کہاں انجوائے کرتی ہیں؟"

"انجوائے تو میں ہر جگہ کرتی ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت خوب صورت دنیا بنائی ہے۔ ویسے مجھے کینیڈا بہت پسند ہے۔ شاید اس لیے کہ وہاں میری بیٹی رہتی ہے۔"

"اور پاکستان کے کس شہر کو بہت پسند کرتی ہیں؟"

"پاکستان تو میری جان ہے۔ میری محبت ہے۔ اس کے بغیر کہیں مستقل رہنے کا سوچ بھی نہیں سکتی اور یوں تو پورا پاکستان میرا اپنا ہے لیکن لاہور مجھے بہت پسند ہے اس کی ہر گلی محلے سے مجھے محبت ہے۔ بہت خوب صورت ہے لاہور۔"

"نفیضول خراج ہیں؟ یا پیسہ سوچ سمجھ کر خرچ کرتی ہیں؟"

"آپ مجھے نفیضول خراج نہیں کہہ سکتیں، کیونکہ میں ضرورت کی چیزوں پر خرچ کرتے وقت کبھی نہیں سوچتی۔ پیسہ کمانا بہت مشکل ہے۔ اس لیے سوچ سمجھ کر ہی خرچ کرتی ہوں۔"

"سوجوہ حکومت سے کوئی شکایت؟"

"ایک نہیں۔ کافی شکایتیں ہیں۔ لیکن سب سے بڑی شکایت تو یہ ہے کہ ٹیکسوں کی بھرمار کر دی ہے۔ نہ صرف ہر چیز پر ٹیکس لیا جاتا ہے بلکہ بہت زیادہ لیا جاتا ہے۔ اور ان ٹیکسوں کے بدلے میں ہمیں کیا ملتا ہے۔ کچھ بھی نہیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے اسٹریو پو کا اختتام کیا۔

گردش ماہ و سال کی نیرنگیوں میں کئی راستوں سے گزرے، کئی انار چھاؤ دیکھے، لیکن قافلہ شوق رکنے نہیں پایا۔

اس طویل سفر میں ہماری مصطفین نے ہمارا بھرپور ساتھ دیا، ان کی سوچ اور فکر کے رنگ لفظوں میں ڈھلے تو ان میں زندگی کے سارے منظر سمٹ آئے، ان کی تحریروں میں حمد حاضر کی کرب ناک حقیقتوں کی آگہی کے ساتھ ساتھ شکستہ دل آویزی اور خوابوں کے دلکش رنگ بھی شامل تھے۔ انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے لاکھوں قارئین کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی، ان کے دلوں میں امید کے چراغ روشن کیے، یہی وجہ ہے کہ خواتین ڈائجسٹ کے ذریعے مصطفین کو اپنی پہچان کے ساتھ ساتھ قارئین کی سببیاں محبت و تحسین بھی ملی۔

فطری بات ہے، ہم جن کو پسند کرتے ہیں، جن سے لگاؤ رکھتے ہیں ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانا چاہتے ہیں، ہماری قارئین بھی مصطفین کے بارے میں ان کی ذات کے حوالے سے جانا چاہتی ہیں۔ اس لیے ہم نے مصطفین کے لیے ایک سروے ترتیب دیا ہے۔ جس کے سوالات یہ ہیں۔

س 1۔ لکھنے کی صلاحیت اور شوق وراثت سے منتقل ہوا؟ یا صرف آپ کو قدرت نے تخلیقی صلاحیت عطا کی۔ گھر میں آپ کے علاوہ کسی اور بہن بھائی کو بھی لکھنے کا شوق تھا؟

س 2۔ آپ کے گھر والے خاندان والے آپ کی کہانیاں پڑھتے ہیں؟ ان کی آپ کی تحریروں کے بارے میں کیا رائے ہے؟

س 3۔ آپ کی کوئی ایسی کہانی جسے لکھ کر آپ کو اطمینان محسوس ہوا ہو؟ اب تک جو لکھا ہے، اپنی کون سی تحریر زیادہ پسند ہے؟

س 4۔ اپنے علاوہ کن مصطفین کی تحریروں شوق سے پڑھتی ہیں؟

س 5۔ اپنی پسند کا کوئی شعریا اقتباس ہماری قارئین کے لیے لکھیں۔

آیے دیکھتے ہیں مصطفین نے ان کے سوالات کیا جوابات دیے ہیں۔

حرفِ سادہ کو دیگا عجا از کارنگ

امت الصبور

مصباحِ نوشین

محسوس نہیں ہوتی۔ اگر میں کہوں کہ میں پیدا انہی طور پر پیدا ہی مصنفہ ہوئی تھی تو یہ بالکل بھی غلط نہیں ہوگا مجھے صرف رائٹری بنانا تھا۔ میں اس کے علاوہ کسی بھی اور پروفیشن میں ہوتی میں ہمیشہ اپنے ساتھ اور اس پروفیشن کے ساتھ زیادتی ہی کرتی۔ اور اللہ کالا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے اس پروفیشن میں بے پناہ عزت دی۔ آج میں ایک پروفیشنل رائٹری ہوں۔

1 لکھنے کا شوق مجھے صرف قدرت نے عطا کیا۔ میرے خاندان میں دور دور تک کسی کو لکھنے کا کوئی شوق نہیں ہے نہ ہی میرے کسی بہن بھائی کو کبھی شوق ہوا۔ البتہ میری امی کو پڑھنے کا شوق ہے اور انہوں نے ہمیشہ ان ڈائجسٹ کو پڑھا اور ہر اچھی کتاب کو بھی۔ شاید یہی وجہ ہو کہ مجھے کبھی بھی ادب سے اجنبیت

صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ دیگر رائٹرز سے متاثر ہو کر عام سا ہی لکھتی ہوں۔۔۔ کچھ نے تو یہ بھی کہا کہ لکھنا کہاں کا مکمل ہے۔ آرام سے کھنڈ کلم لے کر ایئر کنڈیشن روم میں سارا دن بیٹھ کر لکھتے رہو۔ لیکن میں ان صفحات کے حوالے سے کہنا چاہوں گی کہ میری پیاری بہنو۔۔۔ اگر یہ کوئی مکمل نہیں تو آپ لوگ مجھے ایک انسانہ ہی لکھ دو۔۔۔ ویسا ہی عام سا جیسا میں لکھتی ہوں حالانکہ میں جانتی ہوں کہ آپ سب لوگ مجھ سے زیادہ اچھا اور بہتر لکھ سکتے ہو۔ لیکن مجھے منہ توڑ جواب دینے کے لیے عام سا بے حد عام سا مگر پلیز ایک تو ضرور ہی لکھ دو۔۔۔

اور اب میں ٹی وی سیریل لکھ رہی ہوں۔۔۔ اس پر بھی یقیناً اسی طرح کے سببوں ہوں گے۔ میں کبھی بھی سمجھ نہیں سکی کہ میرا خاندان ایسی باتیں کیوں کرتا ہے۔ یا تو میں واقعی میں ان کی امیدوں پر پورا نہیں اترتی۔ یا وہ میری کامیابی اور میری صلاحیتوں سے خائف ہیں۔ یا یہ کوئی اور جذبہ ہے۔ شاید یہ سطریں پڑھ کر کوئی سمجھ سکے تو پلیز مجھے ضرور بتائیں۔

یہ تو سڑے میں سوال تھا تو میں نے اس کا یہی جواب دینا تھا کیونکہ یہی وہ متنی رویہ تھا جو میں نے ہمیشہ دیکھا، سنا اور محسوس کیا۔۔۔ لیکن اب میں ان سب چیزوں سے بہت آگے نکل آئی ہوں مجھے کسی کی بھی کسی بات سے کبھی کوئی فرق نہیں پڑا۔۔۔ میری کامیابیاں، میرے خواب، میری خواہشات، میری زندگی سب کچھ میرا ہے۔ میں اسے ان لوگوں سے شیئر ہی نہیں کرتی جن کو سمجھ ہی نہیں ہے اور پھر اس بات پر یہ کہہ دینا کہ یہ جھوٹ کہتی ہے بھلا بتاؤ پورے خاندان میں کون میرا راز دار ہے؟ میری ماں میری ہر کامیابی پر خوش ہوتی ہیں اور میرے لیے دعا گو ہیں۔ میری پیاری بہن ہمیشہ مجھے سراہتی ہے اور وہ دونوں میری ہر بات سے واقف ہوتی ہیں۔ خاندان کے چند بڑھے لکھے لوگ مجھے بے حد سراہتے ہیں وہ سمجھتے بھی

عدد کتابوں کی مصنفہ اور ڈرامہ رائٹر بھی۔۔۔ میں آج کل چیواٹریٹمنٹ کے لیے ایک سیریل لکھ رہی ہوں اور تین ڈراموں کا کانسٹریکٹ ان کے ساتھ کر چکی ہوں۔ اور ایک بات یہ بھی کہ میں بہت زیادہ محنتی ہوں۔ میں اللہ کی مدد کے ساتھ ساتھ خود پر بہت بھروسہ کرتی ہوں۔ میں کبھی بھی ہمت نہیں ہارتی بلکہ مشکلات سے ٹکرا جاتی ہوں اور پھر اس کا پھل بہت ہی میٹھا اور عمدہ ملتا ہے۔

2 اس سروے کا بہترین سوال۔۔۔ جس کا جواب میں سو فی صد صحیح پر مبنی ہی لکھوں گی۔۔۔ تو میری پیاری بہنو سنو۔۔۔ میرے گھر میں سے ہمیشہ میری ای اور بہن نے میری ہر تحریر کو پڑھا، سراہا اور تنقید کر کے اصلاح بھی کی۔۔۔ مگر میرے خاندان والے اول تو میری کوئی تحریر پڑھتے نہیں اگر پڑھ لیں تو جیتاتے نہیں۔۔۔ کبھی بھولے جھکے کسی رشتے دار خاتون یا کسی کزن سے پوچھا تو کہا اچھی ہے مگر بیٹھ پیچھے جو ان کی رائے میں نے ہمیشہ سنی وہ یہ کہ مجھے لکھنا ہی نہیں آتا ہاں یہ وہ واقعی میں صحیح کہتے ہیں کہ یہ بھی کوئی کہانی ہے۔ پہلی رائے تو یہ تھی کہ کلنی عرصہ لوگوں کو یقین ہی

نہیں آیا کہ میں رائٹر ہوں۔۔۔ قارئین میں ایک پسماندہ گاؤں کی رہنے والی ہوں جہاں پر مجھے ہمیشہ سہولیات کی کمی رہی ہے۔ مجھے اچھی اور بہترین کتاب کے حصول کے لیے ہمیشہ بہت تک دو کرنی پڑی ہے۔ میں نے اچھا برا جو بھی سیکھا۔ وہ ان پرچوں سے ہی سیکھا بلاشبہ ان پرچوں کی تمام مصنفین بہت قابل ہیں جن سے ہمیشہ مجھے بہت کچھ سیکھنے کو ملا اور ابھی تک میں سیکھ رہی ہوں۔ لہذا میرے خاندان والوں کو لگتا تھا کہ میں جھوٹ بولتی ہوں۔ وہ کوئی اور مصباح نو شین اور میں جھوٹ موٹ اپنا نام لیتی ہوں اور ایسا سب نہیں کچھ لوگ کہا کرتے تھے۔

مگر جب میری پہلی کتاب مارکیٹ میں آئی تو لوگوں کو یقین آیا۔ جو قریبی عزیز ہیں وہ البتہ جانتے تھے مگر سب کا ذاتی اور ہنستہ خیال تھا کہ میں اپنی کوئی سوچ اور

ہیں اور نخر بھی کرتے ہیں اور میری سسرال میں بھی سب سے تعریف کرتے ہیں اور ہمیشہ کرتے ہیں۔

3 پہلی بات میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ کبھی کبھی کوئی بھی تخلیق کار اپنی تخلیق سے سوئی صد طور پر بھی مطمئن نہیں ہوا۔ ہاں لیکن کچھ تمہارے ایسی ضرورت ہوتی ہیں جو ہر لکھاری کے دل کے قریب ہوتی ہیں۔ میں نے ایسی دو تحریریں لکھی ہیں جن کو لکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں نے کچھ بہتر کام کیا ہے جنہیں لکھنے میں مجھے مشکل میں بھی مزہ آیا اور میں نے کافی ریسرچ ورک بھی کیا شعلع کے لیے میں نے ایک ناول لکھا تھا جو جنوری 2015ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ اس ناول کے لیے میں نے ایک رسک لیا تھا۔ حشمت زیدی کے کردار کو تخلیق کرنا اور پھر بالکل اسی طرح اسے اپنی سوچ کے مطابق صفحہ قرطاس پر لانا ایک مشکل امر تھا میرے جیسی نو آموز لکھاری کے لیے اس کی ذات کا منفی پہلو جو اچھائی کی پرتوں میں چھپا تھا اور کہانی کی اصل روح اور اس کا مقصد قارئین کو ویسے ہی دکھانا سب سے مشکل تھا۔ اور اس ناول کو لکھنے کے بعد مجھے بہت اطمینان محسوس ہوا۔ جب یہ شائع ہوا تو بہت بڑے بڑے رائٹرز کی جانب سے مجھے جتنی تعریف و توصیف ملی اس کے لیے میں ان کی

محبت کی اور خلوص کی احسان مند ہوں۔

اس ناول کے بعد مجھے ایک چینل سے سیریل کی آفر ملی۔ بہت بڑے ڈرامہ رائٹرز نے ایک جملہ کہا جس نے مجھے مبہوت کر دیا۔ انہوں نے کہا ”تمہارا ناول ایک کلاسک ناول ہے جو ہر قاری کی سمجھ میں نہیں آ سکتا تم ایک بہترین مصنفہ ہو اور تمہارا مستقبل بہت روشن اور تہناک ہے اس کے علاوہ ایک اور ناول بھی ہے مگر ابھی شائع نہیں ہوا اس لیے اس پر ابھی بات نہیں کروں گی۔ مگر میری پسندیدہ ترین تحریر ہے اب دیکھتے ہیں کب شائع ہوتا ہے۔

4 اپنے علاوہ یہ پوچھیں کہ میں کس کس کو نہیں پڑھتی۔ میں سمیرا حمید کی دیوانی ہوں۔ عمیرہ احمد

مشہور مزاح نگار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کارٹونوں سے مزین

آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گروپوش

—————



450/-	سزنامہ	آوارہ گرد کی ڈائری
450/-	سزنامہ	دنیا گول ہے
450/-	سزنامہ	ابن بطوطہ کے تعاقب میں
275/-	سزنامہ	چلتے ہو تو ہمیں کو پیلیے
225/-	سزنامہ	مگرمی پتھر مسافر
225/-	ظہرہ مزاح	خار گندم
225/-	ظہرہ مزاح	اردو کی آخری کتاب
300/-	مجموعہ کلام	اس ہستی کے کوچے میں
225/-	مجموعہ کلام	چاند نگر
225/-	مجموعہ کلام	دل وحشی
200/-	ایڈ گرامیں پورا امن انشاء	اندھا کتواں
120/-	ادب نثری زبان انشاء	لاکھوں کا شہر
400/-	ظہرہ مزاح	پاتیں انشاء جی کی
400/-	ظہرہ مزاح	آپ سے کیا پردہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

تمو احمد کی ہر تحریر میں سانس روک کے پڑھتی ہوں۔
 تالیاب جیلانی، رخسانہ نگار عدنان، عنیدہ سپد، صائمہ
 اکرم چوہدری اور اس ادارے کی ہر نئی پرائی رائٹرز۔
 اس کے علاوہ گزشتہ برس میرے ہاتھ بے حد تالیاب
 اور قیمتی کتابوں کا خزانہ لگا اور ایک کتاب تو ایسی ملی کہ
 جس میں مجھے پورا بین الاقوامی ادب پڑھنے کو مل گیا۔
 پوری دنیا کے چنیدہ رائٹرز کا انتخاب جسے اکادمی ادبیات
 نے ایک کتاب میں یکجا کر دیا تھا۔ اس کتاب میں
 تقریباً 400 اہل کلم کی بہترین اور عالی سطح پر منتخب
 کہہ سکتے ہیں۔

جس میں آسٹریلیا، ازبکستان، افغانستان، البانیہ،
 امریکہ، ترکی، ایران، برازیل، انڈیا، بنگلہ دیش، تھائی
 لینڈ، جاپان، جرمنی، افریقہ اور لاتعداد ممالک کے خوب
 صورت رائٹرز کے انتخاب بے حد خوب صورت۔
 اس کے علاوہ میں نے گزشتہ سال بہت خوب صورت
 کتابیں پڑھیں۔ میں مغربی ادب سے واقف ہوئی۔
 مغربی ادب مجھے ہمارے ادب سے بالکل منفرد لگا اس
 لیے مجھے اسے سمجھنے میں کافی وقت ہوئی لیکن کتاب
 کے اینڈ پر میں نے ہمیشہ کی طرح کافی کچھ سیکھنے کو پایا۔
 ڈائجسٹ رائٹرز کے علاوہ میرے فیورٹ گبریل
 گارشیما مارکیو۔ ”نجیب محفوظ“ آغا گل اور محمد عاصم
 بٹ ہیں۔ ان کے ناول دائرہ کو میں تمہوڑا سا ہی پڑھ پائی
 مگر اش اش کراٹھی۔ اس قدر گہرا مشاہدہ ہونا اور پھر
 اس کو لکھ دینا کمال سے کم نہیں۔ ان کی منظر نگاری
 اس ناول کی کامیابی کی ضمانت بنی تب ہی تو ایک سال
 میں اس کا تیسرا ایڈیشن شائع ہوا تھا۔

اس کے علاوہ بہت ساری کتابیں ہیں جو میرے
 ریک میں تھی ہیں مگر میں انہیں ابھی پڑھ نہیں سکی۔
 ”محبوبوں کے آسپ“ یہ ”گبریل گارشیما مارکیو“ کا
 نامور ناول ہے یہ ناول بہت خوب صورت ہے۔ مگر میں
 نے اسے بہت مشکل سے سمجھ سمجھ کر پڑھا تھا۔ یوں

کہہ لیں کہ یہ ناول میری ضد سی بن گیا تھا۔
 پھر میں نے بیلا کو پڑھا۔ اس کے لکھاری وائس
 چائسلر یونیورسٹی آف ایجوکیشن کے آغا گل ہیں۔ اس
 ناول کے رحمان اور بیلا کو میں تا عمر نہیں بھلا سکتی۔ نہ
 رحمان کی قربانیوں کو نہ بیلا سے اس کے عشق کو اور یہ
 وہ ناول تھا جس کو پڑھتے ہوئے میرے سارے
 اندازے اور نکلے غلط نکلے اور مجھے اپنے غلط ہونے پر
 بے حد خوشی محسوس ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ بھی
 بہت سی کتابیں میرے پاس رکھی ہیں۔ اللہ کرے میں
 انہیں جلد ہی پڑھ سکوں۔ اور اگلے سروے میں ان پر
 سیر حاصل تبصرہ کرنے کا مجھے موقع مل سکے۔

5 اپنی پسند کا کوئی شعر۔ پسندیدہ اشعار کی تعداد
 ایک نہیں ہزاروں کی تعداد میں ہوں گے لیکن
 مجھے اشعار یاد نہیں رہتے اور حیرت اور الوسوس کی بات
 یہ ہے کہ مجھے شاعری زیادہ اپیل نہیں کرتی۔ مجھے بے
 شمار شاعری کی کتابیں گھنے میں ملتی ہیں مگر میں کبھی بھی
 انہیں پورا پڑھ نہیں پائی مگر آج کل ایک شعر اچھا لگتا
 ہے وہ ہی لکھ رہی ہوں۔

اس نے کہا۔ کیسے میں تمہارے عشق کو سمجھوں
 میں نے کہا عشق کو بہت کر اور اتنا کر کے چھوڑ دے
 آخر میں میں ادارے اور امتل کی بے حد ممنون
 ہوں ان کا محبت بھر الہجہ اور آواز پہچان کر فوراً ”میرا نام
 لے لینا مجھے بے حد خوشی کے ساتھ حیرت میں مبتلا کر
 دیتا ہے۔ ان کے موبائل نمبر پر فون نہ بھی کروں گینڈ
 لائن پر بھی ان سے بات ہو تو وہ فوراً پہچان جاتی ہیں
 ۔۔۔ یہی بات واضح کرتی ہے کہ انہیں اپنی مصنفین
 بہنیں کس قدر عزیز ہیں۔

باتیں عمران اشرف سے

شایدیں کر سید

- 1 "اصلی نام؟"
- "عمران اشرف۔"
- 2 "پیار کا نام؟"
- "اتنا پیار کسی نے کیا ہی نہیں کہ نام بدل دے۔"
- 3 "تاریخ پیدائش / شہر؟"
- "11 ستمبر 1989ء / اسلام آباد۔"
- 4 "ستان / قد؟"
- "درگو / 6 فٹ۔"
- 5 "بہن بھائی / آپ کا نمبر؟"
- "تین بہنیں ایک بھائی اور میں / آخری نمبر ہے میرا۔"
- 6 "تعلیم؟"
- "گرجویٹ ہوں۔"
- 7 "پہلی کمانی؟"
- "500 روپے۔ ایک ٹیلی فون میں کام کیا تھا۔"
- 9 "رات میں کب سوتے ہیں؟"
- "رات کو نیند کم آتی ہے۔"
- 10 "صبح اٹھ کر مل چاہتا ہے؟"
- "کہ خدا کرے کوئی آرٹسٹ سیٹھ پہ نہ پہنچا ہو۔"
- 11 "شادی؟"
- "ابھی کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ابھی میرا سارا فونکس اپنے کام پر ہے۔"
- 12 "پسند کو تریں جمیں گے؟"
- "ابھی سوچا نہیں۔ ویسے کچھ کہہ نہیں سکتا۔"
- 13 "لے نئے ملک کے لوگوں سے کوئی شکایت؟"
- "کہ جو قوانین بنائے گئے ہیں اسے مت توڑیں اسے فالو کریں۔"
- 14 "قوی تہوار مناتے ہیں؟"
- "بہت جوش و خروش کے ساتھ مناتا ہوں۔ میرا ملک آزار ہے اور پیشہ آزار ہے گا۔"
- 15 "ولنٹائن ڈے مناتے ہیں؟"
- "کالج کے زمانے میں بہت مناتے تھے۔ بڑے پھول دینے کی کوشش کی وہاں ہی مل گئے۔ تقسیم مذاق کر رہا ہوں۔ جب احساس ہوا کہ محبت کے لیے کوئی خاص دن نہیں ہوتا تو پھر چھوڑ دیا۔"
- 16 "شدید بھوک میں کیفیت؟"
- "موت نظر آرہی ہوتی ہے۔"
- 17 "دوستوں میں وقت گزارتے ہیں یا رشتے داروں میں؟"
- "نہ دوستوں میں نہ رشتے داروں میں۔ بلکہ تنہائی میں وقت گزارتا ہوں۔"
- 18 "کس دن کا انتظار رہتا ہے؟"
- "کوئی ایسا خاص دن ہے جس کا مجھے خود بھی پتا نہیں ہے۔ مگر مجھے اس کا انتظار رہتا ہے۔"
- 19 "محکم میں بھی کہاں جانے کے لیے تیار رہتے ہیں؟"
- "کوئی خاص جگہ نہیں ہے۔ میرے لیے بہتر ہی ہوتا ہے کہ آرام کروں۔ مجھے لیٹنا اچھا لگتا ہے۔ لیٹ کر بات کرنا لیٹ کے ہی بوی دیکھنا۔"
- 20 "خوشی کے اظہار کا طریقہ؟"
- "جھنجھپا کر گلے لگا کر اور کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوتو۔"
- 21 "ضد ہیں؟"
- "جس ضد میں کسی کا نقصان نہ ہو اور جس ضد میں میرا فائدہ ہو نہ دونوں نہیں چھوڑتا۔"
- 22 "دماغ ٹھوم جاتا ہے؟"
- "جب کوئی کسی کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتا ہے۔"
- 23 "ٹھنڈے میں کیفیت؟"
- "نارمل رہتا ہوں اور غلط کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"



24 "خواتین میں کیا بات متاثر کرتی ہے؟"
 "دنیا میں کسی بھی قسم کی خواتین ہوں، لڑکیاں ہوں، مجھے
 اچھی لگتی ہیں۔"
 25 "لڑکیوں کا گھورنا کیسا لگتا ہے؟"
 "بڑا اچھا لگتا ہے۔"
 26 "آپ ڈرتے ہیں گھر میں؟"
 "اپنے آپ سے۔ میرا غصہ تیز ہے۔"
 27 "لاٹری یا پرائز بانڈ میں دو کھپتی؟"
 "نہیں۔ میرا ایمان ہے کہ میری قسمت میں جو لکھا ہوگا
 وہ مجھے خوردی مل جائے گا۔"

28 "وقت سے زیادہ نہیں، وقت سے پہلے نہیں۔
 مانتے ہیں؟"
 "ہاں۔ لیکن مجھے سمجھ بوجھ وقت سے پہلے مل سکتی
 ہے۔"

29 "اپنی کمالی دو سروں کو جٹانی چاہیے؟"
 "نہیں۔ اپنی پرائیویسی ہونی چاہیے۔ اپنا اکاؤنٹ ہونا
 چاہیے۔"

30 "محبت کا اظہار کھل کر کرتے ہیں؟"
 "اتنا کھل کر کرتا ہوں کہ جس سے گرتا ہوں اسے اپنے
 ہونے کا یقین نہیں ہوتا۔"

31 "دنیا میں آنے کا مقصد؟"
 "میرے رب کو بتانا اور اس نے مجھ سے جو کوائف ہے
 وہ کروانا چاہیے۔"

32 "خریداری میں آپ کی ترجیح؟"
 "ضرورت کی چیزیں۔ فضول خریدی نہیں کرتا۔"

33 "بچپن کی کوئی برائی جو ابھی تک آپ میں موجود
 ہے؟"
 "بچپن وہ کھائی نہیں۔ کرائسٹس میں وقت گزارا۔"

34 "پیسہ ہاتھ کا میل ہے؟"
 "نہیں۔ بہت محنت سے پیسہ آتا ہے۔"
 35 "پسندیدہ فوڈ اسٹریٹ؟"
 "میں فوڈ لور ہوں۔ میں کھانے کا عاشق ہوں اور عشق سچا
 تب ہی ہوتا ہے، جب وہ ملے نہ اور میں بھی جب سے فیڈ
 ہو۔"

میں آیا ہوں مجھے کھانا صحیح طرح نہیں ملتا ہے۔"
 36 "بہترین تحفہ؟"
 "کسی کو کوئی اچھا انسان مل جائے، کوئی اچھی گائیڈ لائن
 دینے والا مل جائے اس سے اچھا تحفہ کیا ہوگا۔"

37 "کس بات سے موڈ اچھا ہو جاتا ہے؟"
 "کوئی بھی خوب صورت بات، کوئی بھی خوب صورت
 انسان۔ موڈ اچھا اثر ڈال سکتا ہے۔"

38 "قلص اپنے ہوتے ہیں یا پرانے؟"
 "وہ جنہیں آپ سے بہت ہی گرا مطلب ہوتا ہے وہ
 قلص ہوتے ہیں۔"

39 "آکھ کھلتے ہی بستر چھوڑ دیتے ہیں؟"
 "میرے کئی موڈ ہیں۔ کوئی بہا نہیں ہوتا، آکھ کھلتے ہی
 بستر چھوڑ دوں۔ کوئی بہا نہیں کہ آرام سے چھوڑوں۔"

40 "چھٹی کا دن کہاں گزارتے ہیں؟"
 "چھٹی؟ یہ کیا بات ہوئی۔"

41 "کسی کی سچی محبت دیکھنی ہو تو؟"
 "انتظار۔"

42 "اپنی شخصیت کے لیے ایک لفظ یا جملہ؟"
 "کو۔"

”صحیح بری نہیں لگتی اور اچھی نصیحت تو بہت اچھی لگتی ہے، جس جب نصیحت کا لباس اوڑھ لیتا ہے تو بہت برا لگتا ہے۔“

55 ”وقت کی پابندی کرتے ہیں؟“
”ہاں۔ مگر مجبوراً۔“

56 ”پیسہ خرچ کرتے ہیں؟“
”بالکل خرچ کرتا ہوں اور جس کو ضرورت ہو اس پر کرتا ہوں۔“

57 ”لپٹے اور پکتا خرچ کرتے ہیں؟“

”زیادہ نہیں۔ گھر والوں پر زیادہ خرچ کرتا ہوں۔“
58 ”کھانے کے لیے پسندیدہ جگہ۔ ڈائننگ ٹیبل، چٹائی یا اپنا پیڑ؟“

”بھری ہوئی پلیٹ۔ جگہ کوئی بھی ہو۔“

59 ”دنیا سے کیا ریواریو لیتا چاہتے ہیں؟“

”دنیا کیا دے گی مجھے؟۔ میرا رب مجھے دے گا۔“

60 ”انٹرنیٹ اور فیس بک سے لگاؤ؟“

”بہت زیادہ۔ ہر وقت ساتھ رہتا ہوں۔“

61 ”اپنے آپ کو ساتویں آسمان پر کب محسوس کرتے ہیں؟“

”نہیں۔ میں بہت ڈرتا ہوں اپنے رب سے۔“

62 ”فیوچر پلاننگ؟“

”اپنے کام کو بہتر کرتے چلے جانا۔“

63 ”کھانے کس قسم کے پسند ہیں؟“

”رسی اور صرف رسی۔“

64 ”عشق کے متنازعے؟“

”ہائے۔ ہائے۔ ابھی اتارے ہی کہاں ہیں۔“

65 ”عورت نرم دل ہوتی ہے یا مرد؟“

”عورت بہت پیاری ہوتی ہے۔ بس مجھے یہ پتا ہے۔“

66 ”کوئی سوال جو بار بار کیا جاتا ہو؟“

”تم دے کیوں نہیں ہوتے۔“

67 ”کوئی ایسی پسندیدہ شخصیت جس کو اغوا کرنا چاہتے

ہیں اور تاوان میں کیا وصول کرنا چاہتے ہیں؟“

”جس پیاری شخصیت کو اغوا کروں گا اس کے تاوان کے

43 ”گھر کے کس کونے میں سکون ملتا ہے؟“

”جہاں بے سکونی نہ ہو۔“

44 ”اگر ڈھیر ساری چٹھیاں ایک ساتھ مل جائیں تو

”اللہ نہ کہے کہ ایسا ہو۔“

45 ”ایک آرٹسٹ جس کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں

”ایک نہیں۔ ہر اس آرٹسٹ کے ساتھ جو سین کو

بگھتا ہو، کام کو بگھتا ہو۔ اپنے کردار کو بگھتا ہو۔

انفرادی ہو کر نہ سوچتے۔“

46 ”کس کے ایس ایم ایس کے جواب فوراً دیتے

”جس کے ایس ایم ایس پڑھ لوں۔“

47 ”عورت کس طرح دور کرتے ہیں؟“

”سوچنا ہی رہ جاتا ہوں کہ کیا کروں۔“

48 ”کوئی کردار جو ہٹ گیا ہو؟“

”ہٹ تو ماشاء اللہ کافی گئے ہیں۔ ”کل رعنا“ میں اشعر

کا کردار کافی مقبول گیا تھا۔ کالا جادو کا ”کرم“ کافی ہٹ گیا

تھا۔“

49 ”آپ کے وائٹ کی تلاش لیں تو کیا کیا نکلے گا؟“

”جو میرے کام کی چیزیں ہوں گی وہ میرے جیب میں ہوں

گی۔ وائٹ میں کچھ نہیں ہوگا۔“

50 ”کسی کو فون نمبر دے کر پھرتا ہے؟“

”اب زمانہ بدل گیا ہے۔ جو پسند آجائے اسے فیس بک

پر ریٹیکوئسٹ بھیج دیتا ہوں۔“

51 ”سرعام کسی نے لوٹا؟“

”ہاں ایک بار مگر میرے پاس زیادہ کچھ نہیں تھا۔“

52 ”اگر پاور میں آگے تو کیا کریں گے؟“

”رب کے زیادہ قریب ہو جاؤں گا اور زیادہ ڈرنے لگوں

گا۔“

53 ”کیا چیریں جمع کرنے کا شوق ہے؟“

”بائے کا شوق ہے، جمع کرنے کا نہیں۔“

54 ”صحیح جویری لگتی ہے؟“

لے کہوں گا یہ مجھے ہی دے دیں۔“
68 ”کن کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟“

”سوچ کے کیڑوں سے۔“

69 ”کیا محبت اندھی ہوتی ہے؟“

”محبت تو آنکھوں والی ہوتی ہے۔ ایک نہیں ہزاروں

آنکھیں ہوتی ہیں اس کے پاس۔“

70 ”شادی میں پسندیدہ رسم؟“

”تعبیر۔“

71 ”تحفہ بہتر ہے یا کیش؟“

”کیش۔“

72 ”ناشتہ اور کھانا کس کے ہاتھ کا پسند ہے؟“

”میں نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ گھر سے باہر گزارا ہے تو

بڑے ہاتھوں کا مزا چکھا ہے۔ اس لیے میری خواہشیں

کوئی اتنی زیادہ نہیں ہیں۔“

73 ”کس تاریخی شخصیت سے ملنے کی خواہش ہے؟“

”علامہ اقبال سے۔“

74 ”کیا پارہا فون نمبر تبدیل کرتے ہیں؟“

”نہیں۔ پانچ سال ہو گئے ہیں نمبر تبدیل نہیں کیا۔“

75 ”آپ کو فویا ہے؟“

”کوئی بھی سوچ۔۔۔ ننگینو سوچ سے بچتا ہوں۔“

76 ”کن چیزوں کو لیے لٹیر گھر سے نہیں نکلتے؟“

”میرے پاس اتنی چیزیں ہوتی ہی نہیں۔۔۔ فون ہوتا ہے

اور میں ہوتا ہوں۔“

77 ”دوسروں سے مختلف ہیں؟“

”ہاں ہوں۔۔۔ اس لحاظ سے کہ حقیقت پسند زیادہ ہوں۔“

78 ”میں ناراض ہو جائے تو؟“

”تو فوراً سنا لیتا ہوں۔“

79 ”غلطی کا اعتراف کرتے ہیں؟“

”بالکل اور بہت جی و پکار کے ساتھ۔“

80 ”دل کی سنتے ہیں یا دل کی۔؟“

”دونوں کی سنتی اچھی ہے۔“

81 ”بچپن کا کوئی کھلونا جو آج بھی سنبھال کر رکھا ہوا

ہے؟“

”مجھے یاد ہی نہیں ہے کہ میں نے بچپن میں کوئی کھلونا

رکھا ہو۔“

82 ”کبھی غصے میں کھانے سے لڑائی کی؟“

”بہت بار۔۔۔ مگر پھر مٹا کر کھانا کھلاتا ہوں۔“

83 ”شہرت مسئلہ بنتی ہے؟“

”بڑی خوب صورت چیز ہے شہرت۔ مسئلہ نہیں بنتی۔“

84 ”بستر پر لیٹتے ہی نیند آجاتی ہے یا۔۔۔؟“

”نہیں جلدی نیند نہیں آتی۔۔۔ کروٹیں بدلتا رہتا ہوں۔“

85 ”بڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ کیا کیا چیزیں رکھتے ہیں؟“

”سائیڈ ٹیبل ہے ہی نہیں۔“

86 ”خدا کی حسین تخلیق؟“

”ہر چیز۔“

87 ”زندگی کب بری لگتی ہے؟“

”جب پتا چلتا ہے کہ ختم ہو جائے گی۔“

88 ”کھانے کی ٹیبل پہ کیا نہ ہو تو کھانے کا مزا نہیں

آتا؟“

”نہیں مجھے ہمیشہ مزہ آتا ہے اور ہر چیز ہو تو پھر اسے بونس

سمجھتا ہوں۔“

89 ”پیسہ محنت سے ملتا ہے یا قسمت سے؟“

”پیسہ قسمت سے بھی ملتا ہے مگر جو مزا محنت کی کمائی کا

ہے کسی اور میں نہیں۔“

90 ”زندگی کب بدلتی؟“

”زندگی نہیں بدلتی۔۔۔ میں بدل گیا ہوں۔“

91 ”کوئی گہری نیند سے اٹھاوے تو؟“

”اگر وہ مجھ سے بڑا ہو گا تو خیر ہے اور چھوٹا ہو گا تو چھوٹوں

کا نہیں۔“

”سینما میں سب سے پہلی فلم کون سی دیکھی تھی

؟“

”تیرے پیار میں۔“

”اگر آپ کی شہرت کو نڈال آجائے تو؟“

”میں اس کے لیے تیار ہوں۔“

✽

خاتمی کو بیانیے

ادان

تک کھوئی ہوئی ہوں اس کے بعد سے میں ان رسالوں کو پلاؤ کی طرح عزیز رکھنے لگی (مجھے پلاؤ بہت پسند ہے) اور رسالے بھی اسی طرح جیتی ہوں اور میرے میاں صاحب نے بھی مجھے ان کا نشہ لگا دیا ہر مہینے رسالہ (دونوں) بغل میں دبائے چلے آتے ہیں اور انگڑائی لے کے پھینک دیتے ہیں مگر کا یہ انداز مجھے بے حد پسند ہے۔

4 - ڈائجسٹ سے رشتہ۔

ان کی سنگت میں وہ رسالے پڑھ ڈالے ہیں جو میری پیدائش سے بھی پہلے کے ہوں گے اور میرے والد صاحب نے بھی بہت رسالے پڑھوائے البتہ ای مجھے رسالوں میں غرق دیکھ کے کہہ جھانڈو سید کر دیتی تھیں۔ ”من و سلویٰ“ ”ایک نئی منزل“ ”میڈیم یا قوت“ ”نہت شبانہ حیدر کی پہلی کہانی پڑھی تھی۔ (مطلب سب سے پہلے ان ہی کی ایک کہانی پڑھی تھی) عائشے گل اور ہمارے گل نہیں بھولتیں۔

5 - پسندیدہ اشعار اقتباس۔

پسندیدہ غزل ”بھولنا کون ہے“ بیرون شاکر کی میں لےنے ہاتھوں سے اس کی ولہن سجاؤں گی ”احمد فراز کی غزلیں ”مرزا غالب کے اشعار اور غزلیں لکنا ہے ابھی ابھی لکھی گئی ہیں ان کے شعروں کی تازگی آج تک برقرار ہے۔ پسندیدہ کتاب قرآن مجید ہے جب کھولیں نئی بات سامنے آتی ہے، سوچ کے نئے دروا کرتی ہے اور لفظوں کی خوب صورتی اور فن کارانہ بہت حیران کن ہوتا ہے اور سیرۃ النبیؐ کی ہر کتاب ہر اقتباس پسند ہے اگر میسر ہو جائے تو۔

پسندیدہ شعر۔

اس کے سب جھوٹ بھی سچ ہیں محسن
شرط اتنی ہے وہ بولے تو سہی

شازیہ الطاف ہاشمی۔ شجاع آباد

میرا نام شازیہ الطاف ہاشمی ہے اور میرا تعلق شجاع آباد کے چھوٹے سے گاؤں سے ہے۔ سادگی سلوٹی لہجے سے قد کی خوب صورت نین نقوش والی میٹرک پاس لڑکی ہوں شادی کو آٹھ سال ہونے والے ہیں وہ پیاری سی بیٹیوں کی امی جان ہوں۔ فاطمہ زہرہ اور آمنہ الطاف۔ فارغ وقت میں شجاع خواتین اور اخبار کا مطالعہ جو تقریباً ”سارا دن جاری رہتا ہے اور ہاں دن کے تین بجے اپنی بیٹی فاطمہ زہرہ کا ہوم ورک کروانا اور موبائل میرے پاس نہیں ہے شام کو میاں صاحب کے آنے پر امی کو کل کر کے خیر خیریت پوچھنا۔ میرے مشاغل ہیں۔

2 - خوبیاں اور خامیاں۔ خامی میری سب سے بڑی یہ ہے کہ بے حد سادہ بلکہ بے وقوف لڑکی ہوں۔ کرنا کچھ ہوتا ہے کہ کچھ بیٹھتی ہوں کہنا کچھ اور ہوتا ہے اور کہہ کچھ اور بیٹھتی ہوں۔ زندگی میں جھوٹ بھی بولنے پڑتے ہیں کبھی ضرورت کے تحت مگر مجھ پر جھوٹ بولتے ہوئے جو لڑتی ہے جھوٹ بہت مشکل سے بولتی ہوں۔ دل میں کسی کے لیے عناد پالنا چاہتی ہوں تو بھی میرا دل صاف رہتا ہے۔ منہ پھٹ ہوں بات منہ پہ کہہ دیتی ہوں۔ حساس بے حد ہوں ذرا سی بات پہ رو پڑتی ہوں اور کبھی بڑے بڑے دکھ آرام سے سہ جاتی ہوں صفائی پسند ہوں۔

3 - خواتین سے وابستگی؟

خواتین سے وابستگی بہت ہی پرانی ہے۔ (اللہ جنت نصیب فرمائے) میرے والد صاحب کو ایک دفعہ مجھے ایک پھیری والے سے امرود لے کر دیے اس نے جس ورق میں امرود کاٹ کے دیے وہ اسی خواتین یا شجاع کا تھا۔ امرود کھا کر میں اس گھٹنے میں کم ہو گئی اور آج

☆

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ہست چکری

قلعہ فلک بوس کا آسیب آیو شمعی۔ ایک بھگتی روح جس کے اسرار سے کوئی واقف نہیں ہے۔
معاویہ فلک بوس آتا ہے تو اسے وسامہ کی ڈائری مٹی ہے۔

فلک بوس میں وسامہ اپنی بیوی آئے کت کے ساتھ رہتا ہے۔ وسامہ بہت اچھا اور ذہین مصنف ہے۔ وہ باوقار اور
وجیہہ شخصیت کا مالک ہے لیکن ایک ٹانگ سے معذور ہے۔ وہ غیر معمولی حساس ہے۔ اسے قلعہ فلک بوس میں کوئی روح
محسوس ہوتی ہے۔ آوازیں سنائی دیتی ہیں لیکن کوئی نظر نہیں آتا۔ معاویہ وسامہ کا پھوپھی زاد بھائی ہے، آئے کت اور
وسامہ معاویہ کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ قلعہ فلک میں آیو شمعی کی روح ہے لیکن معاویہ مضبوط اعصاب کا
مالک ہے اسے اس بات پر یقین نہیں آتا۔

کہانی کا دو سرائیک جہاں تین بھائی جو اسٹ فیملی سسٹم کے تحت رہتے ہیں۔

صابر احمد سب سے بڑے بھائی ہیں۔ صابر احمد کی بیوی صباحت نامی جان ہیں اور تین بچے 'راہین' کیف اور فہمیدہ
ہیں۔ راہین کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ملائیشیا میں ہے۔

شفیق احمد کی بیوی فہمیدہ بچی ہیں۔ مالی لحاظ سے وہ سب سے مستحکم ہیں۔ شفیق احمد نے ان سے پسند کی شادی کی تھی۔
دو بیٹیاں صیام اور منہا ہیں اور دو بیٹے شاہجہاں اور شاہ میر ہیں۔ بڑے بیٹے شاہجہاں عرف مٹھو بھائی کا دماغ چھوٹا رہ گیا
ہے۔

Downloaded From
Paksociety.com

باسط احمد تیسرے بھائی کا انتقال کا ہوجکا ہے۔ ان کی بیوی روشن امی اور دو بیٹیاں خوش نصیب اور ماہ نور ہیں۔ خوش نصیب کو سب منحوس سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے وہ تنگ مزاج ہو گئی ہے۔ خوش نصیب کی ثانی بھی ان کے ساتھ رہتی ہیں۔ خوش نصیب کو دونوں بچاؤں سے شکایت ہے کہ انہوں نے ان کا حق نہیں دیا ہے۔ گھر کا سب سے خراب حصہ ان کے پاس ہے۔ صباحت ثانی جان اور روشن امی خالہ زاد بہنیں ہیں۔ صباحت ثانی جان کے چھوٹے بھائی عرفات ماموں جو بہت نرم گفتار اور دل موہ لینے والی شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے شادی نہیں کی۔ وہ کیف کے ماموں ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا آئیڈل بھی ہیں۔

کہانی کا تیسرا ٹریک منفرا اور ٹیسی ہیں۔ منفرا امریکہ میں پڑھنے آئی ہے۔ ہاسٹل میں رہتی ہے۔ زیر زمین ٹرین میں ان کی ملاقات معاویہ سے ہوتی ہے۔ منفرا کی نظریں معاویہ سے لگتی ہیں تو اسے وہ بہت عجیب سا لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی سفاکی اور بے حسی ہے۔ منفرا چونک سی جاتی ہے۔

تیسری قسط

اس روز جب سورج طلوع ہوا اور سورج کی کرنیں بشارت کے پھاٹکوں کی اوٹ سے ٹلک بوس کی اونچی چینیوں سے لگراتی ہوئی نیچے اتریں اور تالاب کے پانی پر نازک قدموں سے رقص کرنے لگیں تو چند کرنیں کھڑکی کے شیشے سے چھلانگ لگا کر اندر داخل ہوئیں اور صوفہ کم بیڈ پر بے سدھ سوئے ہوئے وسامہ کے چہرے پر پھیلنے لگیں۔

وسامہ پچھلی رات بہت پرسکون ہو کر سویا تھا۔ کرنوں کی شرارت سے وہ کسمسایا پھر اس نے آنکھیں کھولیں۔ سامنے پروے کی درز سے ایک روشن چمک دار دن اسے خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ وہ صبح کی تازگی لیے مسکراتے ہوئے اٹھ کر بیٹھا۔ پچھلے دو روز کے پریشان کن واقعات کی یاد ابھی اس کے ذہن میں مانہ نہیں ہوئی تھی۔ اس نے خوب ہانڈ پھیلا کر رات کی تھکن اتاری۔ انگڑائی لیتے ہوئے اس کی نظر آگے کت پر پڑی۔ وہ ایک صوفے پر کشمی سٹائلی سواری تھی۔ سر ایک طرف کو لڑھکا ہوا تھا۔ گرم لحاف کا کچھ حصہ آگے کت کے گرد لپٹا تھا۔

Downloaded From
Paksociety.com

TEENING
Section

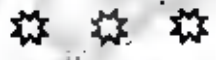
اور کچھ سرگنا ہوا نیچے نیچے پر پھیل گیا تھا۔

وسامہ کو ایک دم سے وہ تمام واقعات یاد آئے جو پچھلی دو راتوں میں اس پر ہوتے تھے۔ اس یاد کی نقوش کے ساتھ اس کا دل سم گیا اور اس نے جلدی سے ادھر ادھر دیکھا۔ کھڑکیوں کے پردے اگرچہ برابر تھے، لیکن کمرے میں دن کا اجالا پھیل چکا تھا اور وہاں صرف دو نفوس تھے وہ اور آئے کت۔ آٹس دن میں رات بھر لکڑیاں سلگ سلگ کر راکھ بن چکی تھیں اور اب ان میں زندگی کی رمت باقی نہیں رہی تھی۔

آہستہ آہستہ اس کا ڈر ختم ہونے لگا۔ دن کی روشنی میں یوں بھی یہ احساس کم رہتا تھا۔ اس نے گہری سانس لیا۔ پیر نیچے رکھے سرنانے کی طرف رکھی بیساکھی اٹھا کر ٹانگ سے جوڑی اور بنا آواز چلتا ہوا کھڑکی تک آیا۔

باہر دن پوری طرح طلوع ہو چکا تھا۔ وسیع و عریض باغیچہ اور اس کے بیڑ پودے مسور سے دکھائی دیتے تھے۔ تالاب کے وسط میں اپنے ہنگے پھیلائے سفید پری سنہری دھوپ کا لطف لے رہی تھی۔ یہاں سے دور فلک بوس کے مرکزی پور ٹیکو میں معاویہ ملا زمین کو اکٹھا کیے بات چیت کر رہا تھا۔ وہ ہائٹ سوٹ میں بلبوس تھا۔ موسم کے پیش نظر اس نے وسامہ کی لیدر جیکٹ پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں موٹی چھتری تھی۔ یہ ایسی ہی ایک چھتری تھی جو جنگل کی طرف جاتے ہوئے وہ سب جنگلی جانوروں کے حملے کے پیش نظر احتیاطاً پکڑ لیتے تھے۔ معاویہ بیخ خیر لوگوں میں سے نہیں تھا۔ یہ حیرانی کی بات تھی کہ وہ اتنی صبح کیسے بیدار ہوا اور جنگل کا چکر بھی بلگا آیا تھا۔

وسامہ نے وہاں سے دھیان ہٹایا اور پردے کی درز کو رابر کر کے واپس صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔ بیساکھی کا بیکل اس نے ڈھیلا کر دیا تھا اور اب ٹانگ پھیلا کر نیم دراز ہو گیا تھا۔ وہ کمرے کی محرابی چھت کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے ساتھ رہنا ہونے والے تمام تر واقعات پر غور کرنے لگا۔



بہری پیر کے مزار کی کرامات یوں تو دور دور تک مشہور تھیں، لیکن سب سے بڑی کشش وہ کھٹے بیٹھے پیر تھے جن کے درخت مزار کے بڑے محرابی دروازے کے دائیں بائیں لگے ہوئے تھے۔

ذائین جوق در جوق آتے دربار میں داخل ہونے سے قبل بائیں ہاتھ والے بہری کے درخت کے نیچے بیٹھے پھولوں والے سے پھولوں کی پتیاں، حسب حیثیت قبر پر چھانے کی چادر تیار کی بوندی اور کھانے خریدتے۔ پھر بائیں ہاتھ والے بہری کے نیچے اپنی اپنی چھیل اتار کر ٹوکن لیتے اور یہ آواز بلند قبر میں سونے ہوئے باباجی کو سلام کرتے اندر داخل ہوتے۔ اندر دربار کا کھلا اور وسیع احاطہ تھا۔ جہاں فقیروں اور ذائین کا ملا جا سار ش لگا ہوتا۔ اب آنے والے لائن سے چلتے ہوئے آتے جاتے قبر کے پاس کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھتے زور دکر گڑگڑا کر اور کچھ

تو باقاعدہ قبر کو سجدہ کرتے ہوئے قبر میں استراحت فرماتے باباجی سے اپنی خواہش پوری کرنے کی استدعا کرتے۔ پھر چادر چھانے، قبر کے متولی کو چپکے سے نذر کے میسے پکڑاتے اور اپنے قدموں چلتے ہوئے نہایت اوب اور احترام کے ساتھ باہر نکل جاتے۔ احاطے میں فقیروں کے درمیان بوندی اور نمک پاروں کی نیاز تقسیم کی جاتی اور باہر جاتے جاتے مٹھیاں بھر بھر کر بیروں سے جینیں اور ساتھ لائے لفافے بھر لیے جاتے تھے۔

کہنے والے کہتے تھے کہ یہ باباجی کی بابرکت کرامات کا نتیجہ ہے کہ سارا سال ان درختوں سے پھل ختم نہیں ہوتا۔ صرف یہی نہیں وہ تو یہاں تک بھی کہتے تھے کہ یہ جو پیر اتنے بیٹھے ہیں یہ بھی باباجی کی کرامات کا ہی نتیجہ ہے۔ خوش نصیب کو بہری والے مرحوم باباجی سے تو کوئی دلچسپی نہیں تھی نہ ہی ان کی کسی کرامت پر وہ یقین رکھتی تھی اس کی ساری دلچسپی ان ہیروں میں تھی جو ہر بار مزار کے سامنے سے گزرنے پر اسے لچانا شروع کر دیتے تھے۔

سو پیری پیر کے مزار سے اس کا پرانا دوستانہ تھا جو بچپن سے جلا آ رہا تھا اور جو اس وقت تک قائم رہا تھا جب تک پیر کے ورخت یہاں موجود تھے۔ وہ سب ان ہی گلیوں میں کھیلنے کودنے شرارتیں کرتے بڑے ہوئے تھے۔ سب بچے یہاں مزار تک ریس لگاتے تھے جس میں زیادہ تر وہ اور کیف ہی جیت جاتے کیونکہ ان دونوں کو ان پرانی اور تنگ چھوٹی گلیوں کے سارے راستے معلوم تھے۔ باقی بچوں کے یہاں کھنچنے تک وہ دونوں کچے پیروں سے چھبیل بھری لیتے اور پھر اقیوں کو ناک ناک کرارتے۔

بچپن گزر گیا یہی یادیں چھوڑ گیا۔
واپسی پر خوش نصیب کے ذہن میں بہت سی باتیں گھوم رہی تھیں۔ گھر جانے سے پہلے اسے پھر چاہیے تھے۔ گلی نمبر سات کے چور اے پر فریجہ سے ملاقات ہو گئی۔ وہ سر بردہ ٹاؤٹھے اپنی امی اور بڑی بہن ثمرین کے ساتھ آ رہی تھی۔ خوش نصیب کی بچپن کی سہیلی اور پڑوسن بھی تھی۔

”رے خوش نصیب!“
”فریجہ تمہارا“ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ایسے خوش ہوئیں جیسے برسوں بعد ملاقات ہو رہی ہو۔

”کہاں جا رہے ہو تم لوگ؟“ خوش نصیب نے مسکرا کر تینوں کو دیکھا۔
”ہم مزار والے بڑے باباجی سے ثمرین باباجی کے لیے تعویذ لکھوانے جا رہے ہیں۔“ فریجہ جوش میں بولتی چلی گئی پھر فوراً ”بہی ثمرین پر نظر پڑی۔ وہ دانت کچکا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ فریجہ نے سٹیٹا کر پہلے تھوک لگلا اور جلدی سے بولی۔

”نہیں۔ نہیں۔ ہم تو مزار پر دعا مانگتے جا رہے ہیں۔“ بہن کی ناراضی دیکھ کر جلدی سے بات ہٹائی تھی۔
”اب کیا فائدہ ایسے بولنے کا۔“ ثمرین نے تنگ کر کہا اور ماں سے آواز دیا کر بولی۔ ”میں نے آپ سے کہا بھی تھا اس کو ساتھ لے کر نہ آئیں۔ خوش نصیب کے سامنے بول دیا ہے۔ سارے محلے کو خبر مل جائے گی اب۔“
خوش نصیب کو یوں بھی کان لگا کر بات سننے کا شوق تھا۔ ثمرین نے آواز دہمی کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ فریجہ اگر خوش نصیب کی سہیلی تھی تو ثمرین کا بارانہ میام سے تھا۔ جتنا میام اسے ناپسند کرتی تھی۔ اتنا ہی ثمرین بھی اس کے بارے میں ناپسندیدگی کے خیالات رکھتی تھی۔
”فکر نہ کریں ثمرین باباجی! سارے محلے کو میں نہیں بتائی صرف میام کو بتاؤں گی۔ وہ تو آپ کی دوست ہے۔ اسے تو بتانا ہونا چاہیے آپ تعویذ بنا رہی ہیں۔“ خوش نصیب نے ساوگی سے کہا تھا۔
”ہائے اللہ! یہ غضب مت کرنا۔“ ثمرین نے سٹیٹا کر کہا پھر جھنجھلا کر بولی۔ ”تم تو سارے محلے میں اعلان کرو گی۔ وہ تو پورے شہر کو ہی بتا دیے گی۔“ دوستی ضرور تھی لیکن دوستی سے جڑا ہوا مخصوص قسم کا اعتماد اور مقابلے بازی کی فضا بھی خوب گرم رہتی تھی دونوں کے درمیان۔

دلچسپ ہیں

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت مادل

خوبصورت مردوں کی
خوبصورت عورتوں کی
بہترین مادل
آئیڈیل

☆ تئلیاں، پھول اور خوشبو راحت جنیں قیمت: 250 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں فائزہ افتخار قیمت: 600 روپے
☆ محبت یہاں نہیں لہنی جدوں قیمت: 250 روپے

سائلے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، جی۔ فون: 32216361

39 مارچ 2016

READING
Section

”ارے جانے بھی ویں شمرین باجی...!“ خوش نصیب نے نرمی سے کہا۔ ”کیا ہوا جو شکل سے ہی خزانہ لگتی ہے، لیکن دل کی اچھی ہے صیام۔“

”بڑی اچھی طرح جانتی ہوں میں اس دل کی اچھی صیام کو۔ مجال ہے جو کسی کی خوشی برداشت ہو جائے۔“ خوش نصیب کی باتوں میں آکر وہ بولتی چلی گئی۔ ”مجھے تو پتہ ہے ہی شک ہے صیام کی ہی نظر لگی ہے میری شادی شدہ زندگی کو۔“ خود کلامی۔

”اب بس بھی کر دے شمرین! تو تو پورا دفتر ہی کھول کر بیٹھ گئی ہے۔“ اماں جھنجھلا کر بولیں پھر خوش نصیب سے کہنے لگیں۔ ”اے بیٹی! تم اس بارے میں کسی سے ذکر مت کرنا۔ اپنی چچی اور صیام کو جانتی ہو نا۔۔۔ واقعی پورے محلے میں مشہور کر دیں گی۔“

”فکر مت کریں خالہ! کسی سے نہیں کہوں گی۔“ وہ ہنسی اور شرارت سے شمرین کو دیکھ کر بولی۔ ”وہ تو میں شمرین باجی کو تنگ کر رہی تھی۔“

شمرین نے ”ہونہہ“ کر کے منہ موڑ لیا۔
خوش نصیب اور فریحہ کھی کھی کر کے ہنسنے لگیں۔ پھر خوش نصیب نے کہا۔
”میں بھی ساتھ ہی چلتی ہوں۔ مجھے مزارہہ جانا ہے۔“

”ہاں ہاں۔ کیوں نہیں۔“ اماں نے کہا، ”لیکن شمرین اس بات سے خوش نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے ناک چڑھالی اور خوش نصیب کو گھور کر اماں کے ساتھ آگے آگے چل دی۔“

”تمہاری بہن کی ناک میں کوئی مسئلہ ہے کیا؟“ پیچھے آئی خوش نصیب نے بڑی ہمدردی سے فریحہ سے پوچھا تھا۔

”نہیں۔۔۔ مسئلہ نہیں ہے۔ اس کی سہشنگ ہی ایسے ہو گئی ہے کہ ناک ہر وقت چڑھی ہوئی لگتی ہے۔“ فریحہ نے بھی اس کے انداز میں کہا اور دونوں ہاتھ پہ ہاتھ مار کے زور سے ہنس دیں۔



یہ چند مہینے پہلے کی بات ہے جب وسامہ نے فلک بوس میں عجیب و غریب اثرات کو محسوس کرنا شروع کیا تھا۔ ایک شام فلک بوس کے اندرونی حصوں میں دیکھ رہی تھی کہ خیال سے گشت کرتے ہوئے اسے بہت تیز بدبو کے بھسکے نے رکنے پر مجبور کر دیا۔ اسے سخت ناگواری محسوس ہوئی، لیکن بدبو کی سمت کا تعین کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اس نے ملازم لڑکے پاشا کو بلا کر تحقیق کروائی تو پتا چلا یہ بدبو تہ خانے کی طرف جانے والے راستے سے آرہی ہے۔ کچھ اور تحقیق کی گئی تو انہیں مری ہوئی گلہریوں کا ایک ڈھیر ملا جن کے جسم اس وقت تک گل سڑ چکے تھے اور بدبو پیدا کر رہے تھے۔ یہ ایسا کراہت انگیز منظر تھا کہ وسامہ کا دل برا ہو گیا اس نے بمشکل خود کو ابٹائی لینے سے روکا اور ناک پر ہاتھ رکھ لیا۔

”یہ کیا ہے؟ یہاں کتنے عرصے سے صفائی نہیں ہوئی پاشا؟“ وسامہ نے ناگواری سے کہا۔
”مجھے اس بارے میں پتا نہیں صاحب۔! آپ جانتے ہیں میں کل ہی شہر سے آیا ہوں۔“ اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”کبیر بابا کو بلاؤ۔“ وسامہ نے ملازموں کے سربراہ کا نام لیا جو پاشا کے والد بھی تھے۔
”وہ شہر گئے ہوئے ہیں۔ دو دن بعد ان کی واپسی ہے۔“ پاشا نے وسامہ کے ناپسندیدگی والے تاثرات دیکھ کر ذرا محتاط لہجے میں کہا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ صاحب کا موڈ خراب ہو چکا ہے اور حقیقت بھی یہی تھی۔ فلک بوس میں

رہائش اختیار کرنے کے بعد سے یہ جگہ وسامہ کی ذمہ داری تھی۔ اور اپنے تئیں وہ ذمہ داری بہ احسن مہیا بھی رہا تھا، لیکن صفائی کا ناقص انتظام دیکھ کر اسے سخت کوفت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وسامہ نے پاشا سے وہ جگہ صاف کروانے کے لیے کہا، ساتھ ہی اسے تاکید کی کہ جب تک وہ یہاں ہے صفائی سٹھرائی کے کاموں کی نگرانی کرے۔ پاشا نے اسے یقین دلایا کہ وہ ایسا ہی کرے گا۔ مری ہوئی گھریوں کو اٹھا کر باہر پھینک دیا تھا۔ قابل چھڑک کر تمہ خانے کا راستہ صاف کیا گیا اور تیز خوشبو وہاں چھڑکی گئی تاکہ وہاں وہاں سے گزرتے ہوئے ناگواری محسوس نہ ہو، لیکن اتنی اچھی خوشبو کے باوجود وسامہ کا موڈ ٹھیک نہ ہو سکا۔ آئے کتے نے اس بارے میں دریافت کیا تو وسامہ نے سارا قصہ من و عن اس کے گوش گزار کر دیا۔ ساری بات سن کر آئے کتے کو ناگواری محسوس ہوئی۔

”نہ۔“ اس نے برا سامنہ بنا کر کہا۔ ”میں بھی سوچ رہی تھی تمہ خانے کی طرف جاتے ہوئے اتنی گندی اسمبل کیوں آئی ہے۔“

”تم تمہ خانے میں گئی تھیں۔؟“

”ہرگز نہیں۔“ آئے کتے نے فوراً کہا۔ ”تم جانتے ہو میں کبھی وہاں اکیلی جانے کی غلطی نہیں کرتی، فلک بوس کے اس حصے میں عجیب سی وحشت ہوتی ہے مجھے۔“ اس نے جھرجھری لیتے ہوئے کہا تھا۔

وسامہ اس کے انداز پر ہنسا۔ ”ڈرپوک۔“

”ڈرپوک ہوں تو ڈرپوک ہی سی۔“ وہ کندھے اچکا کر لاپرواہی سے بولی۔ ”لیکن اکیلی تمہ خانہ تو کیا فلک بوس کے کسی حصے میں گھومنے کی ہمت نہیں کر سکتی میں۔“

”ارے ایسی کیا بات ہے یہاں؟“

”تجربہ پرانی عمارت ہے یہ اور بہت عرصہ غیر آباد بھی رہی ہے۔ سنا ہے ایسی جگہوں پر بھوت پریت تو ہیں، سیرا کرتی ہیں۔ اگر کسی روز کوئی جن میرے سامنے ہی آکر کھڑا ہو گیا تو میں تو ایک منٹ میں بے ہوش ہو جاؤں گی۔“

آئے کتے نے مزاحیہ سے انداز میں کہا تھا، لیکن وسامہ چونک سا گیا۔

اسے بے ساختہ بچپن میں سنی ہوئی اس ہندو عورت کی کہانیاں یاد آئی تھیں جسے ڈیڑھ سو سال پہلے فلک بوس کے تمہ خانے میں قتل کر دیا گیا تھا۔ قتل کا سبب اس عورت کے کروار کا دار ہونا تھا اور انوار مشہور تھی کہ اس عورت کی روح قلعہ فلک بوس میں بھٹکتی پھرتی ہے۔ گو کہ اس بات کا کوئی واضح ثبوت نہیں تھا، نہ ہی کسی نے اب تک اس عورت کو فلک بوس میں پھرتے دیکھا تھا۔ کچھ من گھڑت سی انواہیں تھیں جو مقامی آبادی کے لوگ ہمیشہ سے فلک بوس کے بارے میں سناتے رہے تھے۔

وسامہ کو ان انواہوں پر کبھی یقین نہیں آیا، اور اصل اس نے اس بارے میں سوچنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ زندگی میں ہم بہت ساری چیزوں اور باتوں پر اس وقت تک غور نہیں کرتے جب تک ان سے واسطہ نہیں پڑتا تو یہ بھی اس کے لیے ایک ایسی ہی بات تھی، لیکن وہ ان لوگوں میں سے تھا جو مرنے کے بعد ریحوں کے دنیا میں کسی نہ کسی وجہ سے رہ جانے کے فلسفے پر یقین رکھتا تھا۔

اس وقت اس نے سر جھٹک کر اس خیال کو دفع دفع کر دیا۔ کبیر بابا کی واپسی دو دن بعد ہوئی اور وسامہ کے باز پرس کرنے پر کبیر بابا نے کہا۔

”اس گندگی کی یہاں موجودگی حیران کن بات ہے، کیونکہ کوئٹہ جانے سے پہلے میں نے اپنی نگرانی میں صفائی کروائی تھی۔“ بابا کبیر نے الجھ کر اس جگہ کو دیکھا جہاں مری ہوئی گھریوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔

”ممکن ہے آپ اس حصے کو صاف کروانا بھول گئے ہوں۔“ وسامہ نے خیال ظاہر کیا۔

”مجھ سے ایسی کوتاہی سرزد نہیں ہو سکتی۔“ بابا کبیر نے کہا۔ ”میں ہر شے نیچے واہی سے لوگوں کو اجرت پر بلا کر

قلعے کی صفائی کروا تا ہوں۔ وہ سب میری پہچان کے لوگ ہیں، چونکہ انہیں دونوں کے حساب سے اجرت دی جاتی ہے تو ان کے کام کی نگرانی بھی میں کڑی کرتا ہوں۔ کوئی حصہ مجھ سے نظر انداز ہو جائے۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔“ انہوں نے پورے وثوق سے کہا تھا۔

”قلعہ اتنا بڑا ہے بابا۔ انہی پوشیدہ راستے اور راہ واریاں ہیں یہاں۔ ہو سکتا ہے آپ کی نظر جوک گئی ہو۔“ پاشا نے کہا۔

”پاشا ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ وسامہ نے پرسوج انداز میں کہا تھا۔ ”فلک بوس اتنا بڑا ہے کہ میں نے بھی کئی کمرے نہیں دیکھے بلکہ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا تیسری منزل کی طرف جانے کے چار راستے ہیں۔“ اب وہ تینوں ہی اچھے ہوئے نظر آنے لگے۔ پھاپاشا نے کہا۔

”بابا! جب تک میں یہاں ہوں صفائی کی نگرانی میں کروں گا۔“ اسے اپنے والد کی پریشانی کی فکر تھی سو اس نے اپنی خدمات پیش کر دیں پھر وسامہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”آپ بے فکر ہو جائیں سر! وہاں آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔“

”شکایت کی بات نہیں ہے۔ بس میں اپنے اور گروگنڈ کی برواشت نہیں کر سکتا۔“ وسامہ نے نرمی سے کہا۔ لیکن اس کے کنبے میں شرمندگی تھی۔ بابا کبیر معاویہ کے خاندان کے پرانے ملازمین میں سے تھے اور معاویہ بچپن سے ان سے بہت مانوس رہا تھا۔ آئے کت اور وسامہ کے فلک بوس شفٹ ہو جانے کے بعد معاویہ کی ایما پر بابا کبیر خدمت گزاروں کے لیے اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ یہاں آگئے تھے۔ پچھلے دو سال سے یہ چھوٹا سا خاندان ان کے ساتھ فلک بوس میں موجود تھا۔

وسامہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”اس لیے میں اس روز شیفے میں کچھ زیادہ بول گیا تھا جب کہ یہ مقامی بچوں کی شرارت بھی ہو سکتی ہے۔ چونکہ ارتار رہا تھا بہت شرمیلے بچے ہیں اس علاقے کے۔“

اب وہ تینوں باتیں کرتے ہوئے واپس مڑ گئے۔ ان کے پیچھے تہ خانے کی طرف جانے والے راستے کی راہداری کچھ دیر ان کے جوتوں اور باتوں کی آواز سے گونجتی رہی پھر وہاں سناٹا چھا گیا۔

اگلے دن سے فلک بوس کی صفائی ستھرائی کا کام مزید جانفشانی سے ہونے لگا اور وسامہ کے نزدیک بات ختم ہو گئی، لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ پریشان کن واقعات کا ایک سلسلہ تھا جو مری ہوئی گھریوں کے اس ڈھیر سے شروع ہو چکا تھا۔

لیکن مری ہوئی گھریوں کا ملنا ایسی کوئی انہونی بات نہیں تھی۔ فلک بوس سے چند کوس دور شام کا جنگل تھا۔ جنگل گھنٹا تھا اور وہاں پہاڑی جنگلی جانور بھی پائے جاتے تھے، لیکن وہ کوئی ایسے خونخوار جانور نہیں تھے کہ ان کے خوف سے انسان ڈر کر گھر میں دبک کر بیٹھا رہے یا جنگل کی طرف جانا ہی چھوڑ دے۔ ڈیڑھ سو سال پہلے جب فلک بوس کے اصل مالک نواب صاحب یہاں رہائش پذیر رہے ہوں گے ممکن ہے اس دور میں خونخوار جنگلی جانوروں کی وہشت پھیلی رہی ہو غالباً ”اسی لیے فلک بوس کے چاروں طرف لوہے کا مضبوط اور تقریباً ”وس فٹ اونچا“ جنگل لگا کر جنگلی جانوروں سے بچاؤ کے لیے پیش بندی کر دی گئی تھی۔ اس کے باوجود بدلتے موسموں خصوصاً برسات کے دنوں میں جنگلی چوہے اور گھریاں اندر کھس آتے تھے اور وافر مقدار میں خوراک نہ ملنے کے باعث یا کبھی یا ہرن نکل پانے کی وجہ سے اندر ہی دم توڑ دیتے تھے۔ اس لیے مری ہوئی گھریوں کا ملنا کوئی ایسی انہونی بات نہیں تھی۔“

انہونی ان گھریوں کے کٹے سر اور منہ تھے جو کم و بیش ایک ہی انداز میں کٹے ہوتے تھے۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ مرے ہوئے یہ چھوٹے جانور وسامہ کو ہی ملتے تھے۔ آئے کت اور فلک بوس کے چند ملازمین میں سے کبھی

کسی نے آکر مری ہوئی گلہری یا چوہے کے ملنے کی نشان دہی نہیں کی تھی۔

پہلے پہل وسامہ نظر انداز کرتا رہا، لیکن جب یہ واقعات بڑھے تو وسامہ چونک گیا۔ اب گلہریوں کے جسم گلے سڑنے نہیں ہوتے تھے بلکہ اکثر ان کے جسم پر خون بہہ بہہ کر خشک ہو چکا ہوتا تھا۔ وسامہ کا قیاس تھا ضرور فلک بوس میں کوئی جنگلی کتا یا بلی گھس آئی ہے اور درختوں پر پھد کتی گلہریوں پر ہاتھ صاف کرتی ہے۔

ایک روز وہ اور آئے کت لان میں چل قدمی کر رہے تھے۔ موسم خوشگوار تھا اور گھاس خوب چمک رہی تھی۔ جب آئے کت حج مار کر پیچھے ہٹی۔ وسامہ بری طرح چونکا۔ درخت کی کھوہ میں سرکٹی گلہری پڑی تھی اور کٹی ہوئی گردن سے برتا ہوا خون کچی مٹی میں جذب ہو چکا تھا۔

”ڈرو مت آئے کت! یہ ضرور کسی بلی کا کام ہے۔“ وسامہ نے ادھر ادھر اپنے اندازے کی درستی کے لیے نظریں دوڑائیں۔

اس وقت تک آئے کت کا ڈر کم ہو چکا تھا۔ اس نے فاصلے سے، لیکن بنور گلہری کو دیکھا۔

”میرا نہیں خیال۔۔۔ بلی کا کام ہوتا تو وہ یوں گلہری کو چھوڑ کر کبھی نہ بھاگتی۔ آخری ہڈی بھی بھینھوڑ کر رکھ دیتی۔ یہ تو ایسا لگ رہا ہے جیسے کسی درندے نے اپنی نفسیاتی تسکین کے لیے اس بے چاری گلہری کا سر کاٹا ہو۔“ وہ پر سوچ انداز میں بول رہی تھی۔

وسامہ کا دل ایک منٹ کے لیے بری طرح سٹکر کر پھیلا۔ اس نے اس بات کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ اب غور کرنے لگا تو آئے کت کی بات درست لگی۔

”اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گلہریوں کا قتل ایوہشتی کر رہی ہو۔“ پاشا آیوری کی پاڑھ کے پیچھے سے نکلا۔ وہ دونوں ابھی تک اس کی دہاں موجودگی سے ناواقف تھے۔

”تم یہاں کب آئے پاشا! ہم نے تمہیں نہیں دیکھا۔“ آئے کت نے کہا۔

”میں کچھلی کناری کی گوڑی کر رہا تھا۔ نیچے بیٹھا ہوا تھا اس لیے آپ کو نظر نہیں آیا۔“ پاشا نے مسکرا کر کہا ساتھ ہی ہاتھ میں پکڑی کھرنی ان کے سامنے کی۔ اس کے ہاتھ اور کھرنی مٹی میں لت پت تھے۔

”اور یہ تم کیا کہہ رہے تھے۔ گلہریوں کے بارے میں؟“

پاشا کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ آگئی۔ ”مذرت چاہتا ہوں کہ میں نے آپ لوگوں کی بات سن لی۔“

”کوئی بات نہیں۔“ وسامہ نے کہا۔ ”لیکن تم کیا کہہ رہے تھے؟“ اسے تجسس ہو رہا تھا۔

”میں کہہ رہا تھا ہو سکتا ہے ان گلہریوں کو ایوہشتی مار رہی ہو۔ سنا ہے اس کی روح فلک بوس میں کئی سالوں سے بھٹک رہی ہے۔“

”کیا کہہ رہے ہو تم؟“ آئے کت کو اس کی بات کا اعتبار نہیں آیا تھا اسی لیے اس نے پاشا کی بات کو مذاق میں لیا۔ دونوں میں سے کسی نے وسامہ کی طرف نہیں دیکھا تھا جس کا چہرہ پیکا پڑنے لگا تھا۔

”اس کی باتوں پر دھیان نہ دیں۔۔۔ الٹا سیدھا بولنے کی عادت ہے اسے۔“ بابا کبیر کہیں سے برآمد ہوئے اور کہا۔ لیکن ساتھ پاشا کو غضب ناک نظروں سے گھورا۔ پاشا سٹپٹا گیا۔

”کہانی دلچسپ لگ رہی ہے۔۔۔ مجھے سننے تو دو۔“ آئے کت نے بابا کبیر سے کہا۔

”تمہیں ہر انہی بات میں دلچسپی ہوتی ہے۔“ اچانک وسامہ نے کہا۔ اس کے انداز میں سنجیدگی تھی۔ ”مچلو اندر چلے ہیں۔۔۔ کبیر! مجھے دوبارہ کوئی مرا ہوا جانور یہاں نظر نہیں آنا چاہیے۔“ وہ اندر کی طرف مڑ گیا، کسی نے بھی محسوس نہیں کیا کہ وسامہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ ہو چکا ہے۔

جس وقت وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے برآمدے تک پہنچے گلان میں کھڑے پاشا کو بابا کبیر سے ڈانٹ پڑ رہی تھی۔

آئے کت نے دور سے ان دونوں کو دیکھا پھر وسامہ سے کہا۔

”اس میں اتنا ناراض ہونے کی کیا بات ہے۔ مجھے اس عورت کے بارے میں اور جانتا تھا۔“ اس نے زور سے کہا تھا۔

”ہر چیز کے بارے میں جانتا ضروری نہیں ہوتا۔“ وسامہ نے ناراضی سے کہا۔ ”تم اپنے کام سے کام رکھنا سیکھو۔“

وہ اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا، لیکن وہ نہیں جانتا تھا آئے کت کے دل میں تجسس بیدار ہو چکا ہے۔ وہ دن بعد وہ نیچے واوی میں گھومنے پھرنے گئی اور واپس آئی تو سنی سنائی کہانیوں کا ایک ادب تھا اس کے پاس۔

”یہاں تو ایو شمٹی بہت مشہور ہے۔ تم نے بتایا ہی نہیں مجھے“ وہ اپنی برساتی اتارنے ہوئے پر جوش لہجے میں بولی۔

آج بارش کا دن تھا۔ وقفے وقفے سے کئی بار بارش برستی اور رکتی رہی۔ ابھی بھی کن من جاری تھی اور ٹھنڈی ہوا میں کھڑکیوں سے گھرارہی تھیں۔

”یہ کس نے کہا تمہیں؟“ وسامہ نے پوچھا۔

”نیچے واوی میں اکثر لوگ کہہ رہے تھے کہ انہوں نے اکثر رات کے اندھیرے میں ایو شمٹی کی روح کو فلک بوس میں گھومتے پھرتے دیکھا ہے۔ تمہیں دلچسپ بات بتاؤں۔ واوی میں تو ایسی ایسی باتیں مشہور ہیں کہ لوگ ڈر کے مارے شام کے بعد فلک بوس کے سامنے والی سڑک سے بھی نہیں گزرتے۔ اور ایک لڑکا ہے سرخرو نام ہے اس کا۔ ایک رات اسے فلک بوس کے سامنے سے گزرنا پڑا تو ایو شمٹی کی روح نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔ اس بے چارے کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے۔ آئے کت اسے بتاتی چلی گئی۔

”سنی سنائی باتیں ہیں ساری۔ ورنہ ان میں کوئی حقیقت نہیں۔“ وسامہ نے اپنے دل کے ڈر پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اس کے سامنے ایک عورت تھی اور عورتیں فطری طور پر زیادہ ڈر پوک ہوتی ہیں۔ وسامہ نہیں چاہتا تھا کہ آئے کت ڈر جائے کیوں کہ اس صورت میں ان دونوں کو فلک بوس سے جانا پڑنا اور وسامہ اسے کہیں اور لے کر نہیں جاسکتا تھا۔

”میں نہیں مانتی۔“ آئے کت نے کہا۔

”تمہارے ماننے نہ ماننے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم اتنے مہینوں سے یہاں رہ رہے ہیں۔ ہمیں تو کبھی ایو شمٹی نظر نہیں آئی۔“

”ہو سکتا ہے وہ ہمیں متوجہ کرنے کے لیے گھریوں اور جیہوں کے سرکٹ کر پھینکتی ہو۔“

”کیسی بےوقوفی کی باتیں کر رہی ہو؟“

”اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آج کل وہ سامنے نہ آتی ہو۔“ آئے کت پر سوچ انداز میں کہہ رہی تھی۔ ”ایک عورت بتا رہی تھی ایو شمٹی صرف غیر آبادوں میں نظر آتی ہے۔ یعنی جب کوئی یہاں رہائش پذیر نہ ہو تب ہی آزادی سے گھومتی پھرتی ہے۔“

”کچھ عجیب سی روح نہیں ہے جسے اپنا دیدار کروانے کے لیے تمہاری کی ضرورت ہوتی ہے۔“

”وسامہ! مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم ڈر رہے ہو؟“ آئے کت نے شرارت سے اسے دیکھا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ وسامہ نے نظریں جرات سے ہوائے کہا۔

”آر لو شیور؟“ وہ شرارت سے ہاز نہیں آرہی تھی۔

”مجھے شک مت کرو آئے کت! مجھے آج یہ ڈرافٹ پورا کرنا ہے۔“ اس نے زور سے کہا۔

لیکن جواب میں آئے کت زور سے ہنس پڑی۔ اسے پہلی بار ہتھ چلا دوسرا ایسی باتوں سے خوف کھاتا ہے اور یہ بڑی دلچسپ بات تھی۔ اسے دوسرا کو چڑانے کا ایک بہانہ مل گیا تھا۔



دربار پر معمول کا رش تھا۔

فریحہ کی امی اور بہن نے پھولوں کی دکان سے پھول اور چادر خریدی۔ نیاز کا سامان خریدتا تب تک فریحہ اور خوش نصیب نے بیروں سے دوپٹوں کے پلو بھر لیے۔ فاتحہ اور چادر چڑھانے کے بعد وہ سب واپس مزار کے احاطے میں آئیں جہاں کئی فقیر سادھوؤں کا ساحلیہ بنائے بیٹھے تھے۔ ایک باباجی کے آگے کئی کئی زائرین جمع تھے۔ اماں اور ثمرین بھی قطار میں لگ گئیں۔ پیچھے فریحہ اور خوش نصیب تھیں۔ پیر کھانے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ سب ملے کر نامشکل تھا وہ بول زیادہ رفتار سے رہی ہیں یا کھا زیادہ تیز رہی ہیں۔

”خوش نصیب! تم تعویذ لکھوانے آئی ہو؟“ اماں نے مڑ کر پوچھا۔

”توبہ کریں خالہ جان! میری امی بہت براماتی ہیں ان باتوں کا۔“

”ہاں تمہاری ماں اور مزاج کی ہے۔ ورنہ تمہاری مائی چچی تو بہت سانتی ہیں ان باباجی کو۔“

”ہاں جی۔ پتا ہے مجھے۔“ اس کا دھیان بیروں کی طرف تھا۔

”اے میں تو کہتی ہوں تعویذ نہ سہی۔ دعا ہی کروالو۔ بڑی تاثیر والی دعا ہے باباجی کی۔“ فریحہ کی امی ایسی اعلا

پیشی کر رہی تھیں مذکورہ باباجی کی کہ کوئی بھی ہوتا دعا کروانے پر مجبور ہو جاتا۔

خوش نصیب نے ہاں میں جواب دیا نہ ناں ہی کی۔ صرف باباجی کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ اسی اثنا میں ان کی باری

آئی۔ فریحہ کی امی اور ثمرین باباجی کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر منڈیانہ ان کے سامنے بیٹھ گئیں۔ فریحہ نے بھی گھٹنوں

کو ہاتھ لگا کر سلام کیا۔ پھر خوش نصیب کے ساتھ پیچھے ہو کر کھڑی ہو گئی۔

”تم سلام نہیں کرو گی؟“

”کیا تو ہے۔“

”چچے۔ گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر وناں۔ ورنہ باباجی برامان جاتے ہیں۔“ فریحہ نے آواز دیا کر کہا۔

”مانتے ہیں تو مانیں۔“ خوش نصیب نے باباجی کو دیکھتے ہوئے ناک چڑھا کر اور آواز دیا کر کہا۔ ”میری روشن امی

کہتا چلا کہ میں نے کسی کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر سلام کیا ہے تو وہ میرے ہی گھٹنے کاٹ دیں گی۔“ پھر اور فریحہ کے

کان میں گھس کر بولی۔

”مشکل سے لگتی نہیں ہیں۔ لیکن بڑی جلا و صفت ہیں۔ مجھے اور ماہ نور کو انہوں نے ایسے پالا ہے کہ کیا ہلا کو خان

نے اپنے بچپالے ہوں گے۔“

”چھاسر تو ڈھک لو۔“ فریحہ نے پھر کہا اس کا خون نہ جانے کیوں خشک ہوا جا رہا تھا۔

”یہ پلو میں بیرو ڈالے ہوئے ہیں ناں۔ ان کے وزن سے دوپٹہ ٹک نہیں رہا۔“ اس نے عذر دیا۔

”ایسے نہ کرو خوش نصیب! باباجی برامان جاتے ہیں۔“ اس نے بے چارگی سے کہا۔

”ارے کمال ہے۔ بڑے نازک مزاج باباجی ہیں۔ ہر بات پر برامان جاتے ہیں۔“ اس نے کس کے دوپٹہ اوڑھ

لیا۔

ثمرین رو رو کر باباجی کو اپنی غم کی داستان سنارہی تھی۔

”میری ساس اور مندریں بڑی سخت مزاج کی ہیں۔ ابھی تو رخصتی بھی نہیں ہوئی اور انہوں نے میرے شوہر کو

میرے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا ہے۔ ہائے باباجی! (یہ لمبی دہائی تھی اور دناک) ایسے ہی حالات رہے تو ”وہ“ مجھے اپنے ساتھ دعویٰ لے کر نہیں جائیں گے۔“ اسے بڑا روٹا آ رہا تھا۔

فریحہ نے افسردگی سے خوش نصیب کو دیکھا۔

”ثمرین کا مسئلہ بہت بڑا ہے۔ آج کل سارا وقت روتی رہتی ہے۔ اگر باباجی کو کوئی بات بری لگ گئی تو ہرگز تعویذ لکھ کر نہیں دیں گے اور تعویذ نہ ملا تو ثمرین کے مسئلے کبھی حل نہیں ہوں گے۔“ وہ خود بھی اتنی افسردہ لگ رہی تھی کہ خوش نصیب نے مزید کس کر دوپٹہ لے لیا۔

”اللہ یہ بھروسہ رکھو فریحہ! میری روشن امی کہتی ہیں یہ سب کمزور ایمان کی باتیں ہوتی ہیں۔“

”چھاپلیز۔ تم اپنا درس یہاں مت شروع کرو۔“ فریحہ نے اسے — ٹوک دیا۔ خوش نصیب کے لیے خاموش رہنا دنیا کا سب سے مشکل کام تھا لیکن اس وقت خاموش رہنا مجبوری بھی تھی سولہ پر پتھر رکھ کر چپ ہو رہی۔ لیکن اب اس نے باباجی کو غور سے دیکھا۔ انہوں نے ہرے رنگ کا ایک لمبا اور بے انتہا میلا سا چنہ پہن رکھا تھا، سر پر جتنے کا ہم رنگ اور اتنا ہی میلا ایک روال باندھا ہوا تھا جس کے اطراف سے گندے میلے بالوں کی ٹیٹیں نکل رہی تھیں۔ موٹی موٹی ٹیٹیں اس قدر آپس میں چپکی ہوئی تھیں کہ لگتا تھا دونوں سے ان بالوں کو پانی نصیب نہیں ہوا۔ صرف بال ہی نہیں چہو بھی گندہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں من من سرے کی لگیں کھینچ رکھی تھیں۔

خوش نصیب سمجھنے سے قاصر تھی اتنے میلے آدمی سے ثمرین اور اس کی اماں کو اتنی عقیدت کیوں محسوس ہو رہی ہے۔ جبکہ باباجی کے چہرے پر کوئی ایسا نور بھی نہیں ٹپک رہا تھا جو ان کی روحانیت کا ثبوت ہی دے دیتا۔ اسی وقت باباجی نے دائیں ہاتھ سے میلے ترین صندوق سے ایک پڑیا نکالی۔ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور پڑیا پر پھونک کر ثمرین کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ نمک ہر کسی چیز میں ملا کر اپنی ساس کو کھلاؤ۔“ آواز گھٹی ہوئی جسے اپنی طرف سے اور گھمبیر بنانے کے چکروں میں اور عجیب سا کر دیا تھا۔

پھر دوسری پڑیا اٹھائی یہ پھیلی والی سے وزن اور سائز میں بڑی تھی اسے کھولا اندر چینی تھی۔ باباجی نے اس پر بھی کچھ پڑھ کر پھونکا تھوڑی سی چینی اٹھا کر منہ میں ڈالی۔ اگلے ہی لمحے باباجی پڑیا پر جھکے اور منہ سے ساری چینی پڑیا میں باقی ماندہ چینی پر اگل دی۔

”یہ شکر اپنی نندوں کو کھلانا۔ ساری زندگی بری نظر سے تمہیں نہیں دیکھیں گی۔“ خوش نصیب کا دل بری طرح متلایا۔ خود کو ابکانی لینے سے روکنے کے لیے اس نے دونوں ہاتھ ہونٹوں پر سختی سے رکھ لیے۔ دوپٹے کے پلو میں جمع کیے ہوئے سارے پیراس کے بیروں میں بکھر گئے۔ ارد گرد کھڑے سب ہی لوگ حتیٰ کہ باباجی بھی اس کی طرف دیکھنے لگے۔ خوش نصیب پٹٹا کر ہار بھاگی۔ فریحہ حواس باختہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کیا کرے تو خود بھی اس کے پیچھے دوڑ گئی۔ مجمع میں چہ گوئیاں شروع ہو گئیں۔

باباجی نے بغور صورت حال کا جائزہ لیا تھا۔ ایک گھمبیری ”ہوں“ کی آواز نکالی اور فریحہ کی اماں کی طرف جھک کر قدرے رازداری سے بولے۔

”لڑکی کے دل پر گہری چوٹ آئی ہے اس سے پہلے کہ غم سے مدد حال ہو کر یہ خود کشی کر لے۔ کسی وقت اس کو لے کر آنا میرے پاس۔“

مزار کے پار ہیری کے درخت تلے خوش نصیب بے زاری بیٹھی تھی۔ اتنی بری طرح دل متلایا تھا کہ طبیعت کا ستیا پاس ہی ہو گیا۔

فریجہ بوکھلائی بوکھلائی سی دوڑی چلی آئی۔

”ف خوش نصیب! یہ تمہارے کیا کیا؟ اب اگر باباجی ناراض ہو گئے تو؟“ وہ سخت پریشان تھی۔

”ارے ہوتے ہیں تو ہو جائیں ناراض۔“ وہ پھاڑ کھانے کو دوڑی۔ ”گندے کمارے غلط باباجی۔“

”آواز آہستہ رکھو۔ کسی نے سن لیا تو اور مصیبت ہو جائے گی۔“ اس نے چاری کی روح فنا ہو رہی تھی۔

”تمہیں بتایا تو ہے شمرین کے مسائل بہت ہیں۔ اس کی ساس نندیں گھور گھور کر دیکھتی ہیں شمرین کو۔“

”بس۔ خاموش۔“ اس نے ڈپٹ کر فریجہ کو لوٹنے سے روک دیا۔ ”تمہارے ان باباجی کے نمک چینوں سے

کچھ نہیں ہوتا۔ شمرین سے کہو مٹھی بھر سرخ مرچیں جا کر ان کی آنکھوں میں ڈال دے۔ آنکھیں بچیں گی تو اسے

گھو گھور کر دیکھیں گی۔ ہونہ۔ آئیں بڑی۔ باباجی سے تعویذ لینے والی۔ اس سے تو اچھا تھا شمرین میرے پاس آگئی

ہوتی۔ ساس نندوں سے نمٹنے کے ایک سوا ایک طریقے بتا دیتی کہ سے کم یہ گندی چینی تو نہ دیکھنے کو ملتی۔ اونہ۔“

جھنجھلاہٹ اور ناراضی سے اس کا برا حال ہو گیا تھا۔



آئے کت اب اکثر ایو شمتی کا ذکر کر کے وسامہ کو چلانے لگی۔ وہ ہر دوسرے دن ایو شمتی کا کوئی قصہ وادی

سے سن کر آتی اور مزے۔ لے لے کر وسامہ کو سناتی۔ ایسا کرتے ہوئے اسے ہرگز احساس نہیں تھا مذاق میں کی

جانے والی یہ باتیں آنے والے دنوں میں اس کے اور وسامہ کے لیے کتنا بڑا خطرہ بننے والی ہیں۔ اگر اس کی چھٹی

خس کوئی اشارہ دے دیتی تو یقیناً ”وہ یہ ذکر کرنا چھوڑ دیتی۔“

چند روز یہ مذاق چلتا رہا پھر اس کا لطف دم توڑ گیا۔ ان ہی دنوں معاویہ نے آئے کت کے لیے سویٹر بننے کی

مشین بھجوا دی۔ آئے کت تنگ کا بہت بہترین کام جانتی تھی یہ کام اس نے اپنی مرحوم ترکہاں سے سیکھا تھا۔

جب سے وسامہ کا ایک سیلنٹ ہوا تھا اور وہ دونوں معاشی اعتبار سے زبوں حالی کا شکار ہوئے تھے آئے کت اپنے

اس ہنر کے ذریعے پیسہ کمانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ بد قسمتی سے ان دنوں کے پاس اتنے روپے بھی نہیں تھے کہ وہ

کوئی چھوٹی موٹی استعمال شدہ تنگ مشین خرید لیں۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی معاویہ ان کے کام آیا تھا اور اس

نے مشین آون اور ضرورت کا دیگر سامان بھجوا دیا تھا۔

آئے کت اور وسامہ دونوں ہی معاویہ کے بے حد مشکور ممنون ہوئے۔ جس نے پرے وقت میں ان کا ساتھ دیا

تھا۔ وسامہ کے لیے وہ سگے بھائی سے بڑھ کر دوا کا ثابت ہو رہا تھا۔ آئے کت مشین کے آتے ہی پہلے دن سے کام

میں جت لگتی۔ وہ کم وقت میں زیادہ ڈیزائن تیار کرنا چاہتی تھی تاکہ جلد از جلد کوئی ڈیلر تلاش کیا جاسکے اور اس کے

بنائے ہوئے ڈیزائنیز کو فروخت کے لیے مارکیٹ میں بھیجا جاسکے۔ اپنی مہارت کی بنا پر وہ پریشین تھی کہ یہ کام وہ

جلد ہی کر لے گی۔ معاویہ سے اس بارے میں اس کی بہت تفصیل سے بات چیت ہوئی تھی اور معاویہ نے اسے

پیشین دلا یا تھا کہ اس کا لیجر بہت جلد آئے کت کے اس چھوٹے سے کاروبار کے لیے ڈیلرز ڈھونڈ دے گا۔ معاویہ کی

پیشین دہانی کے بعد سے وسامہ اور آئے کت بہت پریشین ہو گئے تھے۔

آئے کت کے مصروف ہونے سے قبل ہی مری ہوئی گلہریوں کے ملنے میں کمی آگئی تھی لیکن وسامہ کے دل

میں خدشہ سا بیٹھ گیا تھا وہ ہر دوسرے دن پورے قلب بوس کا ایک چکر ضرور لگاتا تھا۔ اس کی راہداریوں میں گھومتا

پھر تاکروں میں جھانکتا تھا۔ لیکن لاشعوری طور پر اس نے گھومنا پھرنا کم کر دیا۔ اس نے کبھی کسی سے کہا نہیں لیکن

بچپن میں سنے اور بڑھے ہوئے جن بھوتوں کے قصے کہانیاں اس کے ذہن و دل پر ایسا گہرا تاثر چھوڑ چکی تھیں کہ

ان کا اثر ستائیس سال کی عمر میں بھی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ مرے پر سوورے یہاں ایک اصلی روح کا

READING
Section

ذکر ہو رہا تھا جس کے بارے میں وادی کے چند لوگوں کا دعویٰ تھا وہ اسے دیکھ چکے ہیں۔ وہ اپنے ڈر کا ذکر بھی کسی سے نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس صورت میں اسے بزدل سمجھا جائے لگتا اور یہ بات اس کی مردانگی کو ہرگز گوارا نہ تھی۔ اس نے اپنے دل میں بیٹھے اس ڈر کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن ہر دوسرے تیسرے روز کچھ نہ کچھ ایسا ہونے لگا کہ ڈر کم ہونے کے بجائے بڑھتا چلا گیا۔



کیف نے دور سے دیکھا۔ خوش نصیب میری بیوی کے مزار کے پاس ہر درخت کے نیچے جھنجھلائی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس کے لبوں سے سکون کی ایک سانس برآمد ہوئی۔ اسے دیکھ کر سر سے مانو ایک بوجھ سا ہٹ گیا تھا۔ اب وہ سکون سے اس کی طرف بڑھا۔

اسی اثنا میں فریحہ کی نظر اس پر پڑی اس نے کیف سے بھی زیادہ سکون کی سانس لی۔
 ”شکر ہے کیف! تم آگے سنبھالو اس مصیبت کو۔ ہر ایک کے بننے کام ہکا ڈوبتی ہے۔“ وہ بھی جھنجھلا گئی تھی کہہ کر اندر چلی گئی۔ خوش نصیب نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
 ”تم کب آئے؟“ وہ حیران ہوئی۔

کیف نے جواب دینے کے بجائے ناراضی سے اسے دیکھا۔
 ”کہاں تھیں تم؟“

”یہیں تھی۔ میں نے کہاں جانا ہے؟“ وہ منہ بنا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔
 ”تمہیں ذرا بھی اندازہ ہے کتنے گھنٹوں سے گھر سے نکل ہوئی ہو تم۔ روشن چچی اور ماہ نور کتا پریشان ہیں تمہارے لیے۔ ان دونوں کا کیا تصور ہے کہ کبھی نانی کے لیے پریشان ہوں تو کبھی تمہارے لیے۔“ وہ بہت سنجیدہ اور ناراض لگ رہا تھا۔

خوش نصیب نے نظریں بھی نہیں ملائیں ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ اپنی حرکت پر شرمندہ تھی۔
 ”اب کیا ساری رات یہیں گزارنی ہے؟“ کیف نے اس بار غصے سے کہا تھا۔ ”انٹھو۔ گھر چلو۔“ ڈیپٹ کر بولا۔
 ”مجھ سے چلا نہیں جائے گا۔“ خوش نصیب نے زور سے پن سے کہا۔

”گود میں اٹھا کر نہیں لے جاؤں گا میں۔“ کیف نے صفا چٹہ جواب دے دیا۔ ”اپنا وزن دیکھو اور میری صحت دیکھو۔ محبت اپنی جگہ لیکن خود پر ظلم نہیں کر سکتائیں۔“ یہ آخری جملہ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا تھا۔
 خوش نصیب نے بد مزہ ہو کر اسے دیکھا۔

”اوہو۔ یہ مطلب نہیں تھا میرا۔“ وہ خود شرمندہ ہو گئی۔ ”پہلے بوتل پلاؤ۔ دل گھبرا رہا ہے میرا۔ ایک قدم بھی نہیں اٹھایا جائے گا۔“

کیف نے دیکھا اس کی رنگت واقعی زرد ہو رہی تھی۔ وہ جا کر قریبی بیکری سے کولڈ ڈرنک لے آیا۔ ڈسکن کھول کر اسے دیا۔ وہ غناغٹ آدمی بوتل چڑھا گئی۔

”ہائے شکر یہ کیف! ایمان سے اس وقت اتنے اچھے لگ رہے ہو کہ کیا پتاؤں۔ کولڈ ڈرنک کی بہت ضرورت تھی مجھے۔“

وہ کسی بھی وقت کچھ بھی بول رہتی تھی اس کی ذہنی حالت پر شک کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن کیف حیران ہو رہا تھا۔

”ہوا کیا ہے تمہیں؟“

”بس کچھ نہ پوچھو میری طبیعت پہلے ہی بہت خراب ہو رہی ہے۔“ اس نے ناک چڑھائی بدل دو بارہ حنزلے لگا تھا سو جلدی سے وہ گھونٹ مزید بھر لیے۔

کیف اسے دیکھتا رہا پھر گہری سانس بھر کر اس کے ساتھ ہی درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔
 مزار پر لوگوں کا آنا جانا گارم تھا سو اس طرح کسی کا بیٹھنے رہنا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔
 ”تم واپس کیوں آگے؟“ اس نے دوبارہ سوال کیا اور کولڈ ڈرنک کی بوتل اس کی طرف بڑھادی۔
 ”کیونکہ میں جانتا تھا۔ تمہیں میری ضرورت ہے۔“ اس نے بوتل منہ سے لگالی۔

خوش نصیب خاموش ہی رہی۔
 کیف نے دو تین بڑے بڑے گھونٹ بھر کر ڈھکن بند کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔
 ”اتنی چھوٹی سی بات کا اتنا غصہ؟“ سوال تھا یا غیر معمولی رویے کی نشاندہی۔ جو بھی تھا بس یہ تھا کہ اس کے لہجے میں اپنائیت تھی۔
 خوش نصیب کی ناراضی بھی ماند پڑنے لگی۔

”یہ چھوٹی بات نہیں ہے۔“ اس نے زور دے کر لیکن دھیمے لہجے میں کہا۔ ”پورے پورشن کے نام پر وہ ایک بڑا کمرہ ہی تھا ہمارے پاس۔ وہ بھی لفضیلہ چچی کے مہمان کے لیے خالی کر دیا گیا۔ سب مل کر زیادتی پر زیادتی کر رہے ہیں ہمارے ساتھ۔“

کیف کچھ دیر خاموش ہی رہا خوش نصیب کی بات غلط نہیں تھی۔
 ”تم اوپر کے کمرے میں نہیں رہنا چاہتیں؟“ اس نے پوچھا۔

”میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟“ اس نے طنز سے ہنس کر کہا۔ ”ہو گا تو وہی جو باقی سب نے سہلہ کر چکے ہیں مجھے یقین ہے اب تک تو روشن امی اور ماہ نور نے وہ کمرہ صاف کر کے ہمارا سامان وہاں پہنچا بھی دیا ہو گا۔“
 کیف کو اس بار بھی خاموش رہنا پڑا کیونکہ خوش نصیب کا اندازہ غلط نہیں تھا۔

وہ کہناں گھنٹوں پر نکائے آگے گوجھک کر بیٹھا ہوا تھا اور کولڈ ڈرنک کی بوتل کو دونوں ہاتھوں میں سمٹا رہا تھا۔
 ”تم ایسا کرو میرے کمرے میں شفٹ ہو جاؤ۔“ کچھ دیر سوچنے کے بعد کیف نے کہا۔ ”چار لوگوں کے حساب سے وہ تھوڑا چھوٹا کمرہ ہے لیکن کسی طرح ایڈجسٹ کر لیا۔ کم سے کم اوپر والے کمرے سے تو کہیں بہتر ہو گا۔“
 خوش نصیب نے جھٹکے سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ”اور تم؟“

”میں تو پہلے ہی یہاں کم رہتا ہوں۔ فاسٹل پراجیکٹ کے سلسلے میں اگلے دو مہینے آنا اور بھی مشکل ہو گا۔ اور دو مہینے بعد تو لفضیلہ چچی کا مہمان چلانی جائے گا۔“

خوش نصیب کو یہ آئیڈیا مناسب لگا وہ غور کرنے لگی۔
 ”لیکن۔“ کن آنکھوں سے کیف کو دیکھا۔ ”لیکن یہ تو نہیں ہو سکتا کہ تم دو مہینے گھر ہی نہ آؤ۔ اور جب آؤ گے تو کہیں نہ کہیں تو رہنا ہو گا۔“

”یار، خوش نصیب اپورا گھر میرا ہے۔ کسی کمرے میں رہ لوں گا۔“ اس نے قدرے صبر سے کہا تھا۔
 خوش نصیب کو بے ساختہ اس پر رشک آیا۔ کتنا برا اعتماد تھا وہ۔ کیسے حق سے کہہ رہا تھا کہ کسی بھی کمرے میں رہ لے گا۔ جب کہ وہ کبھی ایسا نہیں کہہ سکتی تھی۔ فضل منزل میں رہتے ہوئے کبھی اسے اور ماہ نور کو اتنا اختیار دیا ہی نہیں گیا تھا کہ وہ حق چلتا تھی۔

کیف اپنی دھن میں بولتا چلا جا رہا تھا۔

”اور یہ کوئی اتنی بڑی بات بھی نہیں ہے۔ کہیں اور جگہ نہ ملی تو لفضیلہ چچی کے کمرے میں میٹرس ڈال لوں گا۔“

”ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔“ خوش نصیب نے پر سورج انداز میں کہا اب وہ پر سکون نظر آ رہی تھی۔

”اب مسئلہ حل ہو گیا تو گھر چلیں؟“ کیف نے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

”لیکن۔۔۔ روشن امی نہیں مانیں گی کیف۔“ اس سے پھر اوس نے گھیر لیا۔

کیف نے بے ساختہ اپنی ہتھیلی پویشانی پر ماری۔ ”میں میں منالوں گا۔ فی الحال تم تو گھر چلو۔ کسی کو نہیں ہتا تم

گھر سے غائب ہو۔ روشن چچی نے رازداری سے مجھے بھیجا ہے۔“

”اوہاں۔ چلو چلو۔“ اس نے کھڑے ہو کر جلدی جلدی پاؤں میں سلپرز ڈالنے اور اس کے ساتھ چل دی۔

”ویسے ایک بات ہے کیف۔“ اچانک پھر سے کچھ یاد آیا تو کھم سی گئی۔

کیف جھنجھلا کر مڑا۔ ”اب کیا ہے؟“

”تم اتنے ”برے“ نہیں ہو جتنے شکل سے لگتے ہو۔“ ایسے کہا جیسے بڑی پتے کی بات بتائی ہو اور وہ بھی بتا کسی

شرمندگی کے۔

کیف نے اسے گھو کر دیکھا پھر زیر لب مسکرایا اور بولا۔ ”اور تم بھی اتنی ”چھی“ نہیں ہو جتنی شکل سے لگتی

ہو۔“

خوش نصیب کو زور سے ہنسی آئی سو وہ دل کھول کر اور اپنی ہتھیلی پر ہاتھ مار کر ہنسی۔ کیف کی مسکراہٹ گہری

ہنسی میں ڈھل گئی۔

یوں حساب برابر ہوا اور دونوں اچھے بچوں کی طرح گھر کی طرف چل دیے۔



بشام کا موسم زیادہ تر سرد رہتا تھا لیکن راتیں بہت بخیر بستہ ہوتی تھیں۔ ہر دو سرے تیسرے روز بارش ہو جاتی۔

تیز ہواؤں کا طوفان پہاڑوں سے سر کلراتا پھرتا۔ صبح سورج لٹکا پانی سے خالی باقی ماندہ بادل سورج کی تپش سے

پھیل جاتے اور چمکتی دھوپ چنار کے درختوں کے پتوں کو اور بھی سرسبز شاداب کر دیتی۔

اس رات بھی طوفان آیا۔ آسمان پر بجلی کے کوڑے برس رہے تھے اور تیز ہوا میں درود یوار سے سر کلراتی

پھرتی تھیں۔ وسامہ نے پردہ ہٹا کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔ طوفان کے شور سے لبریز پر اسرار رات فلک بوس کے

والان میں اتر آئی تھی۔ اس نے پردہ برابر کر دیا اور پی وی دیکھنے کے ارادے سے دوسری سمت نہ بڑھا۔ لیکن ابھی

اس نے وہی قدم بڑھائے تھے کہ کھڑکی پر دستک ہوئی۔ وسامہ چونک کر پلٹا اور کھڑکی کا پردہ ہٹا دیا۔ اگلے ہی لمحے

بری طرح حیران ہوا۔ باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے ذرا آگے ہو کر بند شیشے سے ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کی۔

اسے اب بھی کوئی دکھائی نہیں دیا۔

اس نے پردہ برابر کیا اور واپس ہوا اس بار پھر اس کے پلٹتے ہی شیشے پر دستک ہونے لگی۔

وسامہ کے روکنے کھڑے ہو گئے۔ اس میں ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اس بار وہ پردہ ہٹائے۔ لیکن دستک بدستی

جاری تھی۔ وسامہ نے ہمت جمع کی اور کانپتے ہاتھوں کے ساتھ پردہ سر کلایا۔ پردہ ہٹتے ہی دستک بند ہو گئی۔ صرف

یہی نہیں باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ وسامہ کا دل بری طرح دہشت زدہ ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب

کیا ہو رہا ہے۔ باہر بارش شروع ہو چکی تھی اور تیز ہوا پڑ پڑوں سے سرخ رہی تھی۔ وسامہ کا ایک ہاتھ ابھی تک

پردے کو پکڑے ہوئے تھا اور جوں ہی پیچھے ہٹنے لگا بند شیشے کے دوسری طرف ایک دم سے پاشا سامنے آ گیا۔ یہ

سب اتنا غیر متوقع اور اچانک ہوا تھا کہ وسامہ بری طرح دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔ اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑک

رہا تھا کہ لٹکا تھا ابھی سینے سے باہر آ جائے گا۔

دل کی دھڑکن کو نارمل ہونے میں چند لمحے لگے پاشا باہر زور زور سے کچھ بول رہا تھا شیشہ بند ہونے کی وجہ سے آواز نہیں آرہی تھی۔ وسامہ کو اس پر غصہ آیا اس نے جا کر دروازہ کھول دیا۔ پاشا کھڑکی کے پاس سے گھوم کر دروازے کی طرف آگیا تو وسامہ نے ناراضی سے کہا۔

”یہ کیا بد تمیزی ہے؟ تم کچھ بول رہا ہر بار کھڑکی بجا رہے تھے؟“ اس نے غصے سے کہا۔
پاشا برآمدے سے آیا تھا لیکن تیز ہوائے ہارش کی بو چھاڑتے اس کو بھی بھگوانا تھا۔ وہ اندر آکر جلدی جلدی اپنے کپڑے چھانڈ رہا تھا۔ اس سوال پر ہونق سائین کو وسامہ کو دیکھنے لگا۔

”میں نے کھڑکی نہیں بجائی۔“ اس نے کہا۔
”جھوٹ مت بولو۔ تم مجھے ڈرانا چاہتے تھے۔“ وسامہ نے جارحانہ انداز میں کہا۔
دوسری جانب پاشا بری طرح سٹپٹا گیا۔

”نن۔ نہیں صاحب! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پاپا نے مجھے آپ کے بیڈ روم کی کھڑکی کی چوکھٹ کی لکڑی درست کرنے بھیجا تھا۔ میں آیا تو آپ کھڑکی کے پاس کھڑے تھے۔ اس لیے میں سیدھا کھڑکی کی طرف آگیا۔ میں قسم کھاتا ہوں میں نے دستک نہیں دی۔ میں تو ابھی آیا ہوں۔“ وہ وضاحتیں دینے لگا۔

”جاؤ جا کر لکڑی ٹھیک کرو۔“ وسامہ کو پاشا کی باتوں پر اعتبار نہیں تھا سو اس نے ناراضی سے کہا۔
”اور سنو۔“ پاشا نے جوں ہی قدم بڑھائے تو وسامہ نے کہا۔ پاشا رک کر اسے دیکھنے لگا۔
”لکڑی ٹھیک کر کے اسی راستے سے واپس جانا۔ میں یہیں بیٹھا ہوا ہوں۔“
”جی ہاں۔“ وہ جلدی سے آگے چلا گیا۔

وہ گیا تو آئے کت آگئی۔ وسامہ نے ساری بات اسے بتائی اور کہا۔
”میں تو اسے اچھا لڑکا سمجھی تھی لیکن یہ تو بہت شرارتی نکلا۔ تم کل اس کی شکایت بابا کبیر کو لگانا۔“ آئے کت نے بھی ناراضی سے کہا۔

”ہاں۔ میں ایسا ہی کروں گا۔“ وسامہ نے کہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ بے ارادہ نظر اٹھا کر دیکھا تو آئے کت صوفے کے پتے پر گھسیٹنے لگائے۔
”کیا ہوا؟“ ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟“

”دیکھ رہی ہوں اور سوچ رہی ہوں۔“ اس کی شرارتی مسکراہٹ گہری ہوئی۔
”کیا؟“ وہ چونکا۔

”یہی کہ تم کتنے ڈر پوک ہو۔“ اس نے کہا۔ لمحہ بھر کا توقف کیا اور اگلے ہی لمحے زور سے ہنس پڑی۔
وسامہ جھینپ کر ہنس دیا۔ وہ ڈر پوک تھا اس میں تو کوئی شک نہیں تھا۔

لیکن اگلے روز بابا کبیر سے کچھ کہنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ جو بھی اس رات ہوا پاشا باپ کو اس کے بارے میں آگاہ کر چکا تھا۔ وسامہ سے سامنا ہونے ہی وہ وضاحتیں دینے لگے۔ ان کا کہنا تھا وہ رات کو پاشا کے ساتھ آئے تھے لیکن چونکہ اندر ان کا کوئی کام نہیں تھا اس لیے وہ کچھ فاصلے پر ہی رک گئے تھے اور جس وقت وسامہ نے اندر سے پاشا کے لیے دروازہ کھولا بابا کبیر کچھ فاصلے پر کھڑے اسے دیکھ رہے تھے اگر پاشا نے مسلسل کھڑکی پر دستک دی ہوتی تو ضرور یہ بات ان کے نوٹس میں آجاتی۔

وسامہ کو ان کی باتوں کا یقین کرنا ہی پڑا۔ صرف اس لیے نہیں کہ وہ بے چارہ بہت گھٹکھا کر بول رہا تھا اس لیے بھی کیونکہ وہ معاویہ کے پرانے اور قریبی ملازمین میں سے تھے اور معاویہ ان کا بہت احترام کرتا تھا۔
”میں تمہاری بات کا یقین کر لیتا ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر پاشا نے کھڑکی پر دستک نہیں دی تو وہ کون تھا جو

اشارے کرتا بولتا گیا۔

روشن ای نے پریشان ہو کر خوش نصیب کو دیکھا جس کے چہرے پر طبیعت خرابی کے کوئی آثار دکھائی نہ دیتے تھے۔

”ہیں۔ کیا کہہ رہے ہو؟ اوہ ہاں ہاں۔ میری طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی روشن ای! ابھی تک سر چکر رہا ہے۔ اتنی زور کی چوٹ لگی مجھے ہائے۔“ ایک دم سے کیف کی بات سمجھ کر اس نے جو سر پکڑ کر کرنا شروع کیا تو روشن ای کو تو یقین آیا سو آیا۔ کیف کے لیے اپنی بے ساختہ ہنسی چھپانا مشکل ہو گیا۔ اس بے چارے نے سرخ بدل کر اپنی امنڈلی ہنسی چھپائی تھی۔

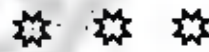
”چوٹ؟“ روشن ای نے تعجب سے کہا سمجھی اور فکر مندی سے دوہرایا اور سوالیہ نظروں سے کیف کو دیکھا۔ اس سے پہلے کہ کیف سے کوئی جواب بن پاتا خوش نصیب جلدی سے بولی۔

”ممبر سائیکل نے لکھاروی تھی۔ فٹ پاتھ پہ سرنگا میرا۔“ جموٹ میں سچائی کے رنگ بھرنے کے لیے اس نے رقت آمیز لہجے میں کہا۔

”کیا ہو گیا ہے خوش نصیب!“ روشن ای فکر مندی سے جلدی سے آگے بڑھیں اور سہارا ڈے کر اسے چارپائی پر بٹھایا۔ تشویش سے سر اور ہاتھ کا جائز لیا اور الجھ کر بولیں۔

”چوٹ کا کوئی نشان تو نظر نہیں آ رہا؟“

کیف بھی۔ پٹھایا لیکن اس بار بھی فرالٹے سے جواب خوش نصیب نے ہی دیا تھا۔



”آ۔۔ آ۔۔ اندرونی چوٹ ہے ناں۔ باہر سے کیسے نظر آئے گی۔ بس مجھے بہت زور زور سے چکر آرہے ہیں۔“

”ہائے میری بچی۔۔۔!“

”فکر مند نہ ہوں روشن ای! میں ٹھیک ہوں اب۔“ اس نے آواز میں نفاہت بھر کر کہا۔ ”لیکن یہ سامنے والا دروازہ کیوں گھوم رہا ہے؟“

”دروازہ نہیں گھوم رہا تمہیں چکر آرہے ہیں اس لیے گھومتا ہوا لگ رہا ہو گا۔ تم لیٹ جاؤ۔“

انہوں نے زبردستی اسے لٹانے کی کوشش کی۔

”دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا تم نے۔ اب بھی کیا وقت ہو گیا ہے۔ کمزوری سے چکر آرہے ہوں گے۔“ فکر مندی بول رہی تھیں۔

”کمزوری تو بہت ہو رہی ہے۔ ہائے ڈاکٹر نے کہا ہے جب تک میں پوری طرح ٹھیک نہیں ہو جاتی مجھے بخنی اور ویسی اینڈ کھلانا ہے۔ ہائے۔“ وہ ہائے کرتی بٹنگ پر ڈھے ہی گئی۔ کوئی دیکھا تو پچھتاہٹا مشکل ہو جانا کہ اسے واقعی چوٹ لگی ہے یا ڈراما کر رہی ہے۔

”فکر نہ کرو میری بچی! میں ویسی مرغی کی بخنی بھی بنا کر دوں گی تمہیں۔“ وہ اپنی ناراضی بھول بھال کر فکر مند ہو گئی تھیں۔

کیف کے لیے اب مزید اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گیا تھا۔ ”چچی! میں صبح آؤں گا۔“ کہہ کر جلدی سے باہر نکل گیا اور باہر جا کر خوب ہنسنا۔ اس روز کیف نے اعتراف کیا وہ خواہ مخواہ خوش نصیب کو لطفیہ کہتا تھا وہ تو لطیفوں کی پوری کتاب تھی۔

READING
Section

2016 مارچ

54

حصہ پنجم کا حصہ

تھوڑی دیر بعد روشن امی کی ہدایت پر ماہ نور اسے خود چھ بھر بھر کے یعنی پلا رہی تھی۔ خوش نصیب بیمارنی تکیے سے ٹیک لگائے نیم وراڑھی۔ چہرے پر اس نے خوب کمزوری والے تاثرات سجا رکھے تھے۔ روشن امی دور مائی کے پلنگ پر بیٹھی ان سے باتیں کر رہی تھیں۔

دوسرے تیسرے چھ پر خوش نصیب جھنلا کر لیکن آواز دیا کر بولی۔ ”کیا چھ بھر بھر کے صرف یعنی پلاتی جا رہی ہو۔ تھوڑی بولی بھی ڈال دے ہا بھی ہے خالی پانی جیسی یعنی میرے حلق میں پھنس جاتی ہے۔“
 ”دنیا کی تمہو ادا انسان ہو جس کے حلق میں یعنی پھنس جاتی ہے۔“ ماہ نور نے سنجیدگی سے کہا۔
 ”ہاں تو میں منفر جو ہوں۔“ بڑے انداز سے گردن ہلا کر بولی۔ ”واؤن ایئر ڈولی۔ دنیا میں ہے کوئی ایسا جو خوش نصیب کا مقابلہ کر سکے؟“

ماہ نور نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ ”مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تمہیں کوئی چوٹ ہوٹ نہیں لگی۔ ذرا سی خراش لگ جائے تو آسمان سر پر اٹھاتی ہو۔“ کچھ ایکسیڈنٹ ہو اہو تا تو چار دن تمہارے آنسو نہیں رکنے تھے۔“

”کس قدر ذہین ہو تمہا نور! مصنوعی رنک آمیز انداز میں مسکرا کر اس نے ماہ نور کو دیکھا۔
 ماہ نور نے کچھ ہالے میں بٹھا اور اسے ایک چپٹا لگا کر بولی۔

”اور کس قدر کمین ہو تم۔“ گھنٹہ بھر سے مجھے اپنی خدمتوں میں لگا رکھا ہے۔ کبھی یہ چیز لاؤ۔ کبھی وہ چیز کھلاؤ۔ جتا نہیں سکتی کئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا۔“
 ”پیشا! ابھی تو تمہیں میں اور تنگ کر دی گئی۔ کیسے مجھے دیکھ کر منہ بنایا تھا۔ آئی بڑی خوش نصیب کو نخرے دکھانے والی۔“ اس نے دانت نہیں کراپنے عزائم کا اظہار کیا۔

ماہ نور نے اس کی دھمکانی پر اپنا ہی سر پیٹ لیا۔ ”جبائے اس کے کہ تھوڑا سا شرمندہ ہو لیا جائے۔ تم مجھے ہی قصور وار ٹھہرا رہی ہو؟“

”ماہ نور! تم بہت بولتی ہو۔“ اس نے اپنا سر پکڑا۔ ”پتا بھی ہے میں بیمار ہوں۔ پھر بھی پھر پڑ بولے جا رہی ہوں۔ اف سر میں درد کر دیا ہے۔“

”بہانے بنا بنا بند کرو اور اٹھ کر برتن دھوؤ۔ کرو صاف کرتے کرتے میں تھک گئی ہوں۔“ ماہ نور نے کہا۔
 ”میری ہلا سے۔“ وہ ناک چڑھا کر بولی۔ ”ویسے بھی ڈاکٹر نے مجھے برتن اور کپڑے دھونے سے منع کیا ہے۔“
 ”کیوں؟“ اس بات پر ماہ نور کو شاک سا لگا تھا۔

”میرے سر پر چوٹ لگی ہے اور داغ کا ڈائریکٹ تعلق ہاتھوں سے ہوتا ہے۔ اس لیے ڈاکٹر نے کہا ہے جب تک میں بالکل صحت یاب نہیں ہو جاتی نہ کپڑے دھوؤں نہ برتن۔“ اپنی طرف سے بڑی سائنس جھاڑی تھی اور کسی کا متفق ہونا ضروری بھی نہیں تھا۔

”اچھا اب باتیں کم کرو اور تختی میں اور بولی ڈال کر لے کر آؤ۔ پتا بھی ہے مجھے کتنی ویک نیس ہو رہی ہے۔“ اس نے دوبارہ آواز میں نفاہت پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ماہ نور ایسے سر ہلا کر رہ گئی جیسے کہ رہی ہو خوش نصیب تیرا کوئی علاج نہیں۔



دسامہ کی وہ رات بہت بے چینی میں گزری۔ وہ جلد از جلد سر فروٹائی اس لڑکے سے ملنا چاہتا تھا جس کے بازوے میں مشہور تھا کہ وہ روح شام کے بعد فلک بوس کے سامنے خدائی سڑک سے گزرنے کے جرم کی پاداش میں اس

پر حملہ کر چکی ہے۔ لیکن وہ لڑکا اپنے خاندان کے باقی افراد کے ساتھ بشام سے نقل مکانی کر چکا تھا۔ وسامہ سے ملاقات اس کی قسمت میں نہیں تھی۔

جس وقت کبیر نے وسامہ کو یہ ساری بات بتائی تو وسامہ لان میں کین کی کرسی پر فکر مند سا بیٹھا تھا۔

”اس کا کوئی نہ کوئی رشتہ دار تو ضرور ہو گا بشام میں۔“ وسامہ نے کہا۔

”میں نے پتا کیا ہے۔ لیکن سب لوگ جا چکے ہیں۔“

”سرخرو کے بارے میں پتا کرنا تھا۔ کیا واقعی اس پر۔ فلک بوس کے آسیب نے حملہ کیا تھا۔“ وسامہ معصومانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

کبیر باہم لازم تھا ایک بار اس سے جھاڑ کھا چکے تھے لیکن اس بار پھر ہمت کر کے بولے۔

”میں نے یہ بھی پتا کر لیا ہے۔ داوی میں اس کے متعلق بھی کئی کہانیاں ہیں۔ کوئی کہتا ہے سرخرو اپنی محبوبہ سے ملنے رات گئے یہاں آیا کرتا تھا۔ جنگل کے کسی بھیڑیے نے اس پر حملہ کر دیا۔ سرخرو بچ تو نکلا لیکن اتنا خوف زدہ ہوا کہ ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ پاگل پن کی حالت میں وہ بھی بھڑیے کا نام لیتا تھا کبھی ابو شحتی کا۔ لیکن کوئی بھی بات واضح نہیں تھی۔“

”اگر ایسی ہی بات ہے تو سرخرو کے گھر والے بشام سے کیوں چلے گئے؟“

”کم پڑھے لکھے، کمزور اعتقاد کے مالک ہیں صاحب! جو انہیں ٹھیک لگا وہ انہوں نے کیا۔ آدمی سے زیادہ آبادی ہندو مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ ان کے یہاں تو ویسے بھی مانا جاتا ہے کہ جن روجوں کو مکتی (نجات) نہیں ملتی وہ ساری زندگی پھر دنیا میں بھٹکتی رہتی ہیں۔ جب کہ ہم مسلمان ہیں ہماری روجوں کو مکتی ملے یا نہ ملے قیامت تک قبر میں ہی رہنا پڑے گا۔“ آخر میں انہوں نے ذرا ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔ وسامہ بھی مسکرا دیا لیکن بات اس کے ذہن سے نکلی نہیں تھی۔

اسے ہر وقت ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے اسے کوئی دیکھ رہا ہے اور یہ احساس شام کے بعد سے بڑھنا شروع ہو جاتا تھا۔ وہ جس راہ داری سے گزرتا جس جگہ جا کر بیٹھتا اسے ایسا لگتا تھا جیسے وہ آنکھیں مستقل اس کے پیرے پر لگی ہوئی ہیں اور اس کی ایک ایک حرکت ایک جنبش کو لوٹ کر رہی ہیں۔ ایک بار پھر وسامہ نے اسے اپنے دماغ کا خلل سمجھا اور خود ہی اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ سب اس کا وہم ہے لیکن یہ خیال اس کے ذہن میں زور پکڑ گیا جب آئے کتے نے بھی اس کے وہم کی تائید کر دی۔ وہ اپنے تنگ کے کام میں بے حد مصروف رہتی تھی لیکن اس دوران اسے بھی یہی محسوس ہوتا تھا کہ کوئی مسلسل اسے دیکھ رہا ہے۔

”ایسا لگتا ہے جیسے کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔ عجیب سی وحشت ہونے لگی ہے۔ ایسا پہلے نہیں ہوتا تھا وسامہ!“ وہ بڑی مدد حال اور اداس سی لگ رہی تھی۔ ”کاش! اللہ ہمیں اولاد سے نواز دے تو یہ وحشت خود بخود ختم ہو جائے گی۔“ وہ اپنے مسئلے اور اس کے حل سے بھی واقف تھی لیکن وسامہ کا مسئلہ اولاد نہیں تھا۔ اس کی الجھنیں کچھ اور تھیں جو دن بدن بڑھ رہی تھیں۔

فلک بوس قلعہ نما بہت وسیع و عریض عمارت تھی جہاں بیک وقت کئی خاندان سما سکتے تھے۔ معاویہ کے مشورے پر جب آئے کتے اور وسامہ نے یہاں آکر رہنا شروع کیا تو انہوں نے پورے فلک بوس میں رہائش اختیار کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ پورے فلک بوس پر تسلط رکھتے۔ اس لیے انہوں نے ایک الگ تھلگ حصے کو اپنی قیام گاہ بنا لیا تھا۔ صرف دوسری منزل کی اسٹڈی میں وسامہ چلا جاتا تھا اور اکثر صبح سے شام وہاں بیٹھ کر لکھتا رہتا تھا۔

لیکن کسی کا خود پر نظر رکھنے کا احساس جوں جوں زور پکڑتا گیا وسامہ نے اسٹڈی میں جانے کے اوقات بھی

گھٹا پڑے۔ شام ہوتے ہوتے اسے وہاں عجیب سی گھبراہٹ ہونے لگتی تھی اور یہ چیز اس کی کارکردگی پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ وہ پبلشر کو اپنی زیر طبع کتاب کے ہفتے میں دو ڈرافٹ بھجواتا تھا اب وہ ہفتوں میں ایک ڈرافٹ بھجوانے لگا۔ اور یہ بات خاصی پریشان کن صورت حال اختیار کرتی جا رہی تھی کیونکہ وسامہ کے معاشی معاملات کا وارو مدار انہی پیسوں پر تھا جو اسے مختلف جرائم اور پبلشرز کے لیے لکھنے پڑھنے کے لیے انہی معاملات سے پریشان ہو کر اس نے اپنا دھیان بنایا اور زیادہ سے زیادہ وقت کتب بینی کو دینے لگا۔ مختلف کتابوں کے مطالعے سے اس کا ذہن کھلتا چلا گیا اور اسے زیادہ سے زیادہ لکھنے کے لیے تحریک ملنے لگی۔ وسامہ اس چیز سے خوش ہو گیا۔

لیکن یہ خوشی چند روزہ تھی۔ ایک سہ پہر اسٹڈی میں بیٹھے ہوئے اس نے کسی چیز کے سرکنے کی دھیمی سی آواز سنی۔ اسٹڈی کی خاموشی میں یہ آواز نمایاں ہو کر اعصاب رنگ رہی تھی۔ کتاب پڑھتا ہوا وسامہ پہلے متوجہ ہوا پھر چونک کر اُدھر اُدھر دیکھا۔ غور کرنے سے اسے اندازہ ہوا یہ آواز لکڑی کی سطح پر کسی چیز کے گھسیٹے جانے سے پیدا ہو رہی ہے۔ یہ خیال آئے ہی اس کی نظر سیدھی اپنی میز پر گئی اور وہ یہ دیکھ کر دنگ ہی رہ گیا کہ میز پر بڑا ہوا تانے کا آرائشی پیالہ اونڈھا پڑا ہوا ہے۔ ہولے ہولے حرکت کر رہا تھا۔ یہ حرکت اتنی معمولی اور غیر واضح تھی کہ اگر ارد گرد اتنی خاموشی نہ ہوتی اور آواز بلند نہ ہو رہی ہوتی تو وسامہ کا دھیان بھی اس طرف نہ جاتا۔ اب ایک طرح سے اس حرکت کو لرزش کہنا زیادہ مناسب رہے گا۔ اس کے دل میں ڈر کا بلکا سا شعلہ دہکنے لگا۔ وسامہ اس پیالے کو ابھی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہوا سوچتا رہا کہ آیا وہ واقعی مل رہا ہے یا اس کی نظریں دھوکا کھا رہی ہیں۔ کوئی بھی جواب واضح نہیں ہو پا رہا تھا۔ تب ہی اچانک وسامہ نے جیسے غیر ارادی طور پر ہاتھ بڑھایا اور اس پیالے کے الٹے پینڈے پر زور سے رکھ دیا۔ پیالہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔ چند سیکنڈ وہ اسی طرح پیالے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہا پھر اس نے آہستگی سے ہاتھ ہٹا لیا۔ نظریں جو کئے انداز میں پیالے پر مرکوز کیے ہوئے تھیں۔ ایسے جیسے ہاتھ ہتے ہی اس کی حرکت کا مشاہدہ کرنا چاہتی ہوں لیکن ہاتھ ہٹنے کے بعد بھی پیالہ ساکت ہی رہا۔

وسامہ کا خوف قدرے کم ہو گیا اثریشانی بڑھ گئی۔ اسی وقت آئے کت اس کے لیے چائے لے کر آئی۔ اس وقت تک وسامہ پیالے سے اپنی نظریں نہیں ہٹایا تھا۔

”وسامہ! میں کہہ رہی تھی۔۔۔ آج ہمیں نیچے واوی کا چکر لگانا چاہیے۔“ وہ بولتی ہوئی اندر آئی تو وسامہ کو پیالے کی طرف دیکھتا پایا۔

”کیا بات ہے؟ آپ پریشان کیوں ہیں؟“ اس نے قریب آ کر چائے کا کپ سامنے میز پر رکھ دیا۔

”آں۔۔۔؟ ہاں یہ پیالہ۔“ وسامہ جیسے اس پیالے کی حرکت کے زیر اثر آچکا تھا اس کیفیت سے نکلنے میں اسے چند لمحے لگے تھے۔

”یہ پیالہ ابھی مل رہا تھا۔۔۔“

”ہائیں۔۔۔ مل رہا تھا۔“ آئے کت نے حیران ہو کر اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔ پیالہ ساکت تھا۔

”خود بخود مل رہا تھا؟“ آئے کت نے پیالے کو حرکت کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا مگر وسامہ کی آنکھوں اور لمبے میں خوف کی جو رمت تھی وہ اسے چونکنے پر مجبور کر گئی تھی۔

”ہاں۔“

”آپ کا رہم ہو گا وسامہ! بھلا پیالہ خود بخود کیسے مل سکتا ہے؟“

”اسی لیے تو میں زیادہ حیران ہو رہا ہوں۔“

کچھ دیر وہ دونوں خاموشی اور باریک بینی سے پیالے کی طرف دیکھتے رہے لیکن اس بار پیالے میں کوئی حرکت

نہیں ہوتی۔

”اچھا چھوڑیں ناں۔۔۔ آپ کا وہم تھا اور کچھ نہیں۔۔۔ آپ جلدی جلدی یہ چہشت پورا کر لیں پھر ہم وادی کی سیر کے لیے جائیں گے۔“ آئے کت نے اس کے ہاتھوں میں ہاتھ پھیر کر کہا۔

”ہاں ٹھیک ہے جیسے تم خوش رہو۔“ وسامہ نے دھیان پالے سے ہٹا کر کہا۔ آئے کت اپنی چوڑھویں کے چاند کی کرنوں جیسی مسکراہٹ اچھال کر باہر نکل گئی۔ اس کے باہر جاتے ہی وسامہ کا دھیان دوبارہ پالے کی طرف چلا گیا۔ وہ اسی طرح ساکت و صامت رہا تھا لیکن وسامہ کو لگ رہا تھا ابھی اس میں حرکت شروع ہو جائے گی۔ چند لمحے اور گزرے اور پالے میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تو وسامہ نے ارٹکا دوبارہ کتاب کے صفحوں کی طرف لگانے کی کوشش کی۔ اسی وقت۔۔۔ ٹھیک اسی وقت پالہ پھر لرزا۔ اس بار اس کی حرکت میں شدت تھی۔ وسامہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کا دل پالے کی حرکت کے ساتھ ساتھ لرز رہا تھا۔

اچانک وسامہ کو بتا نہیں کیا ہوا اس نے ہاتھ پڑھایا اور پالہ اٹھا لیا۔ نیچے سے ایک موٹا چھاقید سے آزاد ہوا اور چھلانگ لگا کر وسامہ کے سینے پر سوار ہو گیا۔ وسامہ بوکھلا کر اپنی جگہ سے اٹھنے لگا لیکن اس کوشش میں اس کی کرسی پیچھے الٹ گئی۔ وہ سر کے بل کرسی سمیت پیچھے گرا۔ چہا تیزی سے پھڑکتا کہیں غائب ہو گیا۔ یہ سب چند لمحوں میں ہوا تھا۔ وہ بخود سادہ سا منہ زمین پر گرا ہوا تھا۔

کبیرا یاد ہیں کہیں کسی کام میں مصروف تھے شور کی آوازیں کروڑے چلے آئے لیکن جوں ہی وہ کمرے میں پہنچے رنگ رو گئے۔

زمین پر کرسی سمیت گرا ہوا وسامہ دور دور سے ہنس رہا تھا۔ ہنس ہنس کر اس کی آنکھوں میں پانی بھر چکا تھا اور ایسا لگتا تھا اس کی ہنسی قابو میں ہی نہ آ رہی ہو لوریوں اتنے دنوں سے فلک بوس پر چھائی ہوئی خوف کی لٹھا چھٹ گئی تھی۔



یو کلن کا بارک اسی طرح ہر وقت اور آباد تھا جس طرح ہمیشہ ہوا کرتا تھا۔

جانگ ٹریک پر دوڑتی ہوئی منفرات نظر آ رہی تھی آج اس نے سبز رنگ کا ٹریک سوٹ پہنا ہوا تھا اور اس کی اونچی پونی ٹیل دور سے ہی آگے پیچھے ہلتی نظر آ رہی تھی۔ اس نے آج ٹریک کے دو چکر لگائے تھے تیسرا چکر پورا کر کے وہ گھاس کے قطعے پر اتر آئی اور چلتی ہوئی آکر شیخ پر بیٹھ گئی۔ جانگ کرنے کی وجہ سے اس کی سانس پھول رہی تھی اور خوشگوار موسم کے باوجود اس کا جسم پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔

شیخ پر بیٹھ کر اس نے اپنے کانوں سے ہینڈ فون اتارے۔ موبائل فون پر لگا ہوا ٹریک بند کیا اور اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر شیخ کی پشت پر سر رکھ کر سستانے لگی۔ سفیدے کے درختوں کے سائے میں خاموشی سے اس طرح بیٹھنا اسے اچھا لگ رہا تھا۔

کچھ دیر اسی طرح گزری پھر اس نے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔ جہاں وہ بیٹھی تھی وہاں سے پورے پارک دکھائی دیتا تھا۔ منفراتے تمام ٹریکس پر متلاشی نظر دوڑائی پارک کا داخلی دروازہ اور پچھلی طرف کا چھوٹا دروازہ بھی دیکھا لیکن معاویہ اسے کہیں دکھائی نہیں دیا اور آج دسواں دن تھا معاویہ اسے نظر نہیں آیا تھا اور یہ حیران کن بات تھی۔ مارکیٹ اور سب دے پر نظر آجانا ایک اتفاق ہو سکتا تھا لیکن پارک ایک ایسی جگہ تھی جہاں منفراتی طرح وہ بھی روزانہ آنے والوں میں شمار ہوتا تھا۔ اکثر ہی آمناسا مانا ہوا جانا ایسے میں اس کا نظرنہ آنا یقیناً حیرانی کی بات تھی یا کم سے کم منفرات کو ایسا ہی لگ رہا تھا۔

بہر حال معاویہ کا بارک نہ آنا منفر کو عجیب سی فکر مندی میں مبتلا کر رہا تھا۔ ان گزرے ہوئے دس دنوں میں بھی اس نے معاویہ کی گئی کو محسوس کیا تھا اور بار بار اس کے بارے میں سوچا تھا۔ مگر اس بار وہی تمام باتیں سوچتے ہوئے وہ جھنجھلا گئی اور اس نے دل ہی دل میں خود کو ٹوکا۔

میں نبی سے کہتی ہوں مبین سے معاویہ کے بارے میں پوچھے۔ لیکن نہیں۔ نبی میرا مذاق اڑائے گی۔ اس نے خود ہی اپنا خیال رد کر دیا۔

لیکن وہ اتنے دن سے پارک نہیں آیا۔ مجھے اس کی فکر ہو رہی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بیمار ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے وہ کسی مشکل کا شکار ہو۔ اوہ! what the hell! (کیا مصیبت ہے) اسے تو میرا نام بھی معلوم نہیں ہو گا اور میں اس کے بارے میں فکر مند ہو رہی ہوں۔ یہ بے وقوفی کی انتہا ہے۔

سوچتے ہوئے اس نے اپنے سر پر چپکے سے ایک چپت بھی لگا لی۔ پھر سر جھٹکتے ہوئے اٹھی اور جاگنگ کرتی پارک کے پہنچنے پر راستے کی طرف دھکی گئی۔ چند دن مزید سرک گئے معاویہ نے پارک کا رخ نہیں کیا۔

منفر نے حتی المقدور کوشش کی کہ وہ معاویہ کے بارے میں نہ سوچے اور اپنی کوشش میں کامیاب بھی رہی اور جب اسے یقین ہو گیا معاویہ اس کے ذہن سے نکل چکا ہے تو اسے وہ نظر آ گیا۔ وہ پارک کے جاگنگ ٹریک پر۔ منفر کے دل نے بے ساختہ ایک سیٹ مس کی۔ پتا نہیں کیوں لیکن معاویہ کو دیکھتے ہی وہ مسرور ہو گئی تھی۔ اسے یہ دیکھ کر بھی تسلی ہوئی تھی کہ وہ ٹھیک ہے اور اتنے دن کی غیر حاضری کسی حادثے کا نتیجہ نہیں ہے۔ وہ دنوں ایک ہی جاگنگ ٹریک پر جاگنگ کرتے ہوئے مختلف سمتوں سے ایک دوسرے کی طرف آرہے تھے۔ عنقریب ان دنوں کا آمتا سامنا ہونا تھا۔ اس خیال نے منفر کے جسم میں سستی سی ہڈ ڈاری۔ خیر سگال جذبات کے تحت وہ کچھ اور خوب صورتی سے مسکرانے لگی۔ اس کی پونی ٹیل زور زور سے مل رہی تھی اور پونی کا سرا اس کی گردن سے بار بار گھرا رہا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں وہ جملہ بھی تیار کر لیا جو آمنے سامنے پہنچنے پر اسے معاویہ کے سامنے ادا کرنا تھا اور جس کے ذریعے اس کی خیریت معلوم کرنی تھی۔ لیکن جوں ہی وہ اس کے قریب پہنچی معاویہ لا تعلق سے ایک بھی نظر اس پر ڈالے بغیر آگے بڑھ گیا۔

منفر کی مسکراہٹ پہلے حیرانی میں ڈھلی اور پھر جینپ کرنا لکل ہی خائب ہو گئی۔ کافی عرصے سے وہ دنوں اس پارک میں آرہے تھے اکثر ہی ایک ٹریک پر جاگنگ کرتے ہوئے آمتا سامنا: و جانا تھا ایسے میں جان پہچان نہ سہی۔ آنکھوں میں شناسائی تو نظر آئی جاتی ہے لیکن معاویہ نے تو اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

یہ سوچ سوچ کر منفر کو اتنی شرمندگی محسوس ہو رہی تھی جتنی شرمندگی اسے آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔



صبح فضل منزل کے مرکزی کچن میں رونق لگی ہوئی تھی۔ سب کے پورشن میں الگ الگ کچن تھے لیکن وہ کچن صرف چائے پانی جیسے کاموں کے لیے استعمال ہوتے تھے باقی سارے ناشتے کھانے جیسے بڑے کام اسی کچن میں انجام دیے جاتے تھے۔

جس وقت خوش نصیب نیند کے بوجھل پن سے آنکھیں ملتی اندر داخل ہوئی گھر کی آدمی عوام ناشتے سے

فارغ ہو چکی تھی جبکہ اس وقت کوئی ”تازہ خبر“ زیر بحث تھی اور جب عورتیں بحث کرنا شروع کرتی ہیں تو کان پر ہی آواز سنائی دینا مشکل ہوتا ہے۔
خوش نصیب نے کسی کو بھی ڈسٹرب کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ کیف اور عرفات ماموں میز پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے وہ سیدھی ان کے پاس ہی آگئی۔

”السلام علیکم ہاموں!“
”وعلیکم السلام۔ جیتی رہو۔“

”مجھے بھی سلام کرو۔ بڑا ہوں تم سے۔“ کیف کوئی موقع ہاتھ سے جانے دے سکتا تھا اب سے چڑانے کا۔
”السلام علیکم۔“ ہاتھ ماتھے تک لے جا کر سلام جھاڑا۔

اس تابعداری پر جہاں عرفات حیران ہوئے وہیں کیف ہنس دیا۔
”خیریت تو ہے؟ تم اور کیف کی بات اتنے آرام سے مان لو۔ کہیں سورج مغرب سے تو نہیں نکل آیا آج۔“
انہوں نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

”ہا ہا ہا۔۔۔ مغرب سے کیوں نکلے گا سورج مشرق سے ہی نکلا ہے اور یہ آپ نے کیسی بات کہہ دی؟ میں تو ہمیشہ کیف کی ہر بات مان لیتی ہوں۔ یہ ہے ہی اتنا اچھا ہمیشہ صحیح بات کرتا ہے۔“ وہ داری صدمے سے ڈالنے والی نظروں سے کیف کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔ اب کیف سے اپنی اسی روکنا مشکل ہو گیا۔ اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ عرفات بھی اس کے ساتھ ہنسنے لگے۔

”خوش نصیب اب اکثر میری تعریف کیا کرنے لگی۔“ کیف نے خوش نصیب کو شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔
”آپ کو نہیں پتا۔۔۔ ہماری دوستی ہو گئی ہے۔“
”واقعی؟“ وہ ہنسنے لگا۔ ”یہ حارثہ کب ہوا؟“

”ہائے ہائے۔۔۔ حارثہ تو نہ کہیں۔۔۔ آپ کو تو پتا ہے میں کتنی سیدھی ساوی اور معصوم سی ہوں۔۔۔ جھگڑا تو ہمیشہ یہ کیف۔۔۔ ہم میرا مطلب ہے کیف تو جھگڑا کرتا ہی نہیں ہے۔۔۔ میں ہی کرتی ہوں۔۔۔ اب سے وہ بھی نہیں کروں گی۔“ دانت نکال کر بولی۔

”بالکل بالکل۔۔۔ تم دونوں سے زیادہ صلح جو تو کوئی اور ہے ہی نہیں۔“ وہ اپنی چائے کا کپلے کر کھڑے ہو گئے اور کیف سے بولے۔ ”جب فرصت ملے تو حقیقت حال سے آگاہ کر جانا۔۔۔ اتنا امن مجھے ہضم نہیں ہو رہا۔“
وہ مسکرا کر بولے تھے۔ ”ہمیں اس جسم لیوں پر سجائے ہا ہر نکل گئے۔ کیف البتہ ان کی بات سمجھ کر زور سے ہنس دیا اور اشارات میں سر بھی ہلا دیا۔ اور جب وہ چلے گئے تو خوش نصیب کو دیکھنے لگا۔ مسکراتے ہوئے چمکتی ہوئی معنی خیز آنکھوں کے ساتھ۔

”تمہارے جھوٹ بولنے پر سارا دن طبیعت خراب رہ سکتی ہے۔ اس لیے سوچ سمجھ کے بولا کرو۔“
”میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔۔۔ بولوں گی بھی کیوں؟“

”اچھا۔۔۔“ اس نے ابو اچکا کر اسے دیکھا۔ کہنی میز پر اور ہنڈ مٹھی ٹھوڑی کے نیچے جمائی اور اسے گہری نظروں سے دیکھ کر بولا۔

”اچھا۔۔۔ تو کھاؤ اپنے سر کی قسم کہ دوبارہ مجھ سے جھگڑا نہیں کرو گی۔“
خوش نصیب کی جان مشکل میں آگئی۔ سٹپٹائی گئی۔

”اس سے تو اچھا تھا یہ ساری زندگی ساتھ جینے مرنے کی قسم لے لیتا۔۔۔ اب جھگڑا نہ کرنے کی قسم کون کھائے؟“
وہ بڑبڑاتی پھر جلدی سے بولی۔ ”تمہارے سر کی قسم کھا لیتی ہوں نہ؟“

”اتفاقاً تو نہیں ہے میرا سرکہ تمہاری جھوٹی قسموں کی نذر ہو۔“ کیف نے فوراً ”آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔“
 ”ا فہم۔“ وہ جھنجھلا گئی۔ ”کہہ جو دیا ہے کہ نہیں کروں گی جھگڑا تو بس نہیں۔ لیکن تم کیوں مجھے ایسے دیکھ
 رہے ہو؟ تو یہ ہے ایک تو کسی کو میری بات پر یقین نہیں آتا۔“
 ”یقین وہ کرے جو تمہیں جانتا نہ ہو۔“ وہ مسکراتا ہوا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ”لیکن خیر مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے،
 مجھ سے جتنے مرضی جھگڑے کرو کرتی رہو۔ میں تو مستقبل قریب کا نقشہ دیکھ رہا ہوں بلکہ مجھ کو کلم چل رہی ہے
 میری آنکھوں کے سامنے۔“ خلا میں دیکھا وہ جیسے واقعی مستقبل کا کوئی منظر دیکھنے لگا تھا۔
 خوش نصیب پہلے حیران ہوئی پھر اس کے اندر کا تجسس جاگا۔

”کیسی فلم؟ کیا بات کر رہے ہو کیف؟“

”وہ دیکھو۔“ اسی طرح خلا میں دیکھتے ہوئے خواب ناک آواز میں اس نے دور کہیں خلا میں ہی اشارہ کیا تھا۔
 خوش نصیب اس طرف دیکھنے کی کوشش کرنے لگی جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔

”وہ دیکھو آج سے چند سال بعد لیکن اسی گھر کا منظر ہے۔ میں ایسا ہی تجھو جوان ہینڈ سم سا لیکن سر جھکائے
 کھڑا ہوں تھوڑی دور ایک پانچ چھ سال کی بچی بیٹھی ہوئی ٹی وی دیکھ رہی ہے۔ اب دوسری طرف آ جاؤ۔ نہیں
 رائیٹ سائیڈ پر نہیں لیفٹ سائیڈ پر۔ تم وہاں کھڑی ہو۔ ہاں وہیں دروازے کے پاس موٹی تازی جیسے گول مٹل
 سی فٹ بال۔ پاس کاٹ میں مناسو رہا ہے اور تم تم مجھ سے جھگڑا کر رہی ہو۔ پورا محلہ تمہاری آواز سن رہا ہے
 میں ہینڈ سم لیکن مسکین معصوم شوہر کی طرح سر جھکائے کھڑا ہوں۔ اور تم جھگڑا لگو۔ تک چڑھی بد زبان بیوی
 کی طرح۔ واؤ۔ ایک پرل کٹ ٹیلی کاسین ہے۔“ وہ اس منظر میں اس قدر ڈوب چکا تھا کہ ایسا لگتا تھا وہیں پہنچ
 گیا ہے۔

خوش نصیب پہلے تو سمجھی نہیں اور جب سمجھ گئی تو اس کا چہرہ ایسے لال ہونے لگا جیسے کارٹون موویز میں تھرا میٹر
 کا درجہ حرارت بڑھنے سے پارہ لال ہونا شروع ہو جاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے تھرا میٹر پھٹ جاتا ہے تو خوش
 نصیب بھی پھٹنے کے قریب تھی۔

کیف نے اس کی طرف دیکھا اور ڈر کیا۔

”کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟“

”تم۔ تم انتہائی فضول انسان ہو۔“ اس نے دانت اس حد تک کچکچائے کہ ایسا لگا دانت ٹوٹ ہی جائیں گے
 اور وہ اس قدر زور سے بولی تھی کہ سب ہی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔
 ”کیا ہوا۔؟“ سب کی زبان پر ایک ہی سوال ابھر آیا۔ کیف ہنس ہنس کر دہرا ہو گیا۔

”خوش نصیب کو چند سال بعد کا منظر بتا رہا تھا۔ اس نے ابھی سے سین کری ایٹ کرنا شروع کر دیا۔“ اس کی
 ہنسی رکنے کا نام نہ لے رہی تھی اور خوش نصیب کا ہنس نہ چلتا تھا اس کی گردن ہی چبا ڈالے۔ وہ اٹھی اور پاؤں پختی
 کچن سے باہر نکل گئی۔

”کیسا سین؟“ ہنسلہ خواتین حیران ”ان دونوں کو کیا ہوا؟“

بنتے بنتے کیف کی آنکھوں میں پانی جمع ہو گیا تھا اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔
 ”کچھ نہیں۔ آپ لوگ نہیں سمجھیں گے۔“ وہ ابھی بھی ہنس رہا تھا اور واقعی مستقبل کا وہ منظر دیکھ رہا تھا
 جہاں ان دونوں کے درمیان بڑے بڑے معرکے ہونے والے تھے۔

کچھ دیر گزرنے کے بعد منفر خود ہی اپنا مذاق اڑا رہی تھی۔

READING
Section

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

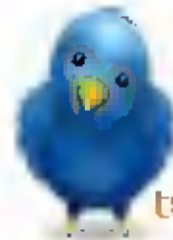
WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”تم میری عقل چیک کرو۔ اتنا مسکرا مسکرا کر اس کے پاس جا رہی تھی جیسے پتا نہیں ہماری کتنی پرانی شناسائی ہو۔“ اس نے اپنی عقل کے اس عظیم مظاہرے پر ہستے ہوئے اور ظاہر ہے دل ہی دل میں شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

نبی اس کی بات پر ہنسنے میں اس کا ساتھ دے رہی تھی۔
 ”اب میں نے اسے نوٹس کیا ہوا ہے تو ضروری تھوڑی سی ہے کہ اس نے بھی مجھے نوٹس کیا ہو۔ پارک میں لوگ واک کرنے آتے ہیں اس بات کا خیال رکھنے نہیں کہ وہاں کون آ رہا ہے کون نہیں۔“ نبی کو بتاتے ہوئے وہ خود اپنے آپ پر ہنس رہی تھی۔

نبی ابھی اپنے لیے نوڈل بنا کر لائی تھی اور اب کاؤچ پر نیم دراز مزے سے کھا رہی تھی۔ منفر کے خاموش ہونے پر اس نے بڑا سا نوالہ کھاتے ہوئے ابرو اچکا کر منفر کو دیکھا۔ وہ دوسرے کاؤچ پر بیٹھی نیچے کو جھکی اپنے جوگرز کے نئے کھول رہی تھی اور مسلسل خود پر ہنس رہی تھی اور بول رہی تھی۔

”ان لہکٹو بندہ اتنا لعلقل اور سرد مر لگتا ہے کہ اس نے میری نوکیا پارک میں آنے والے کسی دوسرے فرد کی موجودگی کو بھی محسوس نہیں کیا ہو گا۔ ایسا سوچنا بھی حماقت تھی۔“ وہ خود کلامی کے انداز میں بولتے ہوئے ابھی اور الماری سے اپنے کپڑے نکالنے لگی۔

نبی اس کی پشت پر نظریں جمائے جیسے کچھ سوچ رہی تھی۔ اس کی سوچ کا محور منفر اور معاویہ ہی تھے۔
 ”یہی صحیح کتنی ہے۔۔۔ esthetic sense (حس لطیف) سے عاری انسان ہے۔“

”لیکن وہ پنڈ سم ہے۔ کسی بھی لڑکی کا دل اسے دیکھ کر دھڑکنے لگتا ہے۔“ نبی نے مسکرا کر کہا۔
 ”یہ بات یہی کو بتاؤ۔۔۔ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جن کا دل اسے دیکھ کر دھڑکنے لگتا ہو۔“ اس نے الماری بند کر دی۔ نبی اب اسے پر سوچ نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔



Downloaded From
 Paksociety.com

کیف چائے کا کپ ہاتھ میں لیے خوش نصیب کے پیچھے آیا۔

”نصیبین! اری او میری نصیبین!“

وہ رک بھی گئی اور پلٹ کر اسے گھورا بھی۔

”کتنی بار کہا ہے مجھے اس طرح مت بلایا کرو۔ خوش نصیب نام ہے میرا۔“

”اتنا کہا نام لیتے میرا منہ تھک جاتا ہے۔ اس لیے پیار سے نصیبین کہہ دیتا ہوں۔ کیوں تمہیں اچھا نہیں لگتا۔“ معصومیت سے آنکھیں پھپھٹا کر پوچھا۔

”جیسے تم تو جانتے ہی نہیں۔“ اس نے گھور کر دیکھا۔

”اچھا۔۔۔ جا کہاں رہی ہو۔ بات تو سنو۔“ اس نے ہنسی دی تھی۔

”کیا تکلیف ہے؟ کاش کھانے کو دوڑی۔“

”تکلیف تو دل میں ہے۔۔۔ وہ کیا کہتے ہیں اسے؟ ہاں دردِ محبت۔“ وہ چائے کرنے سے بچانے کی کوشش کرتا

تیز قدموں سے چلتا اس کے پاس آ گیا۔

”کیف! میں تمہیں قتل کروں گی۔“ اس نے انگلی اٹھا کر دانت کچکا کر کہا۔ ”تم دیکھ لیتا میں کسی دن واقعی

تمہیں قتل کروں گی۔“

”پہلے ابو سے بات کر لینے دو اس کے بعد بے شک قتل کر دینا۔“ اب وہ ذرا سنجیدہ ہوا۔ ”اچھا سنو۔ ابو اور امی

READING
 Section

کو میں راضی کر لوں گا کہ جتنے دن فضلہ چچی کا مہمان یہاں رہے گا تم لوگ ہمارے پورشن میں رہو گے۔ روشن چچی کو منانا تمہاری ذمہ داری۔“

”ان کی فکر تم نہ کرو۔ میں منالوں گی۔“ وہ بھی جھگڑا بھول گئی۔ ”اور روشن ای کیوں نہیں مانیں گی؟ تمہارے کمرے میں میلی جرابوں کی بدبو آتی ہے لیکن کیوتروں کی باسمل والے کمرے میں رہنے سے تو یہ سوورج بہتر ہو گا۔“

”ایسی بات ہے تو ابو اور امی کو بھی تم ہی منالو۔“

”ہائے ہائے۔ تم تو برا ہی مان گئے۔ میں تو مذاق کر رہی تھی۔ تمہارے کمرے سے تو خوشبو آتی ہے۔ وہ بھی جو میں کھنٹے۔“ دانت نکالے۔

کیف اسے گھور کر بولا۔ ”تمہا ہر ہی رہنا۔ میں ابو کے پاس جا رہا ہوں۔“

صابر احمد برآمدے میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ کیف چائے لے کر ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ خوش نصیب کی طبیعت میں سکون نہیں تھا۔ ٹوہٹی اندر ملی وی ملاؤنچ میں آگئی۔ یہاں سے ایک کھڑکی پر آمدے میں کھلتی تھی اس نے کھڑکی کا پٹ سرکایا اور روئے کی اوٹ میں ہو کر باہر کی آوازوں پر کلن لگا کر کھڑکی ہو گئی۔ کیف نے اسے اندر ہی رہنے کی تاکید کی تھی لیکن وہ خوش نصیب ہی کیا جو ایک بار میں کئی ہوئی بات مان لے۔ نرم گرم سی دھوپ برآمدے کی چھت کے ڈیزائن سے چمن چمن کر آ رہی تھی اور فرش پر ٹھیل رہی تھی۔ منی پلانٹ کی بیلیں ستونوں سے لٹی ہوئی تھیں اور دھوپ سے خوب چمک کر تروتازہ محسوس ہوتی تھیں۔ صابر احمد نے اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے ایک نظر کیف کو دیکھا۔

”تم کوئی بات کرنا چاہ رہے ہو؟“

کیف نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا لفظ بھر کو سوچا پھر بولا۔ ”جی ابو!“

”ہاں بولو۔“ وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ ”خیریت تو ہے نا۔ پیسے چاہئیں؟“

”ہیں۔ پیسے بہت ہیں میرے پاس۔“

”ہاں بھئی۔ اب تو خود کمانے لگ گئے ہو۔ اب تمہیں باپ کی دی ہوئی پاکٹ مٹی کی کیا ضرورت ہے۔“ انہوں نے شرارت سے کہا کیف ہنس دیا۔

”اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ جتنے میں کمانا ہوں وہ آپ کی دی ہوئی پاکٹ مٹی کا چوتھائی حصہ بھی نہیں ہوتا۔ ہاں بس دل کو تسلی ضرور ہوتی ہے کہ کچھ نہ کچھ کر رہا ہوں۔“

”اچھی بات ہے۔ بہت اچھی بات ہے۔“ انہوں نے اخبار کا صفحہ پلٹتے ہوئے اسے سراہا۔ ”میں اپنے دوستوں کے بیٹوں کو دکھاتا ہوں۔ کچھ تو تم سے بڑی عمر کے ہیں لیکن احساس ذمہ داری نام کو بھی نہیں ہے۔ لیکن تمہا شاء اللہ میرے بہت لائق اور سمجھ دار بیٹے ہو۔“

صابر احمد کے منہ سے نکلنے والے تعریفی جملوں کے ساتھ ساتھ کیف کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔ ”کھڑکی کی اوٹ میں کھڑکی خوش نصیب دانت بیٹے لگی۔“

”ہاں ٹھیک ہے۔ میری بدد کر رہا ہے مگر اب کوئی ایسا بھی لائق سمجھ دار نہیں ہو گیا۔ یہ کیف کا بچہ۔ کہ تاپا ابو تعریفیں کرتے نہیں تھک رہے۔ اونہ۔“ جوش جذبات سے وہ ذرا آگے ہوئی۔

”ابو۔ میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہ رہا تھا۔ اگر آپ کو پرانہ لگے تو۔“

”ہاں۔ ہاں بولو۔“

اسی وقت کیف جو صابر احمد کے سامنے تمہید باندھ رہا تھا اس کی نظر خوش نصیب پر پڑ گئی۔ وہ گڑبدا کر اپنی جگہ

سے دو فٹ اوپر اچھلا۔ اسے خوش نصیب سے ایسی دلیری کی توقع نہیں تھی۔

”وہ وہ اب۔۔۔ میں۔۔۔ میں“ بے چارہ بھول ہی گیا کیا کہنے آیا تھا۔ صابر احمد اس معاملے میں سخت مزاج تھے اگر انہیں بھنگ بھی پڑ جاتی کہ خوش نصیب ان کی یاد رکھنے کی باتیں سننے کی غرض سے کھڑی ہوئی ہے تو خوش نصیب کی بنا ٹکٹ باری آجاتی تھی۔ ایسی اس کی طبیعت صاف کرتے کہ لگتا جاتا۔

”کیا ہوا تم کھڑے کیوں ہو گئے؟“ گجیب سے پوچھا۔ ”بیٹھ کر آرام سے بات کرو۔“

”پھر کبھی ابھی۔۔۔“ وہ بری طرح سٹپٹایا ہوا تھا خوش نصیب اسے اشارے کر رہی تھی کہ وہ بیٹھ جائے اور بات جاری رکھے۔ کیف کو فکر تھی اگر خوش نصیب کی یہاں موجودگی سے کوئی واقف ہو گیا تو ایک منٹ میں بات بتالی جائے گی کہ وہ کیف کو سمجھا بھگا کر اپنے حق میں کرتی ہے۔ لفظ چچی تو ایسے موقعوں پر ”قابو میں کیا ہوا ہے“ ثابت جملے بولنے سے بھی نہیں چوتی تھی۔ جب کہ کیف خوش نصیب کے لیے مزید کسی ذہنی آزار کا باعث بننا نہیں چاہتا تھا اسے زندگی میں آسانیاں دینا چاہتا تھا۔

خوش نصیب یہ بات نہیں سمجھتی تھی وہ من مانی کر کے بننے کام پکاڑنے کی ماہر تھی۔

کیف گھبراہٹ میں مسلسل کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا صابر احمد کھٹک گئے انہوں نے کیف کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا خوش نصیب ایک دم سے اوٹ میں ہو گئی۔

”بات کیا ہے کیف! صابر احمد اب اخبار سمیٹ کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔“

”گنگ۔۔۔ کوئی بات نہیں ہے ابو!“

”میں تمہارا باپ ہوں میرے باپ بن کر مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔ یہاں بیٹھ جاؤ اور مجھے تفصیل سے بتاؤ۔“ انہوں نے ایک منٹ میں اس کے سارے دلائل رد کر دیے تھے۔

کیف ناچار بیٹھ گیا۔ دل میں دعا کرتے ہوئے کہ خوش نصیب کوئی بے وقوفی نہ کرے۔

”میں آپ سے روشن چچی کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔“ اس نے جھنجھکتے ہوئے لیکن مضبوط لہجے میں کہا۔

”ہاں ہاں بولو۔ کیا ہوا ہے روشن کو؟“

”نہیں۔۔۔ روشن چچی کو کچھ نہیں ہوا۔“ اس نے کہا۔ ”ابو! آپ کو نہیں لگتا ان کا پورشن خالی کروا کے ہم سب ان کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔“

صابر احمد نے دو امیں ٹانگے بائیں پر رکھ لی اور سنجیدگی سے بولے۔

”نہیں۔۔۔ مجھے ایسا نہیں لگتا۔“

کیف مایوس ہوا لیکن وہ ایسے ہی جواب کی توقع کر رہا تھا۔

”لفظیلہ چچی کو اپنے مہمان کو اپنے پورشن میں ٹھہرانا چاہیے۔۔۔ اور پھر ایک مہمان کے لیے پورا پورشن خالی کروانے کی کیا ضرورت تھی۔“

”مہمانوں کے لیے ہمیں ایک گیسٹ روم بنوانا ہی تھا۔۔۔ اب باسط کے پورشن کو ری نو کروالیں گے۔ شفیق نے کہا ہے وہ اپنی ذمہ داری پر پورا پورشن ری نو کروائے گا۔“

”لیکن ابو! آپ کو الے کمرے کی حالت تو ایسی نہیں ہے۔۔۔ کہ وہاں روشن چچی ماہ نور خوش نصیب اور ثانی رہ سکیں۔“ اس نے احترام کے ساتھ کہا۔ ”میں سوچ رہا تھا کیوں نہ وہ چاروں میرے کمرے میں شفٹ ہو جائیں۔“

”ہوں۔۔۔ صابر احمد نے کچھ دیر سوچا۔“ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن میرا خیال ہے تمہاری ماں راضی نہیں ہوگی۔“

”آپ مان گئے تو امی کو میں مٹا لوں گا۔“
 ”کیوں اپنے لیے اتنے درد سر مول لیتے ہو کیف۔“
 ”درد سر نہیں ہے ابو! احساس ذمہ داری ہے۔“

وہ اثبات میں سر ہلانے لگے جیسے دل ہی دل میں کچھ سوچ رہے ہوں پھر مسکرانے لگے اور بولے
 ”میں تمہارے احساس ذمہ داری کی قدر کرتا ہوں کیف! لیکن میرا خیال ہے ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ روشن اور
 اس کی بیٹیوں کے لیے اور کا وہ ایک کڑوی کافی ہے۔“ انہوں نے بے حد آرام سے کہہ دیا۔
 کھڑکی کی اوٹ میں کھڑی خوش نصیب ایک دم سے مایوس ہوئی۔ یہی صورت حال کیف کی تھی۔ وہ بہت اعتماد
 کے ساتھ آیا تھا کہ اس کی بات مان لی جائے گی۔
 ”لیکن ابو...“ اس نے کہنے کی کوشش کی۔

”لیکن وہ کچھ نہیں... ان لوگوں کی ضروریات ہی کتنی ہیں کہ انہیں پورا پورا روشن دیا جائے... جہاں تک
 ہمارے پورشن میں رہنے کی بات ہے تو ہر ایک کی اپنی پرائیویسی ہوگی ہے میرا نہیں خیال روشن بھابھی بھی یہاں آ
 کر رہنا چاہیں گی۔“

”میں ان سے بات کر لوں گا۔“
 ”ذرا اہمیت سے کہنا مجھے ایک کپ چائے دے جائے۔“ انہوں نے دوبارہ اخبار کھول لیا یہ اس بات کا واضح
 اظہار تھا کہ اب دفع ہو جاؤ۔
 خوش نصیب کا دل ٹوٹ گیا اگلے ہی بل اس نے ناراضی اور غصے سے پرہ چھوڑ دیا اور وہاں سے ہٹ گئی۔
 کیف مایوس سا سر جھکا کر اندر سے نکلا۔



ایک میں
اور ایک تم



تنزیلہ ریاض
قیمت - 350 روپے

آجالوں کی بستی



فاخرہ جنین
قیمت - 400 روپے

کسی راستے کی
تلاش میں



میمونہ خورشید علی
قیمت - 350 روپے

میرے خواب
لوٹاؤ



نگہت عبداللہ
قیمت - 400 روپے

فون نمبر
32735021

مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی

منگوانے
کا پتہ

اس روز منفر بیدار ہوئی تو رو کلن ہائیس پر ایک اور چمکتا ہوا دن طلوع ہو چکا تھا۔ اس نے ذرا سا بروہٹا کر لیا اور دیکھا تو طبیعت پر چھائی ہوئی سستی دور ہو گئی۔ وہ بارٹ ٹائم میں ایک گرو سیری اسٹور پر کام کرتی تھی پچھلی رات اس کی ٹائٹ ڈیوٹی تھی اس لیے صبح معمول کے برعکس وہ دیر سے بیدار ہوئی تھی۔ اب دیر سے اگلی صبح جا کنگ پر تو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس روز اس کا اروہ میوزیم جانے کا بھی تھا اور ایک چمکتے ہوئے دن کے لیے یہ ایک اچھا پروگرام ثابت ہو سکتا تھا۔

پچھلی رات اسے ڈاکٹر رحمن کا پیغام ملا تھا۔ وہ شہر کے بہترین سائیکاٹر سٹ اور ان کے ڈپارٹمنٹ کے ڈین تھے۔ انہوں نے کہا تھا چونکہ آج وہ اپنی سائیکاٹری سے وابستہ مصروفیات کی وجہ سے کلج نہیں آسکیں گے اس لیے اگر منفر کو وقت نہ ہو تو وہ ان کے پاس ان کے سائیکاٹریک کلینک آجائے۔ تاکہ مزید وقت ضائع کیے بنا اس کے فائنل ایئر کے ریسرچ ورک کو ڈسکس کر لیا جائے۔ منفر کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس نے راستے گننا شروع کیے تو اندازہ ہوا ڈاکٹر رحمن کی سائیکاٹری میوزیم کے راستے میں ہی ہے۔ منفر نے سوچا وہ ایک ساتھ دو کام نمٹائے گی۔

اس مقصد کے لیے اس نے فی بی کی سائیکل بھی اوجھار لے لی۔ جس وقت وہ تیار ہو کر ہاسٹل سے نکلی۔ اپنا بیگ کمر پر لٹکائے اور فی بی ٹیل جھلاتی ایک چھوٹی سی بچی لگ رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں سائیکل ہوا سے باتیں کرنے لگی تب ہی اس کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے مشافی سے سائیکل چلاتے ہوئے جیب سے موبائل نکالا۔ مام کی کال تھی۔ منفر نے پہلے ہیڈ فون کالوں میں ٹھونسا پھر کال اینڈ کر کے موبائل دوبارہ جیب میں ڈال لیا۔ اور سارا راستہ مام سے باتیں کرتے ہوئے عبور کیا۔ ان کا اصرار تھا منفر کچھ دن کے لیے مونٹوک آئے اور ان کے پاس قیام کرے وہ اس ہو رہی تھیں اور اروہ رخصتی تھیں کہ منفر کی آمد پر اس کی پسند کی ہر چیز بتائیں گی۔

منفر نے ان سے وعدہ کیا کہ وہ اگلے ویک ایڈ پر ضرور مونٹوک آئے گی۔ مام سے بات کرنے کے دوران اسے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا جب اس نے فون بند کیا تو وہ اپنے طے شدہ وقت سے تین منٹ لیٹ ہو چکی تھی اور یہ اس کی سنگین کوتاہی تھی جسے پروفیسر رحمن جیسا وقت کا پابند انسان یقیناً "معاف کرنے پر راضی نہ ہوتا۔ منفر آگیا ہوا سے باتیں کرتے ہوئے سائیکل چلانے لگی۔

ڈاکٹر رحمن کا کلینک 'ایڈمز ٹاور کی دوسری منزل پر تھا۔ منفر نے سائیکل پارکنگ میں لگائی اور بذریعہ لفٹ دوسری منزل پر پہنچی۔ سائیکاٹری میں اس روز زیادہ رش نہیں تھا۔ "آپ لیٹ پہنچی ہیں میم! ریپیشنٹ نے اسے دیکھ کر کہا۔ "جانتی ہوں۔" منفر نے ناک چڑھا کر کہا۔ "کیا اگلا ہیشنٹ اندر جا چکا ہے؟" اس نے بڑی امید سے پوچھا کہ شاید جواب نہ ملے۔ "نہیں۔"

"لیس۔ یہ ہوئی نابات۔" وہ خوش ہو گئی۔ "کیا میں اندر جا سکتی ہوں؟" "مسٹر رحمن ابھی مصروف ہیں۔ آپ کو کچھ دیر انتظار کرنا ہو گا۔" ریپیشنٹ نے مسکرا کر اس سے کہا۔ منفر پہلے بھی دو چار بار یہاں آ چکی تھی اس لیے ریپیشنٹ جانتی تھی کہ ڈاکٹر رحمن کے پسندیدہ طالب علموں میں سے ہے۔

منفر ابوس سی ہو گئی۔

READING
Section

”کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اگلے پشٹنٹ سے پہلے مجھے پروفیسر سے بات کرنے کا موقع مل جائے؟“ منفر نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی کی لوقت دیکھتے ہوئے لجاجت سے پوچھا تھا۔

”یہ ممکن نہیں ہے میم! آپ جانتی ہیں مسٹر مینسن اپنے پشٹنٹس کے معاملے میں کتنے بڑی ہیں۔“
اب انتظار کے سوا اور کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ناچار وہ وینٹنگ روم میں آکر بیٹھ گئی۔ تقریباً ”آدھا گھنٹہ اسے انتظار کرنا پڑا یہ وقت اس نے جمانی لیتے ہوئے گزارا پھر پشٹنٹ نے اسے اندر جانے کا عندیہ دیا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوئی اور ایسے اندر داخل ہوئی جیسے گیٹ بند ہو جانے کا خطرہ ہو۔

”گڈ نارنگ پروفیسر! امید کرتی ہوں میرے دیر سے بچنے کا آپ نے برا نہیں منایا ہو گا۔“ وہ اندر داخل ہوئی اور جلدی سے بولتی چلی گئی۔
”ہرگز نہیں۔ کیونکہ مجھے اب عادت ہو چکی ہے۔“ پروفیسر مینسن نے خیر سگالی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
منفر اٹھ کھلا کر بٹسی۔ ”آنٹر آل میں آپ کی سب سے لائق اور ذہین اسٹوڈنٹ ہوں۔“
”آف کورس۔“ پروفیسر صاحب متانت سے مسکرائے پھر بولے۔ ”وہ میں آپ لوگوں کا انٹرویویشن کروا دوں۔“

اس بات پر پہلی بار منفر کو اندازہ ہوا کہ اسے میں پروفیسر اور اس کے علاوہ کوئی اور بھی موجود ہے۔ اس نے اس تیسرے شخص کی طرف دیکھا اور اس کا دل ایک لمحے کے لیے تھم کر بحال ہوا۔
”ان سے ملو مس منفر! یہ معاویہ شیرازی ہیں۔ انڈسٹریل مشینری کے کاروبار سے وابستہ ہیں۔ اتنی سی عمر میں بزنس میں بہت نام کما لیا ہے۔ اور تمہیں بتا ہے پچھلے سال ان کی کمپنی کو بہترین کارکردگی پر stevie ایوارڈ ملا تھا۔“

پروفیسر مینسن بڑے متاثر کن انداز میں اسے بتا رہے تھے۔
معاویہ ان کی بات سن کر مسکرا رہا تھا۔ اس کی سرو مہر آنکھیں جیسے کہیں عائب ہو چکی تھی اور وہ بڑی خوش دلی سے مسکرا رہا تھا۔ اس کے نقوش پارک والے معاویہ سے ملتے تھے آنکھوں کے تاثرات نہیں۔ منفر نے دل میں سوچا۔

”وہم آن ڈاکٹر! اب میری بہت تعریف کر رہے ہیں۔“ وہ مسکرا رہا تھا لیکن انداز میں جینیب بھی تھی۔
”وہ اس لیے کہیں کہ میں تم سے بہت متاثر ہوں۔ اتنی سی عمر میں اتنی کامیابیاں حاصل کر لی ہیں کہ میری عمر کے لوگ تم سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتے ہیں۔“ اس بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر منفر کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

”ہیلو۔ آئی ایم معاویہ!“ اس نے مصالحوں کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ منفر نے اپنا ہاتھ ساتھ اس کی چوڑی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ معاویہ نے خیر سگالی کے تحت اس کے ہاتھ کو ہولے سے دیا اور منفر کو ایسا لگا اس کی ساری جان سمٹ کر ہتھیلی میں قید ہو گئی ہو۔ صرف یہی نہیں معاویہ کی مسکراہٹ منفر کے دل پر اوس بن کر رہنے لگی تھی۔
لٹھڑی، پیشی اور برسکون کر دینے والی۔
”ہیلو۔ میں منفر ہوں۔ منفر اسکندر۔“ اس نے خود کو کہتے سنا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

For Next Episode Stay Tuned To
Paksociety.com

67 مارچ 2016ء

READING
Section

ہو گئی تھیں اور ان میں ہی ان کی سخی سہیلی بھی شامل تھی۔ انہیں ہمیشہ اس کا قلق رہا۔ جانے کس کے ہتھے چڑھ گئی تھی وہ۔

میں جانتی تھی ان کا دل غموں سے آباد ہے۔ میں ڈاکٹر بن رہی تھی۔ جسم برنگے زخموں اور ناموروں کا علاج کرنا سیکھ رہی تھی۔ مگر ان کا علاج نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ میڈیکل سائنس ابھی روح پہ لگے زخموں کا کوئی علاج دریافت نہیں کر سکی تھی۔



فیس بک پر میں اور ہشیا گفتگوں باتیں کرتے۔ جتنا میں ہندوستان کو دیکھنے کے لیے تڑپتی تھی اس سے کہیں زیادہ وہ پاکستان کو دیکھنے کی تمنا کرتی تھی۔ ہشیا کی

میری ہشیا سے شناسائی فیس بک پر ہوئی تھی اور اس کو دوستی میں ڈھالنے میں سب سے زیادہ میرا ہی ہاتھ تھا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ ہشیا ہندوستان میں رہتی تھی اور ہندوستان میرے خوابوں کی سرزمین تھی کیوں کہ وہ میرے والد کی جائے پیدائش تھی۔ قیام پاکستان کے وقت جب میرے دادا لٹے پٹے ہندوستان سے پاکستان آئے تھے تو وہ وہاں صرف اپنی جائیداد، حویلی اور کاروبار ہی نہیں چھوڑ کر آئے تھے بلکہ وہاں کی کسی جھیل کی تہ میں اپنی بیوی اور دو بیٹیوں کو بھی چھوڑ آئے تھے۔

میری پیدائش سے بہت پہلے دادا اس دنیا سے جا چکے تھے۔ ہوش کی منزل تک پہنچتے پہنچتے میں اپنے والد کے چھپ چھپ کے رونے کا سبب جان چکی

تسیم شریف

سن کا گھاؤ

کوئی بھی بات ماما جی کے ذکر کے بغیر پوری نہ ہوتی۔ وہ باتوں باتوں میں اکثر اپنی ماما جی کے خیالات میرے گوش گزار کرتی رہتی جس میں اس کی من پسند بات یہ تھی کہ مسلمان اور ہندو جنم جنم سے لگتے رہتے تھے۔ ان کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا۔ نہ ہی تمواروں پر مٹھائیوں کا ہاولہ ہوتا ایک دوسرے کو کھانے پر بلایا جاتا۔ امن، محبت، شانتی سب ہی کچھ تو تھا پر یہ دنیاؤں کا کینہہ بن تھا کہ جس نے محبت کی سرزمین کو سرحدوں میں بانٹ دیا تھا۔ اور ان سرحدوں نے سوائے نفرتوں کو جنم دینے کے کچھ نہیں کیا تھا۔ وہ ہشت گردی کی جس آگ میں ہم جل رہے تھے اس کے شعلے انہیں بھی جھلسا رہے تھے۔

انگریز سرکار برصغیر سے تو چلی گئی تھی مگر اس کی

تھی۔ میں جانتی تھی کہ انہیں اپنی ماں بہنیں یاد آتی ہیں۔ اپنا وہ بڑا سا گھریا داتا ہے۔ جس میں اہلی اور یتیم کے درخت تھے۔ انہیں وہ گلیاں یاد آتی ہیں جہاں وہ ملتی تھیں اس کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ انہیں ماسٹر شکر کا وہ ڈنڈا بھی یاد آتا ہے جو ان کے ننھے ننھے ہاتھوں کو سرخ کر دیا کرتا تھا۔ وہ مجھ سے ہندوستان کی باتیں کرتے کرتے اکثر اپنے مضبوط توانا ہاتھوں کو دیکھ کر ہنس پڑتے۔ ان کے ہاتھوں سے ماسٹر شکر کی وی ہوئی سرخی کب کی رخصت ہو چکی تھی مگر من کا گھاؤ اسی طرح باقی تھا۔ وہ اکثر سیاستدانوں کو برا بھلا کہتے جن کی وجہ سے ان کا گھر بار چھوٹا تھا۔ ان کی تعلیم ادھوری رہ گئی تھی۔ بلوائیوں کے حملے کی وجہ سے ان کے گاؤں کی بے شمار خواتین نے خود کشی کر لی تھی۔ بیشتر لاپتا

Downloaded From
Paksocietyty.com



Saba...

READING
Section



دوران ملاقات ہنس مکھ سی نندتا شہلیا، راجیش اور
راکھی نے از خود ہمارے گائیڈ کی ذمہ داری سنبھال لی
تھی۔ وہ ہمارے ساتھ کئی تفریحی جگہوں پر بھی گئے۔
مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے جو کوئی تاریخی
عمارت سامنے آجاتی تو وہ نہ صرف اس کے محل وقوع
سے آگاہ کرتے بلکہ اس کا پس منظر اور تاریخی حیثیت
بھی بتاتے۔

وہاں تو مسلمانوں کی مختلف یادگاریں جگہ جگہ
بکھری تھیں۔ نندتا اور شہلیا کو فر فر انگریزی بولتے دیکھ
کر مجھے احساس کمتری نے گھیر لیا تھا۔ میں ڈاکٹر بن رہی
تھی تب بھی ایسی انگریزی بولنے سے قاصر تھی۔
رہتے میں نظر آتے کھیت کھلیاں، گلیاں
چوہارے، گھر اور ان کے مکین واقعی ہمارے جیسے ہی
تھے۔ محسوس ہوتا تھا کہ پاکستان کے ہی کسی علاقے
میں ہیں۔ ویسے ہی ناک نقشے کے لوگ، ویسا ہی پہناوا،
راہن سن، غروت، کسمپری، سب تقریباً ایک جیسا
ہی تھا۔

سیاست ابھی بھی نہیں بھٹک رہی تھی۔ ہشہا کی ماما جی
کہتی تھیں کہ انگریز تو چاہتے ہی ہیں کہ ہم آپس میں
لڑیں مریں اور ان کا سلحے کا کاروبار چلتا رہے۔ جگ
میں شانتی ہوگی تو ان کا سلحہ کون خریدے گا۔ تب ہی تو
دھرتی پہ دنگا فساد مچائے رکھتے ہیں اور عیتاؤں کا راج
باٹ بھی نفرت پھیلانے میں ہے۔ ورنہ پر جا تو دونوں
طرف کی ملنا چاہتی ہے۔ ایک دوسرے سے سمبندھ
رکھنا چاہتی ہے۔ آپس میں محبت دوستی رکھنا چاہتی
ہے۔ یہاں فساد کوئی اور کرنا ہے اور ہم الزام ایک
دوسرے کو دیتے ہیں۔ ہمارا امیری (دشمن) سا بھٹا ہے۔
ہمیں اسے کھوجنا چاہیے۔

ہشہا سے باتیں کر کے اکثر میرا دل اداس ہو جاتا۔
مجھے اپنے مرحوم والد یاد آجاتے جنہوں نے قیام
پاکستان کی بڑی بھاری قیمت ادا کی تھی۔

جوں ہی ہمارے طیارے کے پہیوں نے ڈالی

ایئر پورٹ کے رن وے کو چھوا، میرا بے تحاشا دھڑکتا
دل بے قابو ہونے لگا۔ کاش آج والد زندہ ہوتے اور
میرے ساتھ ہوتے۔ اور ایک بار پھر اپنے ہندوستان کو
دیکھتے۔ اسی ہندوستان کو جو مسلمانوں کی سطوت کا شاہد
تھا۔ جہاں مسلمانوں نے ہزار برس حکومت کی تھی۔
جنہوں نے تلج محل بنا کر محبت کو خراج تحسین پیش کیا
تھا۔ جنہوں نے علی گڑھ یونیورسٹی قائم کر کے کھولی
ہوئی میراث کو پانے کی بنا ڈالی تھی۔ وہی ہندوستان
میرے قدموں تلے تھا۔

میں اپنے کالج کے چند اساتذہ اور اسٹوڈنٹ کے
ساتھ چند روزہ دن کے تعلیمی دورے پر یہاں آئی تھی۔ دو
دن تو مختلف کالجز اور یونیورسٹیز کا دورہ کرنے میں لگ
گئے جہاں مختلف لوگوں سے ملاقات کا موقع ملا۔ سب
ہی خوش اخلاقی اور محبت سے ملے۔ ہندوستان میں
تعلیم کا معیار نہایت عمدہ تھا۔ میڈیکل، کمپیوٹر اور
انجینئرنگ کے اعلیٰ تعلیمی ادارے تھے جن کا معیار دیکھ
کر میں از حد متاثر ہوئی۔

ہشہا کی ماما جی ٹھیک کہتی تھیں۔ ”ہم تو ایک جیسے
ہی تھے۔“

ہشہا کی ماما جی ایک خوب صورت خاتون تھیں۔
ذہانت ان کے بشرے سے ظاہر تھی۔ انہوں نے مسکرا
کر میرا سواگت کیا۔ مجھے گھر کی دہلیز پر روک کر پہلے
میری آرتی اتاری۔ میں شرمیلی شرمیلی کھڑی رہی۔
ہشہا کی پر شوق نگاہیں مجھ پر جمی تھیں۔ میں محسوس
کر سکتی تھی کہ میں اسے پہلی نظر میں بھاگتی ہوں۔
مجھے بھی وہ بہت اچھی لگی تھی اور اس سے بڑھ کر میرا
استقبال کرنے کا انداز۔

میں نے اپنی پروفیسرز سے خصوصی اجازت لی تھی
پورے تین دن ہشہا کے ساتھ گزارنے کے لیے۔
میڈیم رخصانہ نے پہلے پاکستان فون کر کے میری والدہ
سے تصدیق کی کہ مجھے ہشہا کے گھر جانے کے لیے ان
کی اجازت حاصل ہے۔ پھر دس بدایتوں اور نصیحتوں

”شما کرنا ہم پالیوں میں چائے پیتے ہیں۔ تمہارے لیے یہ کسپ ہے۔“ میں نے مسکرا کر کپ اٹھا لیا۔
 ”تمہارے آنے کا سن کر میں نے بابو جی سے خاص فرمائش کر کے یہ شیشے کے برتن منگوائے ہیں۔ ہم تو ہسپتال ’ٹائپ‘ کے برتنوں میں کھاتے پیتے ہیں۔ جانے تمہیں کیسا لگتا اسی کارن تمہارے لیے نئے برتن منگوائے ہیں۔“

میں شرمندہ ہو گئی۔ ”ارے نہیں۔ تم نے خواجواہ تکلف کیا۔ میں کسی چھوت چھات کی قائل نہیں۔ میں بھی ان ہی برتنوں میں کھا سکتی۔“
 اس نے مسکرا کر میری بات سنی اور موضوع گفتگو بدل دیا۔



دوپہر کو بھی اس نے کھانا میرے ساتھ انیکسی میں کھایا۔ ہشہا کی ماما جی نے بڑا شاندار اور پر تکلف کھانا بنایا تھا۔ کھانے کے دوران باتوں باتوں میں ہمارا پروگرام بن گیا کہ شام کو ہشہا کی دوستوں کے ساتھ بازار خریداری کے لیے چلیں گے۔ مجھے قبیلے کی عادت تھی۔ اس لیے ہشہا میرا خیال کر کے جلد ہی رخصت ہو گئی۔ مگر آج کچھ عجیب سی بات تھی کہ مجھے در تک نیند نہ آئی۔ تنگ آ کر میں انیکسی سے باہر نکل آئی۔

غضب کی دھوپ بڑھ رہی تھی۔ لان خالی بڑا تھا۔ میں ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ ہشہا کو بلاؤں تو کیسے کہ انیکسی کے عقب سے مجھے کچھ آواز میں سنائی دیں اور میں اسی جانب ہوئی۔ ایک انتہائی دلچسپ منظر میرے سامنے تھا۔ ایک چھوٹا سا پارا سا لڑکار راج کمار بنا ہوا تھا۔ اور تقریباً ”اسی کی عمر کی ایک لڑکی کھڑی اس کے احکامات سن رہی تھی۔ میرے چہرے پر مسکراہٹ رہ گئی۔

”راج کمار صاحب! آپ کے کپڑے تو اتنے گندے میلے ہو رہے ہیں، راج کمار کیا ایسے ہوتے ہیں؟“ میری آواز سن کر وہ چونکا۔ پہلے مجھے دیکھا پھر

کے بعد رومی کے ساتھ مجھے ہشہا کے گھر بھیجا۔ رومی کو ہم نے ڈرائیور کے طور پر ہار کیا تھا اور وہ بڑی ذمہ داری کے ساتھ پورے ٹرپ پہ ہمیں ہر اس جگہ بحفاظت لے گیا تھا جہاں ہم نے جانے کی خواہش کی تھی یا جہاں جانا تعلیمی نقطہ نگاہ سے ہمارے لیے مفید تھا۔

ہشہا کی کوٹھی دو سوچ و عریض رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ خوب صورت لان رنگ برنگے پھولوں سے مزین تھا۔ مجھے اس نے انیکسی میں ٹھہرایا تھا اور اس بات پر خاصی شرمندہ ہو رہی تھی کیوں کہ گھر میں پہلے ہی اس کے بابو جی کے کچھ مہمان ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ خواجواہ شرمندہ ہو رہی تھی حالانکہ مجھے یہ بات اچھی لگی تھی۔ کیوں کہ میں پردے کی پابند تھی۔



صبح میری آنکھ کسی شور سے کھلی۔ دو رکعت گھنٹیاں سی بج رہی تھیں۔ جن کا ترنم فضا میں ارتعاش پیدا کر رہا تھا۔ یہ میری بھی نماز کا ٹائم تھا۔ میں اٹھ گئی۔ فضا میں خشکی تھی اور مجھے شدت سے چائے کی طلب

محسوس ہو رہی تھی۔ نچانے ہشہا اور اس کے گھر والے کتنے بچے جاتے تھے اور پھر از خود چائے مانگنا بھی تو معیوب تھا۔ میں نے وضو کر کے نماز کی نیت باندھ لی۔ ابھی فرض کی آخری رکعت باقی تھی کہ مجھے دروازے پر کچھ کھٹکا سنائی دیا۔ اطمینان سے نماز مکمل کر کے میں نے دیکھا۔ ہشہا دروازے پر ٹانٹے کے لوازمات سمیت کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر کچھ عجیب سا تاثر تھا۔

”او آؤ ہشہا! میں نماز پڑھ رہی تھی۔“
 وہ چونکی۔ ”اے! ماما جی بھی سویرے سویرے راتھنا کرتی ہیں۔ پر تو۔ مجھ سے اتنے سویرے نہیں اٹھا جاتا۔“ وہ میرے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔
 تھالی میں ایک پیل کی پیالی اور ایک شیشے کے کپ میں چائے تھی۔ میں سوچ میں پڑ گئی کہ کسے اٹھاؤں کہ اس نے خود میری مشکل آسان کر دی۔

اپنے کپڑوں کو اور جینپ گیا۔

”ہم تو کھیل رہے ہیں۔“

”راج کمار والا کھیل رہے ہو تو پہلے راج کمار جیسے بنو بھی تو اور یہ کون ہے؟“ میں نے بچی کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ سلمیٰ ہے، میری داسی۔“ مجھے ایک دم ہنسی آئی۔ بچی پہلے ہی سہمی ہوئی تھی مجھے ہنسا دیکھ کر کھسی گئی۔

”اور تم کون ہو؟“ میں نے راج کمار سے پوچھا۔

”میں راجیش ہوں۔“ ہشیا دیدی کا متر (دوست)۔

”اوہ!“ میرے منہ سے بے ساختہ آواز نکلی۔

”آپ بھی ہشیا دیدی کی متر ہوتا؟“

”ہاں! اور ہشیا کے گھر جو مہمان آئے ہیں وہ کس کے دوست ہیں؟“

”مہمان؟“ میری بات سن کر اس نے حیرت سے دہرایا۔

”ہاں! ہشیا کے باپ جی کے مہمان آئے ہوئے ہیں نا۔“ میں نے ہشیا کی کوٹھی کی طرف اشارہ کیا۔

”وہ نہیں! میں تو روز ہشیا دیدی کے گھر آتا ہوں۔ وہاں تو کوئی مہمان نہیں آیا ہوا۔ مہمان تو بس آپ ہو۔“ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

مجھے اس کی بات سن کر اچھنچھا ہوا۔ کیا ہشیا نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے؟ مگر کیوں؟ میری سمجھ میں نہ آیا تو میں پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

”اچھا۔“ اچھا جاؤ۔ ہشیا دیدی کو دیکھو۔ اگر وہ کوئی کام نہ کر رہی ہو اور جاگ رہی ہو تو اس سے کہو آپ کی دوست بلارہی ہے۔“

”میں جاؤں؟“ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، سلمیٰ بول پڑی۔ مگر راج کمار نے سختی سے اسے روک دیا۔

”نہیں۔ تم اندر نہیں جاؤ۔ دیدی کہتی ہیں تم پلیچھ ہو۔ دیدی کا گھر پلید ہو جائے گا اور پھر ہمیں صفائی کرنی پڑے گی۔ ٹھہرو۔ میں جاتا ہوں۔“

”نہیں! تم بھی ٹھہرو۔“ میرے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ اور میں انیکسی کی طرف لوٹ آئی۔

میرے دل غم میں جھکڑ چل رہے تھے۔ ”کیا میں بھی پلیچھ تھی؟ ہشیا نے مہمانوں کا جھوٹ اسی لیے بولا تھا کیوں کہ وہ مجھے اپنے گھر لے جانا ہی نہیں چاہتی تھی۔“

میرے لیے کلچ کے برتن میرا خیال کر کے نہیں، اس لیے منگوائے تھے کہ کہیں اس کے برتن پلید نہ ہو جائیں۔“

ایک دم مجھے خیال آیا کہ اب تک میں جن اعلا تعلیمی اداروں میں گئی تھی وہاں میری ملاقات، مندرتا، شوہا، راوہا سے تو ہوئی تھی مگر وہاں کوئی غزالہ کوئی رضیہ نہیں تھی۔ ہاں ایک سلمیٰ سے ملاقات ہوئی تھی جو داسی تھی۔

راجیش کی داسی۔

کمرے میں جس برہہ گیا تھا۔ سڑی دھوپ سر چکرائے دے رہی تھی۔ میں نے روی کو فون کیا کہ وہ اگر مجھے لے جائے اور خاموشی سے اپنا سوٹ کیس اٹھا کر انیکسی سے باہر آئی۔ سڑک پر کھڑے ہو کر میں نے روی کا انتظار کرتے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔ بھانت بھانت کے لوگ تھے۔ ماتھے پر تلک لگائی ہوئی ہنستی کھیلتی تاریاں، بچن گاتے پنڈت پجاری، سر اٹھائے مندر اور سر پر ٹوپیاں، جمائے خاموشی سے سر جھکائے چائے پیچھے لڑکے۔

یہ میرے والد کا ہندوستان تو نہیں تھا۔ وہ تو شاید میری دادی کے ساتھ ہی کسی جھیل کی تہ میں بیٹھ گیا تھا۔

یہ تو ہشیا کا ہندوستان تھا۔ جہاں برتن الگ تھے لوگ الگ تھے عبادت الگ تھی۔ سب سے بڑا فرق یہ تھا کہ میرا وحدہ لا شریک رب ان کا بھی پالن ہار تھا مگر ان کے بے شمار مٹی کے بت میرے خدا نہیں تھے۔

ہشیا کی ماما جی نے غلط کہا تھا ”ہم ایک جیسے ہیں۔“ ہم ایک جیسے نہیں تھے۔



جنگلات

تحت احمر نے اوہ کھلے دروازے کو پورا کھول کر
چوکھٹ سے پرے ہٹ کر گویا انہیں اندر آنے کی
عوت دی۔

”تشریف رکھیے مسز احمر اپنی جگہ سے بس آتی
ہی ہوں گی۔“ بولنے والے کے لہجے میں کھڑکی کے پار
اترتی ٹھنڈک رچی تھی۔ خاتون اور ان کا سانس ہی خندہ
پیشانی سے پھیلے اوجھ کھٹے سے انتظار میں تھے۔ اور احمر
نے کچن میں اپنے مہمانوں سے زیادہ اہم کاموں پر توجہ
مركز رکھی تھی۔

”دیل آج مجھے ماننا پڑے گا کہ مصفرہ اور احمر
میرے انتظار میں بیٹھے ہیں۔“ پختہ مگر نرم نقوش کی
عورت چند شاہک بھگڑتے ہوئے ہوتے ہوئے اندر
داخل ہوئی تھی لیکن لاؤنج میں برائمان مہمانوں کو
دیکھ کر ان کے ہنسنے لوس ہو گئے۔
”تم ٹھیک ہو زینیا۔“ ذہلی عمر کی عورت لپک کر
قریب آئی۔

”ذہلیس خود کو نارمل رکھنا ہوگا، اگر تمہارے شوہر
کو ظلم ہو گیا تو۔“ مہم نے بات اور عوری پھوڑی۔
”اتنی دیر لگاری تم نے؟“ اندر داخل ہوتے احمر کے
لہجے کی نئی زینیا کی رنگوں کو زخمی کرنے لگی۔ اس کی
ہڈیاں ٹھنڈے لگیں۔

”ہاں بس کچھ گروسری لینے گئی تھی۔“ گلے
میں پھندے کی طرح پھنسے بے حد وزنی گولے کو
دھکیلتے ہوئے وہ بے مشکل بول پائی۔

”ذرا جلدی فارغ ہو جانا اب۔“ مزید احکام صادر
کرتے ہوئے وہ ذرا بھی موت دکھائے بغیر کتا چلا

سورج کی زرد زرد سی روشنی کو شام کے دھند لکوں
نے دھیرے دھیرے اپنے پردوں میں سمیٹنا شروع کیا
تھا۔ فضا میں خنکی بڑھنے لگی تھی۔ ڈھیلے قدموں سے
چلتی وہ اپنے کسی خیال میں محو نظر آتی تھی۔
”کتنی دلچسپ کما ہے کھنٹی کم بجایا کرو ایک دفعہ اس پر
ہاتھ رکھ لو تو اٹھانا بھول جاتی ہو۔ میں بہرہ نہیں ہوا
ابھی۔“ روزمرہ کی طرح وہ اس کے یوں کھنٹی بجانے
پر غصہ ہوا تھا۔

”اتنی دیر کیوں ہو گئی آج تمہیں؟۔ مصفرہ!
میں خوب جانتا ہوں کہ تمہارا آف سات بجے ہوتا
ہے۔“ مصفرہ نے جواب دیے میڑھیاں چڑھنے لگی۔
”مجھے بے خوف سمجھتی ہے کیا؟“ لودھڑاتے
ہوئے وہ مسلسل اشتغال سے بیڑائے جا رہا تھا۔
مصفرہ دھیان دیے بغیر اپنے کمرے میں آگئی۔ اسی
وقت دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔

”جی! میں کیا مدد کر سکتا ہوں آپ کی؟“ جیکے
چوتوں آنکھوں میں اجنبیت لیے احمر نے سوال
داغ۔

”ہمیں مسز احمر سے ملنا ہے۔“ ذہلی عمر کی ایک
عورت نے آگے بڑھتے ہوئے جواب دیا۔

”کس سلسلے میں۔“ احمر نے اوہ کھلے
دروازے کی چوکھٹ میں مزید تن کر کھڑے ہوتے
ہوئے شکی نظروں کے ساتھ استفسار کیا۔

”کچھ ذاتی نوعیت کا کام ہے ان سے۔“ جواب
اسٹائی نری سے آیا۔ خاتون اور ان کا سانس ہی بظاہر
مضبوط حیثیت کے معلوم ہوتے تھے اسی خیال کے

Downloaded From
Paksociety.com

READING
Section



”جی میں نے پہچانا نہیں آپ کو؟“ زینیا نے کھاری
سانسوں کو محسوس کرتے ہوئے آنے والوں کا مدعا
جاننا چاہا۔ مگر اجنبی بنتے ہوئے۔

”میں وہ۔۔۔ آپ کی بیٹی مصفرہ کے سلسلے میں آئی
تھی۔“ من دھمے لہجے میں کہنے لگی۔ ”اگر آپ
اجازت دیں تو۔۔۔ وہ میرا بیٹا عزیز میں اسی سلسلے میں آئی
تھی۔“ من نے بے ربط الفاظ میں مدعا بیان کیا۔

”بہت خوب۔۔۔ یہ تھا آپ کا زانی نوعیت کا کام۔“
دروازے کی اوٹ میں کھڑے امر نے سامنے آنے
ہوئے انتہائی بھونڈے انداز میں سوال کیا۔ آنے
والوں کے وہ لٹے لیے گئے کہ اگر وہ سمجھ دار ہوئے تو
دوبارہ یہاں آنے کا قصد بھی نہ کر سکیں۔

کھڑکی کے پار چاند ناراضی سے اوٹ میں جا چھپا،
باہر چھپا چم سفید برف روتی کی مانند تو اتر سے زمین پر
اترنے لگی اور اپنی ٹھنڈا اندر موجود نفوس میں اندھیلنے
لگی۔

”آپ چلے جائیں یہاں سے بہت بڑی فلتی کی
آپ نے۔“ سر ڈنگ پر چھپا اور خود کے پار ہو میں۔

”آپ سنیں تو“ میرا بیٹا بزنس کا اسٹوڈنٹ ہے۔۔۔
مصفرہ اور عزیز ساتھ پڑھتے ہیں، دیکھیں۔“ من
منمنائی آواز میں دفاع کرنا چاہتی تھیں احمر کا ضبط یہیں
تک تھا آخری الفاظ نے گویا سرد وجود کو آگ میں
وکیل دیا تھا۔

سماتوں کو جس عزت سے نکالا گیا تھا وہ قاتل
مذمت تھا مگر اس سے آگے جو ہوا۔۔۔ وہ بھی قاتل
مذمت تھا۔

”مصفرہ۔۔۔ نہیں چھوٹوں گا تمہیں۔۔۔ سارے والوں
گام میں تمہیں بے شرم۔ بے حیا یہی گل کھلانے تھے
پڑھنے کے نام پر۔۔۔ میں تمہیں مار دوں گا۔“ کھڑکی
کے پار کمر میں لپٹی کھاری سانسوں کی آہیں گھلنے
لگیں۔ زینیا تحیف و جود کے ساتھ وہیں ڈھے گئیں۔
اور کسی دق کی مریضہ کی طرح جو کہنے لگیں۔

”کے گل کھرایا تم نے انہیں۔۔۔“ وہ بولنے سے زیادہ

ہاتھ چلا رہا تھا۔ سارا رگڑا ہوا کر ڈالا تھا۔ تب ہی ایک
دلہوز خچ نے سکوت زور ماحول میں ارتعاش پیدا کیا تو
زینیا دیوالوں کی طرح بھاگی۔

”چھوڑو میری بیٹی کو۔۔۔ درندے۔۔۔ رکو تم میں نے
کال کی ہے پولیس کو ابھی تمہیں سنبھالے گی اب۔۔۔“
وہ ہانپتے ہوئے مصفرہ کو پھلانے میں ہلکان ہوئی جا رہی
تھی۔

پولیس کا سنتے ہی احمر کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے
اور وہ لوہہ گیا رہا ہو گیا۔

مصفرہ کی حالت قاتل رحم تھی وہ سسکتی جاتی
تھی اور اپنی ماں کے سینے سے لگی گرم سیال اندھیلی
جاتی نہ نہان سے کوئی شکوہ نہ شکایت۔ خاموش اور
سلسل چپ ہونٹوں سے لگائے وہ بکلتی رہتی۔ یہی
معمول تھا تب بھی وہ خاموش بڑی رہتی خاموش ندی
جو بہتی چلی جاتی۔۔۔ کبھی کبھی خاموشی بھی ”زینیا“ کو
یوں چونکا جیسے جلتے ہوئے موم سے کٹیف دھواں
اٹھے اور بھارتوں کو جلانے لگے۔



”سنو مصفرہ۔۔۔ میں پوری یونی میں چار دن سے
تمہیں تلاش کر رہا ہوں۔“ تیز مگر اجنبی آواز اس کے
پہلو پہلو قدم رکھنے لگی۔

”جی۔“ وہ چونک کر رکی سرخ روشن پہلو میں ملتی آواز
کی طرف مبذول کیا تھا۔

”تم تو کبھی چھٹی نہیں کرتیں لیکن۔“
”ہیکس کھوڑی۔۔۔ میں مصروف ہوں۔“
آنکھوں میں اجنبیت لیے وہ آگے بڑھی۔

”میں عزیز ہوں۔۔۔ سنو مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں،
تمہارے والد نے جو کچھ اس دن کہا۔“ وہ بولتا رہا اور
وہ تاک کی سپدھ میں کتابیں سینے سے لگائے چلتی رہی۔
”میں تم سے معذرت کرنا ہوں، مجھے ایسے اپنے
والدین کو تمہاری طرف تمہاری اجازت کے بغیر نہیں
لے جانا چاہیے تھا۔ شاید وہ پہلے سے اس بات کے
لیے تیار نہیں تھے۔ سو سوری۔“ آخری بات سنتے ہی

مصفرہ کی کلن کی اوپن سرخ پڑ گئیں، چہرہ تخت سے گلابی پڑ گیا اور وہ بھانسنے کے سے انداز میں چلنے لگی۔ جیسے وہ ایسا کر کے اس آواز سے ہنسنے لگا لیا۔

”کیا تم نے مجھے معاف کر دیا۔“ کلن دور تک چلتے رہنے تک جب اسے یقین ہو گیا کہ یہ کچھ نہیں بولے گی تو سوال دانتا۔

”جی۔“ وہ مختصر جواب دے کر دوڑتے قدموں کے ساتھ دوڑ چلی گئی۔ کھولتے ہوئے پانی۔۔۔ نے اس کے گالوں پر ہنسا شروع کیا اور وہ پھر سے بہتی ہوئی ندی بن گئی۔

افق کے کنارے پر نکلی گولی نکلیا پارے کی طرح چمکتی تھی، مگر اس چمک میں رونق کی کمی تھی۔ سیکی ہوئیں دامن سے بائیں تیر رہی تھیں جن میں کسی کے آنسوؤں کی نمی شامل تھی۔

”تم آج پھر کئی تھیں پڑھنے؟“ احمر اشتعال سے

گر جانتا۔

”اور ملی بھی ہوگی اس سے؟“ فیسے سے ابھبھک کر آگے آیا۔

”ہاتھ مت لگانا اسے ورنہ میں پولیس کو بلا لوں گی۔“ زحیا نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکا۔

”ہونہ پولیس۔“ وہ ہنکارتا آگے بڑھا۔ ”آئندہ اس کے ساتھ دیکھا تمہیں تو تمہاری ماں کے درمیان میں آنے سے پہلے ہی کاٹ ڈالوں گا تمہیں۔ بنا تم نے۔“ زہریلی برہمیاں اس کی سماعت میں اتار تا وہ چلا گیا۔ مصفرہ کو آج سے پہلے اتنی جھک محسوس نہیں ہوئی تھی جتنی گزشتہ روز کے واقعہ کے بعد ہوئی تھی۔

”کیا تم پولیس اس لڑکے سے؟“ زحیا کی آواز جذبات سے عاری تھی۔

”مئی میں جانتی تک نہیں اسے۔“

”ٹھیک ہے آئندہ خیال رکھنا۔“ پھر بلا لہجہ موم کی صورت پر پتھر برسا کر آگے بڑھتا چلا گیا۔



”مصفرہ تم کہاں غائب ہو جاتی ہو؟ رحم کرو مجھ پر۔“ مدھر مگر السیت اور نا آشنائی کے درمیان چند لمحوں کی طرح جھومتی آواز سر باندھنے لگی، وہ مسکورتے ہوئے چاہتی تھی، سوا تھل تھل سانسوں کو سنبھالتی چلتی گئی۔

”تم ٹھیک ہو مصفرہ؟“ وہ پریشان سا ہو کر سامنے آیا۔

سرخ روشن ساکت مگر بے رنگ چٹیلوں میں رنگ بھرنے لگا۔

”اگر آئندہ آپ نے میرا پیچھا کرنے کی یا مجھ سے مخاطب ہونے کی غلطی کی تو نقصان کے ذمہ وار آپ خود ہوں گے۔“ شیلے انداز میں کہتی وہ رنگوں بھری دنیا سے کترا کر آگے بڑھتا چاہتی تھی، لیکن وہ اس کے قدموں سے لپٹ لپٹ جاتیں یوں کہ وہ بے بس ہونے لگی۔

”زندگی پہلے تم مشکل تھی جو اب یہ شو شا چھوڑ کر

مجھے اذیت میں مبتلا کر دیا، آپ نے، آپ ہونے کون ہیں میرے گھر رشتہ بھولنے والے، جانتی تک نہیں میں آپ کو تمہارا گناہ رکھ دیا ہے، آپ نے میری ذات کا وہ میرا سونپلا وحشی باپ اسے کوئی بیخ چاہے ہوئی ہے مجھے اذیت دینے کے لیے مگر آپ کو کیا۔“ وہ غیر متوازن لہجے میں بے بسی سے رندھی آواز سے شکوہ کرنے لگی۔

”کیا تم پانچ منٹ کے لیے یہاں بیٹھ کر تھل سے میری بات سن سکتی ہوں؟“ مان بھرے لہجے میں اکتاوا سامنے پڑے بیچ کی طرف اشارہ کر رہا تھا، وہ انکار یا اقرار سے پہلے بیچ کی طرف بڑھ گیا اور وہ تھلید میں پیچھے آئی۔

”ہم اجنبی نہیں ہیں۔ میں تمہاری شمن پھپھو کا بیٹا ہوں مصفرہ۔“

”تو کیا وہ شمن پھپھو۔۔۔؟“ وہ آدھی بات کاٹ کر تیزی سے بولی۔

”پانچ منٹ مجھے بولنے، کیا بولنے دو گی؟ پھر ساری زندگی مجھے تمہیں ہی سنتا ہے، کیوں ٹھیک کہنا میں نے؟“ سنجیدگی سے کہتے وہ ایک انتہائی غیر سنجیدہ

سی بات کر گیا تھا اور یہ منظر یوں ہی تھا جیسے تیز کڑا تھی ہوئی وہ پھر میں شدید جس کے عالم میں باہل پھم سے آئیں اور برستے چلے جائیں، وہی مسکان نے گلابی پتیوں کے کناروں کو چھوا اور وہ پھیلنے لگے۔

”ہاں می اس دن آئی تھیں ابو کے ساتھ، لیکن اس بات کا تمہارے والد کو نہیں پتا چلنا چاہیے وگرنہ وہ بھی ایسا نہیں ہونے دیں گے اور وادی تمہیں دیکھنے کو ترس رہی ہیں مصفوفہ، نہ کہتی ہیں ایک دفعہ بس ایک دفعہ مجھے ابراہیم کی اولاد سے ملو اور بہت یاد کرتی ہیں تمہیں، انہوں نے امی کو بہت منت سے بھیجا ہے ورنہ تو امی بھی اپنی مرضی سے نہ آتیں، تم کلنی چھوٹی تھیں جب تمہارے ابو کی فوت ہوئی، تمہاری امی کی دو سری شادی کے بعد سے اب تک وادی تم سے ملنے کو بہت بے تاب ہیں مصفوفہ! میں کسی کے عیب بتانے یا کسی کو نیچا دکھانے نہیں آیا، مجھے وادی نے بھیجا ہے وگرنہ تمہاری امی کے تعلقات اپنے پیچھے سسرال سے اتنے برے تھے کہ ہر آن لگتا کہ وہ ٹوٹ جائیں گے اور پھر ایک دن ٹوٹ ہی گئے۔ مگر خیر تمہاری امی، مطلب ممالی، امی کو پہچان گئی تھیں، لیکن انہوں نے اپنے شوہر کے سامنے اظہار نہیں کیا، اب تمہاری مرضی ہے تم جو چاہے مرضی فیصلہ کرو۔ چاہے وادی کا کہا رکھ لو، یا آگے۔ جیسے تمہاری مرضی ہے، چلنا ہوں، کچھ کام ہے، کل بات ہوگی۔“ کھپ اندھیوں سے نکل کر وہ تیز روشنیوں میں آن گھری تھی، اس کی آنکھوں میں اتنی سخت نہیں تھی کہ وہ اتنی تیز روشنیوں کا سامنا کر سکتی، لا شعوری طور پر اس نے اپنی ہتھیلیوں سے آنکھوں کو ڈھانپ لیا تھا۔

لیکن روشنیاں تیز برجھوں کی مانند اس کی پتیلیوں کو کلٹنے پر تلی تھیں۔ ایک سیل رواں تھا جو وہاں تنہا بیٹھی مصفوفہ کی ذات میں بہتا جا رہا تھا۔

”اتنی جلدی کیسے آگئیں تم آج، جا ب رہ نہیں گئیں؟“ احمر کی کرخت آواز اس کے پیچھے آئی تھی۔ وہ معمول کی طرح چلتی راہ داری سے گزر کر اب اوپر اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔

”میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے؟“ وہ چینل سرچنگ

کرنا ہوا پھر سے بولا تھا۔ دست بنی اور چلتی آئی۔ احمر نے جھوٹا ہٹا کر بے جان ہونے قدموں کو کھینچتی مصفوفہ کو دیکھا اور پھر ”اونہ“ کر کے منہ پھیر لیا۔ اسے اس کا مطلوبہ چینل مل چکا تھا۔ زینیا سے کبھی بحث و تمحیص کے بعد وہ عذیر سے شادی پر رضامند ہوئی۔

”تمہیں اس سے اجھار شتہ مل سکتا ہے مصفوفہ! اتنی دور مت جاؤ۔“ اگلے دن نکاح سے پہلے وہ پھر اسے سمجھانے لگی۔

”لیکن مجھے میری وادی پھر نہیں مل سکیں گی، نہ سب رشتے جن کے لیے میں ساری عمر ترستی رہی ہوں۔ میں خوش ہوں بہت خوش۔“

”اگر آپ کہتی ہیں تو نہیں جاتی، شد میں سرکہ ڈال کر اسے خراب کرنا ہے تو آپ کی مرضی۔“ وہ ماں کی نظروں سے خائف ہو کر اپنے کپڑے سیٹھتی ہاتھ جھاڑ کر کھڑی ہوئی۔

”میں خوش ہوں مصفوفہ، بس وہی اور ہی ہوں، تم تیاری کرو۔“

وادی، پھپھو، چچا سب رشتے کتنے مضبوط اور حسین ہوتے ہیں، وہ جان گئی تھی، سب جان گئی تھی، جب وادی کی نرم گرم آغوش سے سیراب ہوئی، جب چچا کے مضبوط ہاتھوں کا سر رکھنے والے جانثار تحفظ کا احساس، کتنے الونگے رنگ تھے ان رشتوں کے، کتنے الونگے رنگ کہ ساری عمر وہ ان سے نا آشنا رہی تھی۔ جب خون کے رشتے رو بہ ہوئے تو جتے ہوئے لہو میں شرارے پھوٹ پڑے، کشش ثقل کیا ہوتی ہوگی جو اپنے خون میں ہوتی ہے، سب سے بڑھ کر اس کا ہم سفر وہ خداوند کریم کی جتنی شکر گزار ہوتی کم تھا، اسے اس کے پھڑے رشتے دان کر دیے گئے تھے جو کسی نعمت مترقبہ سے ہرگز ہرگز بھی کم نہ تھے، بے حس ہو کر، غیر معمولی زندگی گزارنے گزارتے، وہ پھولوں کے کنج میں آن ٹھہری تھی، جہاں خوشبو تھی، تنہا تھیں، خواہوں کی تعبیر تھی اور سب سے بڑھ کر ان پر جگمگاتا متاب مصفوفہ بن کر اس کے قدم بہ قدم تھا۔

عاشق

ایک ڈھلتی عمر کی عورت سڑک پار کرتے ہوئے ایک لڑکی کو دیکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک ماڈرن عورت ہے۔ وہ اسے چلا کر کھنکے کے لیے کہتی ہے لیکن وہ دونوں سڑک پار کر کے گاڑی میں بیٹھ کر چلی جاتی ہیں۔
 وقار صاحب کے دو بچے ہیں۔ اجیہ اور سائر۔ وہ سائر کی شادی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ان کی بیوی اس دنیا میں نہیں ہے۔ ان کی سالی مد پارہ خاص طور پر لندن سے اس شادی میں شرکت کرنے آئی ہیں۔ اجیہ وقار صاحب کو بتاتی ہے کہ سائر اس شادی سے ناخوش نظر آتا ہے۔ وقار صاحب یہ سن کر پریشان ہو جاتے ہیں۔
 اجیہ بہت خوب صورت ہے۔ وہ دو ماہ کی تھی جب اس کی ماں چلی گئی۔ وہ اپنی خالہ مد پارہ سے پوچھتی ہے اس کی ماں کیسی تھیں۔ مد پارہ بتاتی ہیں کہ اس کی ماں بہت خوب صورت تھی بالکل کاٹھ سے بنی عورت۔ وقار صاحب کی بہنیں بھی انہیں احساس دلاتی ہیں کہ سائر اس شادی سے خوش نہیں ہے۔ تب وقار صاحب سائر سے براہ راست بات کرتے ہیں کہ سائر کہیں اور انٹرنیٹ تو نہیں ہے۔ تب سائر کہتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور وہ اپنے باپ کی کوئی بھی خواہش رد نہیں کر سکتا۔

سائر کی شادی میرب سے ہو رہی ہے۔ میرب دو سال کی تھی جب ان کی ماں بھی دنیا سے چلی گئی تھیں۔ ایزا ابیم صاحب نے اس کے بعد شادی نہیں کی۔ ان کے بڑے دوست احمد سعید اور ان کی بیگم نے میرب کا خیال اپنے بچوں کی طرح رکھا سعید صاحب کی بیٹی مارپہ کی میرب سے گہری دوستی ہے ان کا ایک بیٹا عاشر ہے جو اجیہ کو پسند کرنا ہے شادی کی

ہمیں ملنا چاہیے

Downloaded From
 Paksocietyfc.com

Downloaded From
Paksociety.com

READING
Section



تقریبات میں سارے کارویہ بہت اکٹرا ہوا رہتا ہے۔ شادی کی رات بھی وہ میرب سے بہت رکھائی سے پیش آتا ہے وہ میرب سے کہتا ہے کہ وہ اس سے صرف وفاداری کی توقع رکھتا ہے اور اسے اپنی بہن اور والد کا خیال رکھنے کو کہتا ہے۔ اجیہ کی دوست شیفنا بہت آزاد خیال لڑکی ہے۔ اس کا بھائی آغا شمایان اجیہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ اجیہ بھی اس کی طرف مائل ہے۔ جبکہ میرب کا بھائی سعد اجیہ کو پسند کرتا ہے۔

سارے کارویہ میرب کے ساتھ بہت عجیب ہے۔ وہ معمولی باتوں پر شدید رد عمل ظاہر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ کسی بھی لڑکے سے بات نہ کرے۔

وہ عورت جس نے سڑک پر مہ پارہ کو دیکھا تھا۔ ایک خستہ فلیٹ میں رہتی ہے۔ وہاں سے کوئی پرانا تانکا لکال کر مہ پارہ کے گھر جاتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ مہ پارہ وہ گھر چھوڑ چکی ہے۔ لیکن وہاں کے مکین اسے وقار صاحب کے گھر کا پتہ دے دیتے ہیں۔

تب وہ کہتی ہے وقار آج سے سالوں پہلے تم نے جو اذیت مجھے پہنچائی تھی اس کے بدلے کا وقت آپنچا ہے۔

شیخ عبدالحمید کریانا فروش ہیں۔ دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ نازو چندا اور مانو چندا کا مزاج اور صورت سب سے الگ ہے۔ وہ بے حد حسین ہے اور پڑھائی کے بجائے دو سر می رنگا رنگ سرگرمیوں میں دلچسپی رکھتی ہے۔ شیخ صاحب کی لاڈلی ہے۔ کالج میں ایک ڈرامے میں قلو پٹہ کا کردار کرتی ہے تو آصف شیرازی اسے نیوی پر اداکاری کی آفر کرتا ہے۔ وہ ایک ڈائریکٹر ٹیلی ملک کا ملازم ہے۔ اس آفر پر چندا بہت خوش ہوتی ہے لیکن وہ جانتی ہے کہ اس کے گھر والے کبھی اسے نیوی پر کام کرنے کی اجازت نہیں دیں گے اور شادی کر کے رخصت کر دیں گے۔ وہ آصف شیرازی سے کہتی ہے کہ تم مجھ سے شادی کر لو یہ اصلی شادی نہیں صرف ایک معاہدہ ہوگا۔ میں گھر والوں کے چنگل سے نکل آؤں گی۔ آصف مان جاتا ہے۔

سناتوں اور آخری قسط

جھلا کر بولی۔

”چھلا۔ وہ نہیں ہے گھر پر۔ تب پھر میں آ رہے کھٹے تک پہنچ رہا ہوں تمہارے گھر پر پھر دیکھتے ہیں۔“

اس نے کہا کہ کرنا کچھ سننے لائن منقطع کر دی۔ چندا نے ریسیور کیٹل پر ڈال دیا۔ وہ سر پکڑے بیٹھی تھی۔

پھر واقعی آ رہے کھٹے بعد وہ اس کے سامنے موجود تھا۔

”کہاں رکھے تھے کانڈزات؟“ اس نے ایک الماری کی طرف اشارہ کر دیا۔

”یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہارے شوہر نے احتیاط کے پیش نظر کانڈزات بینک میں رکھوا دیے ہوں۔“ اس نے کہا۔

”مگر ایسا ہوا ہے تب تو مسلہ ہو جائے گا۔ میں کیا کہہ کر اس سے کانڈزات مانگوں گی۔“ وہ فکر مندی سے بولی۔

”بہت خوب۔“ آصف طنز آمیز فہم سے بولا۔

”جب میں اتنے دن سے تم سے یہی خدشہ ظاہر کر رہا تھا تب تمہارے کان پر جوں تک نہ رہن سگی۔ اب اگر گھر

”آصف۔۔۔ گھر کے کانڈزات نہیں مل رہے مجھے میں نے پوری اسٹڈی چھان لی ہے۔“ چندا کا پریشانی سے برا حال ہو گیا۔ جیل کے نکلنے کے بعد اس نے اسٹڈی میں جا کر وہ مخصوص لاکر کھولا۔ جس میں اہم کانڈزات وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ وہاں چند روٹی کانڈزوں اور چند ایک غیر ضروری دستاویزات کے علاوہ کچھ بھی موجود نہیں تھا۔ وہ بری طرح چکرا کر رہ گئی اور اس نے مارے گھبراہٹ کے اسے ہمدرد کو فون ملایا۔

”کیا۔۔۔ دھیان سے دیکھو اگر تم نے وہاں رکھے تھے تو وہیں پر ہوں گے۔“

”میں کیا بکواس کر رہی ہوں۔ کہ نہیں ہیں وہاں۔ وہاں کیا پوری اسٹڈی میں کہیں نہیں ہیں۔“ وہ دانت چکچکا کر بولی۔

”شوہر کہاں ہے تمہارا۔ اس سے پوچھو شاید اس نے کہیں رکھ دیے ہوں۔“

”وہ اس وقت فلائٹ میں ہوگا کیسے پوچھوں؟“ وہ

ہاتھ سے نکل گیا نا۔ تو پھر بیٹھی اپنی قسمت کو روتی رہنا۔

”مگر اس نے ڈاکو منٹس کی جگہ تبدیل کی ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے گھر رہے گا تو میرے نام ہی پر نا۔“ وہ اس کی بےوقوفی پر سرپیٹ کر بولی۔

”نہ جانے تمہیں اپنے شوہر پر اتنا اعتماد تھا کیوں ہے؟ بی بی تم ہو کس جہان میں۔ ہمارے ملک میں ہر جگہی کام بڑے اصلی طریقے سے ہوتا ہے۔ خیر تمہیں سمجھانا تو بے کار ہی ہے۔ تمہیں کون سا عقل آجلی ہے۔“ اس نے بے چارگی سے سر جھٹکا اور کرسی پر ڈھے گیا۔ چند اس کی بات سن کر حقیقی معنوں میں تشویش کا شکار ہوئی تھی۔

”تو اب کیا کہوں میں؟“ اس نے پھر سر پکڑ لیا اپنا۔
”تمہاری لالچ کی حد بھی ہے؟ اس نے تمہارے نام پر کاروبار کیا شروع کر لیا۔ تمہاری ساری ہمدردی اس کے ساتھ ہو گئی۔ کاروبار کالوہتا نہیں اگر اس چکر میں گھر ہاتھ سے نکل گیا تو بہت برا ہو گا۔“ وہ سخت برا فروختہ تھا۔

”اب تم خاموش ہو کر مسئلے کا حل بھی بتاؤ گے یا یوں ہی بھونکتے رہو گے۔“ وہ چڑ کر اسے جھڑکتے ہوئے بولی۔

”حل کوئی نہیں سوائے اس کے کہ تم اس سے پوچھو کہ اس نے ڈاکو منٹس کہاں رکھے ہیں؟“ اس نے سر جھٹکا۔

تب ہی بڑے زور کی بجلی چمکی اور یکفخت موسلا دھار بارش برسا شروع ہو گئی۔ ان دونوں نے چونک کر ہوا کی شوریدہ سری کے آگے مجبور کھڑکی کی جانب دیکھا۔

”یا بس۔ یہ تو بہت تیز بارش شروع ہو گئی۔ اب میں گھر واپس کیسے جاؤں گا؟“ آصف گھبرا کر کھڑا ہوا۔
”کچھ دیر میں بارش رک جائے تو چلے جانا۔“ چندا نے بمشکل تمام کھڑکی کے پشہ بند کرتے ہوئے کہا۔
”ہاں یہ ٹھیک ہے۔“ اب وہ اطمینان سے انگڑائی لے کر بولا۔ ”چلو جب تک میں تمہارے بیڈ روم میں

آرام کر لوں۔“ آصف نے آنکھ دبا کر کہا۔ بھیجا بھیجا موسم اور اس پر چندا کی بے پناہ کشش کی حامل خوب صورتی وہ ہنستا نہیں تو اور کیا ہو گا۔

”بی بی حد میں رہو۔“ چندا نے اسے پرے دھکیلا۔
”میری حد کیا ہے۔ آج تم بتا ہی دو مجھے۔“ وہ اس کے مزید نزدیک آکر بولا تھا۔ چندا نے مزاحمت کی کوشش کی ایسی مزاحمت جو بے دم بے جان ہوتی ہے۔

دوسری طرف کمرے میں سو نو پری طرح سما، نہنت لی کے ممتا بھرے جسم سے لگا ٹھہر کر کانپ رہا تھا صد شکر کہ بی بی سوچ چکی تھی۔
”نہنت لی۔ ایسے میں ماما کو بھی ڈر لگ رہا ہو گا نا۔ آج تو بابا بھی نہیں ہیں۔“

”بیٹا۔ آپ کی ممانعت بہادر ہیں وہ خوف نہ نہیں ہوتیں۔“ وہ اسے تھکتے ہوئے بولیں۔ ان کے علم میں نہیں تھا کہ چندا کی تنہائی بائیسے والا آچکا ہے۔
”مجھے بارش سے بہت ڈر لگ رہا ہے نہنت لی۔“
مجھے بابا کی یاد آ رہی ہے بہت۔ آسمان پر تو بارش ہے نا۔ بابا کا جواز گیلا ہو گیا ہو گا۔“ وہ نیم غنودگی میں بولا۔
نہنت لی شفقت سے مسکرائیں۔

”ہاں۔ یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔ اچھا بس اب دعا پڑھو اور سو جاؤ۔ اچھے بچے یوں خوف نہ تھوڑی ہوتے ہیں۔“

”سو نے کی دعا کیا تھی۔ سوری نہنت لی میں بھول گیا۔“ اس نے نفقت سے کہا۔
”کوئی بات نہیں روز پڑھ کر سوؤ گے تو یاد رہے گی پڑھو اللہم۔“

”اللہم۔“ اس نے دہرایا۔
”بس۔ ابھی نہنت لی نے کہا ہی تھا کہ باہر سے کسی کے زور سے چلانے کی آواز آئی تھی۔“
”یا اللہ خیر۔“ وہ دہل کر اٹھی تھیں۔

”جو تم کرنے جا رہے ہو، وہ انتہائی خطرناک ہے۔“

لہذا تم ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔" ہمدانی نے کہا۔

"بہت دن سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے ہمدانی۔ میں تو اسے جان سے مارنا چاہتا ہوں مگر پھر سوچتا ہوں کہ اسے جان سے مار دینے سے مجھے کیا ملے گا۔ میرے بچے میں کی محبت سے تو پیدا انہی محروم ہیں، باپ کی شفقت بھی ان سے چھین جائے گی۔" وہ گہری آوازی سے کہہ رہا تھا۔

"یہ انتہائی قدم اٹھانے سے قبل ایک مرتبہ تمہیں ان سے کھل کر بات کر لینی چاہیے گی۔"

"کیا بات کرنا؟ یہ کہ تم آج تک مجھ سے بے وفائی کیوں کرتی رہیں یا پھر یہ کہ کیا سوچ کر تم میری عزت کو رو دیتی رہیں یا یہ پوچھتا کہ تمہیں مجھے دھوکا دیتے ہوئے بھی شرم کئی؟ نہیں ہمدانی! اس کی ناروا حرکتوں کا جواز کچھ بھی ہو مگر مجھ میں اتنا ظرف نہیں کہ میں اسے معاف کر سکوں، جبکہ معافی طلبی کا سوال ہی کیوں کہ معافی کیا ملے گی جسے اپنی غلطی کا احسان تک نہیں۔" وہ زخمی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

بات اس کی ٹھیک تھی ہمدانی کچھ نہیں بولا۔
"مگر اب تم ایک بیٹی کے باپ بن چکے ہو۔ بیٹی کے لیے ماں کا ہونا بے حد ضروری ہوا کرتا ہے۔"

"ماں کا ہونا نا۔ وہ نہ بیٹی ہے نہ بہن ہے نہ بیوی ہے تو وہ ماں کیسے بن سکتی ہے؟ وہ صرف چننا ہے اور کچھ نہیں، وہ اپنے لیے جیسی اپنے لیے مرنے والی ہے، اسے کسی کی زندگی اور موت سے کوئی سروکار نہیں۔"

ہمدانی بغور اس کی بات سننے ہوئے خاموش رہا۔
"ابو زبیر بہت مشہور کہاوت ہے کہ بیٹی ماں کا عکس ہوتی ہے اور میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ میری بیٹی اس کا عکس بنے۔" وہ قطعیت سے بولا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔" ہمدانی نے تائید کی جیل خاموش نگاہوں سے اسے دیکھا رہا۔ پھر فون اپنی طرف کھینچ کر کسی کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"ہاں رشتہ کیا رپورٹ ہے؟" دوسری طرف نجلے نے کیا کہا گیا تھا کہ اس کی آنکھوں سے خون چھلکنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے فون رکھا۔ پھر کہیں اور نمبر ملایا۔ دوسری طرف کھنٹی بج رہی تھی۔
"ہیلو۔ میں جمیل بات کر رہا ہوں، قاسم سے بات ہو سکتی ہے۔" اس نے رابطہ طے پر کہا تھا۔



"تمہیں کیا لگتا ہے؟ اجیہ نے کیا اس فیصلے کو قبل سے قبول کر لیا ہے؟" وقار نے میرب سے پوچھا۔ آج میرب چارپانچ دن بعد اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ وہ تو دوسرے ہی دن اسی کمرے سے گھبرا کر باہر نکلنے کے لیے پر تول رہی تھی مگر سائے کی طرح اس کے ساتھ موجود لالی نے اسے ہرگز باہر نہ نکلنے دیا۔ وہ بھی احتیاط کے پیش نظر اس کی بات مان گئی تھی۔ اس دوران سائز کو بھی بخار نے آلیا تو وہ بھی گہری پر موجود رہا ہر چند کہ وہ زیادہ وقت وقار صاحب کے کمرے ہی میں گزار رہا تھا تھا تو گہری پر موجود نا۔ وہ نہیں ہوتا تو میرب وہ ڈانریاں ضرور ہی پڑھنے کی کوشش کرتی، ظاہر ہے اس کے دل میں کھدبہ ہو رہی تھی۔ وہ ایک بار اس نے سائز کا سر دبانے یا اسے دوا دینے کی کوشش بھی کی مگر سائز نے نری سے ٹوک کر اسے صرف اپنا خیال رکھنے کی تاکید کی، وہ تو اس کے بدلے بدلے اور نہیں انداز دیکھ کر مطمئن اور شاداں و فرحاں ہی تھی۔ ٹھیک کہہ رہی تھیں سجدہ آئی۔ اولاد واقعی اکھڑے سے اکھڑ اور سخت سے سخت آدمی کو اپنا رویہ بدلنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

ان چارپانچ دنوں میں سکون رہا اس لیے سب ہی کچھ مطمئن سے ہو گئے میرب اپنے کمرے سے نکل کر اسٹڈی میں کوئی کتاب لینے کی غرض سے آئی تو وہاں وقار موجود تھے پہلے تو اسے دیکھ کر ناراض ہونے لگے بعد ازاں میرب کے نسلی دلانے پر اسے وہیں بٹھا کر اوپر لوہر کی باتیں کرتے کرتے اجیہ کا موضوع چھیڑ بیٹھے۔

"بظاہر تو وہ خاموش ہو گئی ہے مگر کچھ ابھی ابھی اور پریشان سی لگتی ہے۔ ابھی کچھ دن لگیں گے پابا انشاء

اللہ آہستہ آہستہ سنبھل جائے گی۔“

”اللہ جانتا ہے کہ میں نے باوجود اپنی ناپسندیدگی کے ان لوگوں سے اس لڑکے سے صرف اس کی خاطر ملاقات کی۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ ساڑھن کتنا ناراض ہو رہا تھا اسے سمجھایا، راضی کیا صرف اس کی خاطر اب وہ لڑکا ہی بد کردار نکلا تو اس سے اجیہ کو بچانا بھی تو ہمارا ہی فرض تھا نا بیٹی۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس نے ہمارے خلوص اور محبت پر اس لڑکے کی بھائی محبت کو ترجیح دی۔“ وہ رنجیدہ ہو گئے۔

”بابا یہ عمر بھرتی ہی ایسی ہے، ہر چمکتی چیز سونا معلوم ہوتی ہے۔“

”تم بھی تو اس سے محض چند برس ہی بڑی ہو مگر تم تو اتنی تلوان اور جذباتی سی نہیں ہو۔“ وہ میرب کا اجیہ کا دفاع کرنے پر کچھ ناراضی سے اسے دیکھنے لگے۔

”مزاج مزاج میں فرق ہوتا ہے بابا جان یہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں پھر میری تربیت میں بہت حد تک سہیدہ آئی کا ہاتھ رہا شاید اس لیے میری طبیعت میں سنجیدگی بڑھاری اور پھر او آگیا ہو گا ورنہ اگر میں بھی اجیہ کی طرح پبی بڑھی ہوتی تو شاید میری شخصیت میں بھی خلل رہ جاتا۔“ وہ بولی۔

”ہاں۔ کہتی تو تم ٹھیک ہی ہو۔ میں نے ان دونوں کی پرورش تو کی مگر تربیت شاید اس طرح نہیں کیایا جیسا کہ ایک ماں کیا کرتی ہے۔“ انہوں نے چشمہ امار کر ٹیبل پر رکھ دیا اور ٹھکے ٹھکے سے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگلا۔

”بابا۔ میرب کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔“ اب دوسری شادی کر لیتے آپ یکتے تھے میسے والے تھے نہیں تو کم از کم ان کی خالہ پچھی کسی کے نزدیک رہتے تو شاید۔“ وہ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی۔ خود اس نے بھی تو یہی حالات دیکھے تھے خالہ پچھی یا چچی مائی نے کتنا کہ لیا تھا اسے اور عاشق کو؟

”میں اپنے بچوں کے معاملے میں کسی پر بھی اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔“ میرب بے ساختہ مسکرائی۔

”اپنے بچوں سے بے پناہ محبت کرتے ہیں آپ۔“

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیرائل

SOHNI HAIR OIL

- کرتے ہوئے بالوں کو نکلتے
- بے بال آجاتا ہے۔
- بالوں کو خشک اور ٹھنڈا کرتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے
- کٹناں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔



قیمت - 150/- روپے

سوہنی ہیرائل 12 بڑی بوتلوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں واکسی دھرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خرید جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف - 150/- روپے ہے، دوسرے شہروں کے لیے آرڈر بھی کر دینا چاہیے۔

- 2 بوتلوں کے لیے 350/- روپے
- 3 بوتلوں کے لیے 500/- روپے
- 6 بوتلوں کے لیے 1000/- روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارج شامل ہیں۔

منی آرڈر بھجئے گئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53۔ اورنگزب مارکیٹ، سیکٹر فلور ایم اے جناح روڈ، کراچی

دعوتی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیرائل ان جگہوں

سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53۔ اورنگزب مارکیٹ، سیکٹر فلور ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

”یہی دونوں تو میری کل کائنات میری زندگی ہیں۔“ وہ دل کی گرائیوں سے بولے پھر پوچھنے لگے۔
”سائز کہاں ہے؟“
”آفس سے آکر کھانا کھا کر پھر دوبارہ کہیں کام سے چلے گئے۔“

”بیخارا تر گیا ہے نا اس کلبے چارہ بچہ بہت محنت کر رہا ہے میں نے تو پچھلے دو سال سے آفس جانا سمجھو ترک ہی کر دیا ہے وہ بھری محبت فکر مندی سے بولے۔“

”حالانکہ آپ کو جانا چاہیے۔ ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے۔“ وہ شرارت سے مسکرائی۔

”یہ تو بیٹا جی کہہ لیا منٹ ہو گیا آپ کا۔“ وہ لور سے ہنس پڑے تب ہی لالی نے کمرے میں آکر جھانکا اور اطلاع پہنچائی کہ سائز اسے کمرے میں بلا رہا ہے یعنی وہ گھر واپس آچکا تھا۔

”ہاں۔ ہاں جاؤ آرام کرو وقت بھی زیادہ ہو گیا ہے میں بھی اب آرام کروں گا۔“ وہ اٹھنے لگے۔



وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ سامنے ہی سائز بیڈ پر بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا اس نے بے ساختہ ناگ پر دوپٹہ رکھ لیا کہ سگریٹ کا دھواں میرے لیے اس حالت میں سخت نقصان دہ تھا۔ اسے دیکھ کر سائز نے سگریٹ لٹش رُٹے میں مسل دی۔

”کہاں تھیں۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

”اسٹڈی میں پاپا کے ساتھ باتیں کر رہی تھی آپ کہاں چلے گئے تھے۔“ وہ واٹس روم کی جانب بوختے ہوئے بولی۔

”تم فریش ہو کر ٹیرس پر آ جاؤ۔“ اس نے جواب دیے بنا کہا۔

یقیناً سائز کا باتیں کرنے کا موڈ ہو رہا تھا اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی۔ وہ واٹس روم سے باہر نکلی ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں اپنا عکس دیکھا ہاتھوں سے بل ٹھیک کیے اور دروازہ کھول کر ٹیرس پر چلی آئی۔

”ابھی برتھ ڈے ٹویو۔“ وہ ٹیرس میں داخل ہوئی تو سفید اور سرخ گلابوں سے سجا گلدستہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے سائز مسکرا کر بولا۔

وہ رنگ رہ گئی۔ کین کی خوب صورت سی میز پر چاکلیٹ پائٹ لیمبل کیک سجا تھا۔ ساتھ ہی سرخ رنگ کے تہنہتی کارڈز رکھے ہوئے تھے۔ اور دو چار ادب کھلی گلاب کی کٹیاں بھی۔

”آپ کو یاد تھا۔“ اس کے لب خوشی سے کپکپا اٹھے اس نے ہاتھ بڑھا کر بکے تمام لیا۔

”میں کچھ بھی بھولا نہیں۔“ اس کی بے تاثر نگاہیں مسکراتے لیوں کا ساتھ نہیں دے پار ہی تھیں۔ وہ اسے کندھوں سے تمام کر میز کے نزدیک لایا۔ پھر اس کے ہاتھ میں سرخ رین گئی چھری تھمائی۔

”تو کیک کاٹو۔ رنگ برنگی چھوٹی چھوٹی دو چار موم بتیاں لیک پر تھی تو تمہیں عمر روشن نہیں تھیں کیوں کہ ہوا بہت چل رہی تھی۔ ہاں البتہ ٹیرس کی فینسی لائٹ روشن تھی۔“

گو کہ میرب کے چہرے کی چمک کے آگے اس وقت تو وہ ماند پڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

”ابھی برتھ ڈے ٹویو۔“ سائز گنگنایا میرب نے کیک پر چھری پھیری اس وقت ٹھیک پارہ کا وقت تھا جب سائز نے یہ یادگار لمحہ ہمیشہ کے لیے اپنے موبائل کے کیمرے کی آنکھ میں مقید کر لیا تھا۔ میرب نے کیک کاٹیں کاٹا اور سائز کو کھلانے لگی۔

”اب یہ منظر کون Capture کرے گا۔“ وہ پریشانی سے بولی۔

”تم کھلاؤ۔“ سائز نے کہا اور خود اپنے ہاتھ سے تصویر بھی اتاری۔ میرب اسے کھلاتے ہوئے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”ویسے یہ میری زندگی کا یادگار ترین برتھ ڈے ہے۔“ اس نے نشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

”گور میرا گفٹ۔“ وہ بچوں کے انداز میں بولی۔

”یہ رہا۔“ سائز نے ایک سنہرے کفڑ میں لپٹا تحفہ آگے کیا۔

”تھینک یو سوچ۔“ میرب کی آنکھیں جھللا گئیں۔

”آپ بہت اچھے ہیں۔“ میرب اس کا ہاتھ دیا کر جذب سے بولی۔ آخر کئی نا ایک عورت۔ شوہر کے ذرا سے التفات سے سب کچھ بھول کر اسے دیوتا ماننے والی۔ تب ہی سائر کافون بجنے لگا۔

”ہیلو۔ جی اسلام و علیکم جی میں خیریت سے ہوں۔ لیں بات کر لیں۔“

اس نے فون میرب کی جانب پھلایا ابراہیم صاحب کا تھا۔

”ابھی برتھ ڈے میری جان۔“ کیسی ہو تم؟“ وہ پر شفقت لہجے میں بولے۔

”تھینک یو پاپا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟“

”ہم بھی مالک کا کرم ہے ٹھیک ہیں خیریت سے ہیں، تمہیں یاد کرتے رہتے ہیں۔“ وہ بولے تو وہ انکسرو کی سے کہہ اٹھی۔

”مجھے یاد کرتے تو میرے پاس نہ آجاتے۔“

”وہیں بہتاد و میرج زیادہ ملکہ جذبیت نہ ہو اور نہ ہی ہمیں جذباتی نار مارنے کی ضرورت ہے۔“ عاشر تھا۔

”تم تو مجھ سے بالکل بات مت کرو۔“ وہ یکلفت ناراضی سے چینی۔ اتنے مصروف ہو گئے کہ اکلوتی بہن سے بات تک کرنے کی فرصت نہیں۔

”کر تو رہا ہوں۔ جنم دن مبارک ہو بہن۔“ اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔

”بس۔ بس زیادہ قلمی ایکٹرن بننے کی ضرورت نہیں یہ تو پاکستان کب آرہے ہو؟“ وہ ہنسی روک کر بولی۔

”بہت جلد۔ عنقریب، صرف اپنے بھلے بھانجے یا بھانجی کی خاطر۔“ اس نے کہا تو وہ بے ساختہ جھینپ گئی۔ مگر خوشی بے تحاشا ہوئی۔

”سچ کہہ رہے ہو۔“

”آج تک تمہارے بھائی نے جھوٹ بولا ہے؟“

”ہم بارہ بچے کے بعد بات کر رہے ہیں۔ آج کافون

کل میں تبدیل ہو چکا ہے۔“

”ہیلو۔“ وہاں سے وہ کلن پھاڑ دینے والا جتنا ہی تہقہ لگا کر ہنس۔

”مذاق پر طرف۔ ہمارا واقعی ارادہ ہے، پاپا تو یہاں آکر سمجھو بالکل ہی ٹھس ہو کر رہ گئے ہیں، پاکستان کو بہت مس کرتے ہیں اسی لیے ہم نے سوچا ہے وہاں لے کر۔“

”بہت اچھی بات ہے۔“ وہ ان کے فیصلے کو سراہتے ہوئے بولی۔ ”مجھے بھی بڑی تقویت ملے گی اچھا سنو۔“

اس نے فون کلن سے ہٹا کر دیکھا۔

”مار یہ کافون آ رہا ہے تم رکھو۔“

”الٹوس ہے لڑکی! سات ستند رہا یہ مجھے بھائی کی قدر نہیں۔ وہ فرلانگ کے فاصلے پر موجود اپنی سہیلی کے فون کی زیادہ پروا ہے۔“ وہ معنوی تأسف سے بولا۔

”ہاں ہے۔“ وہ سنجیدگی سے بولی، ”اس نے اور اس کی امی نے ہر قدم پر ہر مشکل میں میرا بالکل اپنوں کی طرح ساتھ بھلایا ہے، میری سہیلی بہن بھی شاید میرا اتنا اور اس طرح خیال نہیں رکھتی جتنا اس نے کیا ہے۔“

”بس۔ بس۔ میرے سامنے اس با لڑکی کی زیادہ تو تعریفیں مت کرو اچھی طرح جانتا ہوں اس لڑا کن کو۔“

”وہ کتنا اس انجینئر کو ساری انجینئر کی بھلا دے گی۔“

”ہاں۔ ہاں۔ دیکھ ہی لیں گے اچھا خدا حافظ۔“

اب اس نے مار یہ کافون اٹھالیا۔ ساتھ ظاہر ٹیرس سے نیچے جھانک رہا تھا۔ وہ حقیقت وہ ٹیرس کی اونچائی کا اندازہ لگا رہا تھا۔

”کام تو بن جائے گا۔ مگر ایسا کرنا زیادہ خطرناک ہے۔ کیا جتا اس کی جان چلی جائے اور اگر سچ گئی تو سب کو تلوے گی۔“

”مب کی تو خیر مجھے کوئی پروا نہیں مگر پاپا۔ ان کا کیا حال ہو گا یہ خبر سن کر کہہ تو ابھی تک اچھی کے دینے گئے جھٹکے ہی سے نہیں سنبھلے۔“ اس نے لہجے میں سر ہلایا۔

”گور امی اور سعد بھی تمہیں سالگرہ کی مبارکباد دے رہے ہیں۔“

”گور امی اور سعد بھی تمہیں سالگرہ کی مبارکباد دے رہے ہیں۔“

”گور امی اور سعد بھی تمہیں سالگرہ کی مبارکباد دے رہے ہیں۔“

”گور امی اور سعد بھی تمہیں سالگرہ کی مبارکباد دے رہے ہیں۔“

”آئی اور سدھ کو میرا شکریہ پہنچا دو۔“ وہ کمرے سے بولی سائز کے کان سدھ سن کر کھڑے ہو گئے۔
 ”تم کو تیار کسی دن سائز بھائی کو لے کر ای کہہ رہی ہیں ہمیشہ ہی کہتی ہیں مگر تم سنتی نہیں۔“ وہ ناراضی سے بولی۔

”یار تمہیں بتا تو ہے۔“ وہ افسردہ ہونے لگی۔
 ”چھا۔ چھا۔“ ماریہ جلدی سے بولی ”او اس مت ہو صرف خوش رہو خوش رہنا تمہاری حالت کے لیے اچھا ہے۔“
 ”واہ بھئی بڑی تجربہ کار بن رہی ہو۔“ اس نے چھیڑا۔

”ارے۔“ وہ چلائی ”یہ بھی امی کہہ رہی ہیں۔“
 ”چھا۔ ہا ہا ہا“ وہ ہنس دی۔ پھر دو چار ماہوں کی باتوں کے بعد فون بند کر دیا۔
 ”بہت گہری دوستی ہے تم لوگوں کے بیچ۔“ سائز جہتے لہجے میں بولا۔

”یہ سلمان لالی سے کہہ کر اٹھو اچھی ہوں۔“ اس نے اس کی بات نظر انداز کر کے جلدی سے کہا مہاوا اسے پھر کوئی دورہ پڑ جائے۔
 ”ارے نہیں۔“ وہ ہوشیار ہوا لالی کو بلوایا تو خواجواہ میرب کے سر پر منڈلائی رہے گی اور اس کا منصوبہ خراب ہو جائے گا۔ وہ سوچنے لگا۔

”وہ سوچتی ہوگی سائز میرے بارے سے اوپر کا وقت ہو رہا ہے، ایک ہی رکھنا ہے تا فریق میں۔ میں رکھ آتا ہوں۔“ اس نے ایک کی پلیٹ اٹھائی اور کچن میں آکر فریق میں رکھ دی۔ اس کے بعد دو گھنٹے گرم کیا اور احتیاط سے یہاں وہاں دیکھا اور اس کے بعد اپنے کرتے کی جیب سے کوئی شیشی نکالی۔ ایک نہ دو۔ اس میں آٹھ گولیاں تھیں، اس نے ساری گولیاں تھیلی پر نکالیں۔

”اوہ۔ یہ تو سدھ میں کھلیں گی نہیں۔“ وہ فکر مند ہو گیا۔ اس نے یہاں وہاں دیکھا، اسے ہارن دستے کا دستہ دکھائی دیا۔ اس نے بنا شور کیے وہ اٹھایا اور وراز میں سے تھیلی نکالی۔ تھیلی میں گولیاں رکھ کر اس پر

دستہ مارا۔ ”ٹھک“ ایک عجیب سی آواز گونجی۔ اسے پیسہ آنے لگا۔ اس طرح تو بہت شور مچے گا۔ وہ پریشان ہو کر پھر یہاں وہاں دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہ میں مسالا پیسے کی مشین آئی۔ اس نے تھیلی سے گولیاں نکالیں، انہیں مشین میں ڈالا اور سوچ کن کر دیا۔ چند سیکنڈز میں سفوف تیار تھا۔ اس نے جلدی سے وہ دو گھنٹے میں ملایا، تب ہی اسے لالی کے کوارٹر کی طرف کھلنے والے دروازے پر کچھ کھٹکا محسوس ہوا۔ اس نے نہایت تیزی سے دو گھنٹے کا گلاس اٹھایا۔ تب ہی دروازہ کھول کر لالی اندر آئی دکھائی دی۔ سائز پر گھبراہٹ سوار ہو گئی۔ وہ لالی کا سامنا کیے بنا اپنے کمرے میں جانے کے لیے باہر نکلا۔ ”ارے صاحب جی۔ آپ کو کچھ چاہیے تھا تو مجھے بلا لیا ہوتا۔ آپ نے کیوں تکلیف اٹھائی۔“ وہ رکھا مگر مڑے بنا۔ ”کوئی بات نہیں۔“ کہہ کر تیزی سے بیڑھیاں چڑھ گیا۔ لالی سوتے چلی گئی تھی۔ تب ہی اسے یاد آیا کہ وہ کچن کی کھڑکی بند کرنا بھول گئی ہے۔ بس اسی لیے واپس آئی تھی۔ اس نے کھلی کھڑکی بند کی۔ سلیب پر علوانا ”نظر ڈالی۔ سب صاف تھا“ بھی اس کی نگاہ سفید رنگ کی پلاسٹک کی چھوٹی شیشی پر پڑی۔ شیشی اچھی اور مضبوط تھی اور خالی بھی۔

”شریف جو بد ہضمی کا چورن لایا ہے۔ وہ یوں ہی پڑیا میں پڑا ہے۔ اچھا ہے اس میں ڈال لوں گی۔“ اس نے ہمیشہ کی طرح خالی شیشی اپنے قبضے میں کر لی اور کچن کی لائٹ اور دروازہ بند کر کے واپس اپنے کوارٹر میں چلی گئی۔ دوسری طرف سائز میرب سے کہہ رہا تھا۔

”یہ لو۔ گرم دو گھنٹے پی لو۔“
 ”آپ رکھ دیں میں پی لوں گی۔“ وہ بولی۔
 ”نہیں ابھی میرے سامنے۔“ اس نے مسکرا کر گلاس تھاما اور پی لیا۔ وہ دو گھنٹے پیتے سے بڑے وحیان سے دیکھ رہا تھا۔

”یہ لیں۔ اور اب آپ بھی سو جائیں سکون سے۔“ آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔“ اس نے بڑے پیار سے اسے دیکھ کر کہا۔
 ”ہاں۔ اب تو سکون سے ہی سوتا ہے۔“ اس کا

اس نے خالی گلاس سامنے میز پر رکھا اور لاسٹ بند کر کے واقعی بڑے آرام سے آنکھیں موند لیں۔ اسے ایک بار بھی اس خلی شیشی کا دھیان نہیں آیا تھا۔



”کس کا فون تھا؟“ ٹینہ جو قاسم کے پیچھے ہی کھڑی تھی، تجسس سے پوچھنے لگی۔
 ”جیل کا... مجھے گھبرا لیا ہے۔“ قاسم نے گہری سنجیدگی سے کہا تو ٹینہ پریشانی سے بولی۔
 ”خدا خیر کرے۔ رات کے ساڑھے بارہ بج رہے ہیں ایسی کیا بات ہو گئی۔“

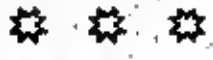
”مجھے کیا پتا؟“ وہ چڑ گیا بس اتنا کہا ”گھر پر فوراً“ ہنچوں آ رہے تھے تک کیا بات ہے کیا معاملہ ہے؟ پوچھنے پر بھی نہیں بتایا۔ ”خود بہت تشویش زدہ ہو رہا تھا۔“

”ضرور چند اسے لڑائی ہوئی ہوگی بہت منہ زور اور بد تمیز عورت ہے نہ جانے جیل بھائی اسے کیسے برداشت کرتے ہیں۔“ قاسم خود گئی بار ٹینہ کے سامنے چندا کو برا بھلا کہہ چکا تھا۔ اس لیے ٹینہ نے بھی یہی لحاظ کیے اس کے متعلق خیالات کا اظہار کیا۔
 ”تم جاؤ اندر بچوں کے پاس۔ میں لکھا ہوں۔“ وہ شدید کوفت زدہ ہو کر بولا۔

”میں بھی چلوں۔“ وہ پر جوش ہو کر بولی تو قاسم نے اسے گھور کر دیکھا۔
 ”اس برستی بارش میں باہر نکلنا آسان ہے اور میں کوئی مزے کرنے نہیں جا رہا کیا پتا وہاں کیا معاملہ ہے تمہیں مزے سوجھ رہے ہیں۔“ اس نے ڈپٹا تو وہ منہ بنا کر بولی۔

”کیسے جائیں گے۔ آپ کے پاس جیل بھائی کی طرح گاڑی تھوڑا ہی ہے۔ سارے بھیگ جائیں گے۔“

”جو بھی ہو، جانا تو پڑے گا۔“ وہ پر سوچ لہجے میں بولا۔

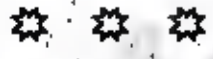


کچھ دیر قبل ہی اس کی آنکھ مل گئی تھی کہ عجیب سی گھبراہٹ کے تحت کھل گئی۔ اس کی سانس بہت تیز چل رہی تھیں۔ ہاتھ پیر بلکہ پورا جسم آگ کی طرح تپ رہا تھا اس پر مستزاد چکرانا سر اور جسم۔

”یا اللہ۔ یہ کیا ہو رہا ہے مجھے۔“ وہ بمشکل قہقہہ اٹھی اور روم فریج سے پانی کی ٹھنڈی بوتل نکل کر منہ سے لگال۔ ٹھنڈا پانی پی کر اسے کچھ راحت کا احساس ہوا تھا۔ تب ہی اسے زور کی لہکائی آئی۔ وہ دواش روم کی طرف بھاگی۔ اس کی تپنے میں خون آیا تھا۔ وہ ہراساں ہو گئی۔ منہ پر پانی ڈال کر باہر نکلی اور بے چینی سے کمرے میں چکرانے لگی۔

”یا اللہ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔“ اس کا دل بہی طرح گھبرا رہا تھا۔ وہ مختلف قرآنی آیات کا ورد کرنے لگی۔ تب ہی وہ دیکھی ایک شدید لہر سی جو اس کی کمر سے اٹھی اور وہ خود کو تیرتی چلی گئی۔

”سارے! وہ خوف و ہشت سے چلائی تھی۔“



قاسم جب جیل کے گھر پہنچا وہ گھر کے باہر تھا۔ اسی کا شکر تھا۔ بارش اب رکی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ رفق لوں ہدائی بھی موجود تھے۔

”کیوں جیل۔ اس وقت اس طرح کیوں بلا لیا مجھے سب خیریت تو ہے۔“ اس نے جیل و دیگر سے مصافحہ کرتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔

”اندروں چلو۔“ وہ غیر معمولی سنجیدہ تھا۔ قاسم کو اس کے انداز پر اچھا ہوا۔ وہ تینوں مشینی انداز میں گھر کے اندرونی جانب بڑھنے لگے۔ ان کے انداز پر جیل کو وحشت ہونے لگی۔ بارش جو کچھ دیر سے رکی ہوئی تھی، ایک مرتبہ پھر برسا شروع ہو چکی تھی۔ سارے گھر میں خاموشی کا راج تھا۔ جیل نے یہاں وہاں دیکھا اور پھر اسرار طریقے سے قاسم سے کہا۔
 ”اوتھ۔“

”کچھ ہوتا تو چلے یہ کیا تماشا ہے۔۔۔ چند کہاں ہیں؟“
اس صورت حال سے اس کے اعصاب کشیدہ ہونے لگے۔

”خود ہی دیکھ لو کہ تمہاری بہن کہاں اور کس کے ساتھ ہے۔“ اس کی آواز میں سانپ جیسی پھنکار تھی۔ قاسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

”دروانہ تو ڈنڈو رشتی۔“ وہ بے چنگ انداز میں بولا۔
”جیل۔۔۔“ ہمدانی نے اس کا ہاتھ پکڑا ”تم دروانہ پر دستک دو۔“

”ہرگز نہیں۔“ اس نے کشورین سے اس کا ہاتھ جوڑا ”تم دروانہ تو ڈنڈو کے رشتی۔“ اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں نہ جلسے وہ ضبط کے کون سے مرحلے سے گزر رہا تھا۔

”آخر اجرا کیا ہے۔“ قاسم عاجز آ گیا۔

”تو ڈنڈو۔“ رشتی کیم سٹیج لور تو اتنا لوجوان تھا۔ حکم ملتے ہی آگے بڑھا اور پوری قوت سے دروازے کو دھکا لگایا۔ دوسری تیسری ضرب کی شدت اندر لگی کنڈی برداشت نہ کر سکی اور ٹوٹ کر گر پڑی۔ اب دروانہ کھل چکا تھا اور قاسم کی پوری آنکھیں بھی۔ آصف جو اس باختہ بیڈ سے اٹھ کر باہر بھاگنے کی کوشش کرنے لگا۔ چند اچنوق سی پیشی صورت حال کی سٹیجی کا اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگی۔

”بے غیرت۔ ذلیل۔“ ان واحد میں قاسم اس پر پل پل پہلے پل پل کر اسے کھینچا۔ پھر پوری قوت سے پے در پے پھینچوں سے اس کا منہ لٹل کر دیا۔ دوسری طرف رشتی نے جھومتے آصف کو دبوچ رکھا تھا۔ ہمدانی نہایت السوس سے یہ منظر دیکھ رہا تھا اور جیل۔۔۔

وہ یوں ساکت تھا گویا بے جان بت مگر نہیں۔۔۔ بت نہیں تھا۔

کیونکہ بت محسوس نہیں کر سکتے مگر وہ کر رہا تھا۔ غصہ، دکھ، تکلیف، نفرت، چندا اونڈھے منہ بڑی سسک رہی تھی۔ اس نے تو خواب و خیال میں بھی اس صورت حال کا تصور نہیں کیا تھا۔

”اور تو۔“ اب قاسم رشتی کی گرفت میں چلنے آصف کی جانب لپکا۔

”تو اور بد معاش تیری یہ ہمت۔“ وہ اب ملاؤں اور گھونٹوں سے اس کی تواضع کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ مار مار کر خود بھی تھک کر بیڈ پر لاچارگی سے ڈھے گیا۔ آصف کو جو چار حوث پڑی تو اس کا سارا نشہ پل بھر میں ہرن ہو گیا۔

”اب تو تم جان ہی گئے ہو گے کہ تمہیں یہاں بلائے کا مقصد کیا تھا۔“ کمرے میں طاری موت کے شعلے کو جیل کی آواز نے توڑا۔

”تمہاری یہ بد کردار۔ ذلیل اور بیخ بہن۔ میں نہیں جانتا کہ ان کا تعلق کب بڑا، شاید میری شادی سے پہلے۔ میں نے اس عورت کو ہمارے محبت مان سب دیا، آنکھ بند کر کے اس پر اعتبار کیا، اس نے جب جو فرمائش کی، میں نے اسے پورا کرنے کی کوشش کی۔ اسے زیادہ کی ہوس تھی میں نے خود کو کاروبار میں کھپا دیا، تاکہ اس کی لامحدود خواہشات کی تکمیل کر سکوں۔ اسے مٹھیاں بھر بھر کر شاپنگ کرنے کے لیے ٹوٹ تھمے اور ایک بار بھی پلٹ کر انتظار نہیں کیا کہ یہ میرے پیسے کہاں کس پر لٹا رہی ہے اور اس نے جو لبا، مجھے کیا دیا؟ اب یہ بھی سنو۔ بے زاری۔ غصہ۔ تشنابہٹ، ہر وقت کی ناشکری، ہر وقت کی جھج جھج مگر میں یہ سب بھی برداشت کرنا رہا، سوچتا تھا کم عمر ہے، ڈسے دار یوں سے گھبرا گئی ہے اس لیے ایسا کرتی ہے، میں نے اس کے لیے نوکر لئی رکھ دی، تاکہ اسے آرام ملے مگر اس نے مجھے مزید بے آرام کر دیا۔ مجھ سے جھوٹ بول کر اپنا وقت باہر گزارنے لگی، کس کے ساتھ کہاں اس نے جو کہا میں نے ہنراتک کیے اعتبار کیا، اس کی ہر بات پر میں اسے جتنی سہولیات اور آزادی دیتا گیا یہ اس قدر ہی گھر سے بے پروا، مجھ سے بے گالی، حد تو یہ ہے کہ اپنی اکلوتی اولاد کی طرف سے بھی بے فکر ہوئی چلی گئی مگر میں اس سے محبت کرتا تھا، اس لیے اسے ہمیشہ نرمی سے سمجھانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ میرے تو گمان میں بھی

نہیں تھا کہ یہ مجھ سے بے وفائی کرے گی اور میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں مگر بے وفائی نہیں۔ ہرگز نہیں۔“

چند جو پوری آنکھیں کھولے حیرت سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ لکھت تھلا کر کھڑی ہوئی۔

”جو ابھی تم نے اپنی کرم نوازیوں کی فہرست گنوائی ہے تو تمہارے پاس آگ جو ان اپنی عمر سے آدھی اور خوب صورت بیوی کو اپنے بچے سے ہاندھے رکھنے کا اس کے علاوہ جواز تھا بھی کیا۔ وہ بیوی بے غیرتی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

”تمہیں صرف ایک اسی بات کی تکلیف نہیں تھی چند۔“ وہ زہر خند ہوا۔ ”تم چراغ محفل تھیں۔ اور میں نے تمہیں اپنے گھر میں سجانے کی کوشش کی تم یہاں مطمئن کیسے رہ سکتی تھیں تمہاری فطرت ہی میں کھوٹ تھا۔ تمہاری نیت ہی میں ملاوٹ تھی۔“

”ہاں تو پھر۔“ وہ بے وقوفانہ دلیری سے بولی۔ ”تمہیں یہ تماشا لگا کر کیا مل گیا؟“ وہ اپنے بچے ہونٹ سے بہتے خون کو صاف کرتے ہوئے بولی۔ جمیل طنز سے ہنس پڑا۔

”مجھے کچھ ملا ہوا یا نہ ملا ہو، تمہیں البتہ جو ملے گا وہ ساری زندگی میرے سینے میں جلتی آگ پر لٹھڑی پھوار بن کر رہے گا۔“

”پیلیاں نہ بھجواؤ جمیل۔ صاف بات کرو۔“

مدھم آواز میں قاسم ہنسندیدگی سے بولا تھا۔

”میرا مشورہ یہ ہے کہ معاملات آرام سے بیٹھ کر طے کر لیے جائیں۔“ ہدائی نے لقمہ دیا۔

”تم کون ہوتے ہو مشورہ دینے والے، اپنے کلام سے کام رکھو۔“ اس نے بری طرح سے ہدائی کو جھڑک دیا۔

”ہاں تو ذرا میں بھی تو دیکھوں تم کیا کرنے لگے ہو۔“ وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر مسخکہ خیز ہنسی لبوں پر سجا کر بولی۔

قاسم اٹھ کھڑا ہوا۔ جمیل کے چہرے پر درد آئے پھر یلے تاثرات دیکھ کر سہم گیا تھا۔

”میں وقار جمیل فاروقی۔ بھائی ہوش و حواس چھینیں طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا

ہوں۔“ قاسم، جمیل، جمیل ہنکار تباہی رہ گیا۔ ”ہا ہا ہا۔“ چند نے اکسیرانی تقہمہ لگایا ”تو یہ دینے والے تھے تم۔ آصف ذرا دیکھو تو“ اس نے کونے میں کھڑے آصف کو فاتحانہ نگاہوں سے دیکھا ”جو چیز ہمیں چاہیے تھی وہ جمیل نے کتنی آسانی سے ہمیں دے دی ہے ہمیں زیادہ تر وہ تو نہیں کرنا پڑا۔“

”ہوش کر بے حیا۔“ قاسم نے روتے ہوئے لے کر بری طرح پکڑ کر بھینچوڑ دیا۔

”میں نے تو سنا تھا کہ طلاق وہ چیز ہے جو عورت کو اگر مانگنے پر بھی ملے تو وہ روتی ہے۔ تو کس تلاش کی عورت ہے آخر۔ جو اپنی بربادی پر تقہمے لگا رہی ہے۔“ ہدائی بھی متاسف لگا ہوں سے کبھی جمیل تو کبھی چند اکو دیکھ رہا تھا۔ رفیق ہونق بنا کھڑا تھا۔

”بربادی کیسی بربادی؟“ اس نے اپنا آب چھڑایا ”بربادی تو یہ ہوا ہے میں نہیں اس نے مجھے طلاق دے کر ترقی کی، کامیابی کی راہیں میرے لیے کھول دی ہیں۔ اس کے پاس رہ کر مجھے کیا ملنا تھا۔ اور اب بس بہت ہو گئی تمہاری ڈرلے بازی، نگلو یہاں سے۔“

اس نے حقیر سے قاسم کو پیچھے دھکیلا ”اور تم۔“ اس نے جمیل کی جانب اشارہ کیا اور چنگلی بھا کر لے باہر کا راستہ دکھایا۔ اب تقہمہ لگانے کی باری جمیل کی تھی۔

چند اب بڑے خطرناک تیور لیے اپنی دانست میں جمیل کی بے وقوفانہ ہنسی کو دیکھ رہی تھی۔

”شاید بات تمہاری سمجھ میں نہیں آسکی چند اب تکم!“

جمیل نے ہنسی روک کر آنکھوں سے بہتا پانی صاف کرتے ہوئے کہا۔

”تو معاملہ یہ ہے کہ یہ گھر چھوڑ کر میں نہیں تم جاری ہوں۔ تم۔ میں تمہیں دس منٹ بتاتا ہوں اپنے باپ کے گھر سے لایا ہوا سامان اگر اٹھانا چاہو تو تم اٹھا سکتی ہوں اور ہاں۔ ایک چیز بھی۔“ جمیل جتا کر بولا۔

”ایک چیز بھی تم میری دلوائی ہوئی اس گھر سے لے کر نہیں جاسکتی۔ چلو جلدی کرو۔ تمہارے پاس وقت کی بہت قلت ہے۔“ اس عرصے میں پہلی بار چند کے چہرے پر زلزلے کے آثار پیدا ہوئے تھے۔ آصف

خونخوار نگاہوں سے چند اکو دیکھ رہا تھا۔ بات چندا کے
پلے پڑی ہو یا نہیں اس کے ضرور پڑ گئی تھی۔

”لگ۔ کیا کو اس کر رہے ہو۔ یہ گھر میرے نام
پر ہے۔“ اس نے ہکا کر بولا۔

”جیلے کی تصحیح کر لو یہ گھر تمہارے نام پر تھا کبھی
اب یہ میری ملکیت ہے اور میں تمہیں طلاق دے چکا
ہوں۔“ وہ حفاٹھا رہا تھا۔

”کینے۔“ چندا بری طرح بھڑک کر اس پر چبھی۔
جیل نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر پیچھے دھکیلا تو وہ
لڑکھڑا کر بری طرح گری۔

”میں نے کہا تھا۔ نکلو یہاں سے بے غیرت
عورت۔“

”یار۔ خاموش ہو جاؤ۔ آس پاس کواڑ جائے گی
تو کیا عزت رہ جائے گی تمہاری۔“ ہدائی نے سمجھانا
چاہا۔

”میری اب بھی کیا عزت رہ گئی ہے معاشرے
میں۔“ وہ دکھ سے ٹوٹی آواز میں بولا۔

”میں نے انتہائی غیرت کے دنوں میں بھی اپنی
عزت اور وقار پر سمجھوتا نہیں کیا اور اب۔ اب جبکہ
معاشرے میں میری کچھ عزت کچھ مقام ہے تب اس
عورت نے مجھے کہیں منہ دکھانے کے قائل نہیں

چھوڑا، مجھے نفرت ہے اس کے وجود سے، اسے کو
فورا نکال جائے یہاں سے، نہیں تو میں کچھ کریں گوں
گا۔“ وہ چندا کی جانب پلکا۔

”اب کھڑی کیا ہو۔ اٹھاؤ اپنا سامان اور جاؤ اس
کے گھر جس کی خاطر تم نے اپنا سب کچھ واؤپر لگا دیا۔“
قاسم نے خون آشام نگاہوں سے اسے گھورا۔ اتنی
دیر سے بے وقوفوں کی طرح خاموش کھڑے آصف
نے پہلی بار لب کشائی کی۔

”میری خاطر نہیں اپنے خوابوں کے خاطر میں تو
صرف ذریعہ ہوں اس کے نزدیک اپنی منزل تک پہنچنے
کا۔“ چندا نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا۔ اس
نے کندھے اچکا دیے۔ وہ بلا کا جاذب نظر اور پینڈ سم تھا
اور بچ تو یہ ہے کہ جو بھی تھا چندا کو اس کا ساتھ پسند بھی

تھا۔
”کس قدر بٹا سدا رہا سارا تلاش کیا ہے تم نے۔ لو
دیکھ لو آناش کی لوٹین گھڑی میں ہی تمہیں اس نے
تمہاری اوقات جتاوی۔“ جیل نے ایک اور وار کیا۔
”چلو اب نکل بھی چکو۔“ وہ غرایا۔
”ہاں۔ میں تو چلوں۔“ آصف جلدی سے نکلنے
لگا۔

”رکو۔“ قاسم نے ٹھنڈی برف جیسی کواڑ میں
اسے پکارا ”چند ا تمہارے ساتھ جائے گی اور اگر تم
نے انکار کیا تو میں تمہیں جان سے مارنے سے بھی
دریغ نہیں کروں گا۔“ یعنی قاسم اسے اپنے ساتھ لے
جانے پر راضی نہیں تھا۔ چندا کا سارا غور، طنز
جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ پھر یک بیک ہی اس کے
ذہن نے پینڈ لدا اور وہ بری طرح چبھی۔

”خالم شخص تو نے مجھے میرے معصوم بچوں سے
جدا کر دیا۔ اللہ مجھ سے ضرور حساب لے گا۔“ اب وہ
بے بسی سے رو رہی تھی۔ بچوں کے تذکرے پر جیل
طلل سا ہو گیا پھر بولا۔

”بچوں سے تمہیں کتنی محبت ہے میں اچھی طرح
جانتا ہوں، مجھے ایویشنل بلیک میل کرنے کی بجائے تم
اپنا سامان سمیٹو۔“

”نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی یہاں سے۔“ وہ
روتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

”نکلو۔“ جیل کا ضبط جواب دے گیا اور وہ ہاتھ
پکڑ کر اسے تھپتھپتے ہوئے باہر نکالنے لگا۔ گھر کے
باہر کھڑی نہنت لی رو پڑیں۔ بے لگام خواہشیں انسان
کو اسی طرح برپا کرتی ہیں۔ پتا نہیں سولو کو یکدم کیا ہوا،
وہ نہنت لی کا آچل چھوڑ کر چندا کے پیچھے بھاگا۔

”مما۔۔۔ مت جائیں۔۔۔ آپ مت
روئیں۔۔۔ پلیز یا۔۔۔ پلیز انہیں مت نکالیں۔“ اس کا
پیر نہ جانے کس چیز سے رہا تھا۔ وہ منہ کے بل گرا۔
نہنت لی روڑ کر اس کے نزدیک آئیں۔ مگر جیل رکا
نہیں۔ اس نے چندا کو باہر نکال کر دم لیا اور حق مہر کا
چیک اور چند زیورات جو شاید اس کی ملکیت تھے ایک

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

تھیلی کی صورت اس کے منہ پر مارے۔ آصف کے چہرے پر ”برے پھنسنے“ والے تاثرات تھے۔
 ”یاور کھانا۔ میں تجھے چھوٹوں گی نہیں۔ جیسے تو نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ میں بھی تجھے جیتے جی کہیں کا نہیں چھوٹوں گی۔ یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے۔“ اسے جیسے دور سا یاد کیا تھا۔

آصف نے زیورات کی تعمیلی اٹھائی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ ”اب چلو اس سے پہلے کہ تمہارا شوہر۔ میرا مطلب ہے کہ وہ کمینہ انسان پولیس بلوالے“
 ”عرش سے فرش پر آجانے کے اور آگ کو کیا کرتے ہیں، چندا بس اسی اور آگ کے زیر اثر تھی۔ ذہن ٹھکل، سوچیں منتشر اور قدم۔ وہ اٹھ تو رہے تھے مگر منہل نامعلوم تھی ہمیشہ کی طرح۔ اندر کھڑے چاروں نفوس کی آنکھیں اٹھکبار تھیں۔ ایک گھر ٹوٹا تھا۔ چار زندگیاں جاہ ہوئی تھیں۔ آگے زندگی کا نقشہ کیا ہونے والا تھا۔ یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ آگ سے کھینے کا منطقی انجام ہو چکا تھا۔

”آخر اسے ہوا کیا ہے؟“ سعدیہ از حد پریشانی سے پاس سے گزرتی ڈاکٹر سے پوچھنے لگیں۔ رات ساڑھے تین بجے سائز سے اسپتال لے کر آیا تھا۔ میرب کی حالت بے حد خراب تھی۔ اسی نے سعدیہ اور ماریہ کو بلوانے کا کہا۔ اس نے بلوایا۔ اب وہ لوگ پچھلے آدھ گھنٹے سے ڈاکٹروں کی بھاگ دوڑ دیکھ رہے تھے۔

”دیکھیں بی بی۔“ ڈاکٹر اپنے مخصوص لہجے میں بولی۔ ”نہ جانے آپ کے ہسپتال نے کون سی دوائی استعمال کر لی ہے، اس کا ری ایکشن ہو رہا ہے اور کچھ نہیں، ارے اگر بے بی نہیں چاہیے تھا تو شروع میں ہی کچھ کر لیتیں، اب ان کا چھٹا مہینہ چل رہا ہے۔ ایسے میں دوائی نے کیا کرنا تھا سوائے ان کی طبیعت خراب کرنے کے۔“

”کیا مطلب؟“ ماریہ نے انہی سے ڈاکٹر کو دیکھا۔

”آپ میری ہیں؟“ ڈاکٹر نے ہنسندیدہ نگاہوں سے اسے دیکھا وہ جینپ گئی پھر نئی میں سر ہلا دیا۔
 ”بس تو پھر مطلب آپ کی سمجھ میں نہیں آسکتا“ آپ کی سمجھ میں تو آگیا ہے نہ۔“ اس نے سعدیہ بیگم کی جانب دیکھا جو منہ کھولے بے یقینی سے ڈاکٹر کی بات سن رہی تھیں۔

”تک۔ ایسے کسے۔ میرا مطلب ہے کہ وہ ہرگز اتنی بڑی بے وقوفی نہیں کر سکتی۔“

”آپ یہ سب ہمیں نہیں پتا“ ہم انہیں ٹریٹ کر رہے ہیں، آپ دعا کریں۔“ وہ کہہ کر چل دیں۔ سائز اس وقت کوریڈور میں تھا نہیں، اس لیے ڈاکٹر کی بات سن نہیں سکا۔

”امی! ڈاکٹر کیا کہہ رہی تھیں؟“

”وہ اس نے غلطی سے شاید کوئی دوا وغیرہ کھالی ہے، اس کا ری ایکشن ہو گیا ہے، اس کنڈیشن میں کوئی دوائی اپنی مرضی سے نہیں کھائی جا سکتی۔“ وہ بیچ پر بیٹھ گئیں۔ ان کا ذہن عجیب مجھے کا شکار ہو گیا۔
 ”وہ ایسا تو نہیں کر سکتی۔“ ماریہ انکار ہی ہوئی۔

”دعا کرو، اس کی طبیعت بنا کوئی نقصان ہوئے سنبھل جائے، پتا نہیں بچی کس نوحوت کا شکار ہو گئی ہے۔“ وہ بے یقینی سے بولیں۔

”نوحوت یا سازش؟“ ماریہ کے ذہن میں جھماکے ہونے لگے۔

ثمینہ کے توسط سے چندا کی طلاق کی خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے خاندان میں پھیل چکی تھی۔ ساتھ ہی یہ بات بھی کہ اس کے شوہر نے اسے اس کے ”آپٹا“ کے ساتھ رٹے ہاتھوں پکڑا تھا۔ ہنوں کے دلوں پر یہ خبر مانند برق گری تھی اور بی جان۔

ان کے دل نے تو یہ اندوہ ناک خبر سن کر دھڑکنے ہی چھوڑ دیا تھا۔ سب ان کی موت کا ذمے دار چندا کو ٹھہرا رہے تھے۔ سب نے اس کا ہائی کٹ کر دیا تھا۔ ہنوں کو بھی اس سے شدید نفرت ہو چکی تھی۔ کسی کے دل

میں۔ ذمگی میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں بنی تھی،
تو گھر میں اسے جگہ کیسے دی جاسکتی تھی۔

میرب پری طرح دور رہی تھی۔ ماریہ اور سعدیہ بڑی
فکر مند سی بیٹھی تھیں۔

”بیٹا۔ مجھے تم سے ایسی بے وقوفی کی امید نہیں
تھی۔ تم ماشاء اللہ بڑھی لکھی لڑکی ہو۔ ایسے کیسے تم
نے اسقاط حمل دوا استعمال کرنا۔“ سعدیہ ذرا ڈپٹے
ہوئے بولیں۔

”کیا۔؟ وہ رونا دھونا بھول کر ایک دم ان کی جانب
تغیر سے دیکھنے لگی۔

”اسی کا ری ایکشن ہوا ہے، وہ تو شکر کرو کہ
تمہارے بے بی کی جان بچ گئی بڑی دقتوں سے ڈاکٹروں
نے معاملہ سنبھالا۔“

”تنگر میں نے ایسی کوئی دوائی استعمال نہیں کی، کیوں
کروں گی پاگل ہوں کیا؟“ وہ غصے سے بولی۔

”تو اس کا مطلب یہ ہوا۔“ ماریہ ٹھہرے لہجے میں
بولی۔ ”کہ کسی نے تمہیں چلااکی سے وہ دوائی کھلا دی
تھی۔ دیکھو نا تمہارے ساتھ ہونے والے بے درپے
حادثے اتفاق تو نہیں ہو سکتے۔ یہ پوری کڑی ہے جو
سازش کرنے والے تک جاتی ہے۔“ وہ کہہ کر
خاموش ہو گئی۔ میرب گہری سوچ سے چونکی۔ سعدیہ
حیرانی سے اس کی بات سن رہی تھیں۔

”مگر کون کر سکتا ہے یہ گھٹاؤنی حرکتیں۔ ہمارے
گھر میں تو زیادہ لوگ بھی نہیں۔“ وہ خائف ہو کر
بولی۔

”شاید اجیسا۔ کیونکہ تمہارے ساتھ یہ حادثات
اس کے نکاح کے بعد ہونا شروع ہوئے ہیں، کیا تاکہ
ساز بھائی اور انکل کا عقدہ تمہیں نقصان پہنچا کر
نکل رہی ہو۔“

”نہیں۔۔۔ وہ ایسی نہیں ہے۔“ میرب بے یقینی
سے بولی۔

”کیا فضول باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو لڑکی۔“ سعدیہ

نے گھر کا۔

”میں فضول نہیں بول رہی ہوں ای۔۔۔ اب تو اس
کی جان پر بن چکی ہے، خدا را آپ لوگ اب تو اس
معاملے کو سنجیدگی سے لے لیں۔“ وہ ہنسی بولی۔

”آئی۔۔۔ اٹھیک کہہ رہی ہے ماریہ۔ اتنے
سارے حادثات محض اتفاق نہیں ہو سکتے۔“ وہ بولی۔

”تو پھر کون ہو سکتا ہے اس سب کے پیچھے۔“ وہ
تشویش ناک لہجے میں بولیں۔

”اجیہ جذباتی احمق لڑکی ہے۔۔۔ وہی ہوگی۔“ ماریہ
و قوف سے بولی۔

”لالی۔۔۔ ہاں لالی۔۔۔ وہ گھر کے فرد کی طرح ہے،
سب کے معمولات پر بھی عموماً نظر رکھتی ہے، پھر
آپ نے اسے میرا خیال کرنے کی تاکید کی تھی، وہ میرا
خیال بھی رکھ رہی تھی۔ اس سے کچھ معلوم کرنے کی
کوشش کرو، شاید اس نے گھر میں کوئی غیر معمولی بات
نوٹ کی ہو۔“ میرب بحیف آواز میں بولی۔

”ہاں۔۔۔ یہ ٹھیک رہے گا۔“ ماریہ متفق ہوئی۔

”ایسا کرو۔ میری چند ضروری چیزیں بھی گھر سے
لے آؤ، میں تو ظاہر ہے رات میں درد سے بے حال
افرا تفری میں یہاں آئی تھی اور جا کر لالی سے کچھ
معلوم بھی کرنے کی کوشش کرو۔ ذرا ہاتھ چلے کہ کون
ہے جو میری ذمگی کی سب سے بڑی خوشی چھین لینے
کے درپے ہے۔“ وہ براہم ہو کر بولی۔

”ہاں۔۔۔ سائز کے ساتھ چلی جاؤ۔“ سعدیہ بولیں۔

”وہ تو کبھی کے گھر جا چکے ہیں۔“ اس نے طنز بہ
”سائز گھر چلے گئے؟“ میرب حیرانی سے پوچھنے
لگی۔

”ہاں۔۔۔“ ماریہ سلگتے ہوئے بولی ”ان کی شاید نیند
ڈسٹرب ہو گئی ہوگی، وہی پوری کرنے گئے ہوں گے۔“
سعدیہ کچھ نہیں بولیں، تاہم رنج و غصے کے طے
جلے تاثرات ان کے چہرے پر ابھرے تھے۔

جیل نے لاہور ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا اور اپنے

ملنے جلنے والوں کو بھی۔ وہ پچھلا ہر حوالہ اپنی زندگی سے کھینچ کر پھینک دینا چاہتا تھا۔ اچھی بات یہ ہوتی کہ اس کی بہنیں اور بھائی دو دروازہ شہوں میں بے تھے۔ پھر اس کے کوئی خاص قریبی رشتے دار بھی لاہور میں نہیں تھے۔ سو انہیں چندا کے متعلق وہی پتا چلا جو جیل نے بتایا اور جیل نے بڑے آرام سے اس کے مرجانے کی خبر انہیں دی۔ سب نے جنازے پر نہ بلانے کا شکوہ کیا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہونا تو دیتا۔ وہ اپنے بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت کے لیے انہیں لے کر اچھی آبا۔ میں کاروبار بھی منتقل کر لیا۔ زندگی کا پچھلا باب بند ہو چکا تھا۔ نیا شروع ہونے کو تھا۔

”سلام بی بی جی۔ آپ اتنی صبح صبح۔ سب خیر تو ہے جی۔“ لالی کرسیاں بھاڑ رہی تھی جب لاؤنچ میں داخل ہوتی ماریہ کو دیکھ کر جوگی۔

”بدا سناٹا پھیلا ہوا ہے گھر میں، لگتا ہے سب بڑی بیٹھی نیو سو رہے ہیں۔“ وہ طنز بولی۔

”ساز صاحب تو آفس گئے ہیں۔ اجیہ بی بی کلنچ بڑے صاحب اٹھ گئے تھے۔ اب اپنے کتابوں والے کمرے میں ہیں۔“

”چہ خوب!“ وہ بھنکا کر بولی۔ ”یعنی میرب مرے یا جیسے ان لوگوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ اس کی آواز تیز ہو گئی۔

”کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ بی بی جی۔“ لالی بے چاری گھبرا کر بولی۔ ”وہ تو اپنے کمرے میں سو رہی ہیں، آپ چلی جائیں ان کے کمرے میں۔“

”وہ اپنے کمرے میں نہیں۔۔۔ اس وقت اسپتال میں درد سے بے حال پڑی ہے اور یہاں بے خبری کا یہ عالم ہے کہ کسی کو کچھ معلوم ہی نہیں۔“

”کیا بات کر رہی ہیں آپ۔۔۔“ وہ یک دم بولی ”کیا ہوا نہیں؟“

”کسی نے اسے بے بی ضائع کرنے کی روانی کھلا دی

”ہے۔“

”لوئی میرے اللہ۔“ لالی دھک سے رہ گئی۔

”کس نے کہا یہ ظلم۔“

”یہ تو تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے۔“ وہ درشتی سے بولی۔

”بہر حال۔۔۔ میں اس کے کمرے میں اس کا ضروری سامان لینے جا رہی ہوں۔“ وہ کہہ کر اس کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ اس کا ضروری سامان سمیٹا اور بیگ لیے واپس نیچے اتری۔ تو پریشان صورت لیے و کار کو اپنا منتظر پایا۔

”کیا ہوا بیٹا۔۔۔ یہ لالی بتا رہی ہے کہ میرب اسپتال میں ہے۔“

”جی۔ رات میں اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ ساز بھائی اسے اسپتال چھوڑ کر واپس گھر آ گئے تھے۔ حیرت ہے۔ انہوں نے آپ کو نہیں بتایا۔“ وہ شرمندہ کرنے والے لہجے میں بولی۔ وہ از حد شرمندہ ہو بھی گئے۔

”بس بیٹا۔ شاید میری پریشانی کی وجہ سے نہیں بتایا ہو گا۔“

”مگر اسے ہوا کیلے؟“ اب وہ انہیں کیا بتاتی۔ بس اسی قدر بولی۔

”کوئی روانی کھلا دی ہے کسی نے اس کو۔ اس لیے اس کی طبیعت بگڑ گئی۔“

”کسی نے روانی کھلا دی۔ کس نے؟“ وہ استعجاب سے لہجے میں بولی۔

”وہ سب مجھے نہیں معلوم۔ ای آپ کو فون کریں گی۔ باتیں باتیں ان سے معلوم کر لیجیے گا۔ مجھے ذرا جلدی ہے۔“ وہ اجنبیت سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

”یہ ہو کیا رہا ہے میرے گھر میں۔“ وہ بیڑا تے ہوئے صوفے پر بیٹھ کر اپنا ماتھا سہلانے لگے۔ ساری بات سنتی لالی کے ذہن میں کچھ گلبلا رہا تھا۔

”آپ خود سوچیے بھائی صاحب۔ کیا آپ ان

READING
Section

پوچھنے لگی۔ میرب نے ذہن پر زور ڈالا۔
 ”ہاں۔“ اسے یاد آیا ”لادھ یا تھارات کو سوتے
 وقت۔۔۔“ وہ کہہ کر مگر مگر سب کی صورت دیکھنے
 لگی۔ ”مگر تو ساڑھن روز دیتے ہیں۔“
 ”ساڑھن بھالی۔! ہاں یہ بری طرح جو تھی۔“

”یہ کیا ہے ہوئی ہے۔“ وقار بے حد کرحی
 سے نکلنے لہجے کو دھما کر کے بولے۔

”خدا انخواستہ یہاں عدالت نہیں لگی ہوئی جو تم
 یوں جرح پر جرح کرنے کے بار بار میرے بچوں کو کٹھے
 میں کٹا کر رہی ہو۔ آخر حد ہوتی ہے کسی بات کی۔“

”دیکھیں بھالی صاحب۔۔۔ خدا تو اب واقعی ہو ہی گئی
 ہے۔ آج میرب مرتے مرتے بچی ہے اللہ نہ کرے
 آج اگر یہ جان سے چلی جاتی تب پھرانی کیا رہ جاتا۔ اگر
 یہ کسی مشکل میں گرفتار ہو گئی ہے تو اسے آزاد کروانا
 ہمارا ہی فرض بنتا ہے کہ نہیں۔ پہلی بار یہ
 لیکسٹنٹ سے ہاں ہاں بچی چلو اسے اتفاق سمجھ بھی
 لیا جائے تو پھر وہ ہاتھ روم میں بٹھلنے والا واقعہ جس
 کی زد میں آپ کی کام والی بے چاری مفت میں آگئی۔
 اس کے بعد اس کا سپرہیوں سے پھسل جانا کیا آپ کو
 نہیں لگتا ہے کہ کوئی قریبی ہی یہ سب کام کر سکتا
 ہے۔“

”مگر وہ سپرہیوں سے اتفاق ہی تو پھسلتی تھی۔“
 وقار کمزور اور بڑے لہجے میں بولے۔

”اتفاق۔۔۔ نہیں بھالی صاحب۔۔۔ اس کے سپرہز
 کے تلووں کو بالکلہہ کسی کیا گیا تھا۔ یہ بات ہمیں لانی
 نے بتائی تھی کہ باجی کی چوہل چکنی ہو رہی تھی۔ اس
 نے بعد میں دعوتی تھی شاید۔“ سعدیہ بولیں۔

”دیکھیے ہم کسی پر شک نہیں کر رہے مگر ہمیں بچی
 کی سیٹھی بھی تو کرنی ہے نا ایسے ایسے چلے گا۔“ سعدیہ
 کالجہ ترش تھا۔

میرب اب آنکھوں پر ہانڈر کے سسک رہی تھی۔
 ماریہ غالباً ”اب بھی واقعات کے تلے ہانے جوڑنے
 میں مصروف تھی اور وقار وقار سر جھکائے مجرم سے
 بنے بیٹھے تھے آخر کیا تھا یہ سب۔ ان کی تو سمجھ

سلسل حالات کو اتفاق سمجھ سکتے ہیں۔“ وقار ماریہ
 کے لٹکنے کے کچھ دیر بعد خود بھی میرب کو دیکھنے چلے
 آئے تھے۔ اب حال احوال کے بعد سعدیہ بیگم نے
 صاف صاف بات کرنے کی ٹھان لی تھی۔ وقار سوچ
 میں پڑ گئے۔ میرب دیر دیر سے صبر سے سسک رہی تھی۔
 ماریہ ہاتھ باندھے غصے میں کھڑی تھی۔

”مگر میں آپ کی بات تسلیم کر بھی لوں۔ تو ایسا
 کون ہے جو اس جھگی جان کو دنیا میں آنے سے نکل ہی
 ختم کرنا چاہے گا۔ میں کس پر شک کروں۔“ وہ التالان
 ہی سے پوچھنے لگے ”تو ماریہ جھٹ سے بولی۔

”ظاہر ہے گھر والوں کے علاوہ آپ شک کر بھی
 کس یہ سکتے ہیں۔“ اس کی بات پر وقار نے ناگواری
 محسوس کی۔

”بھئی! گھر والوں کو اس سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے
 بات سوچ سمجھ کر منہ سے نکالنی چاہیے۔“

”بھالی صاحب۔۔۔ بات غور کرنے کی ہے کہ کوئی
 اس کے پیچھے اگر پڑا ہوا ہے تو دشمنی ہی میں پڑا ہوا ہے
 نا اور ایسی دشمنی کون کر سکتا ہے۔“

”ارے بھئی۔۔۔ میں یہی تو کہہ رہا ہوں کہ گھر میں
 کون کر رہا ہے اس سے دشمنی کسی کو کیا غرض پڑی
 ہے۔“ وہ چڑ گئے۔

”فرض کا تو پتا نہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی اپنی ناکام
 آرزوؤں کا بدلہ نکال رہا ہو۔“ ماریہ بولی۔ وقار چونک کر
 پوچھنے لگے۔

”کون۔۔۔ کون نکال رہا ہے بدلہ کسے کہہ رہی ہو؟“
 ”ہم کسی کو نہیں کہہ رہے۔“ سعدیہ جلدی سے
 بولیں اور ماریہ کو آنکھیں دکھائیں وہ ہونہ کہہ کر
 دوسری جانب دیکھنے لگی۔ ”یہ تو آپ معلوم کریں ہم
 تو بس یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان واقعات کے عقب میں
 کوئی نہ کوئی وجہ ضرور موجود ہے۔ اب دیکھیں نا کسی
 نے تو اسے دوا دی ہی ہے نا۔“ بات منقول تھی وقار
 سوچ میں ڈوب گئے۔

”تمہاری جب طبیعت خراب ہوئی۔۔۔ اس سے
 پہلے تم نے کچھ کھایا یا تھا۔“ ماریہ تعقیبی انداز میں

پوچھنے لگی۔

”کون۔۔۔ کون نکال رہا ہے بدلہ کسے کہہ رہی ہو؟“

”ہم کسی کو نہیں کہہ رہے۔“ سعدیہ جلدی سے

بولیں اور ماریہ کو آنکھیں دکھائیں وہ ہونہ کہہ کر

دوسری جانب دیکھنے لگی۔ ”یہ تو آپ معلوم کریں ہم

تو بس یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان واقعات کے عقب میں

کوئی نہ کوئی وجہ ضرور موجود ہے۔ اب دیکھیں نا کسی

نے تو اسے دوا دی ہی ہے نا۔“ بات منقول تھی وقار

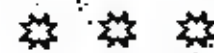
سوچ میں ڈوب گئے۔



اصف نے چندا سے کلچ نہیں کیا۔ اس نے چندا کو تب تک اپنے ساتھ رکھا جب تک اس کے پاس حق مہر کی رقم اور زیور موجود رہے۔ وہ دونوں ہی کام کلچ سے فارغ تھے۔ لہذا اقدون کا خرمنہ جلد ہی ختم ہو گیا اور نوبت پہلے تو ایک دوسرے کو کون سے پھر رہا جھلا کینے اور آخر میں علیحدگی تک آئی۔ چندا حقیقی معنوں میں ریڈ پر آئی تھی۔ خود غرض تھی اس لیے بے غیرت تھی۔

سو وہ بڑی بے غیرتی سے اپنی دانست میں اپنے ”پاپ“ کے گھر گئی۔ وہاں وہی ہوا جو اس کے ساتھ ہو سکتا تھا۔ یعنی قاسم نے اسے گھر میں کھنسنے بھی نہ دیا۔ اس روز اتفاق سے مانو بھی وہاں آئی ہوئی تھی۔ اسے چندا کی دیگر گوں حالت دیکھ کر بہت الموس ہوا۔ اس نے ازراہ ہمدردی سے اپنے کراچی والے گھر کا ایڈریس تمہارا کیا کہ کبھی ضرورت پڑے تو وہاں آسکتی ہے۔ چندا نے غصے سے ٹھیکیاں پیچتے ہوئے ان سب کو لعن طعن کالیاں گونسنے دیے اور وہاں سے سیدھی ستارہ کے گھر چلی آئی۔

”ہوں۔ تو کرتے ہیں پھر کچھ سب سے پہلے تو تمہارا کام کرنا ضروری ہے۔ یقیناً تم کوئی ہی۔ میں بات کرتی ہوں کسی سے۔ لیکن پہلے ہی بتا دوں ضروری نہیں کہ تمہیں کوئی بہت اچھا رول یا کام ہی ملے۔ جو بھی ملے گا شکر کر کے کر لیتا۔“ اس نے صاف لفظوں میں جتایا اور چندا کے پاس پہلے کی طرح نہ آہنڈا تھے نہ نخرے دکھانے کی اجازت۔ سو وہ خاموش ہی رہی۔



گھر واپسی پر وقار کے دل وہاں غ۔ جامد چپ اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ سوچنا چاہتے تھے مگر عجیب بات تھی کہ سوچ نہیں پارہے تھے۔ کالی دیر سے ایک ہی انداز میں اپنی مخصوص رائنگ چیز پر اپنے کمرے میں بیٹھے

ہوئے تھے۔ ان کے سامنے رکھی چائے کبھی کی ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ تب ہی لالی دستک دے کر جھجکتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

”صاحب جی۔۔۔“ اس نے انہیں پکارا تو ان کی سوجوں کا ارتکاڑ ٹوٹا۔ انہوں نے بے تاثر سنجیدہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”وہ۔ جی میں نے سنا ہے کہ بی بی جی کی طبیعت کوئی دوائی کھالینے سے بڑھ گئی ہے۔“ وقار ہنوز اس کی جانب سابقہ انداز سے دیکھتے رہے۔

”وہ۔“ وہ کچھ دیر سش وچ میں جتلا رہی پھر اس نے جیسے کوئی فیصلہ کر کے اپنا سیدھا ہاتھ آگے کیا۔

”یہ مجھے کل رات سلیب پر خلی رکھی ہوئی ملی تھی جی۔ میں نے اپنی دوائی رکھنے کے واسطے اسے اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا تھا اس پر کیا لکھا ہے، مجھے پڑھنا نہیں آتا آپ دیکھیں۔ کہیں یہی دوائی تو بی بی کو نہیں دی کسی نے۔“

وہ ڈرتے جھجکتے کہہ ہی گئی۔ وقار نے جھٹ اس کے ہاتھ سے شیشی چھین کر دیکھی اور اس لیے انہوں نے سوچا کاش۔ انہیں بھی پڑھنا نہ آتا ہوگا۔ انہوں نے اپنے کوزے ہاتھوں پر قابو پا کر پوچھا۔

”کہیں سے اٹھائی یہ۔“

”کل رات سلیب پر رکھی ہوئی تھی وہیں سے۔“ وہ خائف ہو کر بولی۔

”کس نے رکھی تھی وہاں۔ تمہارا تو زیادہ تر وقت وہیں گزارتا ہے، کیا تم نے دیکھا تھا کسی کو؟“ وہ یوں بول رہے تھے جیسے بولنا نہ چاہتے ہوں۔

”وہ جی۔۔۔ بلور جی خانے سے نکلتے تو میں نے سارے صاحب کو دیکھا تھا وہ بی بی کے لیے روہ لے جا رہے تھے۔“ اس کی آواز میں بارود تھا جو وقار کے وجود کے پرچھے اڑا گیا۔

”وہ صاحب آپ کو یہ شیشی اس لیے دی کہ آپ پتا لگا سکیں کہ کہیں کی تو وہ زہر نہیں جو بی بی کو دیا گیا ہے۔ بی بی بہت اچھی ہیں، نہ جانے کون ان کے پیچھے پڑ گیا ہے۔“ وہ نرمی ہوئی آواز میں بولی۔

تو وقار نے سرو آواز میں کہا۔ ”اب جاؤ۔ اور ہاں آج مجھے بالکل ڈسٹرب مت کرن۔“ وہ سر ہلا کر باہر چل دی۔

”یہ سائر کا کون سا روپ ہے۔ میرا بیٹا اتنا حساس اتنا نرم دل اور یہ سب؟“ وہ گھرا گھسے۔
”مگر نہیں۔ مجھے اس پر الزام لگانے سے قبل ایک بار اس سے پوچھ ضرور لینا چاہیے ہو سکتا ہے کہ کوئی بہت بڑی غلطی ہو رہی ہو۔ یہاں ہو سکتا ہے، کیوں نہیں ہو سکتا۔“ وہ بیک وقت یقین اور بے یقینی کے درمیان جھول رہے تھے۔

”میگزین مارکیٹ میں آیا ہے اجیب۔ خدا کی قسم تیری کیا حسین تصویریں لگی ہیں۔ تو دیکھے گی تو مجھے خود یقین نہیں آئے گا۔“ گل خوشی سے کپکپاتی آواز میں بولی۔

”ای۔۔۔ مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“ وہ ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔

”باگل۔۔۔“ وہ جیسے اس کی مصحوبیت پر ہنس دی۔
”اب کیوں ڈر رہی ہے تو؟ اب جا کر تو وہ وقت آیا ہے جب تیرے سارے ڈر اور خوف سب ختم ہو جائے ہیں۔ میں ہوں نا تیرے ساتھ، تو کیوں گھبرا رہی ہے۔“ وہ اسے حوصلہ دیتے ہوئے بولی۔

”پھر بھی امی۔۔۔ جب سب کو ہٹا چلے گا تو نہ جانے یہ لوگ کیا ہاری ایکٹ کریں۔“

”تو ہم نے یہ سب ان سے بدلہ لینے ہی کی خاطر تو کیا ہے یہ لوگ بڑے عزت دار بنتے ہیں اپنی نام نہاد عزت کی خاطر انہوں نے تیرا دل، تیری زندگی برباد کر دی۔ اب تو کیوں ان کی اتنی فکر کر رہی ہے۔ اب تو تو نے میرے پاس ہی آ جانا ہے۔“

”کہہ تو آپ ٹھیک رہی ہیں۔“ وہ یک دم بڑھو کر بولی ”انہوں نے میری زندگی کی اولین خوشی کچل کر رکھ دی، میرے دل کو بننے سے پہلے اجاڑ دیا۔ اب سچ کہہ رہی ہیں، مجھے ان کے رد عمل کی اتنی پروا نہیں کرنی

چاہیے اور پروا ہو بھی کیوں، ان لوگوں نے میری پروا بھلا کب کی ہے جو مجھے ان کی ہوا؟ اب وہ مجھے میں آئی۔

”بس تو۔۔۔ تو تیار رہ بہت جلد تو میرے پاس آئے والی ہے ہمیشہ کے لیے۔“ گل کی آنکھوں میں سرخ تھی۔
سرشاری تھی اور لہجے میں کھٹک۔

میرب ڈیڑھ دن اسپتال میں رہ کر اریہ کے گھر آ چکی تھی۔ اس پورے عرصے میں سائر نے ایک بار بھی فون کر کے اس کی خیر خیریت دریافت کرنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کی اور یہی چیز اسے بری طرح چھ رہی تھی اور اریہ کے شکوک کو یقین میں بدل رہی تھی۔

”اگر اس سب کے پیچھے واقعی سائر بھائی ہوئے تو۔۔۔“ اریہ کہتے ہوئے فکر مندی اور اضطراب سے مدد حاصل سی لینی میرب کو دیکھنے لگی۔

”سائر۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں، دنیا کا کون سا باپ اتنا سنگ دل اور ظالم ہو سکتا ہے جو اپنی اولاد کی جان کے درپے ہو۔“ میرب کو یہ بات اہم نہیں ہو رہی تھی۔

آخر کیا بنے گا اس کی بے یقین زندگی کا۔ اریہ کو یہ تشویش کھائے جا رہی تھی۔ وہ میرب کے بستر کے نزدیک خاموش بیٹھی سوچ رہی تھی اور میرب بیڈ پر آنکھیں موندے۔

پھر چند اوقات ہی جو بھی جیسا بھی کام ملا وہ کرنے لگی۔ کیوں نہ کرنی کہ ستارہ نے بھی بے لاگ دلپٹ کہہ دیا تھا کہ ”کام کرو گی تو یہاں شیئرنگ کی بنیاد پر رہ سکو گی، وگرنہ تو اپنا راستہ بناو۔“ لہذا چند فلموں میں بطور ایکسٹرا کام کرنے لگی۔ کبھی وہ برہنہ ہانڈ لیے کسی ڈانس کلب میں منگ منگ کر ہیرو کو رجماتی دکھائی دیتی، تو کبھی ہیروئن کی ڈھیروں سیلیوں کی جھرمٹ

میں ہیروئن کی سالگرہ پر تالیاں بجاتی۔ تو کبھی کسی باغ میں ایکسٹرا ڈانسرز کے ساتھ ٹھہرتی ہوئی نہ جانے کیا بات تھی کہ اب اس کا سحر حسن کام نہیں آ رہا تھا۔ ہر چند کہ وہ اب ہر پابندی سے آزاد تھی مگر نہ جانے کیا چیز تھی جو اب اس کے آڑے آ رہی تھی۔ وہ بظاہر خاموش ہو چکی تھی مگر اس کے سلکتے دل میں کتنے طوفان نہاں تھے یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ راتوں کو جب کھری چارباٹی پر لیٹی تو بلا ارادہ ہی اسے اپنا شاہانہ کمرہ اس کا نرم گرم بڈ اور کمرے کا ٹھنڈا ٹھنڈا ماحول یاد آنے لگتا تو وہ جھلا کر اٹھ بیٹھتی۔ بعض اوقات تو سگریٹ پھونکتے پھونکتے پوری رات بتا دیتی۔ ستارہ کی جب کبھی آنکھ کھلتی وہ اسے ”سو جاؤ چندا“ کہہ کر کروٹ بدل لیتی۔ اس کی نیندیں حرام اور زندگی تلخ ہو چکی تھی اور یہ سب کیا دھرا کس کا تھا۔ بچھو کے ڈنک مارنے سے شاید اسے اتنی تکلیف نہ ہوتی، چٹنی بلبلابٹ اس خیال سے چندا کو ہوتی تھی کہ کس صفائی سے کتنی مہارت سے وہ مرد۔ جو اس پر جان چھڑکتا تھا جو اس کا دیوانہ تھا اسے بے وقوف بنا گیا تھا۔ کہانی الٹی ہو گئی تھی۔ اسے جنت سے بدوخل کر دیا گیا تھا۔ ”تم نے مجھے برباد کر دیا جیل۔ کہیں کا نہیں چھوڑا۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے کہ میں عنقریب تمہیں ایسا مزا چکھاؤں گی۔ ایسا سبق دوں گی کہ تم زندگی بھر یاد رکھو گے۔“ وہ رات کے پچھلے پہر بری طرح سے سگریٹ پھونکتی ہوئی ہڈیانی انداز میں سوچ رہی تھی۔



”لالی! بابا کو بلاؤ کہاں ہیں وہ کیا کھانا نہیں کھائیں گے؟“ سائر آفس سے آکر ہاتھ منہ دھو کر اب کھانا کھانے آیا تھا مگر وہ کھانے کی میز پر اکیلا تھا۔ اجیہ تو خیر اپنے کمرے ہی میں کھاتی تھی مگر وقار تو بہر حال اس کے ساتھ ہی موجود ہوا کرتے تھے۔ اسی لیے اس نے ڈونگوں کے ڈسکن ہٹا کر سالن وغیرہ دیکھتے ہوئے لالی سے دریافت کیا۔

”صاحب صبح سے کتابوں والے کمرے میں بند ہیں انہوں نے منع کیا ہے جی کہ انہیں کوئی پریشان نہ کرے۔“ لالی دیکھی لہجے میں بولی۔

”خیر بہت۔“ اس نے سالن پلیٹ میں ڈالتا ہاتھ روک کر پوچھا۔

”وہ جی۔ آپ کو تو بتا ہی ہے تاکہ میرا بی بی کتنی پیار ہو گئی ہیں جی۔“ لالی بڑی حیران کن پریشانی سے سائر کا نارمل انداز دیکھ رہی تھی۔

”اوس اپنا چمچہ واپس ڈونے میں رکھ دیا کسی کا فون آیا تھا؟“ وہ سخت لہجے میں بولا۔

”نہیں۔ ماریہ بی بی آئی تھیں یہاں میرا بی بی کا سالن لینے تب صاحب کو پتا چلا۔“

”کیا بتایا اس نے؟“ وہ محتاط لہجے میں نگاہیں چرا کر پوچھنے لگا۔

”بی بی کو کسی نے غلط دوائی کھلا دی ہے جی۔ اس سے ان کی طبیعت بگڑ گئی۔ کہہ رہی تھیں ان کی جان کو خطرہ ہو گیا ہے۔“ سائر یک دم مضطربانہ اٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے لائبریری کی جانب بڑھا۔

”صاحب جی کھانا تو کھائیں۔“ لالی نے پکارا۔

”رکھ دو۔ بھوک نہیں ہے۔“ وہ ہٹا دستک دیے اندر داخل ہوا۔ کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

اس نے ”بابا“۔ بابا پکارتے گھبرا کر لائٹ جلائی۔ سامنے ہی وقار کرسی پر بے حس و حرکت سر تھامے بیٹھے تھے۔

”بابا۔ بابا۔ کیا ہوا آپ کو۔۔۔؟“ وہ دیوانہ وار ان کی جانب بڑھا۔ انہوں نے لال لال سرخ سوچی ہوئی آنکھیں اٹھا کر اجنبیت سے اسے دیکھا۔

”کون ہو تم؟“ ان کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی تھی۔

”بابا۔ میں آپ کا بیٹا۔ آپ کا سائر۔“ وہ تڑپ کر ان کے گھٹنوں کے پاس آ بیٹھا۔ اور ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھنا چاہا۔

”ہٹو میرے پاس سے۔“ انہوں نے اس بری طرح اس کا ہاتھ جھٹکا کہ وہ ششدر رہ گیا۔ ”اور خبردار جو تم

نے اب بھی اٹھا کر اڑا۔

”ہاں! پلڑے پلڑے چینی سے کئی کپاڑے تمام کر لو۔“
”کیا ہوا ہے مجھے تا میں اوسمچ۔“ انہوں نے ایک مرتبہ
پھر اس کپاڑے جھٹک دیا۔

”کیا تاڑا کر میں۔“ تاڑا کے نو نم سارے تہتہ کے اور
پانچ بج اس کے علاوہ مجھے کچھ اور نہیں سنبھ۔“ وہ
متکبہ کرتے ہوئے بولے۔

”ہلکے میں آپ سے بھی جھوٹ نہیں بول۔ آپ
جاتے ہیں۔“ وہ بے فریادی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”تو پھر تہتہ کے میرب کو پلو تم ہی نے وہی نہیں با
نہیں۔“ وہ اتنے سخت انداز میں بولے کہ من کے
سوال پر سارے چتر ایک اور دونوں کی حامت اس وقت
ایسی ہی تھی جیسی کہ سلطان صلاح اللدین کی شخصیتیں
میں کر رہے تھے۔ جو وقت ہو گیا۔

”جواب دو سارے۔“ وہ بول بولے گویا است ظر سے
آواز دے رہے ہوں۔

”ہاں۔“ بے ساختہ سارے کے منہ سے نکلا۔
”مگر تم نے کیا کیا کوں کیا؟ تم نے اپنے والد کی جاننا
لینے کی کوشش کی۔ تم تم۔“ ان کے الفاظ ختم ہو گئے تو
آنسوؤں نے ان کی جگہ لائی۔

”کیا میں نے تمہاری ایسی نیت کی تھی؟ پولو
جو اب وہ آخر نم نے کہا کیا ایسا؟“ ان کی آنکھوں
سے دھندلہ رہا تھا۔

”کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ ایک اور سارے دنیا
میں آئے۔“ وہ بیانی انداز میں طس کے بل پوچھا۔

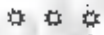
”پہلے میں نہیں چاہتا کہ ایک اور زندگی بولو ہو۔
چلیاں، بھڑکیاں اور کھٹے گوٹے اس کا مقدر نہیں۔ میں
نہیں چاہتا کہ ایک اور عورت اپنی خواہشوں تلے اس
مضموم کی خصوصیت اور کینین چل دے۔ اس لیے
میں اسے ختم کرنا چاہتا ہوں تاکہ جو تھنہ سہی مداح
پر گوج تک رہے۔ اس کا حصہ دار نہ بنے۔ میں اس
کا بھلا چاہتا ہوں۔ میں اس کا خیر خواہ ہوں۔ یہاں میں
اسے اسلگ گم میں بھی اور سارے کو نہا۔ میں چاہتا
ہوں کہ سارے میں اسے اپنے ماضی کے ذرے سے بھٹا نہیں

رکھ سکتا میں اس کے لیے لوگوں کی آنکھوں میں
حکارت نہیں دیکھ سکتا مجھے اس کی آنکھوں میں مستکی
ہاں رکھائی دے رہی ہے ابھی۔ میں چاہتا ہوں
یہ اس بچہ شکنہ ہی رہتی ہے اور میں اسے شکنہ دیکھنے
کی خود میں صحت نہیں بنا سکتا۔ سب سب اپنے
سے آسان اسے ختم کرنا لگتا ہے۔ اس لیے میں اسے
ختم کرنا چاہتا ہوں۔ ختم کرنا چاہتا ہوں۔“ وہ بچہ
اس کا گلہ پھیل گیا تھا۔ اور اس کی آنکھوں سے جاس
بہ رہی تھی۔ شکل بہ رہی تھی۔

”وقار حق سے بچو۔ اسے رکھ رہے تھے۔ ان
کے پاس سارے الفاظ ختم ہو چکے تھے۔“

”آپ کو اگر پھر بھی لیا لگا کے کہ میں لفظی پر
ہوں تو تہتہ بچے جاتیے کہ میں کہنا لفظی پر ہوں۔“ وہ
بول رہا تھا گویا ان سے کھلنا چاہتا ہوں کہ میں تم
لفظی پر نہیں ہوں۔“

”بہاؤ بہاؤ سے۔“ وہ دیرینہ وقار جینی ہوئی آواز
میں دھانڈے۔“ چلے جاؤ میری نظر بولیا کے سامنے
سے۔“ سارے نے ان کا دل دیکھا اور پتا کہ کس پلٹ
کر پھر لکل گیا۔ اور انہیں حساب سدا زیاں کرنے
کے لیے چھوڑ گیا۔



میرب کے دل میں پچھلے زمانہ واقعات لہم کی ہانڈ
چل رہے تھے۔ کڑی سے کڑی ملا رہی تھی۔ جب
بھی سارے معمولی طور پر اس کی جانب متکت ہوا۔
اسے کوئی نہ کوئی حادثہ پیش کیا تھا اور پھر نہ ہانت تو
سارے کی تھی کہ طبیعت خراب ہونے سے کھل
آخری بار اس سے وہ بھی بنا تھا۔ کڑیاں جڑ چکی تھیں
کھولنے سے سارے نے ان کا رتی تھا۔ مگر کوئی جس کو
سارے کے حکم ہونے کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ وہ
یہی طرح وہ رہی تھی جب اس کے لیے جو س لاڈ
دار بڑھ گیا۔

”کیا ہوا۔“ وہ چل دی سے اس کے قریب آئی۔
”مارب سارے۔“ وہ لپکیوں کے درمیان لولی ”سارے

ایسا کیسے کر سکتے ہیں وہ سنے عالم کیسے ہو سکتے ہیں۔
 قصبی جاننا انسان جی مجب سنے ہے ایک
 ابھی ہوئی ایسا تھی جس کا سراپا معلوم ہے۔ پھر سارا
 بھائی کا رویہ شہرہ علی سے تمہارے سامنے ہے
 جس پر بار بار کہتی تھی کہ کن کلامنی جاننے کی کو خوش
 کرنا نہیں کسی سائیکل سٹ کور کھاتا۔ مگر تم نے سنا ہی
 نہیں۔" وہ اس کے فریب دینے کو اس کا ہاتھ سلائے
 لگی۔
 "بہ سبب اتنا انسان میں تمہاری۔"

بھی کہو لوں نہ چاہتا "تم سے اتنی حرمت کا پتلا ہو کہ ہے
 تم آپ بھی خاموشی سے چپ چاپ اس کا علم بردار
 کرتی رہیں، یہ تو کون ہات نہ ہوئی۔" وہ سخت
 بر لنگھتا ہوا۔
 "اس ایک بار ہی انہوں نے ہاتھ اٹھایا تھا اس کے
 بعد نہیں۔"

"یہ خوب بہت ایک بار یاد دہاری نہیں اس نے
 ہاتھ اٹھایا نہیں آگور مجھے تو تم پر حرمت ہے لب بھی
 بچی اس کی ساڑھے رہی ہو بجائے اس کا مدغ
 درست کرنے کے اور لب۔ کن کی اس خطرناک اور
 بچرانہ حرکت کو کیا کہہ کر ڈی لینگ کر دی؟ مجھے تو پکا
 یقین ہو گیا ہے کہ وہ 1000 جنس بنانے میں فن ہی کا
 ہاتھ ہے۔" وہ تیز بولی۔ "ویسے کیا تم لب بھی اپنے
 لیے کوئی لینگ نہیں کر دی؟"

"نہیں مارے۔" میریہ اپنے آنسو پونچھ کر غوس
 ہے میں ہوئی "ایک عورت خوب ہو۔ لے لو لہا ہر جہر علم
 تو اول سب کچھ برداشت کر سکتی ہے۔ مگر ایک سب
 اس نے تم میں سہلایا" وہ کسی صورت اپنے نیچے
 کوچ میں آٹوے لگتی۔ میں نے بھیست ہوئی کے
 سارے کے ہر کلام علیہ کو مشکل سے ہی سہی کر
 برداشت کیا مگر لب نہیں قصبی برداشت کی حد میں
 آکر قہم ہو گئی ہے مارے۔ میں اس گھونے جرم پر
 اچس نہیں معاف نہیں کر سکتی۔" وہ پھر سے مد
 پڑی۔

"تھم میں تو ہی سوچ سوچ کر حیران ہوں کہ ایک چپ
 ایسا کسی طرح کر سکتا ہے۔ آخر کن کے عالم میں ہے
 کیا؟ مانی کھ۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ ایک بظاہر
 پھسا کھٹا خود کو تو جوں اتنی بار ثابت کا معامل بھی
 ہو سکتا ہے کچھ تو۔ کوئی تو وہ چہ ہوگی کن کے اس عمل
 کے چھ۔ میں نے تم سے کتنا کما تھا تم انہیں کھو جے
 کی کو خوش کرو۔ مگر تم نے میری باتوں پر دھیان ہی
 نہیں دیا۔" مارے غصے سے کہہ رہی تھی۔
 "میں نے کو خوش کی تھی۔ مگر صحت مگرے انسان
 ہیں کن کی ذہنت میں بازمانت مشکل ہے۔"

نقصتہ برے کہ تم صورت سے زیادہ ذریعہ
 واضح ہوئی ہو۔ تم اگر ذرا ہی صحت سے کام لیں تمہارا کام
 بیضا میں جاگ۔ اس نے گھر تک
 "مجھے کن سے سنوار لگتا ہے اب تم نے انہیں
 غصے میں نہیں دیکھا، ہائل صحت کن جاتے ہیں۔" وہ
 بتلے لگی۔
 "خیر۔" مارے منہ بنا کر بولی۔ "وہ تو ہمیشہ رہتے ہی
 غصے میں ہیں اور خوف کن جاننے کی تم نے خوب سنی کیا
 جس میں جانے صحت ہے۔"

"میں سے مارو ہے تو شاید ایک بار ہی ساری بات
 غم جو حال میں تم میں جانیں مارے کھو کھو اٹھا ایک
 عورت کو کیسے انہی ہی نگہوں میں لگ کر کھتا ہے۔
 عورت کتنی نہیں دیکھ پاتی۔ خود سے آگہ نہیں
 لاداتی اپنے کپ کو اپنی نظروں میں گرا دیکھتا کتا لذت
 ناکہ ہوتا ہے تم اس کا حضور بھی نہیں کر سکتیں۔" وہ
 رنج سے بولی۔

"ساز بھائی تم پر ہاتھ اٹھاتے تھے؟" مارے ہکا بکا
 تھی۔ میریہ کے آنسو بیٹے گئے۔
 "نہایت ہی جیل اور نفسیاتی انسان ہے وہ تم نے
 ہمیں پہلے کیلنا نہیں بتایا۔ حال طور دست کر دیا ہو تاب
 تکہ میں نے اس لک۔" وہ ہرگز لگی۔
 "پلیز مارے ویسے مست ہی ہا بکٹ کرو۔"
 "کی اپنی۔ تم انہیں سوا ساٹھ میں نہیں ہی رہی ہو کچھ
 ہو اس کے باختر انوہ کو بات ہوئی کہ تم اس کی خدمت
 بھی کو اس سے محبت بھی کرو جس کی اسل کی کیا رہی

”انسان اگر انسان لے تو کچھ بھی مشکل نہیں پھر تو تمہاری زندگی کا سوال تھا خیر میں تو کتنی اہل انکس اور عاشق و معشوق ساری بات جا کر اسے کوئی فیصلہ کر لو اسے بھی سب ملتی ہی کہا جائے؟“
 ”نہیں ہاری۔ میں ایک آخری گوشش اپنا کر بھالنے کی ضرور کر لیں گی۔ گھر چنانچہ انسان میں ہونے لگا جسے لے لینا کے بل مراد سے گزرتا پڑتا ہے ورنہ کمر لڑنا تو بہت آسان ہوا ہے۔“ میرب کھسی بھبھکیا سے بولی تو راز پر حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔
 ”کیا سچ ہو تم میرب! تمہاری جگہ اگر میں بولی۔“
 ”تم میری جگہ ہو ہی نہیں سکتی تھیں۔“ میرب نے اس کی بات قطع کی۔

”تیز سے بات کیجئے مسٹر سزگار دینی۔ یہ آپ کا محل نہیں میرا خوب خانہ ہے اور میں کھنگو کرنے کے کچھ کوئی بھی نہیں۔“
 ”تو تم مجھے تیز کھنگو گے؟“ وہ ہنس کی جھول میں ہاتھ ڈالے اس کی آنکھوں میں دکھنا ہوا اس کے نزدیک آ کر فرمایا۔
 ”نہیں۔“ سعد طہر بولا ”آپ کی عمر کچھ سینے کھلنے کی حد سے تیز لڑکتی ہے۔“
 ”کیوں اس پر رگ۔“ وہ چمکا ”پانا میرب کو مجھے اس سے بات کرنی ہے۔“ اس کے چالنے پر میرب اسے دبا کر لنگھ گیا۔
 ”گول ہو گئے۔“
 ”آپ کی باتیں کئے ہو لو حرا؟“
 ”مجھے میرب سے ملنا ہے۔“ وہ دھیمے ہوا البتہ نفوس لب بھی مٹے ہوئے تھے۔
 ”کیوں پٹا لب ملی کر کیا کرو گے اس سے وعدہ ہے باہر کی کباب کچھ کر۔“ لبلی کرنا چاہتے ہو؟“ ان کا طہر ایسا اسے سن کر لگا۔
 ”تو میری بیوی ہے مجھے اس سے ملنے کا پورا حق ہے۔“
 ”صحت خوب۔ یہ حق روزانہ آپ کو پھیلے وہ دن سے یاد میں گئے تھے کباب لہنے میں تو اسے آپ نے کوئی کمر نہیں اٹھار بھی۔ لب اس سے مل کر کیا کریں گے۔“ تیار ہو گئی۔
 ”تم سب اچھا نہیں کر رہے۔ میں تم لوگوں کے خلاف اپنا قانون حق استعمال کروں گا۔“ وہ بنا کر انگلی اٹھا کر تنبیہ کرنے لگا۔
 ”قانون حق تو میں بھی استعمال کر سکتی ہوں سنا۔“
 ”بیف و پنوت آمیز کوا پر سب نے بے ساختہ پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔
 ”ارے تم کمرے سے کیوں نکلیں؟“ یارہ نے سنا دت سے تھا نے جو کمرے کو تھلے ہوئے تھی گئے بیوی۔ سڑک کھلنے سے دیکھے گئے۔

”مذہب انسان کو پیشہ اس کے صحیح مقام پر ہی پہنچاتی ہے۔ اگر میرے لیے اس گھر کا اس شخص کا انتخاب کیا گیا ہے تو بقا اس میں زندگی کی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور پوشیدہ ہوگی سارے بات اگر ایک زندگی کو بھالنے کی آمد جاننے کی ہو تو یہ تو راز کا لفظ نہیں کہہ سکتے اور اس کام کے لیے اس نے مجھے چنا ہے میں نہیں جانتی میں اہل ہوں یا نہیں کمرے کو شش ضرور کھلی کی کہ اب تو یہ ایک نہیں وہ تھکیوں کا سوال ہے۔“ وہ اتنے غصے اور برتاؤ کرے میں لگتی کہ بارہ اس کی آنکھوں کی جگہ کچھ کر شش درو لگی۔
 اور اس کے بعد کہنے کے لیے وہی کہا جاتا تھا۔



ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ بے سنا متلپ اس نے جو کہا تھا اس کے پاس اس کی تو بیہوشی کے سبب بے قرار کیوں تھلی وہ نہیں جانتا تھا۔ وہی وہی ملنے جلنے میں مٹا ہونے کے لیے میرب سے ملنے کیوں چلا گیا تھا۔
 ”میرب کیوں ہیں ڈاؤن۔“ سامنے سے سعد آ رہا تھا اسے دیکھ کر راز غصت سے بولا۔ سعد پیشہ اس کا کچھ نظر نہ اور کرنا آیا تھا مگر راز خیلے کیوں بھڑک گیا۔

”ہاں تو مجھے بھی کہہ دے کہ کیا ہے سارا لوگ اور آخری بار۔“
 ”میں جانتے ہوں کہ تم نے اسے پکڑ کر کرسی پر بٹھایا۔“
 ”ہاں تو مجھے۔ جو آپ کو کہتا ہے اس کے بعد میں وہ گولیاں ہی جو میں کہتا چاہتی ہوں۔“ سعد مسدبہ اور دوسرے ایک طامنی اور کٹھن دار نگہ سارے ڈائل کو دیکھنے سے خطرے میں تھے۔

”ہاں تو میں نہیں جانتے کہ مجھ میں کوئی کی ہے کیا۔“ وہ ازل کی۔
 ”کی ہی تو میں ہے تمہیں۔ ہر طرف لایا جاتی ہی نہ جاتی ہے۔“ وہ سری نے اس کا حقد اور یہ نہ پتے ہوئے سے حکم چھیننا لگایا۔ اور فن کی لوگ جو کچھ سے قطع نظر چہرے کی نگاہیں اترتی ہوئے کیا تلاش کر رہی تھیں پھر اس کی نگاہیں اترتی سے ہٹ کر آگ منظر پر جم گئیں۔ سارے ہیروئن سینٹ پر آجیگئی اور اس کے ساتھ پھرتی گئے پتلا ہوا اس کا سبب آصف بھی۔ وہ بچے کو شہدادت انداز میں اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ چہرے کو محسوس ہوا جیسے اس کے وجود میں جو تھیں وہی رنگ رہی ہوں اس نے سگرتا جسکی اور اٹھ کھڑی ہوئی اور تو دیکھنا نہ تو جاہک اس پر لی پڑی۔ ہیروئن گھبرا کر جلدی سے اس سے دور ہوئی فن واحد میں وہیں کھب شاک کرنا کھڑا ہو گیا۔ آصف اٹھا اس نے بھی پر رہے مکی ٹھپڑ اس کے منہ پر نہ مارے۔

”تو کچھ چلا۔“ وہ نگاہیں چلا کر بولا۔
 ”گھبراہٹ میں ایک نیا ڈھنگ کھانے کے لیے؟“ میرب نے شہنشاہ کی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ سارا خاموش رہا۔ وہ کچھ دیر اسے منظر نگاہوں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔
 ”آپ جانتے ہیں آپ نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ آپ نے میری مدد کو ناروا دیکھا ہے۔ میرے کلب پر ہاتھ ڈالا ہے کہہ نے آپ نے کل کہنے کی کوشش کی، مجھ سے کیا نیا امرتاز چین لہرا چلا میں آپ کو سواغ نہیں کر سکتی، ہاں کل سواغ نہیں کر سکتی۔“ وہ دھونڈا ہوا ہوا میں چہرہ پکڑ کر بولی۔
 سارا کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اسے لگا جیسے وہ منہ مزہب میں کھڑا ہوا تو پھل چلنے لگا۔ لوگ پگھلا گیا میں چاہتا تھا سونے لٹے منہ بنا کچھ کے جیزی سے باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد میرب نے چہرے سے ہاتھ ہٹایا۔ کمرے میں اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا جیسے اس کے دل میں سارا کے علاوہ۔

”ہاں تو میں نہیں جانتے کہ مجھ میں کوئی کی ہے کیا۔“ وہ ازل کی۔
 ”کی ہی تو میں ہے تمہیں۔ ہر طرف لایا جاتی ہی نہ جاتی ہے۔“ وہ سری نے اس کا حقد اور یہ نہ پتے ہوئے سے حکم چھیننا لگایا۔ اور فن کی لوگ جو کچھ سے قطع نظر چہرے کی نگاہیں اترتی ہوئے کیا تلاش کر رہی تھیں پھر اس کی نگاہیں اترتی سے ہٹ کر آگ منظر پر جم گئیں۔ سارے ہیروئن سینٹ پر آجیگئی اور اس کے ساتھ پھرتی گئے پتلا ہوا اس کا سبب آصف بھی۔ وہ بچے کو شہدادت انداز میں اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ چہرے کو محسوس ہوا جیسے اس کے وجود میں جو تھیں وہی رنگ رہی ہوں اس نے سگرتا جسکی اور اٹھ کھڑی ہوئی اور تو دیکھنا نہ تو جاہک اس پر لی پڑی۔ ہیروئن گھبرا کر جلدی سے اس سے دور ہوئی فن واحد میں وہیں کھب شاک کرنا کھڑا ہو گیا۔ آصف اٹھا اس نے بھی پر رہے مکی ٹھپڑ اس کے منہ پر نہ مارے۔

”کیا آپ کو میرے لٹھ مجھے کوئی راستہ دکھلا دے۔“ اس نے دل سے فریاد کی تھی۔ تب ہی اس کے ذہن میں باک خیال روشن ہوا تھا۔

”لاہی کہتے تھے ہلا کر لیا تو نے اور توڑے کر ہا۔“
 ”ہلاؤں نے تجھے نہیں۔ تیری بے لگام خواہشوں اور لوگوں کو بچنے خواہشوں نے تجھے کیا ہے۔ بتائی کل تھی ہیروئن ختم کی گئی تھی کی صلاحیت میں اور ملی تھی سارا کھڑے۔“ اس نے لہجہ سہلایا ہوئے کہا جلد چھوڑنے اپنی سیشنل سے ضرب لگائی تھی۔
 ”میں ہیروئن کی ہواؤں کی۔“ وہ مزہ بھڑکائی تھی۔
 ”سیکڑوں۔“ سیکڑوں نے کہا لہجہ شاک رکھا ہے

”چرا ابھی دیکر ساتھیوں کے ساتھ بارگ میں ہیروئن کی کور کے انتظار میں گری رہی وہ سب بیٹے سے بے جاں چلی سگرتا سے سگرتا چھوٹ کر رہی تھی۔
 ”بار ایک تو میں ہیروئنوں کے بچے فرمے ہوتے

ہر طرف نکالوں گا۔ وہ تو ان کو یہاں سے۔۔۔ اسی وقت
 ڈاکٹر کیٹری ہوئی تھی جو منٹ کے اندر اندر سیکرٹری
 کارڈ لے کر ان کو انٹار کونٹیشن سے باہر پارکنگ میں
 پھینک دیا تھا۔ آصف پر بخون سوار ہو گیا۔

”کھینچی بڑا گرواں خود تو چوہا ہوتی مگر سب مجھے
 بھی کرنا چاہتی ہے۔ اتنی تو تمہیں کے بعد ترم کو پالایا تھا تو
 لے ساری محنت یہاں کر لی۔“ وہ اس کے ہنس پڑ کر
 ہنسنے لگا۔ وہ اس سے بڑھا اٹھی۔

”چھوڑو مجھے چھوڑو۔۔۔“ انہوں نے لڑتے ہوئے تیزی
 سے سوڑ کٹ کر پارکنگ میں داخل ہوئی گاڑی کی لڈ
 میں آئے تھے۔

ایک دل خراش پنج چہرے کے لیوں سے آڑوں ہوئی
 اور اس کا ذہن لگ کر کی میں دفعتاً چلا گیا۔



”یہ کیا کہہ رہا ہے سارا؟“ وہ تازہ پوری دولت کر رہی
 بیٹھے بھی سوچتے نہ رہتے۔

”میسری اور محنت۔۔۔ میری محنت سب دیکھی گئی۔
 میں اس کے ذہن کو پہل نہیں دیتا۔ اس کے اندر کون
 بھی دین باجی چھ سال کا بچہ کھلی ہارے بیٹھا ہے جو
 عورت کے وجود سے غافل ہے۔ غافل ہے۔ غافل ہے۔ غافل ہے۔
 بے یقین ہے۔ کیا کوئی کسی پر اپنے اتنے کمرے اثرات
 چھوڑ سکتا ہے؟“

”کیوں نہیں؟“ کوئی دن کے اندر پہلے اولاد سب
 سے زیادہ متاثر لپٹے والی دین ہی سے ہوتی ہے۔ اگر
 سارے دنیا کی ہر عورت کو اسی تاثر میں دیکھنا شروع
 کر دیا ہے تو اس میں عجیب کیل ہے۔

تو یہ حیرت ہوا کہ میں ہار گیا۔ میں اس بے وثا
 عورت کے اثرات سے لپٹے چوں کو بچا نہیں دیتا۔ اور
 وہ جیت گئی۔۔۔ وہ ان کی زندگیوں سے دور ہوتے ہوئے
 بھی جیت گئی۔۔۔ روئے روئے ان کی آنکھیں پتھر کی
 تھیں۔ سرود سے پھاٹا ہوا تھا اور جو میں تھنوں سے
 اٹھ کر کا ایک دانہ بھی اٹھانے سے منہ میں نہیں ڈالا تھا۔
 تپ ہی ہوا۔ انہوں نے پوچھا۔۔۔ کر لئی اندر آئی۔

”صاحب جی! آپ کے لیے کچھ کھانے کو لے
 لیں۔“ وہ لڑائی سے بولی۔
 ”نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔“ انہوں نے حسب
 سابق جواب دیا۔

”بھائی۔۔۔“ وہ جیسے تھک کر بولی۔ ”یہ ڈاکٹر کے
 کیا ہے کہ نام کا لفظ؟“ اس نے ایک پھولا ہوا
 سفید پلاسٹک مین پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ جینے کئی
 تھی سوسے کر لپٹ گئی سو قار نے جینڈا آنکھوں سے
 اٹھ پلٹ کر دکھانے کے بارے میں واضح لکھا تھا
 ”ار جنت“ انہوں نے پتھر لکھا۔ چاک کیل بدل بدل
 کی حالت تھی بھی ہو پتھر کے وینڈے نشانے ہی
 پڑتے ہیں۔ اندر سے لفظ انگلیش فیشن میگزین کے
 چھپنے کو رہا تھا۔ چھپتے ہوئے انہیں حیرت ہی ہوئی کہ
 یہ پھولا انہیں کون کبھی سکا ہے؟ میگزین کے پتھر سے
 ایک تھک گیا ہوا لکھنے کی کوئی گواہی اگر انہوں نے
 کھڑے کر لیا اور ان کی نگاہیں مٹھاپی جھلنے لگیں۔

انہوں نے وہ خط کی عبارت پڑھتے ہوئے ان کے
 چہرے کی رنگت حیرت ہوئی تھی۔ خط ان کے ہاتھ سے
 چھوٹ کر گر پڑا اور پھلے ہوئے میگزین کے موزے
 ہوئے مٹھے پر فن کی نظر پڑی۔ بس اس سے زبان سننے
 کی فن میں لب نہیں گئی۔ وہ دل پڑ کر رو رہے
 ہوئے۔

”صاحب جی۔۔۔“ نہیں کہتا نہ سہی جانتے ہی
 فرض سے اندر آئی لالی کے ہاتھ سے کہہ چھوٹ کر
 پکنا چور ہو گیا تھا۔ ان کے نزدیک اگر ان کی بیٹھ
 سلائی ٹنگرن کے ہاتھ پیرا ہیلے پڑ چکے تھے۔



”کیا میں نے کچھ لکھا کر دیا ہے؟“ سارا بہت دلش
 ڈرا تپ کر دیا تھا۔
 ”نہیں نہیں۔ میں نے کھانے کچھ لکھا کیا ہے ایک
 زندگی کو روکنے سے پہلے ہے۔ چٹنی سے پہلے ہونے
 سے محفوظ بنایا ہے۔ تو پھر اتنے سارے لوگ مجھ سے
 تھانے کھانے ہیں۔ اگر میں لکھی پر نہیں تو کون سب کا کھانا

ہم غریب ہیں اور کبھی ہمارے اندر بھی سوہنے رہنے والے
 بالکل کب تو کبھی جیسے اس کا کہنا ہے۔ ہم اپنی محبت
 بچوں کو آگے آگے اور جتنے کھلوانے والا کرشمے
 کر سکتے ہم ایک ہفت خود فائدہ کر کے بچوں کو دولت
 دینی کھلا کر دینی محبت دکھانے ہیں۔ اس کا جواب
 آسویں سے متبرحتہ۔

”اگر میں کہوں کہ لہنا بچہ کسی کو دے دیا اور وہ
 تم کیا کریگی؟“

”میری بات میں کیوں اسے جکر کوٹنے کو خود سے
 الگ کہنا؟ کیا وہ اپنی کسی کو نہیں دے سکتا؟ اس کو
 کہنے والے ہی کو نہ علم کہوں۔“ وہ خطرناک طور سے
 اسے دیکھنے لگی۔ سارا اس کا کمر سا تولا چھوڑنے لگا۔
 اس کے گرد ایک لور کا بال تھا۔ ایک چائیلی کا حصار
 تھا۔ ایک مٹا پھیسی کرشمے تھی۔

جو اسے اس خوب صورت ترین عورت میں بھی
 محسوس نہ ہو سکی جو اس کی ماں تھی۔

بقیہ وہ اس عورت کے جواب پر چھایا ہوا تھا اور
 اس بے حس لور خود غرض لور خود ہر سمت عورت پر
 بھی چھائی نہ سکا تھا۔ اس مصروف سڑک کے
 دو سرے کوٹے میں زمین پر کھینچنے کے کل پینٹا ہے لیکن
 سارا زندگی کا ایک نیا سبق ایک لہنا بچہ لور غریب ترین
 عورت سے پڑھا تھا۔

”لہنا! وہاں آ کے۔“ بچہ ورد سے طرانا لہنا
 اسے بے غماشا چہرہ پر ہی لور سارا کو کب کچھ عجیب
 طرح سے دیکھ رہی تھی۔

”یہ لہنا! سارے اپنی جیب سے سارے نوٹ بنا
 گئے اسے دیکھتے ہوئے گئے۔“ اپنے بچے کا علاج
 کر دینا تھا۔

”یہ بہ تو بہت دانا ہیں صاحب۔“ وہ غریب
 عورت کتنے بہت سے نوٹ ایک ساتھ دیکھ کر
 کھبرا گئی۔

”کونسی بہت میں ہیں سب بہت کم ہیں۔“ مگر فی الحال
 میں بھی تمہیں دے سکتا ہوں۔ تمہارا کمر کھلیا
 ہے۔“ عورت نے سامنے خالی جات پر بتائی گئی۔

ہو گیا سستی رکھا ہے لور میری۔“ یہاں آگے لہنا
 گیا۔

”وہ مجھے تھک گیا کیوں کہ وہی تھی۔“ یہی لور ہی ہے
 بعد میں اس کی آنکھوں میں یہ وہ تھا جو سب سے
 پہلے کھلنا شروع ہو جاگے۔ ہونہ ڈرامہ باز عورت۔
 اپنی جالی بازی اور کرشمے مجھے الجھاتا چاہتی ہے۔ مگر میں
 سب وہ خوف ہوں نہ اس کی باتوں میں گئے والا۔ سب
 جانتا ہوں میں۔“ تب ہی اس کی ماں اپنی سوچوں کا سلسلہ
 ایک جھٹکے سے ٹوٹا اور اس نے بے ساختہ ہی بریک
 لگائے تھے کہ اس کی گاڑی کے سامنے چلی ٹیکر میں
 لہنا اس ٹرٹ سے بے نیاز بچہ یک دم ہی نہیں سے
 لٹوا رہا تھا۔

بریک لگاتے لگاتے بھی بلی کی مکر بچے کو لگ ہی
 گئی تو بے چارہ سڑک پر تری طرح گرا اٹھا۔ سارا کے
 جو اس محل ہو گئے۔

”ہائے میرا بچہ۔“ میرا مال۔“ ایک لہنا خند
 چلنے والی عورت اسے اٹھا کر تری طرح چوسنے لگی۔
 سارا سکا کی اتنا از میں گاڑی سے اترا اور گود میں بچہ
 اٹھائی ہوئی عورت کے پاس کھٹنوں کے کل پینٹا گیا۔

”تمہارا بچہ ہے؟“
 ”میرا بچہ میرے جگر کا ٹکڑا صاحبہ جی کہہ
 لے تو اسے آگے کرنا۔“ وہاں سے ہونے پر کسی سے
 لہنا۔

”تمہارے کہنے سے ہیں؟“ سارا اسے بھرت مگر
 قاتب مافی سے دیکھ رہا تھا۔

”چچہ! یہی ہے سب سے چھوٹا ہے۔ لہنا کا
 لہنا کہنے سے لے کوئی لور کا ہوندا نہیں۔“ مگر کا خرچا
 میں تو کول کے برتن جھانڈ کر کے پورا کر گئی ہوں کب تو
 میرے پاس پیسے بھی نہیں پینٹے اس کی چوٹ کو کولوں
 دکھائیں۔“ وہ چٹکوں پہ کولوں لہنا ہی پکڑا لگا۔ وہ
 سے چلا رہا تھا۔

”تمہیں اس سے محبت ہے؟“ سارے نے جیب
 طرح سے عجیب تر سوال کیا۔
 ”میں لہنا کو اپنے بچے سے محبت نہیں ہوتی گی۔“

اور تھکل کر چکا ہے۔ کہیں۔ یہ کسی کو نہیں بتا تھا۔
جن کو معلوم تھا کہ ان کے لیے مریض تھی۔
اس روز وہ صبح میں سوئی لیکن اس وقت تک کہ گاہ دو گز
جان ہی ہوئے کسی نہ کھر نہیں۔ ابھی اسے بت ہوا
تھا۔

جگہوں کی جانب شاہد کر دیا۔
”ہاں ٹھیک ہے۔ میں پھر لوں گا۔“ وہ اٹھا اور
گازی میں بیٹھ کر کسی لمبی سانس لینے لگا پھر گازی
اسٹارٹ کر کے تیزی سے سڑک کے کنارے
”سوالی۔“ وہ عورت کا اٹھنا سزا کو جانتے دیکھ
کر بیٹھ گیا۔



سزا آخر می طوفان کی مانند گھر پہنچا تھا۔ وہ راستے ہی
میں تھا جب مال کی کل اسے موصول ہوئی اس جلدی
سے انہیں ہسپتال لے گیا اور لب وہ آگے ہی یو میں
زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے۔ سزا کسی طرف
لڑنے کی مانند اس گھنٹے کے بجائے اور افسانہ گھنٹن
خصوصاً ماحول والے کارڈیڈ ڈیو اور پر لگے تھوڑا سا
ٹائٹل سے سر لگائے آنکھیں موندے ہوئے تھا اس تو
آبِ قتل کی صورت آنکھوں سے بہ رہے تھے۔

”اب میرے شفقت یہ کیا ہو گیا میرے پیارے بابا
جان میری ذمہ داری کی وجہ سے اب ماحول کو پیچھے
چھوڑ کر اس میں رہ کر ہو گیا تو اس خود کو کبھی معاف نہیں
کر سکا گا۔ آخر کیا ہے۔ کیوں میں نے اس کو دکھ پہنچایا
انہوں نے نہیں کیا نہیں ہوا۔ باب کی شفقت کے
ساتھ ساتھ میں کی محبت اور جہاں میں نے اس میں کیا
ہوا۔“ وقت تھا کہ دست کی مانند انہوں سے پھسلا جانا
تھا اور گھر پر نہ رہا اور اس کے کچھ ٹکڑے میں اٹھتا ہی
کہ وہ تھا ابھی اس کے فون کی تکی کی جہاں ہی طرح
چوٹا پھر راکٹ سے فون لٹل کر آسوی پوچھتے ہوئے
رہیں گے۔

”ہلو۔“ اس نے مضمحل ہی تو اس میں کہا۔
”ہیٹا سٹارٹ یہ کیا قسمت ٹوٹ پڑی تم پر یہ کیا کیا
ہو گیا آخر؟“ یہاں وہ دے ہوئے پوچھیں۔ سزا نے
بے شکل حرام طور پر تھپکا کر کہا۔
”ہائیں خاگر جان۔ آپ دعا کریں۔“
”میں نے تو کوئی اور ہی بات کہنے کے لیے دعا کر
لی تھی کہ فون لایا تھا تو کھر سے یہ خبر ملے۔ اب یہ
کہا ہے۔“ گھن کے پوچھتے پڑے سزا کو اس کا خیال آیا۔

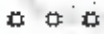
”ملا درد ہوتا ہے۔“ بیچے نے پھر صراحت کی۔
”میں کا ہے تمہاری بیٹی کو اٹاؤں۔ پھر تجھے غریب نہ
کے مرنے کے کہاب بھی بڑی پرکھن سے دلاؤں گی۔“
”بچہ ہی؟“ بیچے کی پہلی آنکھیں دھرتن ہو گئیں۔
”ہلو۔ ہلو۔“ لب جلدی چلے۔ ”وہ اسے گود
میں اٹھا کر تیز تیز چلنے لگی۔
”پتھ نہیں گن پر وہ تھوڑے تھوڑے کیسے سوال کر رہا تھا
کہ غفلا۔“ گتے دور کر سارے خیرت ہو رہی تھی۔



گازی کی گز نے وہ فون ہی کو بری طرح گھما تل کیا
تھا۔ آصف کی کمر کی ڈی جیکس چوڑا کی سبھی ٹانگ کا
ٹھنڈا ہوا تھا۔ گز نے وہ ہسپتال میں بڑی اپنی مختصر
ہی طرح پوچھی سے لینا علاج کر دانی رہتا پھر وہاں ہی پیچھے
شہر ہوئے علاج بھی تمام ہوا تھا۔ اس کے پورے
تکڑا ہٹ آگئی جو کھم لے رہا تھا وہ مٹا بہ ہوا اسے
کہا ہے جسے لائے پڑنے اسے وقت میں ستارہ نے
اس پر نہ صرف روح کہا بلکہ اسے زندگی گزارنے کے
لیے مناسب مشورہ بھی دیا۔

وہ ایک عمارت میں کام سمجھنے لگی۔ یہ وہاں ہی پارلر
میں تھوڑی مختصر طور پر کرسی بھی کہیں وہ مکمل طور پر چھوڑ
پہلو ہو چکی تھی مگر اس نے اب بھی شکست تسلیم
نہیں کی تھی۔ اب اس کی زندگی کا اگر کوئی متعقد تھا تو وہ
جیل کی پہاڑی تھی۔ ابھی پہاڑی جس سے اس کی
دعا کتب اٹھے۔ اپنے ارنوے کو مٹا جا رہا ہٹانے
کے لیے اس نے دو تین پار جیل کے کھر جا کر آئیں
جا کر کھا بھی مگر تب یہ جان لیا انہیں کہ جیل نہ
صرف شہر جوڑ چکا ہے بلکہ اپنا گھر اپنا کاروبار بھی کہیں

"کلچر میں ہے یہ ایسی بات سے خبر نہیں لٹی۔"
 میں نے دو سناپ لائن لٹی ہے میں نے دیکھنے
 تک پہنچ رہی ہوں گراچی۔ میرے خدایا۔ میری آپ کو
 کچھ میں میں آ رہا ہے۔ سب ہو گیا ہے۔ میرب کمال
 ہے اس کی طبیعت کبھی ہے۔
 "تپنے کر رہ۔" اس نے مختصراً دہرایا۔ ڈاکٹر جیری
 سے اس کے نزدیک آ رہا تھا اس کے ہاتھ پاؤں
 ٹھنڈے پڑنے لگے۔
 "دیکھو باوا ڈاکٹر؟" وہ ہراساں ہو کر بولا۔
 "تپ رہا کر رہی ہوں پوری کو شش کر رہے ہیں اور بہ
 الجھن فوراً لے کر آ رہی۔"
 "اگر ڈاکٹر۔" اس نے ڈاکٹر سے پرچا لینے
 ہوئے کہا پھر پاد سے مخاطب ہو کر
 "مجھنا خاندان۔ میں رہتا ہوں۔"
 "لوگو کے ویلا کھرا منت میں بس کن شاہ اللہ پہنچ
 ہی رہا ہوں۔"



"جب تک تو ذہنی تصویر ہی جو ہے پاپ تک پہنچ
 چکی ہوں گی۔" اجبہ کلچر سے نکل رہی تھی جب اسے
 گل کی گل موصول ہوئی۔
 "جملہ۔" وہ بے ساختہ بولی۔ "جب تو پھر میں گھر
 جانے کی جہاز ہے آپ کی طرف آجاتی ہوں۔" بولنے
 وہاں کہ صورت حال ہوگی۔
 "اے بے عقل۔" اس نے جیسے مزہ مذاق۔ تو
 وہاں جا کر تو دیکھ وہاں جانے کی میں تو دیکھی کی جیسے کہ
 وہاں کیا فراموش ہوئی ہے میری تصویر پڑا ہے۔"
 "مگر مجھے ڈر لگ رہا ہے اسی۔" وہ خرفانہ لہری
 بولی۔ "جب لے پاپ اور ساتھ ساتھ کیا سلوک
 کریں۔"
 "تو اور نہ تو گھر لے کر گیا ضرورت ہے۔" وہ
 برآمدان لگی۔ "جاگت کھو لو کہ مجھے پڑا کر لے والوں کا کیا
 انجام ہوں تمہارے دل کو کھلوانا کھنڈے والوں پر کیا جاتی
 نور پھر تمہیں کتا ہو رہا ہے میں بڑے کا لہو تو کہاں۔"

"یہاں تک ہے۔" وہ بول کر میرے انداز میں
 بولی کہ کراچی سے راضی نہ ہو۔
 "تک کہتے ہیں یہاں۔" گل فنون نے کہنے کے
 بعد سوج رہی تھی۔ "بھی کے دن بنے کبھی کی
 راتیں۔ گل تمہارا ڈاکٹر پھر بریاری پڑا تھا جیل۔
 آج میرے گھر نے تمہیں کہیں منہ دکھانے کے
 تکل نہیں چھوڑا۔ میری اہمیت اور نااہلی کا پاپ اب
 برہم ہوا چاہتا ہے اور آج سے تمہارے سکون اور تنگ
 جانی کے دن گنے جا چکے۔ برسوں پہلے جو ذمہ تم نے
 مجھے دیا تھا۔ جیل آج اس کا بدلہ میں نے لے لیا ہے
 کہ بہت سالوں سے کیا میری زندگی کا مفید تھا۔
 اس روز تم کو آجشن ستارہ ہے جسے آج میری باری
 ہے۔" اس نے نئی دنیا کی طرح پرانے کھول کر
 پرانی فقیر لگا اور اپنے سانسے رنگی بول میں سے
 شہسب پڑا اور غلامت چڑھا گئی۔
 اس کے رگ دپے میں ایک جیب سی سر مستی
 اور سوڈر چھانا تھا۔ سراسر عارضی سوڈر۔



مہیا وہ اپنی پورٹ سے سیدھی اچھل کر ملی آئیں۔
 بگھرے بگھرے جلسہ میں سوجی آکھوں والے
 منو جس سے سزا کو کچھ کرن کلل کٹ کر وہ کب
 "جب کیا کہنے ہیں ڈاکٹر۔" مہیا نے پوچھا۔
 "جو نہیں سمجھتے بہت اہم ہیں۔" اس نے مختصراً
 دہرایا اور سینے پر ہاتھ پاندھے ہوئی کھڑا رہا۔
 "میں شاہ اللہ اللہ اپنا کرم کرے گا۔ تم کہیں ماننے
 نکر رہو۔" وہ بولا اور اس کے گل ہوں ہوں۔ میرب
 کے گھر والوں کو اس وقت تمہارے ساتھ ہونا چاہیے
 تھا نکاح ہے اس شہر میں تمہارا ان کے علاوہ کوئی رہنے
 وار بھی تو نہیں۔" میں نے پکا سا فصد کیا۔
 "میں نے انہیں فنون میں کیا۔" وہ نکلیں چرا کر
 بولا۔
 "بنا حد کرتے ہو۔ انہیں اطلاع تو ذہنی چاہیے
 تھی۔ رگوں میں کرتی ہوں میرب کو فنون اور راجہ گل

میں کرنسی سارا وقت دستی ہوئی تھی کہ گود میں جو
 اٹھا پڑا تھا، وہ بہت کمزور اور جھڑی سجی ہے۔ ہا
 کراچی اگر بہت لوگوں پر رہنے لگے ہیں، مگر جب
 بھی کام سے دلہن آتے ہیں، مجھے اور اچھے کو لے کر پاس
 اپنے ساتھ ہی بٹھا کر رکھتے ہیں۔ میں تو سوتا بھی لوٹن
 کے ساتھ ہوں۔ اب وہ رات میں بائیں سر پر کھڑے کرتی ہے
 اس لیے مڑنے کے پاس سوتی ہے۔ میں اب لڑا ہوا نہیں
 نہیں کرکے فرخ زخمی نہیں بنا۔ فرخ زخمی گندے ہوتے
 ہیں۔ میری ماما کے لئے سارے فرخ زخمی اتھولے
 فن کے لیے جلا سے لڑائی کی اور ہمیں چھوڑا۔ بیاری
 ڈاڑھی میں اپنی ساری بائیں پاس لیے حسین بتا رہا ہوں
 کیونکہ تم سب سے ابھی دوست ہونے لگے۔ ساری
 بائیں کسی کو نہیں جانتیں۔ پر اس کو نہیں جانتی
 تھی۔ کیونکہ ہا کہتے ہیں اپنی۔ کئی کی بات دوسروں سے
 کرنا ہی بات ہوتی ہے۔ دوسرے آپ کی ٹیبلٹ
 کرتے ہیں۔ آپ کو دکھ پہنچاتے ہیں مگر کئی ہو پ کہ
 نہ ایسا نہیں کہوں۔ نہیں کرکے ہا۔

میرینے بیٹے آسمانوں کے ساتھ وہ ڈاڑھی بند
 کیا بند تھا وہ ڈاڑھی میں۔ یہ وا اب اس پر
 مشکف ہو چکا تھا۔ اس کا فنانس بچ رہا تھا اس نے ایک
 مہری سانس لے کر خود کو مار ڈالنے کی سعی کی۔
 ہو لو میرے بیٹے میں سارا ہات کر رہا ہوں۔
 "جی نکل جاتی اسلام علیکم تمہیں ہیں آپ۔"
 "ہیٹا۔ لب کیا کہوں۔ تمہاری طبیعت تو خود لکھ

تھی۔ تمہیں ٹیبلٹ لکھ ہوں آپ جلیے۔" اس کی
 حساب لگت ہو گئی۔
 "کیا تم جانتی ہو کہ وہ کار بھائی اور سارا کے بیچ کیا
 ٹینشن ہوئی ہے؟"
 "ٹینشن۔ شاہد ہا جانتی ہوں۔" وہ سوچ کر ہوا۔
 "مگر میں خائف کہ کبھی پوچھ رہی ہیں۔"
 "جیس جہا۔" وہ کار بھائی پچھل میں اس سے
 کرکے وہ ساتھ خیریت کے گھر دلہن کہا گیا۔ "وہ

ہے کیا سے ہی نہیں ہے وہ بھی تکہ ظاہر نہیں کیا؟"
 وہ میرے کو فون لگاتے ہوئے بولیں۔ پھر کچھ سوچ کر
 رگ کھینچیں۔
 "ہوئی کراچ میں تھے کچھ نہیں رہے تھے اس وقت
 خود اپنی خیر میں سے خالی انہی کسی کے بارے میں کیا
 کہوں۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں خود کو بھی معاف
 نہیں کہوں گا۔ میری ہی وجہ سے وہ فون مائل کو پینچے
 ہیں۔" وہ انتظار گزار میں نصب کر رہی پر بیٹھا ہوا سر
 ہاتھوں کو مٹکی میں پینچے ہوئے ہوا۔

"تمہاری وجہ سے۔" وہ پارہ تجب سے بولیں۔
 "کیوں سارا آیا کیا کیا ہے تم ہے؟"
 "میں نہیں جانتا سنا آپ کو۔ میں نے سب کچھ غم
 کر دیا ہے۔" وہ زارہ مظاہر دوڑنے لگے سارا بھی کہیہ
 ہو گئی۔ پھر بیارے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر
 بولیں۔

"میں نہ جاننے کہ آپ کو قصور وار مت پھراؤ۔"
 "نہیں، خالہ نہیں سارا قصور میرا ہے۔ میں نے
 ہی ان میں دکھ پہنچا ہے۔ وہ اپنی فریٹ کو راجہ لگ گیا
 دیکھ کر ہواشت نہیں کر سکتے۔"

وہ میری طرح دو رہا تھا اور اس کے دوسرے میں
 نہ دست تھی شرمندگی تھی پینچو تھا۔
 "آخر یہ کیا کر دیا تھا اس نے؟" وہ بارہ نے اذد
 نشوونما سے سوچا اس سے پر حمتا ہے کار تھا کہ وہ کچھ
 تاملے پر کتا ہی نہیں تھا۔ انہوں نے ایک بار پھر
 میرے کو گل ملانے کا سوچا تھا۔



"میں لب تالیق اسٹینڈ میں آ گیا ہوں۔ مجھے لب
 لپٹا لا اور والا بیا سا گھر خوب صورت پھولوں سے سما
 گاؤں۔ اپنے پرانے فرزند۔ اسکی لہجہ کچھ بھی
 بہت زیادہ یاد نہیں آگے نہ سنتی تھی، میں چھوڑ کر
 اپنی بہن کے پاس عیش کے لیے چلی گئی ہیں۔ لب
 ہمارے پاس نئی مڑنے ہیں کا نام سفید ہے۔ یہ بہت
 تخت اور اصول پرست ہیں۔ مجھ سے لڑا ہوا نہیں بھی

یوں تھے۔

”ابھی میرب کو روکا گیا۔“ یا اسے ہلا کر ڈالیں گیا ہوا نہیں ہے جس سے تو نہیں رو۔“
”میرب ٹھیک ہے، میں آگیا کرو۔“ وہ اپنے مٹو حش انداز میں بولی کہ میرا وہ گولتے تاملے پر افسوس سا ہونے لگا مگر ظاہر ہے جتنا بھی ضروری تھا۔
”میں آئی نہیں ہیجٹل۔“ میں نے کہا۔ میرا وہ ارے ارے ہی کرتی رہ گئیں۔



ایچ ڈی سے میرا میں گھر کے اندر داخل ہوئی مگر وہاں اس کی توقع کے برخلاف سب ہی کچھ باور تھا۔ میرا وہ گولتے میرا ہی پتے گھر ہے میں آئی۔ کونج اسے نہیں۔ بے زندگی پیشہ کے لیے چھوڑنا تھا۔ اس لیے کسی بھی پانٹ سے زیادہ اسے اس پانٹ کی فکر لاحق تھی مگر غلطی کیلپٹ تھی کہ پانٹ اس پر گھیرا ہوا تھا اور جو جاتی تھی۔

”آپ جو بھی ہو کر کھا جائے گا۔“ میں نے اسی کو پانٹا



میرب نے میرے اور میرے گھر کو فوراً ہی ہیجٹل پہنچی تھی اور اب میرا وہ گولتے گھر کو رو رہی تھی۔ میرا وہی خاموش لگا ہوا ہے اس سب کو دیکھ رہا تھا۔

”میرا گولتے رو رو کر خود کو پانٹ کر رہی ہو۔ اپنی حالت دیکھو۔“ جس میں تو گھر پر نہ کر آرام کرتا ہے میرے۔
”میں نے پورا کچھ نہیں بڑھان کر دیا۔“

”میں اب بے چہرا کیا ہوا اطلاع سے وہی آخر کڑے وقت میں انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔“
میرب نے آگے بڑھ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”میرا ہاتھ میرے چہرے کیلپٹ چھینا رہا اگر اپنے ساتھ ہوں تو گھر کو بھی ہو جاتی ہے۔ اب تم

پانٹ گھر میں کہو ڈیکو لیا پہنٹی صاحبہ ان شاہ نشہ جلد ہی صحت یاب ہو جائیں گے۔“
”میں شاہ نشہ آگنٹس۔“ میں نے کہا تھا۔ تب ہی ڈاکٹر ایک مرتبہ پھر ان کی جانب آنا دکھائی دیا۔ سب کچھ ہم فرزند سے اراٹھ ہو گئے۔

”میں انٹرنیشنل شکرے سے باہر ہیں مگر پھر بھی نہیں سمجھتے کہ کیا ہے۔ ہم نے انہیں ایڈور آئیڈویشن رکھا ہے کہ یہ بھی ہو گا کہ نہیں۔“ میں نے متکرا کر کہا۔

”اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔“ بے ساختہ میرا کامر ہوا چہو کھلا تھا۔ سب ہی اس الملاح پر اطمینان محسوس کر رہے تھے۔

”میرب لیا کہو پانٹ ہم لوگ نہیں ہیں۔ تم جوتوہ پانٹ کے ساتھ گھر پر کچھ دیر آرام کرو۔ قریش ہو کر پھر آجائے۔“ میرب نے کہا۔

”میں۔“ میں نہیں رہوں تھک رہی تھی ضرورت ہے۔“ وہ فریڈی میرے میں بولا۔

”میں پانٹ میرے ٹھیک کہہ رہی ہیں پانٹ گھر میرے دیکھو پانٹ کتنا خراب ہو رہا ہے ایک دھنگے آرام کر کے واپس آجائے۔“

میرا وہ نے دو لوگ میرے میں کہا۔ ”میرب میرب چلو شہلاش تم بھی گھر چلو۔ تم تو شکل ہی سے کمزور لورتا رہ لگ رہی ہو۔“ اور میرب نے انکار نہیں کیا کہ اسے میرے سے ایسے سوالات کرنے تھے جن کا جواب صرف میرا ہی دے سکتی تھیں۔



”میرا گولتے رو رو کر خود کو پانٹ کر رہی ہو۔ اپنی حالت دیکھو۔“ جس میں تو گھر پر نہ کر آرام کرتا ہے میرے۔
”میں نے پورا کچھ نہیں بڑھان کر دیا۔“

”میں اب بے چہرا کیا ہوا اطلاع سے وہی آخر کڑے وقت میں انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔“
میرب نے آگے بڑھ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”میرا ہاتھ میرے چہرے کیلپٹ چھینا رہا اگر اپنے ساتھ ہوں تو گھر کو بھی ہو جاتی ہے۔ اب تم

کی نہ اس میں ہمت تھی۔ خط پڑھ کر وہ پتھر لیا نہیں بلکہ اس کے اندر رساویں سے دو پتھر اٹھائے اور پتھر پتھر سے "میرا ہاں" کہتا ہے۔ "اچھا" وہ پوری ٹونٹ سے رحما را تو سر پارہ لکھتے ہوش میں آئیں اور لہجہ بجا پانا مختصر سا لہجہ لگتی ہے۔ "میں تم سے باہر کی صورتِ حجل سے سکر ہے زیادہ خاموشی سے باہر نکل رہی تھی میں کا جلال دیکھ کر وہیں چم گئی۔"

"میں تم سے باہر سے ماروں گا بے غیرت۔" وہ اس کی جانب اچھٹا تو سر پارہ جیسے پڑھا کر ہوش میں آئیں۔

جب تک سر پارہ اس کے نزدیک پہنچیں سارا ایک کے بعد دیکھ کے پتھروں سے اس کا منہ سرخ کر چکا تھا۔

"کیا کیا تم نے کر لیا؟"

"میرا تو سر پارہ! میرا پارہ اس کا ہاتھ پھولا۔"

ہمت دو دیکھ گئے "میں اسے جان سے ماروں گا۔" اس نے ہاتھ پھولنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں! منہ بند لے مارنے سے کیا ملے گا۔ مجھے تو آنسوؤں سے کرہ میں پہلے ہی کیوں خیر نہ ہوئی۔"

"تپ لوگوں کو تو آنسوؤں سے ہو گئی کہ جس صورت کو آپ لوگ جیتے جاتا رہتے تھے، وہ نہ تو کسی نے خاتم ہیں تپ سب میں نے اپنی ہاں پکڑنے کے لیے لیا ہے۔ آپ سب سے اب مجھے کوئی آنسوؤں نہیں۔" وہ سرخ چہرے اور وحشت لدا آنکھوں والی اجبہ اجبہ نہیں کوئی سوئی لگا رہی تھی اور جو اپنی سب سے قیمتی چیز کو ہر لنگھنے سے سو لٹی ہی تو ہوا کر رہا ہے۔

"میرا لے لیا ہے؟ آپ نے تپ کی جان لینے کی کوشش کر کے؟" میرا نے تلا متنی لگا ہوں سے اسے دیکھا۔ "میرا کس ہاں پکڑنے لگا تھا میں بھی تو سنوں۔" وہ اب قرہ آہوں لگا ہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سارا دونوں ہاتھوں سے سرھلکے لہن پر یوں ہٹا تھا گویا سب کچھ ہار چکا ہو۔ میرب صورت عمل سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہاں میں تو صبح سے صاحب کے لیے دعا کر رہی ہوں۔ سب سے آگے پورے دست خیال رکھتے ہیں، ہم سب کا ہاتھ نہیں لگی جانی دے۔" کیا کوئی لگا دے گا خاتون کے ہاں جب میں چائے کا پونچھنے کی نون قدمی پڑھ رہے تھے۔ خدا کی ہاں! لعنت ہو اس لفظ پر۔ مجھے تو لگتا ہے اسی کو پڑھ کر صاحب کی طبیعت بگڑی ہے۔" وہ لہجے سے لہجے میں بولی گویا ہمت پڑا انکشاف کر رہی ہو اور صبح تو کسی خصلت سب لفظ نے نور بخلا کا ذکر من کر رہی طرح ہو گئے۔

"تو راتے کر گویا۔ کہاں ہے وہ خط۔" میرا پارہ عجیب لہجے میں بولی ہے۔

"میرا پارہ خط پڑھ کر وہ بخود بخود منہ میں جسٹ من کے اندر اتنی ہمت پائی نہیں رہی تھی کہ وہ بیگزین کھول کر دیکھ پائیں۔"

"کہا۔ کیا لکھا ہے کسی کا خط ہے؟" میرا اپنی نصحت سے اٹھا اور نصحت کرین سے کھٹا چھوٹا میرا پارہ لگا رہا تھا اور جسٹ سے بھی کھٹا بھی میرا پارہ تو بھی سارا کو دیکھ رہی تھی۔

"تو تار جیل قانونی۔ آج سے نفعی سزاؤں میں عمل نہ لے ایک سزا تو مجھے دیا تھا۔ آج میری ہاں ہے۔ کہہ نہ کیا سہا سہا تھا کہ جہاں اتنی ہی ہاں لگا ہے کہ جب سزا دینی چاہے گا اپنی زندگی سے اسے منی دلائل کر کے نکال دیکھو گے تو یہ سزا ہی وصول تھی و تار جیل۔ اس روز تم نے مجھے یہ یاد کیا تھا آج میں وہ برہاوی جس میں ہاں ہی ہاں ملتا ہے۔"

اس بیگزین میں چھٹی تھی میری "معلوم لورا کہاں؟" تپ کی تھلہ میں چھٹی میں اس کا نام لگا اس کا بھانجرا تھا۔ تپ کی کا بھویم نے مجھ سے سب کچھ دھو کے لائی ہے۔ چھین کر رکھی تھی۔ آج کے بعد تم کسی منہ نہ رکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔ میرا خود سے دعا ہے۔ تم سے دعا کر کے میں نے کہا کرتا ہے خود سے دعا کروا کر ہی تو ہوا اس کی ہوتی۔

تپ لگتا تھا پھر وہ لہجہ تھا! "!"

لور بیگزین دیکھنے کی اس نے نہ ضرورت محسوس

”یہاں تک تھے، تک نظر تھے۔ ایسا کہ ایک کمرے تھے۔ انہوں نے ان کی زندگی کا ذکر کر دیا تھا۔ آپ کو کولہ لے کر بیٹن کا ساتھ میں لیا، انہوں نے ہاتھ پینے سے کولہ کے تیل کی طرف اشارے سے گھر کے کام لیتے تھے۔ وہ حقیقت وہ اتنی خوب صورت اور کم عمر کی لڑکی تھی کہ انہوں نے بہنوئی کر کے رکھ دیا ای کہ انہوں نے اپنا پوری زندگی منانے پر رضامندی کرنا ہی سمجھتی تھی۔ کسی نے انہیں ٹیٹ کر نہیں پوچھا۔ بہت لطف لیا گیا کہ لوگوں نے ان کے ساتھ بہت لطف۔ وہ دیتے ہوئے لطف۔“

”لطف تو ہم نے وہ اتنی کہا انہیں۔“ مہربانہ ہنس کر اسے دیکھنے لگیں۔
 ”جس حقیقت سے نا آشنا کہ کے تمہارا بچپن، تمہاری مصروفیت چھوڑنا، جانے اس طرف سے آئے تھیں، تمہیں آگے کے طرف سے چلا۔ تم لڑکی زلت تھیں، تمہیں آگے کے طرف سے مسائل سے بچانے کی خاطر تمہارے باپ نے اپنا اپنی شہر چھوڑا۔ اپنے رشتے داروں سے ملنا جانا ترک کر دیا۔ تمہیں ایک محفوظ و مطمئن مستقبل دینے کی خاطر وہ کاروباری نے اپنے حال میں کئے۔ چھوڑے کیے تھے۔“

”جیسے کسی سے کچھ نہیں پوچھا۔ بھونے، وقایہ ہیں کہ سب۔ آپ لوگوں نے بچپن اپنی ماں میری ماں سے جدا کر دیا مجھے میں آپ لوگوں کو کسی مصافحہ نہیں کر سکتی۔“ وہ اتنی میں سر ہلا کر یہی طرح سبک دے گی۔
 ”کیسے کہ خود سے جدا کرنا ہی پڑتا ہے بے رتولہ۔ میں تو وہ سارا جسم سزا کا گھا کر ختم کر دیتا ہے۔“ مہربانہ اب خود بھی روئے لگیں۔ بے بسی کے آنسو۔

”میری ماں کے لیے آپ ایسے الفاظ استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں۔“ وہ درد سے لہجائی۔
 ”تعمیر کی بہت رہے۔ وہاں آپ انہیں جانستیں۔ تم کچھ نہیں جانتیں۔ تم نہیں جانتیں کہ وہ کتنی خود

غرض اور مفکر بہت عورت ہے، تم نہیں جانتیں کہ اس نے زندگی میں سوائے خود پرستی کے کچھ نہیں کیا۔ تم نہیں جانتیں وہ رشتوں کو بھائی میں، انہیں استعمال کرتی ہے اور تمہیں سن کر انہوں کو بھوکا بھر اچھا ہے کہ نہ ہی تو کہ وہ تمہیں بھی استعمال کر سکتی ہے بہت لطف دیتے ہے۔“

”میں نہیں جانتی آپ کی بکواس کہ۔“ وہ بد مزگی سے بولی۔
 ”تمہیں بتانا پڑے گا ایسے۔ نہ نے اس کی طرف کی کہانی بھی سنی۔ سب اس طرف کی کہانی بھی سنی۔ اس کے بعد لطف کر دیتے تھے۔ انہیں ان کی حد اقل کے لیے کو انہوں کی ضرورت تو نہیں، لیکن اگر تمہیں ہوتی میں چشم دید کو تو بھی تمہارے سامنے لاسکتی ہوں اور لانا بھی کیا۔“ وہ کچھ دیر ٹھہر کر سزا کو دیکھنے لگیں۔ خود لٹے ٹیٹ اور اس کم صبر سا بیٹا تھا۔

”تمہارا یہ بھائی۔ اس سے پوچھو کہ کیا عمر اور موت تاک بچپن گزارا ہے اس جملہ نصیب نے۔ کو کچھ سننے کی ملک ہے، تمہیں۔“ مہربانہ اسے دیکھ کر غصہ ہو گئی۔
 ”آپ کے آنسو بھل بھل بہ رہے تھے وہاں کیا رہی تھی نہ تک۔“



دقت بدل گیا۔ حالات تبدیل ہو گئے۔ اسٹین لہم اینڈ سٹری کا یہ مزین لادائی شروع ہو گیا۔ ہر گری پر ان بڑھ اور موٹے بہت لوگ قابض ہو گئے۔ لہجہ جتنا لہجہ ٹھیک ہو گیا، اینڈ سٹری سے وابستہ لوگوں کے گھر کے چھوٹے چھوٹے گھر کرائی میں ڈرل۔ اینڈ سٹری فروغ پاری تھی۔ وہاں تک کہ ہم بہت تھا سو حقیقت لوگ حلائی معاش کی خاطر کرائی کاروں کو کرنے لگے۔ یہاں موٹے زیادہ تھے۔ چند انہی میں سے کئی اور اپنی ایک چلتے رہائی کی وسعت سے مزید کسی کے پار کر میں جا رہے تھے۔ اور یہیں ایک چھوٹے اور فست سے فلیٹ میں رہنے لگی۔ زندگی میں کوئی واقعہ بھی بنا سکا

وجہ کے وقوع پذیر نہیں ہوگے شاید قدرت چہرا کو
 آخری منظر تک چھپا دیتی تھی۔
 چہرا کا اچھلے اور سر پارہ کو شاپنگ مال میں دیکھتے اس
 شہری سوانح کا سٹک شاید قلم اور اس نے ایک بار پھر
 اس سوانح کا اظہار استعمال ہی کیا تھا۔



میں نہیں جانتی کہ وہ نہیں سے کب ہمیں اور کب سے
 ملی میں صرف لگا جاتی ہوں کہ اس نے ثابت کر دیا کہ
 وقار بھائی کا ایسا لگتا عذرت اور دوست تھا ایسا نہیں
 ہے کہ ہمیں سچی اس کا خیال نہیں کیا یا ہم نے یہ
 نہیں سوچا کہ وہ کن معاملوں میں زندگی گزار رہی ہوگی۔
 آٹھ ماہ کی عمر میں مجھے پور کیا اور منور آقا اور
 ہم اس کے لیے دعا بھی کرتے تھے مگر انیسویں کہ ہماری
 دعا میں اس کے کسی کام نہیں آئی۔ "وہ بولنے
 بولنے تک سی سکتی۔ کن کا چوسرغ اور آٹھویں
 انقلاب تھیں۔ سڑک بھی سر جھکائے چلنے کیا سوچ رہا
 تھا میری ساری کھلی سن کر ششدر چینی تھی اور
 اچھا۔ اچھا اب وہ نہیں رہی تھی اس کی آنکھوں میں
 چپ ہٹا رہی تھی۔ اس نے ساری کھلی سن لی تھی
 سڑک چینی۔

"میں میں نہیں مان سکتی۔ اسی ایسی ہرگز نہیں
 ہو سکتیں۔ کب جھوٹ بول رہی ہیں۔" کچھ دیر بعد وہ
 بولی تو سہارا نے از حد قہقہے سے لہجہ کیا۔
 "تیسرا توکی نہیں وہ طرفہ تیار۔"

"تجھے اتنی نہیں ہے۔" وہ ہنسنے سے بولی۔
 "نہو۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے اچھلے کن۔ لیجے
 میں بولیں۔ "ہی اور ہی وقت تجھے اس کے پاس لے
 کر چلو بہت ہو گیا ہے اور اسے آج ہی پور جھوٹ کا ایسا
 ہوا ہے چلتے۔"

"میں نہیں لے کر جلاں کی کسی کو کہاں۔" وہ خوف
 نہ بچنے کی طرح بولی۔
 شبہی سناؤں کا ٹولہ بے جا مزہ کا قلم انہوں نے اپنا
 لہجہ استعمال کر لاکر ہمیں لوکا۔

کہاں ہیں آپ۔ وہ چھوٹی سے بول۔
 پھر اپنی منہ ہلایا بھائی صاحب کی طبیعت
 ٹھیک نہیں رہتا، ہمیں ایک ہوا ہے۔ وہ سٹاف ہی
 جاتے ہیں۔

"کہاں اپنی اپنی جی کے کاموں کی خبر ہوگی
 انہیں؟" اور پھر پھر ہو کر بول۔
 "تیر کسی انداز میں ہات کر رہے ہو تیر۔" انہوں
 نے ہاتھ نہ لگنے سے لڑائی۔

"ہائل ٹھیک کہہ رہا ہوں میں ہم۔ کچھ ہی گورڈ شیر
 ملا ہے مجھے۔ غلط ہے اچھے کا ساتھ میں وہ میگزین بھی
 جس میں اس کی دلگہر پھوڑ گئی ہیں" اس نے صاف
 صاف لکھا ہے ہم، پھر ٹھیک کرنا چاہتی ہے اور اس کی
 شادی زندگی میں سے ساتھ کرنے کی کوشش کی جارہی
 ہے یہاں سب آپ کو معلوم تھا مگر وہ مجھے ملاحظہ
 کو قلم پارہ کو کھلا کر دے تھیں۔

"میں بیکل اصل میں۔" وہ اصل ہاتھ ہے۔
 کہ "ہم سے ہات نہ نہ ہائی جارہی تھی میں کرتیں تو
 بیٹے کا اٹھو کھو تھیں تو کرتیں تو بیٹا بولے کیا کرے۔
 "ہم اس نے مجھے بہت ہت کیا ہے۔ اگر ایسے ہی
 کرے کئی لڑکی سے شادی کرنی تھی میں کیا کی تھی۔
 نہیں ہم۔ میں نے وہ سنی کہ بڑے میں ہاتھ کا کا کل
 نہیں ہوں۔ مجھے تو یہ سنی ہی سمجھ جانا چاہیے تھا کہ وہ
 میرے ساتھ نہ خوش نہیں ہے میں نے آپ کو اگلی
 اسی لیے فون کیا ہے کہ میں اسے طلبان دے رہا
 ہوں۔" سہا دہ پوری جہن سے کھپا نہیں۔

"میں بیکل ایسی گفت بات کرتا۔ ہو سکتا
 ہے جس میں کوئی غلط تھی۔"

"بات غلط تھی ہم۔" وہ بولیں ہوا انہوں نے
 کوئی پچکانہ بات کہی ہو۔ "مگر غلط ہو سکتا ہے مگر اس
 کی صورت میں۔" وہ اس میں ہاتھ ہے فیرت نہیں ہوں
 کہ میری وہی ایسا لگتا اور وہ چپ فون شوٹ کر دے اور
 میں وہی ایک شہ کھوں۔ سو رہی ہم میں نے پہلے آپ
 کی بات مان لی تھی آپ نہیں مان سکتا اس لیے میں
 اسے ملاحظہ دے رہا ہوں۔"

وہ "ممنون لائٹ ڈاٹ۔" کہتی رہ گئیں مگر اس نے
 فون نہ کر لیا۔ فون نہ ہونے پر انہوں نے لائٹ نہ کلٹ
 دار اور چھوٹی نگاہوں سے سائٹ کھڑی ایجے کو دیکھا۔
 حسنہ نکال نکال رہی تھی۔

"میری چاہنی تھی تاہم انہیں مہارک ہو چھیں۔
 حسد کے کارناموں کی خبر اس تک بھی پہنچے وہنام
 سے پتہ چلی گئی ہے۔ وہ چھیں مطلقاً دے رہا ہے۔"
 میرب نے بے ساختہ منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی چیخ کا
 گھونٹا ساڑھن نسی، بچا ہوا گواہ سے کسی بھی حالت
 سے فتنہ نہ چڑھا اور پوچھا۔ اس کی نگاہوں سے بے
 چینی جھلکی اور وہ سانس نہ لے سکی۔ ہکا بکا لالی بھی کھڑی
 تھی۔

"تم بے عزت ہو گئی ہو ایجے۔ بدنام کھڑی تھی
 ہوتی یہ کیسی بولہ کہ کیا انتقام ہے جس میں سارا انسان
 سراسر حسد رانی ہوا؟ چھیں بڑی خوبی سے حسد کے
 ہی خلاف استعمال کر لیا گیا ہے ایجے اور تم اندھی محبت
 میں سے موت ساری تھیں۔ کیا اب بھی چھیں لگتا ہے
 کہ میں نے چھیں چھوٹی کھائی تھی؟"
 "کیا ہوا ہے۔ سب کچھ مجھ میں
 آ رہا۔" وہ انگوٹوں کی طرح اسے چیل تو پتے تھی کہ بہت
 اس کے علم میں بھی نہیں تھی کہ حزو کو بھی اس کی
 ضرور اطلاع کی تھی جس کو کہ اسے حزو سے کوئی رکتہ
 کوئی نسبت نہیں تھی مگر ہر حال میں کائنات میں تھا
 اور اس کے سامنے یوں ہاتھ پیرا ہوا۔

"اور نہ صرف اس کے سامنے ایجے۔ حسداری
 ہو شراباً ضرور تو بنانے کس کس سے دو تھی ہوں گی۔
 کیا تم آج کے بعد خود سے نگاہیں ملانے کے قابل وہ
 تھی ہو؟" کوئی اس کے اندر روتے کر لیا۔
 "کیا تم اب بھی مجھے اس کے بعد بولنے کر نہیں
 چاہتی؟" وہ پارہ نے بہت کلٹ دار سب سے سوال کیا
 تھا۔ ایجے کے اندر مسلسل درد کی کوئی بازگشت ہی گونج
 رہی تھی۔



"مجھے کیا سمجھا تھا اس نے۔ اب اسے پتا چلے گا۔"

بہار ہونے کے بعد کیا محسوس ہوتا ہے اسات مہارک
 مجھے اپنی زندگی سے، اور مجھ کا تھا اس نے آج جس نے
 اسے ایسی ٹھوک ماری ہے کہ وہ منہ سے کل کر اہو لگ
 ۱۱۱۱۔ "نہ محسوس رہی تھی۔ غرضی سے ڈبل رہی تھی۔
 اپنی جان پر غصے نگاری تھی۔ بلکہ آہنگ خراب تاک
 تھی۔"

تبھی وہ اسے کی کھٹی تھی۔ بلکہ بھر کو خاموش
 ہوئی۔ پھر بے تکی سے دروازے کی جانب چلی۔
 "آگنی میری ہوسار تھی۔" وہ وہاں کھول کر اللہمانہ
 پڑھائی کہ اس کے جو بھی ٹکرات جلد ہی بھڑکنا پڑا۔ کہ
 دروازے پر ایجے چھیں۔ سیاہ اور ساتر تھے۔
 "ایجے۔" اور یہ۔ یہ سو ہے؟ "اس نے پوچھا کا
 مرحلہ خیر و خوبی طے کر لیا تھا۔

"پہلی میں۔" سیاہ اور تھی سے بولیں۔ "پہلیں کہا
 چھیں کسی بلور کا انتظار تھا؟" انہوں نے تابلانے کھر
 جو داخل ہوتے ہوئے بھڑکنا۔

ساتر کی بے تاثر نگاہوں اس سے حسد سے برہمی
 چھیں جسے چھوٹے پائسنے کی خواہش بھی بہت تھی
 میں اس کے سینے میں سرخا کرتی تھی مگر آج اس کے
 اندر سولے نہ تھی جو پیش کے کوئی اور جذبہ برادرت ہو۔
 "ہاں اسی کا انتظار تھا۔ میں نے چھیں میں کا پتا تھا
 ہے۔" وہ ذرا بھی خاکسار شرمندہ نہ تھی۔

"مجھے خبر تھی ہے تم پر پتہ۔" سیاہ کہنے سے
 اسے وہ کہہ کر بولیں کہ جس کا کھیر اور خود غرضانہ انداز
 آج بھی بھول کا توں قائم تھا۔ "میں نے وہ خبر بھولی کی
 عزت سے کھلا۔" ان کی دولت کو بھلا کرنا چاہا۔ "میں نے
 اپنے بھول کی مصیبت اور لین کا پتہ نہیں چھینا اور
 آج۔ آج بھی تم جب سن کی زندگی میں بولیں تھی ہر حق
 چھی اور بھولی میں گئے۔ تم ہو کباتے چہل۔ میں
 چھیں بھی سمجھ رہی تھی۔"

"مجھے لیکن تمہیں کہنے سے چھیں کچھ ل رہا اور
 کر لی ہو۔" وہ گھبرا رہا ہے۔ مجھے حسداری بھولی اتوں
 سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ "اس کے لہلہ پر غلہ
 سکر اسٹ ٹکڑا ہوں میں حسد شہرا ہوا تھا۔"

”میں جانتی ہوں۔ جس میں فرقہ پرستی بھی کیے سکتا ہے۔ احساس انسانوں کے دل کی میراث ہے۔ بے حس لوگوں کے امور نہیں پہنچتے۔“ مر پارہ نے قدرت سے کہا۔

”ہااا۔“ اس نے ایک فتنہ لگایا۔ ”پہلو یہ ہی سہی مگر یہ تو ہاتھ چلے کہ آخر تمہارے یہاں تم نے کا مقصد کیا ہے نور ہاں۔“ اس نے چونکے کی لوٹاری کرتے ہوئے کہا۔ ”کہیں ہیں میری فرمائیاں اور بی۔ تمہارے ساتھ نہیں آئی کیساں میں پوچھتا تو معلوم ہی گئی۔ وہ زندہ بھی ہے یا اس کے عزت دار باپ نے غیرت کے نام پر اسے قتل کر دیا۔“

”ہم کبھی ملے ہو چہ؟“ ایک عورت بیٹھے اچھی بی۔ ”نہن باجی نہ بھی ہو مگر ایک ماں کے اچھے ہونے اپنی لوٹار سے غلط ہونے پر شہ نہیں کیا جاسکتا مگر تم نے اس بات کی نفی کر دی ہے چہ۔ کیا نفی میں اپنی شقی انگلیب کی ہو سکتی ہے مجھے تعین نہیں آتا۔“ ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

”جس کے خواہوں خواہوں، خواہوں کا کا قدم قدم پر گھونکا گیا ہو اس سے تم لوہ کیا امید رکھتی ہو؟“ لہب کی بارہی گئی۔

”غزائب، خواہش اور تمنا میں۔“ مر پارہ نے دہرایا۔ ”نکلنے سے غزائب کی غزائبیں اور تمنا نہت کی تمنا میں۔“ زنگی نے جس میں کیا نہیں دیا۔ بہترین ماحول میں تمہاری پرورش ہوئی، یاد ہے لیا میں لپیٹے اور بچوں کی حق تلفی شاید کر جائے ہوں، تمہیں خبر جان چھڑنے کے تھا اپنی شکل صورت و ظہار کھانا پینا شوہر پیاری محبت سے نوازا بہترین زندگی سہی سننا پھانسا اور کیا چاہیے ہونا ہے ایک عورت کو زندگی میں۔ جس میں تو سب کچھ نہیں مل سکتے بل گیا تھا آخر تم پر کس بات کا بخل سوار رہا۔“

”یہ سب کچھ کسی نام عورت کے لیے ستار کن ہو گا، میرے لیے نہیں۔“ وہ غور سے بولی۔ ”مجھے آزاد خصلتوں میں ادا تھا، سن لو مجی۔ سن ہلکے پرواز، دلی میری مگر مجھے ملکا کہا ایک سہری عبد خاندان جس میں

میرا دم گھٹتا تھا ساس رکھی تھی میری۔“ وہ اپنی گردن پر ہاتھ رکھ کر لڑائی لگوا اس کا دہرا لٹی گھٹ رہا ہو۔

”تمہاری غلط سوچ نے تمہاری زندگی تو برباد ہی کر تم سے وابستہ لوگوں کو بھی جہنم سے جینے نہیں دیا۔“ سپارہ کو اس کے خیالات نے تڑپا کر دیا۔ ”ایک غلط عورت صرف خود کو برباد نہیں کرتی کئی غلطیوں چھ کر دیتی ہے، تم نے یہ بات صحیح ثابت کر دی ہے چہ۔“

”تفسیر تمہاری ازبیک کی۔“ وقار بھولی نے تمہیں محبت پیسہ، عیش و آرام کیا نہیں دیا اور تمہیں تم ان کے ساتھ کہا کر دیا نہیں کہا تمہیں یاد ہے۔ تمہارے چہرے پر عجب کے ساتھ مل کر ان کی عزت کا جہان تیار کر دیا نہیں۔ کہاں تمہیں صوف کر دینے۔“

”میں نے اس سے حوالی مانگی تھی نہیں تھی۔“ اس نے آواز سے بولی جیسے اظہارِ غم سے رہی ہو۔ ”مجھ نے اس کی ذات سے دلچسپی نہیں لے لی اس کے بارہ محبت سے مجھے چاہنے والے سر نہ ہونے کی حسرت تھی۔“

”نہن سے نہ سہی ان کے چہرے سے تو تھی۔“ مر پارہ بھڑک کر لڑکھیں۔ ”نہن سے نہ تھی۔“

”ہس کے پاس تھا ہی کہا ایک بھر وہ بھی میرے کسی کام نہ آسکتا۔“

”ملا تکیہ تم نے اسے اجاڑنے کی پوری پوری کوشش کی تھی۔“

”جس سے ہو گیا، وہ سنا گئی۔“ کہیں آتے ہو تم لوگ یہاں؟ اگر میرا ہی مجھے یاد دلائے تو اس کی ضرورت نہیں۔ وہ مجھے پوری جزئیات کے ساتھ یاد ہے۔“

”نہن۔“ مجھے کچھ یاد دلنے کی قطعی ضرورت نہیں، میں کج صرف تمہاری کج صورت نہیں حقیقت کے آئینے میں رکھنے لگی ہوں۔ جس میں تمہارے وہ بے گلوں کو کھلنے لگی ہوں۔ نہ کو کچھ دیکھو کہ تم کتنی زہری ہو۔ تمہارے شر سے تمہاری اولاد تک محفوظ نہیں رہ سکتی۔ تم ایک لے کر بے سلب بے مصروف بھرو۔ ایسی عمر دنوں جس پر کسی کی محبت

زندگی کو بٹا دیا ہے۔ دین نہ رہے گی کی بھانگ چکی ہوئی
 اپنے عاشق کے ساتھ اگر میں نہیں بدوقت نہیں نہ
 کرتی۔" وہ فائز نے مجھ میں دیکھی گویا کوئی سنت کمال فکر
 کا رنگہ انجما ہے براہو۔

"چھل۔ تو وہ کب تمہیں۔" حل سے بے حل
 اتر چلے اور سوئے سر پہ لہو لہا اپنے بچانگ کہیں
 سے نمودار ہوئی تھی۔ یک لفظ کے چوہا اڑی پڑی تھی۔
 "اے میری بیگم کہہ رہی تھی تو۔" وہ لہو لہا
 والہانہ انداز میں اس کی بات بڑھی۔

"ہیں۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے بے
 چلک انداز میں اسے ٹوک
 وہ ہکا بکا رہ گئی۔

"مگر یہ کتنا متیز اور پرجوش لفظ تھا تو مجھ سے عقل
 میرے لیے اگر کچ کہہ لے اس لفظ سے میرا اعتبار
 اٹھا دیا ہے اسی۔ میں نے آنکھ بند کر کے کب کی ہر
 بات پر یقین کیا ہے کب کب آپ کی کھولی ہوئی خوشبین
 لوٹنے کے لیے اپنی سب سے قیمتی سٹیج گودا دیا کھانا
 اور سب مجھے بنا چاکر کہہ کب آپ نے مجھے کسی میرے
 کی طرح استعمال کر دیا تھا۔ میرے خاص جذبوں
 سے کھلوا کر رہی تھیں۔ کیلئے آخر کیل کیا آپ
 نے میرے ساتھ ایسا کیا؟" وہ اس کے جود کو بھجھوڑتے
 ہوئے بولی۔

"جب میں سمجھی کہ آپ مجھ سے ملاقات اور وہاں
 سے کیوں پریشان رہنا چاہتی تھیں۔ آپ کو عجب کر
 دار کرنا تھا۔ سو آپ نے کیا کیا۔" اس کے دلوں ہاتھ
 کئے ہوئے شہتیر کی طرح پھولیں اگڑے
 "اچھی بات تو سن۔ یہ سب تو میں نے جی
 خاطر کیا ہے۔" وہ اسے بکا رہے لگی۔

"تمہیں ہی میرے لیے نہیں آپ نے سب کچھ
 ہا۔ سے بدل لینے کے غرض سے اپنی لٹا کی تھیں کی
 خاطر کیا کرتے تھے آپ سے نہیں خود سے نکلتے ہے
 میں نے کیسے آپ کی باتوں میں آکر اپنے اپنے چارے
 پکا کر رکھ پھینکی کیا ان کی اچھا اور لہو تھانہ لہو میں
 نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ ساری

کی ہارش بھی ہریالی میں اٹھ سکی۔"
 "اے۔" وہ اس کے لہو لہا چہرہ کو سر نہا جھلنا
 مجھے اس نے اپنی اٹھ کر کما اور زبردگ اگر انہیں دیکھا
 رہتی ہوئی بولی۔ "نکلو۔ نکلو۔ یہاں سے کوچ سے کئی
 سال کے تم لوگ میری لیے مر گئے تھے مجھے تم لوگوں
 سے کوئی بھارتا نہیں۔ ہاؤنٹس ہاؤنٹس۔"
 "کاش تم اسی وقت واقعی مر جی ہو تھی چہرہ اب تو
 پھر وہ قار صالی کو ہم لوگوں کو اس زمانے کے کڑھے میں تو
 نہ دیکھ لیا نہیں۔" تم نے اپنی محسوم جی کے جذبات
 سے اس کی محسومیت سے کھلا ہے چہرہ تم کسی میں
 ہو۔"

"وہ اچھا۔" چہرہ نے چٹکارا سا لیا۔ "جب کبھی
 سارا غصہ اٹھو یہ ہے جو مجھ پر نکلا جا رہا ہے۔ چلو
 نکلو۔ نکلو۔ پچھل میں ہے سب کھلا۔ میں تو اپنی
 کما پورا کر چکی۔ میں نے جیل کو بھڑک کر لے کی قسم
 کھلی۔ جی میری قسم پوری ہوئی۔" اس نے کندھے
 لڑکے کے تائب تک ساتھ خاموش کچھ کچھ لو اس ما
 کھرا سے نکلا ہاتھ سے ہوش میں آکر لہا۔

"کہا تصور تھا ان کا؟ صرف یہی کہ وہ آپ سے
 محبت کرتے تھے؟" کب کی ہے وہ قابل برداشت نہیں
 کر سکتے اور آپ کو اپنی زندگی سے بے دخل کھلا۔
 صرف اس تصور کی اپنی بیٹی سزا کہ کب نے انہیں
 بے عزت کرنے کے لیے اپنی لولہ کو بطور تہہ استعمال
 کیا؟ آپ کو ایک بار بھی اس بیٹی کی محسومیت پر رحم
 نہیں کیا جو میں کی محبت کو زنی ہوئی زندگی گزار لی گئی
 تھی جو صرف آپ کی عورت ہے کیا آپ کی گود میں لگی۔
 ایک لڑکی ہوئے تھے اس نے زندگی کے ہر ہر موڑ
 پر آپ کی کتنی ضرورت محسوس کی میں گولہ ہوا ان
 تھوں تک اور جب آپ ملیں بھی تو۔ تو اس کی زندگی
 سے کھلی تھیں۔ بلکہ نہیں انہیں ہیں کب بھاری
 زندگی کی ہر خوشی کو کھا گئیں۔" وہ بے بسی سے ہونٹ
 چیلے ہوئے خاطر آپ سے چٹایا۔

"میرے گھر میں گھرے ہو کر چلنے کی ضرورت
 نہیں، میں نے اس کی زندگی سے کھلیا نہیں اس کی

زندگی ہمارے لیے فریادیں دیتے رہے اور میں نے
میں نے کہا اب ان کے ساتھ۔ وہ شہیدِ عدس کے
دراثر آئی۔

”نہ مجھ پر اعتبار نہیں کریں؟“ چندا خیر سے
بولی۔

”نہیں ہے مجھے کسی پر اعتبار۔“ جب سہلائی ان کو
میں چنگی۔ ”بالفرض یہ میں نے کیا کہا؟“ میرے پاس
میری اوج سے موت کی سرحد پر گزریے ہیں۔“ وہ
انگلیوں کی طرح خود کو پھینے لگی۔ اس کی ہات پر چندا
شکر لائی سہلائی آہیں مگر ہنس۔

”وگدہ لیا۔ مجھ سے کرائے کا کیا بھاری ہوں؟“
”بے شرم عورت۔ جو اس نے کرنا چاہی اور اگر تم
میں بڑا ابھی خیر نہ ہے تو شرم سے لہجہ سو۔“ مدیا نے
نہراست ہے۔

”میں کھل سولہ مے جو میری چھٹی کاڑھے
دار ہے۔“

”میں چھٹی کی اوج اور قے وار آپ خود ہیں۔ کہیں
ہا۔ بے چہرے پڑی ہیں۔ جان جو لوڑیں ہاری۔“ سہلا
نے نے کسی سے اچھے جوڑے۔

”ابھی آپ نے مجھے بہت دکھ دیا ہے میں نے آپ
کو کیا سمجھا اور آپ میں اس بھیا کا سامنا کیے کہیں
گی۔“ نہ کرنا ہی تھی۔

”کھلیا ہا اس کی نورسلی نہ فتنہ نہ بنگوہ سر
ہی چکا ہو۔“ چندا سہلائی سے بولی تو جب بے سائنہ کہ
اگلی۔

”مرا تو آپ کو چاہیے۔ آپ نے اپنی زندگی میں
اسنے تو کوئی کامل توڑا ہے۔ میں کی زندگیوں بھلائی ہیں
رشتوں کو تو جو پھر کی طرح استعمال کیا ہے۔ مرا تو آپ کو
جانا چاہیے۔“

”ابھی۔ یہ تم کہہ رہی ہو۔“ چندا کی آنکھوں میں
بے یقینی اور بے بسی میں جرت تھی۔

”آپ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں جو آپ سے
اندر صاف حقدِ محبت اور آپ پر اعتبار کرتی رہی ہوں میں
اپنا کر سکتی ہوں۔ تو اسی۔“ یقین تو مجھے خود ہی نہیں

کہا ہے میں نے بھی غریب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ
میں اپنے چہا قبول رہنے جنم کا لہجہ میں اگلا کرتی ہوں
گی۔“

”چلیں خالا! مجھے ایا کے پاس لے چلیں۔ میں
ان کے ہی میں کر کر سہلائی یا کھلی گی۔“ وہ پگل کر
بولی۔

”انہن کو اگر قلعی کا احساس ہو جائے تو معلقی
لانگنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ میں تو بہت دیر
ہو جائی ہے اور مجھے امید ہے کہ ابھی لوہا دیر میں
ہوئی گو کہ قصص کلی ہو چکا ہے۔“ وہ پانہ اس کی
حوصلہ افزائی کرتی ہوئی بولیں۔

”میں جا رہی ہوں ہا۔ اور مجھے پورا یقین اور امید
ہے کہ آج کے بعد میں آپ سے کبھی نہیں ملوں
گی۔“ اس کے لہجے میں لہجے راہوں جیسی آہیں
تھیں۔

مدیا نے بھی اس کی بات پر دوڑیں۔ سہلا نے کہا
خیر کہہ کر اٹھا آٹو۔ آہیں اسکیں۔

”میں تو بے میں جا سکتیں۔ ابھی تو میں نے تم
سے بہت کام لیا ہے۔“ چندا مرحمت سے جیسے پگلا
اور اسے پکڑ کر کھینچنے لگی۔

”ہش آپ نے فرض سے نہیں عہد سے مجبور
ہو کر وہ کا ہوگا۔“ لہجہ وہی اور مزے بنا ہنی صورت
سے بولے۔ سہلا نے اس کے لہجے پر تکلیف سے
آنکھیں چینی تھیں۔

”رگہ مجبورہ میں نے تمہارے لیے بہت سے
ڈانڈے کھولے بہت کر رہی ہے بہت جاؤ۔ کاسیالی
تمہاری بھرتی ہے۔“ وہ بے بسی سے چلائی۔

”ہو سب کچھ جس چلنے کے بعد لے مجھے اسی
کاسیالی نہیں چاہیے۔ مجھ میں آپ جتنا حوصلہ اور
ہمت نہیں ہے۔ میں۔ میں دشمنوں کے بغیر نہیں کتا
سکتی گی۔“

”تم پاگل ہو گئی ہو۔ یہ لوگ ہمیں بھٹکے ہے
ہیں۔“ اس کے منہ سے کف اٹنے لگا۔

”میں اسی۔“ وہ مزید۔ ”میرے قدم اب جا کر

ہی تو روبرو راست پر بڑے چرے میں کپ کی طرح ہے
 نکلن خط کی سائے میں تن سکن۔
 "تمہیں خدا نے بے ہیزانہ نوازنا قلم" تمہا بد بھی
 ہو کر یوں ہے۔ "مرد جسے نبولے نہ مڑو کہہ کر جی ہوں
 تھی۔" انہوں نے ایک لڑکھاس کے مختصر لود
 خستہ قلب پر لکھا۔

"تم نے اگر تمہارا امیر کر لیا ہو تو کج خواہی عمل
 میں راج کر رہی ہو نہیں۔ یہ جھوٹا ہی تمہارا مفرد
 نہیں تھی مگر تم نے اپنے ہاتھوں سے اسے مفرد کیا
 ہے۔" اس کے بعد وہ لوگ کھڑے نہیں ہوئے کہ ان کے
 الفاظ چھوڑا کی سلامت میں رہے ہو گئے تھے۔ کن لود میں
 ہمیشہ کی طرح اس کی نظر تک نام ہو گئی تھی۔
 وہ چہرہ بالیہ سناکت کھڑی رہی۔ پھر اچانک ہی اس
 کے قلب پر کسی آگئی تھی۔

"ہاں۔۔۔ میں نے دنیا تمہیں کئی میں نے دنیا
 تمہیں کر رہی لی گئی ہے جو میرے مقابلے پر کسے
 تھے تو سنی اگر اسے بھلاؤ گدا تو میرا نام میرا
 نام۔ اسے یاد رہی نہ آنا تھا کیا ہے میرا نام۔
 "واہ۔۔۔ بے حیا۔۔۔ اکل بے فیہند میں
 میں کچھ لور تھا کیا تھا میرا نام۔" وہ چیخ مچی کر رہے تھے
 وہ لود اسے اپنا سر کر رہے تھے۔



چوہیں تھکنے تمام ہوئے۔ وقار کی طبیعت سنبھل
 گئی۔ وہ جو کسی ہوش میں گئے لویہ کن کے ہی پکڑ کر
 بیٹھ گئی۔ انہوں نے منہ پھیر لیا۔ سنا۔۔۔ مردانہ
 صوبہ تھی کہ بارہ لور سجدہ تک صورت حال پر
 کبیرے ہو گئے۔

"صاف گنہگار ہے ہلکی صاحب۔ یہی ہلائی میں
 غلط کر رہی تھی مگر یہ مقابلہ رکھنا لود لود ہی تھی ہا۔
 بس آگئی بہتوں تک۔" مہارے کے لکھا۔
 "میں جانتی ہوں میں نے تم کو بہت دکھ بہت
 انت سے لاچار کیا ہے۔ لیکن اگر تم نے مجھے
 صاف نہیں کیا تو میں اپنی جان دے دے لگائی۔" وہ سن

کے ہی چہرہ کو دھکی آئیں لہجے میں ہلکی لود وقار تھپ
 گئے۔
 "بس کروا چہ۔۔۔ لور میرا کتا استخوان لوگی۔" وہ لود
 پڑے تو اچھ لور لور لود سے لڑنے لگی۔ سزا کے
 بڑھا لور اس کے کندھوں پر پیرا سے بالو حاصل کر کے
 بولا۔

"بس لب خاموش ہو جاؤ۔ ہاں میں صوف
 کڑا ہے۔ لور ہا۔۔۔" سائے لود کی جانب شرمنا
 نگاہوں سے دیکھا۔

"صوف تو مجھے بھی کپ سے مانگی ہے۔ کیا میں
 اس قابل ہوں کہ کپ مجھے صوف کر سکیں۔"
 "میں تو جسے بھی صوف کر رہی ہوں گا یہاں کہ اولاد
 چاہے کتنی بل دیکھائے وہ لود کے بل لود سے چہرہ
 ہی راضی رہتے ہیں۔ اصل کتہہ لور تو تم خدا کے بعد
 میرے ہی کے ہوتے تھے۔ بس نہ کہ پاپا ہے۔
 تم نے اس کی کو۔"

لور کی بات پر سارے نے براحت سے سر جھکا لیا۔
 محبوب کو کہ اس سے دور رہنا شاک تھی۔ مگر وہ سب
 کے سامنے اس کا شرمندگی سے جھکا سر نہ کہ سکی۔

"میں ہا۔۔۔" وہ منہ لور ہوا۔ لہجے میں لود
 "مست کوئی مل رہی تھی تو نہیں۔" وہ لود حالات کی قسم
 ظہری کا شکار تھے۔ اسیں گتہ گار نہیں۔ حالات سے
 بچو کہ کھوے۔ بسا لود حالت انہوں سے وہ کچھ
 کرا لیتے ہیں جو اس نے کبھی خوب میں بھی نہیں
 سوجا ہوا تھے۔ لور چلا تک میری ہاتھ سے ہلک
 ہے میں لود سے خفا تھی مگر اب نہیں تو اسیں مجھ
 سے معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

وہ چٹکی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی لور
 لہجہ اسی لہجے سے کہنے لگا کہ یہی حیرت سے
 اسے دکھا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے
 پورے اچھو سے مسکرائے۔ "ہاں۔۔۔ سارے کے لود پر
 بھی مسکراہٹ چلنی تھی۔ وہ لہجے اعتباری تھا۔ لہجے
 وقار میں۔ لور کی بہت بڑا آئینہ تھا۔ میرے
 لیے ہل اسے کچھ وقت لگتا تھا کہ میں کرنے اعتبار

کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ سہیل کی عوامی اصولوں میں مدد
میں ہو سکتی تھی۔ گھر پر لیسید بھی کہ ساتھ ذات کے
سادے سیرت و ازلیہ اس کی مختلف ہو چکے تھے اور
وازل جائیں تو داخل تک پہنچنے کے راستے آسان
ہو جاتے ہیں۔



اور ٹھیک دو ماہ بعد جب میرپ نے ایک خوب
صورت اور صحت مند سہیلی کو جنم دیا تب سہارا ایک
الو کے احساس آئے ہوا تھا جس کے لیے اس نے بے
ساختگی سے سہیلی کو گود میں اٹھا کر اس کا اٹھا چاہا اس کی
آنکھیں نم تھیں۔

اسے سہیلی کا دلہنا ہونا چاہتے تھے وہ کچھ کر میرپ کے
سادے خدشات اور نگرانیات بھاپ بن کر اٹھنے
تھے۔ حاشا اور ابراہیم بھی انگلیوں سے وہیں آتے
تھے۔ بارہ لپٹے شوہر کے ساتھ اپنی مومن ٹرپ پر سہیلی
ہوئی تھی وہیں سے فون کر کے ڈیڑھوں سادہ کپڑوں
پہنائی تھی اور وہاں فون کی توڑھیلوں کا کوئی ٹھکانہ
تھا جس میں تھا جس لگا تھا جسے ان کی عمر بھر کی ریاضت
کا پھل مل گیا ہو۔ خوش مزاجی بھی بے ایمان تھی مگر
اس کا چلتا مسکراتا بس لب خوب و خیال کی ہل
ہوئی تھی۔ اس کے دماغ سے اچھو ملا ہو گیا تھا کہ
لوگوں سے کھڑے لگی تھی ہر وقت خود ارضی کی
کینیت میں جلا رہتی۔ رازدار وہیں لوٹ گئی تھیں
انہیں اس ہل کا شہرہ کلن تھا کہ وہ اپنی کو سوسیس ہٹا
سکی تھیں کہ جن سے طمان نہ رہے پر راضی نہیں
ہو سکتا تھا۔ اپنی کی آنکھوں کی بھیجی ہوت میرپ کے
دل کو نہیں پہنچا رہی تھی کہ وہ اس کے لیے بھیجی
تھی تھی کہ وہ خود دار اتنی تھی نہیں جتنی اسے سزا
مل رہی تھی۔

عاشقانہ کو پہنچا تھا اور میرپ پوری تھی کہ عاشر
اسے اپنا لے

تھیں جانتی ہوں کہ تمہارے لیے تم سے اپنا لے کا
فیصلہ لب ہرگز بھی اتنا خوش گو اور آسان نہیں

ہو سکتا تھی۔ مگر سہیلی جانتی ہوں کہ نہ اسے اپنا کر اس
کی ولت کا فخر اور اچھو بھل کہنے میں اس کی مدد
کرے۔ وہ روز منہ سے کہہ رہی تھی۔

”پہناتا تو میں بھی لگی ہوں مگر آخر ہوں تو موصی
ناطل میں اس کے لیے اب پہلو والی عزت کو در مقام
جس رہا ہے۔ اس نے صاف کوئی سے کہا۔
مگر عبت تو صحت کھلا طرف ہوئی ہے۔“
”عجت تو بے شک ہوئی ہے مگر مواجہہ اٹھا طرف
نہیں ہو گیا۔“

”مگر عاشر۔ میں تو جس عام موبوں سے مختلف
صحیح رہی۔“ اس نے سہیلی کو قدر کانسف سے کہا۔
”اس لیے مجھے اپنا خیال شیر کر لیا۔“

”جیسے پھر وقت۔“ وہ عبت کے موبوں میں ہاتھ
ڈال کر کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ ”یہ ہل تو جی
ہے کہ صرف اسے جس نے سہیلی کی معمول
کو دیکھ کر رکھ لیا اس ہل کو اس کے سوا کبھی ای
نہیں ہو سکتا اس نے اپنی زندگی کے ساتھ کیا اس پر
جیسے صحت السوں ہے۔“

”ہیں بیگن پوائنٹ تو جس میں سہیلی نے کوشش
کر رہی ہوں۔ اس نے اپنی زندگی کے ساتھ نہیں
زندگی نے اس کے ساتھ کیا اس نے اپنی مرضی سے
لپٹے لیے ایک بڑا گوارا مل کا اٹھایا نہیں کیا تھا جو
بگڑا ہوا اس میں لفظی بے شک اس کی ہے مگر سارا
تصور اس کا نہیں تب پھر اپنی سزاوار کھینا ہرگز
جاری ہے۔“ وہ ہنسی بولی۔

”پہلیں کہ کیا دفا کا چلن ہے یہاں جرم کے
محرکات نہیں جرم عبت رکھتا ہے۔“ وہ داد خداؤں
میں دیکھا ہوا ہلا۔

”مگر اس کی جگہ تمہاری من ہوئی تو وہ تو کیا عبت
ہی اس کے لیے اتنا سخت سوتفہ رکھتے کیا تم اس
کی خلاصی کے لیے کوشش نہیں کرتے؟“

”میں ہی کہنا اتنی کم عقل اور جذباتی نہیں ہے۔“
”یہی تو ہے۔“ میرپ نے جیسے کتہہ پڑا۔ ”تھیکل کہ
میری صحبت آپ کا بھی عورت نے کی اور مجھے مگانے

"پاکل۔ پاکل۔ پاکل۔ پاکل۔" بے بوج غرضی سے نمایاں
 بجا رہے تھے، جس کی گنگھڑا چل رہی تھی۔
 "میرے ہاتھ چلو ہاگو ہیل سے۔" ایک دیکھدار
 نے سب کو لانت کر دیا۔
 "پاکل۔ پاکل۔ پاکل۔ پاکل۔" اس نے بیچنی
 نغفہ لگا کر، پھر ٹیک دم خاموش ہو کر وحشت سے
 چلنے لگی۔

"پاکل۔ تو پاکل۔ تو پاکل۔" وہ دیر لگی سے چتر
 اٹھا کر سب بچوں کے چہرے دیکھی۔
 "پاکل۔ وہ لال۔ لال۔" بے فخر لگاتے آئے
 کہ کھینچے۔

بے لگم خواہشوں کے پیچھے اندھا دھند بھاگنے
 والوں کا انجام اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔ سو سولہ کی زندگی
 سے پہلے وہی کن تو سولہ کے لیے تماشائی ہوئی
 تھی۔ مشکل کھل کر اٹھا گاؤں آگے بڑھنے لگیں۔

Downloaded From
 Paksociety.com

اپنی انشاء کی حسب ضرورت روایتی عادت ہے
 ڈاکٹر ایضاً ہر روز کا تحریر کردہ مقالہ

اپنی انشاء

احوال و آثار



فون: 72001-5
 32735021

مکتبہ محمدان ڈاکٹریٹسٹ
 37، لکھنؤ روڈ، کراچی

بھی کوئی نہیں کہا۔ مجھے اس طرح آزمایا ہی نہیں گیا
 عاشق اور آنکس پر ہم میں سے کتنے لوگ پورے
 اڑتے ہیں؟ اگر ناگہانی کونٹہ صوف کھڑتا ہے تو ہم
 کیوں صوف نہیں کر سکتے، جیکر خطاوار بنوم بھی ہے؟
 اس کے لیے میں وہ روی بھی گزرتی تھی بلکہ وہ بے جا رہی
 ہوگی۔

"شاید کچھ عرصہ بعد میں اس متعلق کچھ کہا اور۔
 فی الحال تو میرا دل کسی بلن رہا ہے، جہ کہ اس کی جانب
 توجہ ہے، مگر ایک اور اس کی جو میرے دل اور بچ
 کے درمیان کھڑی ہو گئی ہے۔" وہ بھی یادیں لگا
 "مرد میں دعا کرتی ہوں کہ یہ روز اور جلد ہی گر
 جائے۔" یہ سب لفظ کی گواہی سے دعا کی تھی۔



وہ صبح شام کسے تھا۔

وہ کار صاحبہ سڑک صوبہ اور بچ۔ سڑکی بنی
 جھونکی دوسری سڑگن مٹانے ہوئی جا رہے تھے۔
 خوشی، اطمینان اور آسودگی ان کے چہروں سے جھلکتی
 تھی۔ زندگی میں ایسے آہستہ آہستہ سب کچھ ہوتا جا رہا
 تھا۔

"ہا۔ چالٹ کبک لولا کی۔" جھونے تو لگی
 لڑکیاں کھڑکیں نہیں بنے۔

"ہاں بیٹا۔ میں رہے ہیں۔ جو چاہے لے
 لیتا۔" ان کی گاڑی سڑگن پر پھرتی، سڑک کی دوسری
 جانب نظر سے بنی دکھانے کے آگے گئی، لہا کار بھی
 ہوئی تھی، مگر لوگ اس جانب متوجہ نہ ہو سکے۔

"نارنگ کی۔ سب گوار دنگ کی۔" چتر اٹھا لگا کر
 اپنے پیچھے بڑے شہزادی اور بدترین بچوں کو چترائی اس
 عورت کو دکھ کر پہلی نگاہ ہی میں گراہیت سی گئی تھی۔
 جبکہ جبکہ یہ عدلی شاکی موانہ کیس، جنہوں سے لونی
 لال چھوڑا ہے، ہاتھوں والی شہزادہ۔ پہلی لوز مٹی
 جو اس کے نیچے بیٹے کیل سے اٹے ہوئے ہیں گری
 جاتی تھی۔ وحشت نہ چرے، بھلاسی ہوئی ارنگت امور
 کہ مٹی چھڑائی ہوئی آنکھیں۔

Downloaded From
Paksociety.com



ت کہیا حکم کی دستک والی اور فریڈ اندر ہی اندر
جاتی تھی کہ اس عورت کی تمہاری بیوی حویلی کے
بچھلے کے سامنے والے پردے کمرے میں دھری
تھی۔ دھڑولہاں پر اور بھی بہت کچھ تھا۔ کچھ چھتیاں
وضا تھیں اور شلوٹھیں بھی۔

مرتب کی بہت ہے جب سارے کمرے والے فریڈ کو
فریڈ نہیں بلکہ فریڈ کئے تھے۔ اور تاسم کو تاسی۔ تاسم
اس کا نیا ڈان۔ میں باپ کا اکو تاسی کی طرح۔ اس کا
دوست 'اس کا واحد کزن۔ محبوب اور کئے والے
دوڑا میں اس کا منگیز بھی۔ لیکن ابھی ہم بچپن میں ہی
رہتے ہیں۔ چہلے سے خوشبو کا شفا خانا لگا ہے۔

بیٹی حویلی کے بچھلے کمرے میں سلون کی خوشبو
تھی۔ حویلی میں پردے کمرے تیار اور لوگ کم تھے۔
فریڈ اور تاسی کو مل کر کل چھ۔ اس لیے زیادہ کمرے
کئے پردے تھے۔ کچھ جو ماہوں کے پتھر تھے۔ ان کے
دوڑا سے اندر کی لٹکانی طرح جلد تھے۔ صرف کچھ کے
وقت ملا سولہ کی کہ سے حویلی میں چل چل ہو جاتی
تھی۔ اس کے بعد پھر وہی لٹکانی اور دوڑا کی چھلکی
ہوئی خاموشی۔ لیکن ایک کمرہ لیا ابھی تھا۔ اس کی رون
مدا بہار تھی۔

دوڑوں کا بچپن۔ پڑھ۔ پڑھ۔ پڑھ۔ حورا باریش
میدون مٹولن۔ سب کچھ وہی تھا۔ چہل چہل طرح
کے کھلونوں کا پیر بھی تھا۔ ملٹی 'مٹول' پائونٹ سے
لے کر ریویو کٹولوں کا ڈان 'ہنداز' پتھر تھیں۔ ہڈیاں
اور ٹھیلے کیا کیا کچھ۔ سب کچھ روز کمرے میں کھڑا
اور دوڑا ہی سہہ۔ خود دوڑوں کیلئے کٹولوں کے پردے
کھلونوں کو بھانگے۔ دوڑا لے اور تھک کر وہاں
سو جائے۔ سکل بھی دوڑوں کا ایک ہی تھا۔ کلاس بھی

خوشبو پھیلی تھی۔ چاروں اور۔ جیسا کہ اس کا
خانا ہے۔ پردے ہی دیکھتے اور اسے لیکن پھر جب
ہات ہوئی۔ اس خوشبو نے سارے حالات اپنے نکل
کر لیے۔

فریڈ لیچین سے ہی طرح طرح کی خوشبوؤں میں
مل کر رہی ہوئی تھی۔ لیکن اس خوشبو کے اس میں
کوہ بھی نہ سمجھ سکی۔ اور نہ ہی یہ جان سکی کہ
خوشبو میں بھی بعض لوگت آمیب کا روپ دھار سکتی
ہیں۔ اور سائے کی طرح ساتھ چست جاتی ہیں۔ پورا
گورڈوڑا غولوا جاتے لگا۔ پڑ شہت صونٹے کے اور
پردے اور ہندو ہر روز چول کے چلنے 'رائل کلائٹ
سوٹ' بھی روز دھاک۔ لیکن خوشبو تھی کس سے نہیں
خیال تھا کہ خواب حقیقت تھی با جس ایک خوشبو
تھی۔ آمیب کی طرح چچکا کر لہولہا۔ جس نے فریڈ
کا بچپن قرار سب بچپن لیا تھا۔

دیکھنے لگا سولہ پر لوہاں کے چلنے کی خوشبو رون

ایک بیٹے کی دولہا ساتھ ساتھ ہی تھے۔

تاکا اصفرواں نر زبیروں پر ہوتے تو راجا اسلم اپنے
دوستوں کے ساتھ شکار پر یا چلے۔ بھائی گھر کے کام
کرتے نہ تھکتے۔ چیلنج چیلن انہیں اس طرح
پہلی دنیا کی طرف، گن کی زندگی میں ان سے شروع
ہو کر ان پر ہی ختم ہوتی تھی۔ اور جی اپنے ساتھ لیا
کنا نہیں جانتی تھی۔ ہر روز اپنے گھر میں بیٹھی
و سرخی ہزاروں کو اپنے گھر میں اپنے گھروں سے آسانی
رہتیں۔ تب ہی تو راجا ازاں وقت گھر سے باہر گزارتے
تھے۔ چیلن کی پروا کرتے نہ تھے۔ وہ لاپرواہی کی حد
تک بے پروا ہو گئے تھے۔ گھر میں کسی چیز کی کمی نہ
تھی اور باہر جانے کی انہیں ضرورت نہ تھی۔ سستی
گھوڑوں سے کیلئے تھلنے والوں کو نہ ہی نہ چلا کر کب
دولہا نے اپنی اپنی زندگیوں کے رنوں تک ایک دوسرے
کے ہاتھ میں بندھے ہیں۔

گھر کے چھ بیٹے ایک خفی مٹی سے بھری تھی۔
جلی گڑھے کھد کھد کر انہوں نے اپنے لیے محل نما
گھر بنائے تھے۔ پھر تصوراتی آگہ سے وہ دولہا کو
گھوڑوں میں بیٹھ بھی گئے تھے۔ اور انہوں نے وہاں اپنی
اپنی زندگیوں کی تہاڑی تھیں۔ اسی مٹی پر دولہا نے
ان کو تہاڑے بھی لگائے۔ کس جہاں مٹی کی گھٹیاں
ہوئیں۔ مڑ کے جڑ نکلے دانے گڑھے کھد کر دقن
کیے۔ پھر روز باہر تہاڑی بھڑا۔ جڑیں چوڑھیں لے
پنے بھی کسے۔ لیکن کسی پورے کو ہون چھٹا
نصیب نہ ہو۔ ذرا سی بے رحمی سے چڑیاں ساری
ہو جاتی۔ چک چائیں۔ دولہا ذرا بیٹے ہوئے تو تیا
اصغر کے ساتھ اپنی زوجیوں پر جانے لگے۔ وہاں کی
بنت بیٹی اور ارضی کا گونے کا قدرے چھوٹا حصہ اخیر
کے درختوں سے پر تھا۔ چیلن کی زمین اب کلر والی
ہو گئی تھی اور درختوں کی جڑیں نمودار ہو رہی تھیں۔

ولدا ابو کو ایک وقت میں چیلن سوار ہوا تھا۔ اس
انچیر لگنے کا اخیر کی خوشبو چیلن کی تو دلہا سے
کھدھیں اور چیلن ختم ہو جائیں گی۔ سارا ابراہیم سے لوق
گھر کے گوی تھے۔ ان میں کچھ سا جانا کسی کی نہ

تھنے۔ جسے بھی ہر کوئی لوہ کی مٹا ہوں دنیا کی

کو انہوں پر پھر کہی وہاں رہتا ہے۔
ان کے پہلوں نے سمجھا بھی تھا کہ نہ تو کسب دہوا
پہلو کی انچیر کے لیے مناسب ہے اور نہ ہی چک۔
لیکن رولوا کو نہ مانے۔ بڑے جھنجھلی اور معیاری تھکی
لوہیات سے پورے درخت تو بن گئے تھے لیکن کسی
تاک نے کج تک لوہ کی خوشبو نہ سو گھسی تھی اور
کسی آگہ نے ان پر پھل لکھنے نہ کھا تھا۔

ان ہی بے تحاشا بیروہ شکی میں سے ایک درخت
فریہ اور قاسم نے اپنے لیے منتخب کر لیا۔ دولہا نے
اپنے اپنے نام میں پر کتھ کیے اور پھر روز اسے پانی
دینے لگے۔ اسے مزاروں سے پوچھ کر قاسم کو پانی کر
کے اسے کھلا کھائے گا اور نور کھول کی بیگنیاں بھی
ڈالنے لگے۔ ایک سال گزار گیا۔ ان کا درخت دوسرے
درختوں کے مقابلے میں کالی ہر ابراہیم کا لیکن پھل
تہ بھی نہ لگے۔

بران کی اصل زندگی کو پھل ضرور لگ گیا۔ دولہا
کی چھٹی ہوئی۔ قاسم کو کچھ کر دینے بھی اپنی کی کھال
کئی آگھوں میں عجیب سی روشنی پھر جاتی تھی۔ اور
ہو تھیں پر پورے بھری شکر اہٹ تھائی تھی جیسے وہ کسی
خاص وقت کا انتظار کر رہی ہوں۔ تالی لکی جا تہاڑوں کا
انکو آوارا تہا قاسم پانی سب تو خیر تھی۔ لیکن اپنی
نور اور اس کی بیٹی ریشا سے ان میں بڑا حیرانگہ تہا تھا۔
ان کو خندہ تھا کہ وہ کبھی نہ وہ جا میں گی اور نہ
ریشا کے لیے قاسم کو لے اسے کی دولہا کی عمر میں
کالی تھی جس دن وہ ہی تو کھل سے کم پر پان ہی نہیں
رہتی تھی۔

لوہ فریہ اور قاسم نے اس رات پہلی بار اپنے
اپنے بسز خود پر سے دنیا کو پوری دولہا کے ساتھ
گزرتے غصہ کر کیا تھا۔ سبھی با یک خوشبو تھی۔ جس
سے پانی خوشبو میں انہیں تھیں۔ دوا کے پانی کی
خوشبو اور اسی کی طرح شگاف محبت کی خوشبو سب قاسم
واضحت فصل غریب کی ہیں۔
پھر فصل ریح شروع ہوئی اسل فصل۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

فصل درخشاں سب سے پہلی خوشبو شہری تھی۔ بی بی خورشیدؒ جس میں اکملی اور پرہیزگاروں کی آمیزش تھی۔ اور رضا تھی۔ سب کے بعد شہر آئی۔ کتا قاسم کو بھی تھا لیکن نیا لیا منتقل کر گئے۔ اپنی زمینوں کی وجہ سے ہل کے لیے وہیں روک گیا تھا۔ سلم نے اس کے جانے پر بھی اصرار کیا تھا۔ لیکن ملایا ہی نہ مانیں۔ کہیں باپ سے دیکھ لیتے تھے۔ دیکھ کر ہی ڈنکی بھر کر لینی۔ جس سے فرخو آگیا ہی آگئی تھی۔

جملہ نے بر جگہ کی نندی کا اثر تھا قاسم سے بدلتی کا غم اپنے ہاتھ کے کمرے کی کھڑکی میں کھڑکی اور منگت روشتیوں کے طلب کو دیکھتی اور سوچتی اتنی بدلتی ہے۔ پر رنگ کے دس دس دس نظر آتے ہیں۔ یہ لعل کہ مشکل ہو جائے کہ کون سا رنگ کیا اور سیا ہے۔ ان ہاتھ کا اکٹرا لہائی دوشتوں سے کر لیں تو دیکھ کر کھرا کر جاتیں۔

”کیسی باتیں کر لیں۔ ایک کمرے میں رہ رہے گی تو ایسی ہی سوچیں آئیں گی۔ کل تو جی ہمارے ساتھ باہر نکلے جا رہے تھے۔ کوشش پھر کر کے شہنشاہ بھی نہیں گئے۔“

”ہاں بہت گریختی ہو گئے۔“

شہر آئے کے پہلے ہی پہنچے وہ فرخ سے فری ہو گئی تھی۔ فری بھی نہیں۔ صرف فری۔ اور یہ کتا ساتھ اس کی دوستی بڑا لبا بہ لبا ہوئی۔ کو بڑا موڈ کر لیا کرتی تھی۔ اس نے سوچا ہے شہر بھی عجیب ہے۔ کتے ہی بدل رہا ہے۔ اور مار گئی تھی۔ کو اپنے اکبر بیٹے بھی رکھتا ہے۔

شہر تو واقعی عجیب تھا۔ نہ ہی تو اس کا باپ اس کو باطل کروا کر خود نہیں کیا تھا لیکن با با باطل رو دلخ نہیں تھیں۔ پھر لیا تھا۔ جن مالوں سے لڑائیوں کے لیے گھر واپس گئی تو اسے اس بات کا پتا چلا تھا۔ سارا دن تو وہ

قاسم سے باتیں کرتی رہی۔ اسے اپنے کالج ہاتھ اور سونل اور شہری ہر ایک بات جو اس نے دیکھی اور لوست کی تھی بتائی۔ قاسم خاموشی سے سنتا رہا اور مسکراتا ہوا کہہ لیا۔ ”اے تو نہیں گویا میں تھا اور گاڑوں وہاں کا وہاں لیا ہوا تھا۔ کچھ نیا نہیں ہوا تھا۔ اور تو میں کوئی بڑے تو نہ تھا۔ بس تنگوش میں اور تکلف ضرور آ گیا تھا۔ سارا دن فرخ کی باتیں قسم ہو جی رہے۔ قاسم کی مسکراہٹ پتا نہیں وہاں سن سن کر مر جوب ہو رہا تھا۔ فرخ کو کچھ دیکھ کر کہہ تو رہے تھے جانا تھا اپنے لہ اور چلا گیا۔ ساتھ ساتھ۔ کتنی ہی بار اور فرخ بھی دیکھی ہلا تھی۔ اس کے بچپن کی دوست۔ یا اضا تو صرف وہ جذبہ جو اسے ساتھ فری ہو گیا رہا تھا اور جس کی کوئی منزل آخری منزل نہیں تھی۔ رات کو فرخ ملتا باپ کے کمرے میں کئی تو شہر کے قصے بھولی تھی۔“

”شہر میں گھر؟“

”ہاں۔ نمبر بے باپ نے اور میں نے لیا۔ کہا ہے کہ ہم اپنے حصے کی لاشیں لے آئیں گے اور شہر میں گھر بنائیں گے۔“

”تو پھر ملے اور قاسم؟“ شاید صرف قاسم کا پرچہ تھا چاہے ہی تھی۔

”تھماری ملے کو تو بہت متلا ہے چہ نہیں ملے۔“

”اب تم قاسم کو ساتھ لے لو۔“

”قاسم کو نہ ساتھ لے دو تو بہت ہی نہ کر سکی۔ اس نے ابھی صرف محبت کرنے کا فن سیکھا تھا۔ محبت تو سچے کا نہیں۔ کھوٹی سے ہر حال سے آقا تھا وہ جانتا ہی تھی۔“

آئی ہوا سے مہو تھے گاڑوں میں جاتا پڑا تھا۔ وہ شہر سے واپس آئی تھی کو جی میں آئی تھی۔ کو جی ہاتھ سے ہر تھی ایسی۔ لہو ابھی تک اسٹریٹ وہ رہی تھی۔ گھر پہنچ کر وہ ایسے کے ساتھ ملنے سے لے گئی تھی۔ ای نے شہر کے قصے وہاں اپنی زبان میں جذب کر کے لکھائے تھے لیکن ملے ای پھر بھی نہیں ملتی تھی۔ وہ دن بعد یہ کاٹھ واپس لیا تھا۔ لب ہر

میں نے وہی طرح کرتی۔ پہلے شاپورے جا لی پھر گاؤں۔
 آئی اور قاسم سے ملنے۔ چہ نہ تو اسی طرح ہو نا۔
 لیکن میں نے یہاں ہی رہ جانے سے انکار کر دیا۔
 ”بھئی! اس وقت میں با آگلی جا رہی تھی۔“

اسے اور تو کسی چیز کی فکر نہ ہوئی، بس اتنی ہی ہوا کہ
 قاسم نے کہا کہ ”سے گڈ بڈی“، نگہیں گانے کار
 کے اتنے صوفیوں کو دیکھنے کے انتظار میں فوج ہو گئے پھر
 اتفاق برسا ہوا کہ آئی آگلی وہ بھی چلنے پر راضی نظر نہ
 آئیں۔

آئی بھی بننے کی پوری تیار کر دی تھیں۔ گھروں جا
 تھا۔ قربت بھی، طریقہ، ٹیلیفون بھی، اور صوفی کرتے سے
 شاپورہ نہیں پھر سٹوری سوچ کر آگے تھے لیکن کی بڑی
 بھی سکتے سے سگار تک کا سفر طے کر چکی تھی۔ مگر
 کا پورا ہندو کل چکا تھا، میں اس میں آگلی تھیں۔ پھر کمر
 پر بھرتے بل گئے تھے کبھی سے آگے تھے۔
 کپڑے تک ہوتے ہوئے جسم لٹایا کرنے لگے
 تھے۔ کابل کی جیک آئی، لیکن سہاگرنے اور چلنے کس
 کہہ سکتی تھی۔

”بھئی! آئی کی طرف چلیں؟“ اس نے ہنست کر کے
 سارے ہونے سے کہہ دیا۔ اشارے نگہیں ہٹا کر اسلم
 نے آتے دیکھا لیکن کے چہرے پر ہنسی ہی محاورت
 نکلی ہوئی تھی۔

”جی ہاں! میں نے ہنسنے میں مصروف ہوں۔“ چہرے کے
 ساتھ جانا ہے دیکھا، وہ چہلنے کے اشارے کے لیے۔
 ”ہو۔“ میں نے بڈی نے جوسہا۔

پھر تیرا زمین بھی گزر گیا، چہ تو اور ابھی بھی
 بنا کر اسی دور میں اس کی غیر موجودگی میں چکر لگا کر میں
 بھی گئی تھیں۔ اسے پتہ ہی نہ چلا۔ چہ نہ گزرے تو وہ
 پتا تھا تو اس رہتے تھی۔

”گھبرا ہوا“ سبیلوں نے بڑے بار اور ہونے
 سے پوچھا۔ جواب میں اس نے اپنی نگہیں کی آگے تھی
 انہیں دیکھا ہی۔ جواب تک اس نے اس سے چھپائی
 ہوئی تھی۔

”پاپے“ چھپی رہ سہا تو نے ہمیں بتایا ہی نہیں۔

کیا ہے۔ کیا کر آئے؟ ہم کیا ہے؟ مہلا؟“ ہڈیاں کے
 رنگ بیل سے تھمتی تھمتی، اپنے سارے ضبط لیکن
 کے آگے گھولنے لگی۔

”تو میں کھل کر رہتی ہے اور وہ زمین سہا ہے۔
 وہ۔“ وہ سوچتے لگی، غم کے ساتھ ساتھ لوگ بھی
 عجیب ہیں۔ جن کی سرلیف میں طوفانے اور ہاتھوں میں
 تھمتی۔

”تو نے تو ہم بھی ساتھ چلیں۔“
 ”یہ سہا بیل میں ہی نہ ہوا لیکن اس شیارے کو۔“

”ہاں۔“ سوچنے میں کیا ہے؟
 ”مہم تو اچھا ہے قاسم۔“ یہ سہی میں سہی قاسم
 ہی نہ لگے۔ عرضوں کار کو کلا۔ ”اسم خاوی کے کردار
 اب کسی ٹرک کو نہیں چاہیں۔ آج کل کی ٹرکوں کو تو
 کچھ اور ہی چاہیے۔“

”تو آگلی کہاں تھیں؟“ چلے جاؤ۔ ”سارے اس علاقے
 میں کسی ٹرک کے راتے راتے دیکھ کر تھی۔“

”ہاں۔“ آگلی چلے جاؤ۔ ”تھا سفر گول تو چھتے نہ لیل
 کر دی۔“ ”میں بیک آگیا کر اسے کہتے ہوئے باہر چلی
 تھیں۔ اور آئی ہی۔ وہ مہلا گھر موجود ہی کبھی تھے۔
 خود آسا سارے ایک کر کے آگلی سے ملنے آگلی۔

یا شاید قاسم سے ملنے۔
 ”تو آگلی ہی آگلی فری؟“ ”مہلا تو آگلی جانے کے
 بعد آگلی نے حیران ہو کر پوچھا۔ پھر خود ہی غیب بھی
 ہو گئیں۔ شام کو اس کی قاسم سے ملاقات ہوئی تھی۔

قاسم گھر میں داخل ہوا تو فری پوچھوں ہی چلی۔ آگلی
 پر اتنی چیزوں کو کہتے ہوئے نکلتی رہی تھی۔ قاسم کو
 دیکھا کہ وہ گنگناؤ کر کے خود کوں بھول گئی۔

آگلی تو اس وجہ سے کہ نہ کب سے اس کا انتظار
 کر رہی تھی۔ وہ سارا خود آگلی کی انتظار نہیر سے
 اتے اچانک کہ کچھ کھل اٹھا تھا۔ چہ نہ تو وہ۔ چہ نہ
 بعد مل رہے تھے۔

قاسم خود آگلی غیب میں آگلی نے اپنی قبر آگلی
 لے کر کہے، یہ رکھی ہوئی تھی اور جسم پر جہاں آگلی
 چڑھی تھی۔

”ہاں کوئی سخت نہیں ہے جو تو اس پر لڑ جا جا
 ہے۔“ اپنی جاہ کے پلے کو مٹھی میں پکڑ کر وہ اس کے
 جسم پر پھینکے گی۔ وہ چوہا پیچھے بدلنے کی کوشش
 کر رہی تھی یا شاید بچپن میں۔ ”تو اس نے اپنے جسم پر
 لڑا اس کا ہاتھ قائم لیا۔ اگلے دن وہ اس کے کپڑے کو مٹھی
 دانت لگانا فریضے کے چہرے پر آکر رو گیا۔“

”آئی جاؤ غریبین کہ میں لڑا ہوا ہوں۔“
 ”مجھے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ مجھ سے برداشت
 نہیں ہوتی۔“ ”تو اس نے کہا کب بھگت گئی تھی اور
 کواڑ خانے کب رہا کی ہو گی۔“
 ”تو فریضے کا وہ جلد سے جلد تھیں کہ لینے کے
 انداز میں پوچھنے لگا۔“
 ”ہاں سہ۔“

”تو جانتی ہے یہ چوہا میں نے کیسے کاٹے وہ
 بڑی سڑک کو دیکھا۔ اگلے دن رات سارے مزار سے
 بھی مجھے پھینکے گئے تھے۔ میں نے سوچا کہ میں تجھے
 شہر میں ہی بند آ گیا ہوں۔ کہتے ہیں جسے شہر میں آجائے
 وہ پھر کسی اور کو اس کے لئے جوگا میں رہتا۔“ وہ اس کی
 آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگا۔

”جس دن میں مجھے بھول چلوں گی۔ وہ دن میری
 زندگی کا آخری دن ہو گا۔“
 ”اور مکن میں تلی کو لولہ لیا میں مل رہا تھا وہ
 کب سے چل رہی نہ تھی۔“ فریضے اندر کی طرف نکلی
 مریض سے کتنی میل رہی تھی۔
 ”کئی کچھ جل گیا ہے کیا؟ خوشبو آ رہی ہے۔“
 ”جی ہاں۔“

وہ جان نہ سکی کہ پھیلے کمرے میں پڑا عیدون
 بھڑک اٹھا ہے۔ نئے نئے لڑو گلاب کلاپ ہوا ہے اور
 خوب ہوا ہے۔ اسے پانی نہ چلا۔ شہر جنت میں کس
 نے اگر کے کھیت کو پران چھلا ہے۔ یہ اس کی
 خوشبو تھی۔

”تو اس نے کہا ہے تو۔“ انھیں کی خوشبو کی آتی ہے۔“
 اپنی جیسے بان کو گل کرنا چاہتی تھی۔

”اس وقت میری جاہ میں سے آئی ہو گی۔ کئی دن
 میں سے کتنی بلی سے اپنی اس کی سفید جاہ کی طرف
 اشار کیا اور وہی سی دلہے کی غرض سے اپنا منہ مریض
 کے اندر رکھ ڈال دیا۔ فریضے شہر سے اپنی اپنی ہو گئی۔
 اگلے دن صبح اس کے اٹھنے سے پہلے ہی تو اس کا ہاتھ
 تھا۔ فریضے کو غصہ آ گیا۔“

”کئی دن سے تو تو کر چا کر میں ہوں۔ میرے کپڑے لٹکان
 ہوا ہے۔“
 ”کوئی پر لیا کسی کے کام کو لیتا سمجھ کر تھوڑی نہ کرنا
 ہے۔ پر میں نے وہ کاٹھا کہنے کا لہجہ ہی آجائے گا۔“
 ”کئی دن سے اس کا دل رکھنے کو اگلا پر اس کا دل نہ لگا۔ وہ
 ہو گی تو اس منہ کہا پھر سہ ہر جی بلا مل گیا۔“

”جب کی بار جانے کی تو اس کا دل ہی بھی بی جاہ کیا
 پتا ہے بڑا پیچھا لگا۔“ فریضے کو اپنی دوست کا دل زیاد
 کیا۔ ساتھ ہی اس کے دل میں ایک خیال کیا یا شاید۔
 شرارت۔ ”تو اس میں جانے والی کر اس نے میٹھی
 اور اپنے اڑنے ایک نوکری میں ڈالے اور زمین پر
 چل پڑی۔“ تو اس نے اس دور سے ہی وہ کچھ تو تھا۔ ہاتھ
 مار کر جتنے لگا۔ فریضے کے نزدیک کچھ نہ تھی۔ وہی ہاتھ
 ہاتھ تھوڑی میں بدل گیا۔“

چوڑی پھانسی میں کھانا عضو پانڈ مہرئی جسم
 بہت سارے انھیر کے درختوں میں گرا لگا۔ اسے
 خود بھی کوئی درخت ہی لگا۔ جس کی شاخیں لکڑی میں
 تلی جاہ ہی تھیں اور تہے ہی طرح لڑا ہے تھے۔ وہ
 ایک درخت ہی تھا۔ لولہ لیا ہاتھ تو اس کا اپنا جس
 تھے تھے پڑا پناہ لگا کر تھیں تھیں۔

”میں نے لٹکان لگا کر یہ سب بٹایا اور تو اس رہا
 ہے۔“
 ”میں کوئی حرام تو تھوڑی ہوں۔ مالک ہوں۔ صل
 کل انتقام ہو جاتا ہے۔ ہلے ہی ہو گی۔“ پاسکٹ اور
 تھیں وہیں روک کر وہ اسے اندر انھیر کے درختوں میں
 لے گیا۔

”تو کچھ سارے جڑے بھرے ہو گئے۔ نہ کہے خبر
 تھے سب سب پہ چل گئے ہیں۔ جس وقت

پر ہم کھیلنا چاہیے۔

پہلی وارنٹ۔ نظر اٹھا کر ایک ایک درخت کو دیکھتے گئے۔

پہلے کہا کہ دیکھو۔ کیا اچھا اور لذیذ ہے۔ اس نے ایک بیل لڑا کر اسے پکڑا لیا۔

مغز شہو دیکھ۔ میں نے کہا وقت بدل رہا ہے اور ماحول بھی۔ دوا اور صبح کئے تھے۔ میرا دل تو واقعی صاف ہو رہا ہے۔

اس میں سے تیری خوشبو آئی ہے۔ وہ بس دراز کرنے کو کہتا ہے تو کئے ہوئے۔

میری آواز حیران ہوا۔ صبح میں خوشبو کبھی ہوتی ہے۔

خوشبو کا ذکر پھر مائل نکلا اور کسی نے کستوری کا سفوف ہوا میں اڑا لیا۔ بچتے بچتے فریح نے گل کی چادر دلایا۔

میں نے کہا کہ تھی۔ آواز سے منجلیہ کہا ہے۔ حضور شکر کے ساتھ دن رات سنت کی ہے۔ ان میں تیری بلور تھم میں بل کی خوشبو سن رہی ہے۔

موجود کہل۔ بول فریح۔ اس کا چہرہ چہنات سے روشن ہو گیا۔

موجود یہ خوشبو میری دولت کا حصہ ہے۔ میرے ہوش کم کر گئے۔ مجھے بے پروا کر گیا ہے۔

فریح نے کہا اور محبت کا ٹھیل پوری ہو ہو جاوے۔

راج اٹھل فریح کی زبان ہوش کے گوند درخت میں گئے اور سرگرم کے آگے کسی نے جیسے حضور کو دئی ہیں کہ تمام کی آنکھیں گم رہے ہوتے اور میرے میں چلے گئے۔

منجھوئی۔ پہلی کی طرف۔ فریح بچے کو کہنے لگی۔ ایک درخت اس کی طرف بیٹھ جاتا تھا۔

میں نے کہا۔ منجھوئی پہلی کی چمک کے ساتھ اور یہ چمک لوہہ لہر فریب ہی آئی جا رہی تھی۔ قوس اور قوس۔ فریح۔ اس کے درخت کے تنے سے جا لگی۔

درخت پر بیٹھی چڑیا بگڑے اور آئی۔ اور تیر وارے بیٹی زور دار تھی۔ پہلی مالا کہ سنی بجانے کا کام تو مٹا کے

بعد شروع ہوا تھا۔

بچتے ہوئے کچھ غلطی ہو رہی تھی۔ اس نے بچے مزکورہ کھلے تمام اسی طرح کھلے درخت کے تنے پر جھکا۔ اس کی طرف بٹھکے۔ جیسے خود سے شرمت ہو۔ مالا کہ۔ مالا کہ۔ کچھ بھی تڑپا ہوا تھا۔

فریح نے اسے ایک جگہ دکھائی تو وہ اٹھل۔

صبح فریح کو کہا چلا راستہ ہی میرے گھروں میں کہا تھا۔



فریح کی پہلی کو ابھی صرف اڑھ سول ہوا تھا۔ سال سے تین سال مزید ہیں۔ جسے سارا سے تین سال

ہوئی تھی۔ سے گزرنے وقت پر لا اور خوشبو خوشبو میں بھی کیس کھڑت پڑ گئی۔ انجیر کے درختوں کی بدھوئی کو مزید کچھ ہی نہ سکی۔

کچھ حلاوت۔ کچھ تعلیم کا وقت۔ وہ دن سارا سے عین سالوں میں ایک ہر بھی گزری نہ جا سکی۔ پہلی ہی شروع شروع میں تو خود پہلی آئی تھی۔ پھر لہانے ہی پہلی کے بعد میں انہیں کوئی سی بات یہی تھی کہ انہوں نے ہی آنا پھرا لیا۔

سال بعد میری فریح کا نام کہا گیا تھا۔ دونوں کی ملاقات نہیں ہوئی تھی اور یہ ملاقات

ہوئی تھی۔ میری فریح کی ہوتی تھی۔ اسے پتہ نہ چلا تھا اور وہی بارونا دونوں کو تھمنا چھوڑتی تھی۔

محبت اور اہلی میں ایک نذر مشترک ہے کہ ذرا سی باہری ہو لیا۔ وہ سب ہو گا کہ وہ کرتی ہے۔

دونوں کہیں کے دست۔ تکلیف کی جڑ میں چھپے ہوئے۔ اس کی محبت کے لیے باہری ہوا تھیں۔

پھر صورت حل میں سلنی آئی شامل ہو گئی۔

پہلے میں بننے والی تھی کو بھی میں نے شہر خور خور کے ساتھ۔ شہر پوری لڑکی کی آل اور سلنی آئی تھی۔

اتنی کہ تھی کو کون کے کھڑے ہو کر اور سلنی آئی کو کہنے گھر کے آگے۔ وہ بھی اپنے چار چھوڑوں اور ان کی

لعل سے تھوڑے عرصے پہلے ہی آواز دہنی تھی۔

کے ابو لودھی کو سلمیٰ آئی کے ساتھ لے کر اپنے دل پر بند موضوعات پر شروع ہوتے وقت نہ لگ جا رہا تھا فریڈ کو بھی رائل کو پتہ چل گیا تھا۔

کے واسطے دلوں میں بیخوشی شربت اور شوز میں ہوا نہ تھا اور آئین ٹرن رہنے والا رائل فریڈ کو پتا چلا کہ نظر لگ چھوٹے 'گمر ہیریڈ کٹ' کے بل 'ہنگر' منتقل شیو منصف سخرے ہاتھ اور ناخن 'آجاہاٹس' سے کی فریڈ کو ابو لودھی کے قتل سکون سے چھٹی ہلا کر اگلی صبح آگئیں۔ وہ لوں نے ایک دو سرے کو ہرنا پان چھٹی اور پور پور چھٹی ملا کر اس کا خاتمہ ہو گیا ہے اور جس میں لکھ کو ایک حد سے آگے میں ہوتے دیا جا سکے۔

دعوت کے اختتام پر وہ تین تین کو بھی آگے دیکھ لیا کی دعوت دے گئے جسے سلمیٰ نے کمرے والے میں ہی قبول کر لیا۔ مجبوراً فریڈ لگے منہ سے بھی ہو چلا نہ جا سکی۔

پہلی دعوت میں رائل جو صرف موم بنا بیٹھا تھا وہ سری دعوت میں جملہ کر شیعہ اور غیر مطلق بن گیا۔ فریڈ کی آنکھیں لٹکا دینا سیرا دیکھنے کی دعوت نہیں تھی۔ وہ چھوڑنا چاہتا تھا۔

اس کی باجیل کا دعویٰ لڑا کہ اپنے نظریے پر پیکل ہو کر شاعر تھا جسے سنتے ہوئے فریڈ اس میں کراہت پرت ہو گئی۔ رائل کے ہاتھ پر کب اس نے ہاتھ مارا اسے چھٹی نہ چلا جس پر تکیا ڈونہ چلا۔

پہلے ہی دلوں کے گروں کے ٹبرس کہتے ہیں میں خدا سے ناطق ہی ہر تھے۔ دلوں کی شام کو ایک ساتھ ٹبرس پر آئے کی تمام لوگوں میں بیٹھ ہو گئی۔ فریڈ بھی رائل کی خاطر صبح جاگ کر کہنے لگی۔ 'ہائل' پونڈوئی سب سے غیر حاضر ہونے لگی۔ ایک نیا ہی کنج تھا جملہ اس نے داخل لے لیا تھا۔

میں نے مجھ پر کراہا تھا۔ سلمیٰ آئی نے بھی لوں کے گھر ہی ڈنڈ کہا تھا۔ رائل بھی چلا گیا تھا۔ کئی سے کو آہ کر رہی کر رہا ہوں۔

"میں ڈگری چلیاں دے رہی۔ آپ بے شک۔"

اس لیے بھی کی طرح اپنی زندگی خوب بھلا لگا کر انہوں نے کردہی جس سب سے ہی منت ہی جس انہوں نے سلمیٰ کو جتا میں آہ بدلے میں اپنی ہی سلمیٰ نے فن کو سکھا گیا۔ سیاست 'گمر' 'فیشن' 'کلب' 'سوکس' 'بوٹس' 'سٹیٹ' 'پارک' 'ٹیلون' 'چارٹ' 'گولڈ' 'ڈائمنڈ' 'ہیڈ' 'ہل' 'گول' 'کر' 'بیس' 'کے' 'جائے' 'بجر' 'ایک' 'دن' 'فریڈ' 'لوں' 'کے' 'ساتھ' 'نئی' 'تو' 'پڑوں' 'کا' 'اس' 'خوال' 'کے' 'حوالے' 'کی' 'طرح' 'جملہ' 'گیا۔"

سلمیٰ آئی نے بولتے رہیں۔ فریڈ کو دکھا لودھی لکھی لکھی تھیں۔ اس دن کے بعد عورت بندہ ختم ہو گیا اور لوں کا وٹا ٹھہر شروع ہو گیا۔ رائل ان کا لکھو یا بیٹا تھا۔ چار سال سے امریکا میں جمع تھا اور بہت جلد واپس آئے۔ وہ لاق قتلہ لاق قتلہ مٹنی تھا اور کھانا پانے ہونے چاہتا تھا۔ اسی لیے سلمیٰ آئی کے منہ سے اس کی باتیں چھوٹے کا پتہ نہیں تھی۔

"رائل یہ۔ رائل وہ۔" فریڈ کو لکھا تھا میں بیٹے بھی اچھے کام ہوتے ہیں اور صرف واپس لے ہی گئے ہیں۔ اور آگے بھی بیٹے ہوں گے اور رائل کی نسل ہی گسکی۔

جس آگے والا ہے۔ ایک ماہ بعد۔ لودھی کی۔ سلمیٰ آئی نے اشتیاق سے دہن دیا تھی۔ اس آئیں۔ بس سنا نہیں۔ لودھی کو کلب۔ "ہے آپ ایسے ہی کیوں لائیں گی؟ میں دعوت کو مل گیا تھا۔ اس کی کھلائے گا۔"

فریڈ سے زیادہ ہی مرعوب ہوئی تھی شام۔ مگر جب رائل آیا تو ایک دیک لیا سلمیٰ نے لوں کو لوں کی دعوت گدی اور اس دعوت کے حواس ہونے کے باعث پورے گھر کو لو جوڑ ڈالا۔ فریڈ جان ہی نہ سکی کہ کی مٹی میں بیٹھ جا کر کوٹیل چومنے کے لیے دیا گو جس سے اکثر لوں کی شام ہو چلا۔ وہیں چلی جاتی تھی لیکن اس بار وہی نے اسے چلنے ہی نہ دیا۔

"آرے! کیا سوچیں گے، لوگ۔ میرا ہی گھر سے تائب ہے۔"

"ڈنٹ نہ لگاؤ۔ اس سے بھری ٹیبل پر ڈیڑی کو رائل۔"

پہلے ہی نہیں رہے۔ مجھے تو ہنسی بھوک لگی ہے۔
 "اگر سب بھوک لگی ہے تو مجھوں کو کھانا بنا ہوا
 ہے۔ ہم نے بھی ابھی ابھی کھایا ہے۔" سہلی آئی کے
 بجائے گئی۔
 "تو کچھ ذرا کسے شواہرا ہے۔" اپنی می کامو
 ذوق شد و کجہ کو دیکھا۔
 "فریڈ نے کچھ نئی ڈش بنائی ہے۔ تم بھی زائل
 کرو۔" لورڈ زائل نے کھانے کی وقت پائی اور شہرہ چور ذکر
 صرف فریڈ کی ڈش کی ہی طرف لگی۔

تو بچے وہاں پہنچے۔ ہمارے وہ ہیں مجھے کیا بھی
 کسی بچھے رہے۔ شہرہ میں کھانا نہیں کھایا؟
 "کھانا ہے۔ منہ باب۔ پر وہ تو بڑا خوش طبع ہے
 سے جاتے ہیں اور کب نے بار سے بنایا ہے۔"
 مسکرا کر کہا۔ "فریڈ اگر فریڈ نے اپنی نظریں اس پر
 سے بنائیں۔ کھانا لورڈ سے لیا اور دیکھ رہا تھا۔
 "ہجرت اور کھانا کھانے کا شکر۔ آئی۔ اب کب کا
 بھی حق بننا ہے۔ کس کو اس کریم کھلا لائیں۔"
 "جو بچی۔ سہلی لورڈ پر جو بچہ۔" کھانسی میں دونوں
 خواہشیں بچھے لورڈ نے دونوں کے ہنرے کئے۔ اس کریم
 پارٹ میں ہی لورڈ آئی۔ ابھی کریم کب بھی شہرہ کیا
 تھا کہ ایک ہے۔ کوئی خیر نظریوں سے دیکھا اور اٹھ
 کھڑی ہو گئی۔

"ہم ابھی آئے۔ ساتھ ہی بونٹک پر سٹل لگی
 ہے۔"
 "میں بھی چلتی ہوں۔" فریڈ اٹھی۔

"ہیٹھو۔ تم تو ابھرائے کرو۔" دونوں فن دونوں کو
 اکیلا چھوڑ گئیں۔ فریڈ اٹھ نہ سکی۔ اس لیے نہیں کہ
 می نے سب کچھ کیا تھا۔ اس لیے کہ زائل نے اس کا ہاتھ
 قہراً لیا تھا۔ راست میں سب کی خوشی فریڈ کے چہرے پر
 عور کر گئی۔ ہا نہیں کیوں کہ زائل کا ہاتھ جھکنے لگی۔
 ہا نہیں کیوں کہ لورڈ نے اپنی سوت پر چڑھ گئی۔
 "امریکا میں بہت طرح کے لوگ ہوتے ہیں
 فریڈ۔ بہت مہنگے۔ بہت نظریوں کے سب کو چاہئے
 اپنے انعام پر ہونے والوں کہ تم بھی سادہ سی لڑکی کو

جاننے میں ذرا بھی وقت نہیں لگا۔ اگر تم مجھے جانا
 چاہو۔ کھانا چاہو تو شہرہ سے۔" وہ مسکرایا اور بڑی
 دیر مسکرائی رہا۔ فریڈ کی آنکھیں کرم کھلنے لگیں۔
 "مہمور اس سب کے بعد کیا تم مجھ سے شادی کرو گی
 فریڈ؟" سہلی کی طرح سے نظریں ہٹا کر فریڈ نے زائل
 کو دیکھا اور اس کے لبوں کو جیسے کسی نے آگ لگائی۔
 خوشبو پٹی اور ہیٹ کر چھٹی۔
 زائل اور اس جھل جھل گئی اور آنکھیں مسکرائیں۔
 عروس کرتے کرتے۔

"میں لورڈ سہلی آئی ہوا نہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ ایک
 ایک ہیٹ کر گئی۔ پھر می نے سہلی آئی کو یہ کھل نہ
 بتا کہ میری سہلی ہو گئی ہے۔" وہ اپنی کے سطر اس
 نے سوجھا تھا۔
 لورڈ اگر می نے نہیں جانا تھا تو میرے منہ پر کس
 نے تھکا دیا تھا میں کیوں زائل کو قاسم کے بارے
 میں نہ جانتی لورڈ زائل کو یہ کیوں کہہ دیا کہ سوج کر
 ہٹاؤ گی۔
 شہرہ کی طرف چلنے چلتے چلے۔ قاصد پر والے۔
 قاسم کے کاتھیر کے درختوں پر دیکھ گئے لگی تھی۔



"ہیٹا! ہم چاہتے ہیں کہ اب تمہاری شادی
 کر دے۔"
 لکھن میں اس کے کمرے میں کئی حصے سے
 بنگلا تھا۔ کھانسی کے پردے سرکاتے تھے اور جب وہ
 کھل بیدار ہو گئی تھی تو می نے کھانا پر پتلیں نم
 شادی کے بعد بھی کر سکی ہو۔"
 "ٹھیک ہے۔ کب ملتی ہے۔" وہ ہیٹ کھل نہ
 کر سکی۔ اس کے لب جلد ہو گئے۔ کچھ لیل وہ لیل نے
 اس کا ساتھ نہ دیا تھا۔ کچھ می کی آنکھیں ضرورت
 سے زیادہ کھل گئی۔ "خوشی لورڈ کے تیرے اس طرح
 گئے تھے کہ سر پر لگا ایک دو لڑھک کر گئے کر گیا
 تھا۔
 باہل پٹا کرنے کی غرض سے۔ اس نے کل رات

رائل کے پروجیکٹ اور اپنی پسند دیتے ہوئے ہی کوئی
 دی۔ یہ ہمیشہ ایسا ہی کرتی تھی۔ جس کو خواہ مخواہ جاتی نہیں
 سب کچھ ہی کے سر کو تھی اور ہی کی مشکل حد تک پہ
 لست شورش سے ہی کمال تک پہنچا تھا۔
 "تپ نے بتایا نہیں سنی تھی اپنی کو کہ میری معنی
 اور چکی ہے۔" "پتے پتے اس نے یہ بات ہی کہہ دی۔
 ہی کی صورت تھی "سب کچھ چل کر بھی کچھ نہیں
 چاہتے تھی کی شاکھل کرنے لگی۔ وہ ایک تک فریڈ کو
 دیکھے تھی۔
 "تپ۔ اور تم بھی مت جانا کیونکہ تمہارے
 ڈیڑی ہی ہی چاہتے ہیں۔"

دن اپنے گزار رہا تھا۔ کوئی دو دن گزر گئے ایک ہی
 زخمی تھی جی سکتا ہے۔ نہیں۔ نہیں وہ ایسا نہیں
 کر سکتی۔ اور کج می نے اسے ایک زخمی تھی لینے کا
 موٹے سے موٹا تھا۔
 "اعزیز بیٹے تمہارا اور کج۔ فریڈ میری جان اور تم
 چاہو۔" "وہ دوائے کی طرف بڑھی پھر گئی تھی۔
 "تپ جس بنا ہے کہ وہ مشاوت کے چولہے سے کھڑکی میں
 ہے۔ اور اور کلاں میں فریڈ کی باتیں اٹھ
 رہی ہیں۔" "تپ نے ہنسنا شروع کیا تھا۔
 "تپ ہی نہیں رہی تھی۔ وہ مہینہ ہی
 تھی۔ اس کے ایک پتے کے بعد اسے اس پتے
 کا اندازہ ہوا تھا۔ اس دن کے اندر اندر اس کو بے کھر
 پتے پتے ہی بولنے کا پتہ چلا تھا کہ اس کو بولنا
 پتے کے کھرے کی کھرے سے اس نے کام کو پتے
 کے اندر داخل ہوئے تو کھلا ہوا پتہ پتہ تھا۔ ہم کا
 سارا خون اس کے چہرے پر چھا تھا۔
 "تپ فریڈ ایک سے کوئی کام صاحب پتے
 کہتے ہیں۔ پتے کے آگے اس کو پتے تھی۔
 "تپ سے کوئی نہیں پتہ اس سے پتے تھی۔
 تھی۔ تپ فریڈ پتے پتے تھی۔

"تپ اور فریڈ پتے ہی پتے تھی۔
 فریڈ کو کوئی شاک نہ لگتا تھا۔ پتے ہی پتے تھی۔
 "تپ نے اس کے ساتھ کھر کھر کھلا کر
 تھی۔ اس کے ساتھ ہی پتے ہی پتے تھی۔
 کا کھیل کام کے ساتھ ہی کھلا جا سکتا ہے۔ پتے
 اور پتے ہی کھلا نہیں ہے فریڈ اور ہی پتے کا
 سوال ہے۔ کام ایک تھی ہے اور رائل
 تھی۔ تپ برصغیر کی صورت
 ہے۔"

"تپ نے فریڈ سے پہلے سوچتی تھی۔
 صرف کوئی تھی پتے ہی کے لیل پر ہی تصویر۔
 جس میں پتے اور رائل کی طرف جھکا ہوا تھا۔ پتے فریڈ
 کو بھی دیکھی۔ فریڈ تو کہے ہی پتے ہی تھی۔ پتے
 ہی تھی۔ سگ رہی تھی۔ ہی نے تھی کی ہوائی
 تو اس نے فوراً ہی آگ پتے ہی نے سب کچھ چلا
 ڈالا۔ خوشیوں نے دھڑکیں کا وہ پتہ پتہ کر لیا۔ پتے جو
 ڈالا تو اسے مرگٹ کی ہوائیوں کو بھی پتے ہی تھی۔
 ہی سب پتے تھی تو اس نے اس کے ساتھ ہوا
 دینے کو تپ تھی کہ اسے آواز کو لے لے۔ وہ جھل
 تھی نہیں ہی تھی۔ وہ تھی پتے۔ وہ پتے۔
 وہ فریڈ ہی لے لے اب کو پتہ پتے ہی تھی۔
 وہ تھی ہی تھی۔ تپ نے کھلا پتے۔ کیا کوئی تھی۔

"تپ نے فریڈ سے پہلے سوچتی تھی۔
 صرف کوئی تھی پتے ہی کے لیل پر ہی تصویر۔
 جس میں پتے اور رائل کی طرف جھکا ہوا تھا۔ پتے فریڈ
 کو بھی دیکھی۔ فریڈ تو کہے ہی پتے ہی تھی۔ پتے
 ہی تھی۔ سگ رہی تھی۔ ہی نے تھی کی ہوائی
 تو اس نے فوراً ہی آگ پتے ہی نے سب کچھ چلا
 ڈالا۔ خوشیوں نے دھڑکیں کا وہ پتہ پتہ کر لیا۔ پتے جو
 ڈالا تو اسے مرگٹ کی ہوائیوں کو بھی پتے ہی تھی۔
 ہی سب پتے تھی تو اس نے اس کے ساتھ ہوا
 دینے کو تپ تھی کہ اسے آواز کو لے لے۔ وہ جھل
 تھی نہیں ہی تھی۔ وہ تھی پتے۔ وہ پتے۔
 وہ فریڈ ہی لے لے اب کو پتہ پتے ہی تھی۔
 وہ تھی ہی تھی۔ تپ نے کھلا پتے۔ کیا کوئی تھی۔

"تپ نے فریڈ سے پہلے سوچتی تھی۔
 صرف کوئی تھی پتے ہی کے لیل پر ہی تصویر۔
 جس میں پتے اور رائل کی طرف جھکا ہوا تھا۔ پتے فریڈ
 کو بھی دیکھی۔ فریڈ تو کہے ہی پتے ہی تھی۔ پتے
 ہی تھی۔ سگ رہی تھی۔ ہی نے تھی کی ہوائی
 تو اس نے فوراً ہی آگ پتے ہی نے سب کچھ چلا
 ڈالا۔ خوشیوں نے دھڑکیں کا وہ پتہ پتہ کر لیا۔ پتے جو
 ڈالا تو اسے مرگٹ کی ہوائیوں کو بھی پتے ہی تھی۔
 ہی سب پتے تھی تو اس نے اس کے ساتھ ہوا
 دینے کو تپ تھی کہ اسے آواز کو لے لے۔ وہ جھل
 تھی نہیں ہی تھی۔ وہ تھی پتے۔ وہ پتے۔
 وہ فریڈ ہی لے لے اب کو پتہ پتے ہی تھی۔
 وہ تھی ہی تھی۔ تپ نے کھلا پتے۔ کیا کوئی تھی۔

ہاؤز کو دھکنے کے لیے سدا تھا۔



و جہیں گدوڑ نہیں شرم کرتی ہے تو وہی خوشبو برکتا
بھی ہے نورِ لالائی بھی ہے، بے کام کرنے والوں کے
بچے آسپ کی طرح جھٹ بھی جاتی ہے۔

اس کے بچے بھی ایک آسپ لگ کر تھکا شاید۔
ہوئے بزرگوں کی یہ سزا تھی۔ کھلنی نسل انیس
میں ملی تھی دھاکر کن پر فاقہ بھی دھکا بھلا جاتی
ہے۔ کھلنا کن پر تھین نہیں کرلی۔ کھلنا کن نہیں
چاہتی۔ نہیں مانتی۔ کھلنا ہر تجربے سے خود گزرتا
چاہتی ہے۔ فریڈ اس آسپ سے چھٹا ہو چکے کے لیے ہر
روز لوہا نہ لگاتے تھے۔

میں نے پھر بعد کا واقعہ ہے؟ پلٹے پلٹے جسے رکھی۔
جلد ہو گئی۔ کچھ ہوا سانس نہ کھنکھن کرنا
ہو گئی؟ اس کے تصور لکھی اور شہنشاہ کے خود شہنشاہ
کر لیا اس کی آنکھوں میں آنسو آئے۔

روز بڑے شیشہ بڑا لواتی تھی۔ روز گدوڑ ملواتی ہو۔ کیا
ہوا ہے۔ کیا خط ہے۔؟ رات لکھنے کے لیے پورے
کچھ بھی تو نہیں۔ وہ لکھنے کو لنی جیسے اپنے خط
کو خطا کر دیتی ہو۔ کسی خوش نے کارا اس کے سینے میں
لپا ہوا اسے خیانت کے دن کا پتلا لگا ہوا۔

”میں میرے بچے سو شہنشاہ کے لیے اس بری طرح
اس پر کیا ہے۔ کبھی خوشبو آرہی ہے۔“
”خوشبو؟“ وہ کھلب کھلب گئی۔ ”کبھی خوشبو؟“
پہلے میں نے ہی لکھا ہو گا تو نہیں لکھتی ہے۔“
رات لکھنے کے لیے کچھ کر کھڑی تھی وہ اسے کھول
لی۔

”مجھے تو پورے کمرے سے خوشبو آرہی ہے۔“
”میں نے اس پر کیا لکھا۔“
”کون کون ہے۔“ وہ تقریباً چھلپا۔ ”فریڈ اسے کبھی بتا
کہ وہ کچھ نہیں کہہ سکتی اور یہ سب کچھ کون کر رہا ہے۔“
کون خوشبو کر رہا ہے لبرو آسپ ہے جو اس کے کسی
پرے کام کے نتیجے میں اس کے بچے لگ گیا ہے۔ تو
خود اس آسپ کا مرنے کو تھی وہی ہے۔ اسے برنگے
بالے مرنے کے لیے اور اس میں تو رات لکھ کر تھی وہ
تو کیا جاس نے فریڈ کو لپٹا کچھ سو گھستے ہو گیا۔

ایک ماہ بعد۔ رات لکھنے کے ساتھ اس کی شادی
ہو گئی۔ خوب دھوم دھام سے۔ جس میں دو لاکھ
طرف سے آئی بائی اگلی لاکھوں روپے کھول کر شادی
کے لیے اور ساٹھ لاکھ کے ارمان لکھنے کے لیے سنا ہے
فریڈ کی شادی پر رات لکھنے فریڈ کو فرانس لے گیا وہیں
سے وہ اپنی پر ہی کچھ عجیب و غریب واقعات ہونے
لگے۔

و کتنے لڑکیوں نے اس نے ایک شادی کا انتخاب
کر لیا تھا لیکن کسی شادی ہی نہ ہو سکی۔
فریڈ کی اس کے خوراک کے بہتر چھٹی چھٹی میں
جنہوں نے اس کے اندر بے نیکی کی ہو کر کسی باب
وہ نہیں تک کر بیٹھے۔ رہنے کو تیار نہ تھی۔ برقی تو لکھا
کسی کو دیکھ ہو رہے تھے۔ پتلی تو کھوس ہو گیا کسی اور
فریڈ میں سوار نہ ہو جائے۔ فریڈ رات لکھنے کو پہلی شادی
تھی۔ شادی کے لیے لڑکیوں سے جسے جب سب کچھ سہرا
سہرا سا لکھا ہے لیکن فریڈ کے چہرے پر تو کچھ اور ہی
رنگ چھائے ہوئے تھے۔

”مرا کاش پہلی لڑکیوں میں تھی۔ مجھ پر۔ لیکن
میں نے خود کو پہلے رکھ لیا شاید تمہارے لیے اور تم
ہو کہ مجھ سے شادی کر کے خوش تو ہو؟“
”کی ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے کہتی۔
”تمہاری بہ مسکراہٹ مجھے مطمئن نہیں
کر پاتی۔“

و اسے جیسے مطمئن کر لیا۔ وہ تو خود غیر مطمئن
تھی۔ کچھ چیزیں سن کر۔ کچھ انوکھا لگتا ہے۔ وہ مجھ
میں پاری تھی۔ گی کے مشورے بھی اس معاملے
میں اسے لاپرواہ محسوس ہوئے۔ اس سب کے علاوہ
ایک اور چیز بھی تھی۔ خوشبو اس خوشبو کی عظیم پہلی
خوشبو کے نتیجے میں اس کے سامنے والے کمرے میں
دھری تھی۔ فریڈ بڑے بزرگوں کا تھکا کی ہے۔ اس
کے لیے بھول گئی کہ خوشبو مسخر کرتی ہے۔ رات لکھنے

READING Section

”گیا کہ وہی ہو“

”نہ وہ نہ۔“ ”اے گھبراہٹ۔“ ”مجھے لگا نہیں گندا
ہی نہ ہو۔“

”سجھی تو تم نے اٹھنے ساتھ کو رہے تھے۔“
جیرن ہول بھر قریب ہوا۔

”فریج بس خیریت تو ہے۔ کئی ہفت ہے لازم
مجھے جانتی ہو۔ شہر میں بڑے اچھے اچھے سرائیکازسٹ
موجود ہیں۔ ایک دوا دہانے سے مسئلہ حل ہو جاتا
ہے۔“ ”راہل نے بڑے پارے کلمہ فریج ہوگ کر
کہی۔“

”کیا وہ کچھ نہیں کر بیٹھی تھی کہ وہ اپنے سائیکازسٹ
بکے۔“ ”مخروص کی ضرورت آچھی تھی۔“

”تم کی وجہ سے وہ ساری رات اس نے سوتے
چلنے لگے کڑاری۔“ ”سجھ آگے کھلی ڈیوڑھی کی بائیں طرف کھالی
تھی۔ رات کی تیغ مسلسل چلنے میں نہانا تھا۔ پانچ نہیں
لینے لینے دوا دہانے تھی کہ جاگ ہی رہی تھی۔ ستر
کی بائیں طرف ہاتھ پھیرتے پھیرتے اس لیے
عمدوں ہوا جیسے وہی نرم گھاس لگ آئی ہو۔ اسباب
اپنا سر اٹھ دینے لگا تھا۔ گھاس سے نقل کرنا حقیقت
میں آئی۔ رات رات گھاس ملائم سے ملائم رہتی تھی۔
سحر نے شام پکائی۔ سورج نے ہلکا کر لوٹنا۔ پھر کچھ
گیارہ بجے تک کراچی کی بجلی بکھرنے لگی۔ دولت وہ
کہی تھی اور اس کے کلمے یہ سنا لے کر کہی۔
کیاں خواہ ہو تھی اور اسی رات بنا بلک تھی کسی پٹن

دہاڑے۔

اس کے اور گوانچہ کے درختوں نے پر چھائی ہی
شروع کیس۔ پھر اپنے اپنے چلنے والوں کے ساتھ
وہاں کھینکا ہو گئے۔ اس نے خود کو ان درختوں کے
بغیر مت میں گھرے ہوئے پایا۔ پھر انہیں میں سے
ایک درخت اس کی طرف پھول چڑی چھائی مسمی
گھٹن، مضبوط ہانڈ مسمی، جسم سا دلا سا ہیند مسمی
خوشبو سے دلا اور گھرے ہوئے آدھے مسمی، جس
کی آنکھیں سنبھولی تھیں کی طرح چمک رہی تھیں۔
وہ درخت قریب ہوا۔ قریب اور فریج فریج

دوسرے درخت کے تنے سے جا لگی اور اس ہمارے
نے اس درخت کو دھکا نہیں دیا تھا بلکہ چھ کر اس کے
ساتھ لپٹ گئی اور پھر لپٹی ہی رہی۔ درخت نے بھی
اسے نہ چھوڑا جیسے وہ اس سے کوئی پرانے حساب
کتاب باگونی پر لٹے ہوئے لے لیا ہو۔

دراگت کے رخ مڑ گئے اور آپ شادوں نے ہنسا
شروع کر دیا۔ دور کہیں سے ایک کوازنٹالی رہی۔
”فریج!“

”مہم۔ مہم۔ پھر۔ کوا۔ جیر ہوتی تھی۔ جیر
سے جیر۔ اس کے چہرے پر پھیلاہکی طرح چالی کے
چھیننے پڑے۔“

”فریج!“ ”راہل نے اسے کدھوں سے تمام
کر ہی طرح لایا تھا۔ پھر شرارت سے اس پتے کیلے پل
اس کے چہرے پر چلے تھے۔“

”چھ۔“ ”ڈیوڈھی میں سے ڈیوڈھی خوشبو آتی ہے۔“
وہ شرارت سے پر چھو رہا تھا۔ فریج کو نہ سمجھ سکی۔

”دوڑب خوشبو شہاری ڈالت کا صبر ہے۔ تھارے
ہوش کم کر لیا ہے۔“ ”جس دوا لگ کر گئی ہے۔ وہاں
تھا۔“ ”اگر کسی اس کی اور فریج کو چھو کر گئی تھی۔“
”جس شہر شہر سے جس کے لیے ڈیوڈھی ملی تھی۔“
”ڈیوڈھی سے نہیں۔“ ”لیکن اس کے جسم میں ہو تو وہ کھلی
ہی پڑے گی۔“ ”خوشی سے کتا راہل فریج کو سیکھے کے
عام میں چھوڑ کر رہا گیا تھا۔“

”کیسے تو کچھ سمجھ نہ سکی تو جب بھی تو اس کا ہر
پارہ بھگ گیا۔ آنسوؤں سے ’ڈوڈھی‘ مچھکتے
سے۔“ ”کریج کر تھی ہوئے خدا کے ساتھ فریج نے خود
کو کھینے میں نہ لگا۔ جلی اس کے گھس کے چلنے
کچھ لوری تھا۔“

ایک آسید۔ ایک انچہ کے موٹے تنے والا
درخت جس کی آنکھیں سنبھولی تھیں کی طرح
چمک رہی تھیں۔ اور جو ہاتھ پر ہاتھ ہر تاپتے لہرانا
ظہر تھیں۔ گا اپنی لہری تھی اسی اس ہاتھ۔ ہنی ہی
لہری لہری۔



میں سے
سفرِ کربلا

Downloaded From
paksociety.com

"آئی ہوا۔ ملاقاتوا کہہ لے۔ شوکت بیگم نے اندر دیکھ کر ہنسی بھانکائی۔

"پہلی خیر ہے۔ سب ہو گیا۔ وہ شیعہ صاف کتے ہوئے ہو گئیں۔

"اور اناروانے کی پختی ہری مرچی والی کرنٹاں ہے نا۔ کب کو پتا ہے ماسوہ کو سب پسند ہے۔" فریح کہہ کر بھر بھی ایک پیر لپٹا اطمینان منور کر لیا۔ کلی پراش کر۔

"پہلی ہیں۔ سو سب ہو گیا۔ میرے ہاتھوں کی کلی بڑھی جی جی ہیں سب کی پسند ناپسند انہ ہے مجھے۔" تلی پراش کر اور۔

"پہلی وہ نو سہ پر پھولی پار جو ہوا مجھے بس نشین تھی ہے کوئی کمی نہ رہ جائے" کب کے سامنے کی ہی ہانڈ سے اسلحہ لے کر کچھ بھی نہیں کہلا تھا۔ "شوکت بیگم کے لیے میں آج بھی اس ہلٹ کا دست تھا۔

"کوئی ہلٹ نہیں" نے رشتے" نے لوگ لپس تو امیں گھسنے میں خود ادا دتہ نہ لگتا ہے۔" تلی نے لہن

کا حوصلہ پھوٹا۔

"پہلی۔ لپس۔"

"تو ہوا۔ بس جانے دو۔ غر حسنہ پٹ شے پر پراسر ہینڈ لگاؤ۔ میں تو پختی ہانڈے میں تھک گئی۔"

سارے لے کر گری پر بیٹھ گئیں۔

"تلی۔ مجھے ہلکس اچھا نہیں لگتا۔ نیپ کا اس طرح کام کرنا۔ پھر بھی کتنا کچھ کر دیا کب نے۔"

شوکت بیگم ہنسنے کے لیے گلاس میں پانی ڈالنے لگیں۔

"کیا کرتی ہوں میں؟ صفا کے استحقاق نہ ہوتے تو اس نے سب ہی کچھ خود کرنا تھا۔" کتا سارا کام تم آگے کیجے کیا نہیں۔" تلی نے کہا۔

"اچھا چلیں۔ اندر چل کر بیٹھیں۔ میں نے کھانا فریح میں رکھ کر آئی ہوں۔"

"اسامہ تمہاری تو اچھا نماز پڑھیں بھی بسنے گھر کی ہو جاؤں تو کنگے کی مرضی سے ہی آئی ہیں۔" شوکت بیگم کچھ نہیں بولی۔

"ہمیں تو کہنی ہوں۔ صفا سے پہلے غور کی رہیں

مکمل ناول

Downloaded From
Paksociety.com

لے تو کچھ جس میں سولت ہو جائے گی۔" اتنی بوائے
دیکھتے ہی ہنس اٹھا۔

"سج کل کی لڑکیاں۔ کھلے سب کئی ہیں اتنی
بوائے کچھ تو بڑا نہیں بھی لب بے کار لگتی ہیں سلب سلب موہ
کوئی رکھ لیں۔" جن کے سینے میں اتنی ہی لگڑ مندی
کی جھلک تھی۔ اتنی بوائے فوراً ہنس اٹھا۔

"لو رہنا، کیسے کھینچ کھینچ کر بچن میں لانا پڑنا
ہے۔ وہ کچھ وقت سے بولیں۔ تو اتنی بوائے ہیں۔"

"مطل بہت جلدی چھوڑا کرتی ہو، کئی ہے۔
اور موہ۔ ابھی شادی ہوئے کل ہی کہتے ہوئے کچھ بھی
کتنی جلدی ان کے رنگ میں رنگ تھی۔" اتنی بوائے
انہیں دلا سہایا۔

"لستے کچھ رنگ تھے میرے اتنی بوائے، وہ ایک
لچھلے کو ہاتھ روک کر بولیں۔ ایک دم تو اتنی بوائے
کچھ ہنس بولیں۔ اور جب بولنے کی لیے لب
کو لے۔ تو ساتھ ہی خور اندر داخل ہوا۔

"کیا بات ہے؟ کچھ تو پورا کھر سب کے بلے
کھاؤں کی خوشبو سے منکھ گیا ہے۔" اس نے بھیج کر
لب سانس لیا۔

"اور تمہاری مہا بھڑکی بے چین ہے کہ کئی کی نہ
دو جائے بھولتی رہا گیا کیا ضیافت میں۔" اتنی بوائے کہہ
تے ڈرتے تھے کب تک رہے گا اتنے عرصے جو
ہیں وہاں سے منوئی پائلز ہائی ڈالے۔" وہ اک انداز سے
ٹالک چڑھا کر بولا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی شوکت بیگم کی
ہنس بھل گئی۔

"شکر ہے۔ فب فب بولیں۔ بر حسب تکب
رکھ لیں۔" منجھوہ ہزار آپ نے مجھ سے بے خبرے۔
اس میں سے بر پانچ کالوٹ بچا ہے۔" اس نے ایک
رسبہ کے ساتھ پانچ کالوٹ پھیلوایا۔

"ہائیں۔" اس کی کیم اور تھوڑا سا فونٹ
اور دو ہزار لگ گئے۔ شوکت بیگم کا منہ کھلا دیا۔
"ہنس۔" دو فنی بن والے کو بھی پسے دیے ہیں
اور بیکری کا سلان۔"

"اچھا اچھا ہنس۔" چار سو سے۔ چار ہینڈ میں

پسے پورے کر دیے۔ وہ ہو گئی اتنی بوائے کی صورت
تھی پانچ ہزار خرچ ہو گئے۔ وہ تو دل و جہاں سے ہل
گئی۔

"بے گھر میں بنی بیانی ہے جہاں اس کے سکھ
کی خاطر کچھ ہنس۔ زندگی بھر فطارت چکل بڑے
گی۔" تیا نہیں ہو کر تھا ابھی انور کو کہہ کر چلا گیا۔
اور شوکت بیگم کالوٹ میں پورے پھینکی۔



"شوکت بیگم لوہ انوار صاحبہ" ہنسنا ہتا گھر لائے۔
چہل پے کی ریل چلے تو نہیں لیکن اتنی آسانی ضرور
پہنچی کہ انوار صاحب کے چھوٹے سے کاہدار سے
زندگی اسل ہی گزار دی تھی۔ نہیں بڑوں اور ایک
بچے کے ساتھ وہ بہت مطمئن زندگی گزار رہے تھے

اتنی بوائے جیسا ہر گ کا سہا ان سکھ لے کسی رحمت سے
کم نہیں تھا ان کے ساتھ کئی خان کار شہ نہیں تھا۔
انوار صاحب کی والدہ کی منہ ملی۔ سن۔ جو کہ سب
پرعہ میں چھڑ کر ان سے آئی تھیں۔ ان ہی کی بیٹی
تھیں تمہاری زندگی اسی گھر میں تائی۔ انوار صاحب
انہیں سن مانتے تھے وہ ان سے کئی بڑی تھیں۔ اور
انہیں اتنی کہہ کر لاتے تھے شوکت بیگم انہیں "آئی
بوائے" کہہ کر ان کو کچھ دسب کی بوائے ہی رہیں۔
ان کی سوخندی گھر کے لیے باعث رحمت تھی۔

بڑی دلفریب بچیوں کی شادی کر کے انوار صاحب
کلی حد تک مطمئن ہو گئے تھے۔
ان کی بڑی بیٹی اسی اور چھوٹی بیٹی سوہ

دولہا کی شادی تینوں میں ہی ہوئی تھی۔ بڑی بیٹی کو
بیا ہے پانچ سال ہو گئے تھے۔ جبکہ موہ کو ابھی صرف
تین مہینے ہوئے۔ نئے لوگ نئے دشنے اور ان کے
مزلوں کو سمجھنے میں کافی مشکل ہوئی۔ روشن کو بھلا اور
کھتا کچھ آسان تو نہیں تھا اور ابھی بھی۔ اپنے نئے

رہا۔ اور بیٹی کے سسرال والوں کو جھٹل کر مشکل
تھا۔ دلفریب بچیوں کی شادی اچھے کھاتے بچے گھرانوں
میں ہوئی۔ جو کم از کم انوار صاحب کے حالات سے

میں ہی آئی ہے۔ "کئی دوا ہے جو سہول اور ٹھوس
 مجھے میں کہہ۔"

"ہاری مودت سمجھ دار ہے لب لقا تو ہم بھی
 سمجھ گئے ہیں کہ اہار مت سلٹھا ہوا اور یک نیت
 لڑاکا ہے " اسی بات ہے وہ جیسا چاہتا ہے۔ مودت کی
 ہی ہوگی۔ " انمول نے مزبور سامیت سے کہا۔

"رہتی ہو۔" میں اس نے زندگی کا ایک حصہ
 گزارا ہے۔ مجھے اس کے بدلے ہوئے اظہار مت
 مجیب لگتے ہیں۔ " وہاں تھی کئی نئی چھن میں آگیا
 "میں کا سکہ سکون اس میں ہے کہ اس کی بی بی اپنے
 گھر میں خوش رہے اور نہ سارے لیے اتنی ہی کلنگ ہونا
 چاہیے۔ " کئی دوا ہے جنی باہر انش کما اور اس بات
 کے لیے شوکت بیگم کو قائل ہونا ہی پڑا۔



مود کی نند سنا کر سے نئی تھی۔ شادی کے بعد
 وہ ہلی بار کئی تو خود نے فون کر کے کہا کہ سہ سے کھانے
 پر بلا میں "میں ہا ہی سہیلے میں بی تارہی ہوئی تھی۔ مود
 نے فون پر سمجھا ہوا تھا کہ کھانا مت بلکے مسئلے والا
 ہونا چاہیے۔ وہ تو چاہتی تھی کہ بازار سے ہی آرہا کر
 دیا جائے۔ آخر آخر تو آفرنگ کا کھانا باہر سے منگواتے تو
 دس ہزار سے کم کیا خرچ ہوتا " شوکت بیگم کے لیے
 سمجھ اسی اسی میں تھی کہ وہ گھر میں ہی سب کچھ کیا
 لینی " انمول نے وی کھاوا کو ہی " ولاتی " طریقی
 سے کہا " ہوان کی بی بی کے سسرال والوں کو پسند آجائے
 " مود فور اسلئے پہلے ہی آگے نہل کھانے میں چڑھیں
 تو کم رہی ہیں نا اور وہ " جیسیبل رائس میں اسپرنگ
 اٹین (spring onion) ہی جو ذکر کیا تھا۔ آئی
 ڈائی کو وہ بہت پسند ہے۔ " مود نے پہلے آکر کھانے کا
 جائزہ لیا " چتا نہیں کیوں " شوکت بیگم کو بلا میں
 بات ہی ٹھوس ہو رہی تھی۔

"مجیب تو کیا ہوں غم۔ مشکل میں ڈال رہی ہو؟"

وہ قدرے خشکی سے بولیں۔

"کی میری بیماری میں۔ میں تو میں اس لیے کہ

مخافت میں کھاتے تھے۔ بچے وہ کھنڈہ زہر کہ تو
 کئی حد تک سن سے کھل رہا تھا۔ مزاج کا کئی ہما اور
 بے تکلف تھا۔ جبکہ اہار کی طبیعت وہ ایک سی
 تھی مہرمل بھی تو کھا رہا تھا۔ وہ اس کے بارے میں
 کئی خنی رائے نہیں دے سکتے تھے۔

اسلئے فخر " بریز رہا تھا " لڑاکا تھا " وہ سول میں
 جلدی کھانا مٹانے سے پسند نہیں تھا " اپنے اصلوں اور
 بلوکت میں وہ مست کیا خلساں کا زندگی گزارنے کا ہوا راز
 کئی ہٹ کر تھا۔ اور اپنی شریک حیات میں بھی کسی
 سب کو کھانا چاہتا تھا۔ سب بچوں کے گروا لے کر کہتے
 دلا کے بارے تو ہمہ کھتے تھے۔ لیکن اپنی بی بی میں
 پرانی ہوئی عداوت کو ایک دم فیول کرنا تو سگے لیے کئی
 مشکل تھا۔ خاص کر شوکت بیگم کے لیے۔ " وہ ان کی
 ہی نسبت تھی کہ جس گھر اور جس باخول میں جاؤ وہاں
 کے مقابین مچ بس چو " لیکن بعض لوگت کہ
 نہ ہلیاں مزاج کے ساتھ عمل نہیں کھاتیں اور
 ٹھوس ہوتی ہیں۔

اسار کی خاموش طبع فطرت نہیں اہی بھی تھی
 مگر یہ کیا کہ ان کی اپنی کھاتی پھلتی سی مود بھی اسلئے
 کے ساتھ چھینے اپنے لہلہ اور گھروالوں کے ساتھ
 ایسا رہتا تو گھر ہی جیسے کسی باہر ل رہی ہو۔ کھانے
 میں احتیاط " ہواں میں احتیاط " پختہ میں احتیاط " اور تو
 اور شادی کے بعد وہی پارکے میں ہونے والی اور مت
 میں اپنے نہ سہیلے کھاواں کو اس نے ہموانک نہیں۔

شوکت بیگم پریشان ہو گئیں۔ " ایک دم چند دنوں
 میں لڑکے کے ہل کھتی ہے؟ " گئیں۔ " وہ اسلئے کے
 ساتھ خوش تو ہے؟ " بے کیسے خیال ان کے ہل میں
 آنے لگے " اپنے اس خدشے کا اظہار انمول نے نئی دوا
 سے بھی کر دیا " انمول نے بھی خواہد بھی تھی۔ شوکت
 بیگم کے اس خیال کو رد کر دیا۔

"شوکت بیگم۔ وہ دونوں خوش ہیں۔ ایک

دوسرے کی خوشی کے لیے میاں چوری میں سے کسی

ایک کو ہر لٹائی پڑا ہے۔ اور یہ فیول عورت کے سے

دینی تھی کہ کسی کو آپ کے ہاتھ کھانے پر اٹکل
 اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ اور میں نے دیکھا ہے ہاڑی
 اپنی بہت تک چڑھی ہیں۔ ” وہ آہستگی سے ہولی ٹھہرا
 بھی نامہ دراصل ہوتی اساتذہ سے لیا۔

”خیر تک چ حالات ہمارے کامیابی سسرال
 ہے۔ ” وہ ہنس کر ہولی تو دو لوں ہمیشہ لگے لگ کر ہنس
 رہیں۔ ” کیا دیر ک بھی آئے ہیں؟ ” شوکت نے جی کو
 گلے لگا کر پوچھا۔

”ہاں۔ اساتذہ کے پاس بیٹھے ہیں کیا یہاں کھانے
 میں۔ ” اس نے ایک ریچی کا ڈسکن اٹھایا، ” ہم ہم
 لہجہ میں رائس۔ ” اس نے دو مرزا ڈسکن اٹھایا۔
 ” چکن چاقو سن، ” دینی کیلپ۔ ” اس نے ہاڑی
 ہاڑی سب کھانوں کا جائزہ لیا، ” بہت زبردست بیوی ہے
 ۔ سب آپ نے بھالایا ہے۔ ” اس نے حیرانی سے اس کو
 دیکھا۔

” اور میں تو کیا؟ صفا کے امتحان تھے۔ میں نے
 اسی کو فن پر گھبرا گیا۔ ” چکن چاقو سن تو اپنی نے پہلی
 بار بھالیا ہے۔ لہجہ چولی ہاڑی آئی سنہ بچوں کو بہت پسند
 ہے۔ ” موہ نے خوشی ہو کر بھالیا، ” اس نے ایک کانٹا
 (Dorset) اٹھایا اور ریچی میں تلی سے پکھا۔ ” جی۔
 بہت مزے کا پتا ہے اسی۔ ” موہ نے بھی ٹیسٹ کیا۔
 ” ہاں ہاں تو مزے کا ہے۔ ” لیکن ذیرک کو ویسے
 کھانے میں پسند نہ آئے۔ ” موہ نے کہا۔ شوکت بیگم کا چہرہ
 مگر صاف۔

” تم لوگ ہوا تک آئے۔ تلو میں تو میں دیکھ اور تا
 رہی۔ ” شوکت بیگم نے کہا۔

” کوئی مسئلہ نہیں۔ ” شوہر کو بھیج کر بیوی سے
 مشکو ابیں ساتھ سیدھی کیلپ اٹھیں۔ ” وہ ریچی کا
 ڈسکن اٹھاتے ہوئے بولا۔ شوکت بیگم ہونے کی را
 تھیں۔

” ہاں۔ وہ کیس کے ساتھ میں مگر ٹھیک سے کھانا
 نہیں کھاتا میں گے۔ اور جی، ” جمع سے انہوں نے دیکھ

نہیں کھانا۔ ” اسی تو ابھی آئے تک کہ اپنی رہیں مگر
 میں ہن کی پسند کا کھانا نہیں بنا تھا۔ ” نکلے تو شوکت بیگم کے
 لیے تھے پھر سوچا کہ آپ سے بھی ملتی جلتی۔ مل کر
 کھانا بھی کھا لیں۔ ” وہ اپنی ہی ذہن میں یہ لینی جا رہی
 تھی۔

” ارے اساتذہ آپ۔ ” کچ زور کھائی کہ یہ کھانا کھلا
 کر دیکھیں۔ ” کہ نہا ہو جائے گا اور پھر بنا بھی تو ہماری
 ہلا ہے ہے۔ ” پسند تو ضرور آئے گا۔ ” موہ نے اسی کا
 چہرہ کھانہ تو جی کچھ محسوس کر کے بولا۔

” ہاں۔ ” ٹھیک کہ رہی ہے۔ ” بیوی سے دوست
 چہرہ اور کھانا لگتا۔ ” میرے۔ ” شوکت بیگم نے
 فوراً کھانا موہ پر ہن دکھانے لگی۔
 ” یہ صفا کھانا ہے۔ نظر نہیں آ رہی۔ ” مولا خرم صفا کو
 یاد کر رہی لیا گیا۔

” وہ کمرے میں ہے، ” وہ بھی ہیں اس کے کل، ” بیچ
 سے پڑھنے میں لگی ہے۔ ” اسی نے کہا۔

” پھر دیر کے لیے آجائے پھر سب آئے ہیں۔
 ” اصحا میں لگا اور آپ نے اسے اٹھائی ہی کلم میں لگی ہیں
 جیسے بلایا ہو۔ ” اسے تھکا تک نہیں کہ موہ کا سسرال بھی
 آ رہا ہے۔ ” اساتذہ سے ناراضی سے بولا۔

” میں نے سوچا، ” تم کہہ دینے کے ساتھ کلم کو جی،
 ویسے بھی ہمارے سسرال کا کلم کہہ ہے کیا۔ ” موہ جاتو
 ہلا لہ صفا کو کچھ دیر چہرہ لگا اور کھانا بھی کھانے۔
 ” اس نے کہا۔

” ہاں ویسے بھی میں ہی ساتھ کام میں لگی رہی تو
 اساتذہ یا ہاں جا میں گے۔ ” موہ نے کہا اور بچن سے
 نکلے۔ ” شوکت بیگم کو شک ہوا کہ شاید انہیں سننے
 میں غلطی ہوئی ہے۔ اسوں نے اساتذہ کی طرف دیکھا۔

” ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے انسان سسرال میں بھی
 کلم کرنا ہے اور نیچے میں بھی۔ ” آپ بھی تو ایک کلم
 دہلی میں رکھیں۔ ” شوہر بھی ٹھیک جاتی ہیں۔ اور کئی
 یو بھی چھوٹے موٹے کلم میں ابھی رہتی ہیں۔ ”
 اساتذہ بنا نکل جو مزہ میں کیا کہتی تھی۔ اور ساتھ ساتھ

دین

2016

”کھولے ہنگاموں نے“ کہہ کر اس کے سر سے

مٹھن سے روئے

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

”آؤ، آؤ، آؤ“ سے پھر پھر دیکھا

بڑی تکل کر شہادت پر رکھنے لگی۔
 ”آپ جانتے ہیں۔ امیر جا کر بیٹھیں۔ کل تو توپور
 کر رہی ہوں گی۔ اس کا موڈ خراب تھا۔
 ”کہنے لگی۔ میں خود کر لیا گی۔ جاؤ بیٹھو جا کر
 بیٹھو بیٹھو کو فضا آئے گا۔

”آئی۔ یہ لائے وہی کیا بات ہے۔ تو کر لیں رکھنا
 کوئی فیشن نہیں۔ اس گھر کی ضرورت ہے اور اگر
 نہیں رکھ سکتیں تو خرید کر بیٹھیں۔ تم از کم
 اسے لے کر بیٹھیں خود تو کام نہیں کرنا رہے گی۔
 اسلئے لکھا اور پرینٹ اٹھا کر اندر لے گئی۔ شوکت یکدم
 بیٹھ گیا۔ یہی گورنمنٹ رو تھیں۔

”اسلام علیکم کئی بول“ صفا کا اس زور کھول کر اندر
 لگی۔ ”تو بولو“ صفا نے کہا۔ ”جی ہاں۔
 ”اسلام علیکم“ آگے سے آگے ہوئے پڑے۔
 ”جی ہاں۔“ صفا نے کہا۔ ”جی ہاں۔“
 ”آئی گھر ہے؟“

”جی سے طبیعت خراب ہے“ ابھی لٹی ہے۔
 ”تو بولے جی۔“
 ”جی ہاں۔“ صفا نے کہا۔ ”جی ہاں۔“

”تم جانتی ہو نا اپنی بھاری۔ سب کے لیے سب
 کچھ کر لیں۔ اپنی اس کو ٹھہریں۔ کہتی ہے سو
 چاہوں گی تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔ ٹھیک بھی تو
 جاتی ہے۔“ صفا نے کہا۔ ”جی ہاں۔“
 شوکت یکدم کے کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھا اور
 اس میں سو باؤ کیہ کر رہی تھی۔

”تم گھر سے بھول گئی۔ میں کھانا کھا چکی ہوں۔“
 ”نہیں بھئی۔ شوکت نہیں۔ کچھ میں بیٹھتی کھا با
 تھا۔ ابھی کچھ دل نہیں چاہ رہا۔“ وہ کہہ کر اپنے
 کمرے میں بیٹھ گئی۔

کچھ ہی بعد صفا اپنے تکی سے تو تکی پر ابھی بیٹھی
 اور کچھ ہی میں۔ وہی تو کہنے کا سوچ رہی تھی

کو شش کی توڑ دیکھو اس سے کتنی برس کاہول رکھ لو
 نے۔ کئی بولنے ایک اور بات نکلی۔
 ”تو ظلو کیا ہے اس میں۔ اپنی طبیعت بھی تو
 دیکھیں نا! سب کل میں نے اعلیٰ طبیب کی تو سارا کام
 خود کرنا ہوا۔ کج طبیعت غراب ہے، بھیدی ہے
 جتنی بار تو میں کہہ چکی ہوں۔“ صفائی اس بات پر
 قائل نظر آئی۔

”کج کل تو کرنا میں جتنی کہیں ہیں انہی بھوسے
 احمقوں والی کاہول لائی نہیں جی۔ مل جائیں تو ہزار خرچے
 اور منہ لائے نام تکب متکا کی کے اس دور میں کون
 پانچ سو ہزار دے۔“ کئی بولنے اقدار سے برہان کر رہی تھیں۔
 ”پانچ ہزار دینے کون کہہ رہا ہے لائی بول۔“ اسے
 آگاہت ہی ہوئی اس سے پہلے کہ کئی بولے کہہ لو
 تمہیں شوکت بیگم کرے سے نکل آئیں۔
 ”لو اپنی تسماری بھلا۔ سب کو بخت میری تو نماز
 کا وقت ہو گیا ہے۔“ کئی بولنے اقدار سے برہان کر رہی تھیں۔
 ”کیا ہوا اتنی ہوا۔؟“ شوکت بیگم نے ہاری باری
 دونوں کو دیکھا۔

”کچھ نہیں۔“ دعویٰ تھمکا۔
 ”کیا کہا تم نے ان سے۔“ کئی بولنے اقدار سے برہان کر رہی تھیں۔
 ”شوکت بیگم صفائی طرف متوجہ ہوئیں۔
 ”کچھ بھی نہیں۔ میں ذرا سی ربر سولے جا رہی
 ہوں۔“ وہ بھی جلی گئی۔



انوار صاحب کے مشورے سے شوکت بیگم رشتہ
 دیکھنے کا کام شروع ہوا۔ گوکہ اسے صفائی کا پانچ سو
 تھے۔ لیکن وہ ابھی پرستیا پاتی تھی۔ حالانکہ راضی تو
 ابھی خوب بھی نہیں تھا مگر وہ انہوں نے شوکت بیگم کا
 قصا شوکت بیگم کی پہلی نظر لے بھائی کی بیٹی علویہ پر
 تھی اور اس پر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوا۔ سو فیصلہ
 کیا ہوا کہ انوار کے دوڑ جا کر رشتہ کی بہت کر لی جائے
 لیکن جب اس کا ذکر انعام اور سواد سے کیا۔ تو دونوں کو
 ہی اعتراض تھا۔

تھی کہ فون کی بیل ہوئی۔ اس نے ریسیور اٹھا تو
 دوسری طرف ایسا آئی تھیں۔ کئی بولے بھی اس کی
 طرف متوجہ ہو گئیں۔ چہرہ مشہدہ صفائی نے فون رکھ
 دیا۔

”کیا کہہ رہی تھی۔“
 ”فیلر کو کپڑے بھجوانے پر۔“ اسے یاد دے
 بھجوا میں گی۔ ”صفائی نے جواباً بولنے ہی گن کر کے بیٹھ
 گئی۔

”تو بھلا۔ سب جہاں کوئی بزدلی نہیں چلا۔“ کئی بولے
 بیٹھا تھیں۔

”میں کھول گی تو برا لگ جائے گا۔ اپنی ماں کی
 طبیعت میں کچھ نہیں۔ سب دیکھ لیتا۔ سب کچھ بھولنا کی
 سہاٹی بھی ماں کی شبیب سے جائے گی۔“ کئی بولے اس
 صفائی چاہے چھوڑ دیتی رہی۔

”کون کی دعوت پر چھ ہزار لگ گئے اور ولولہ نے پھر
 بھی کہا تاڑھنکے میں کھلیا۔“ ذرا کہ لیا نہیں تھا
 یہ ایسا لے سر۔“

”کئی بولے۔ چھوڑیں نا اس بات کو۔“ صفائی جلا کر
 بولی۔

”لو۔“ کئی بولے۔ چھوڑیں پڑھا کر اسے دیکھا۔
 ”کیا چھوڑ دینا۔؟ تمہیں اس سے بڑھ کر ہے
 میرے لیے شوکت بیگم اور۔“ تسماری بھلا۔ ”احساس
 عام کی بھی کوئی چیز ہوتی ہے سب سے تمہاری تاکہ شوہر کی
 جی حضور میں جاتی ہزار رشتہ چلائے طلاق رکھ دیا جائے
 یہ کہنا ہی برا ہوا تسماری ماں کا پاس ہو تم۔ اتنا ذرا تو
 ہو گا جس میں بھی۔ ایک بیٹی بڑا لگو کو خوش کرتے کرتے
 ۔۔۔ دوسری خواہ لگاؤ ہزار ہا ہو گئی۔ اپنی اہلیتیں گھر میں
 سمجھو نہیں۔ ایک سر سے بروس سگنہ آگے سے کیا
 فرق پڑتا ہے۔ لے گھر کیا ہر دو باہر سے بروس
 منگوانے ہیں؟“ کئی بولے تو بھری تھی۔ ”میں۔۔۔ لے لے لے
 آئیں تو جب نہیں ہو میں۔“
 ”ایسا آئی ہزار ہا ہو میں تو ابھی فون تھا ڈاکر تیں
 ڈاکر ویسے بھی سنبھل لیا ہو گا انہوں نے۔“ ذرا کہ
 بولتی سمجھ دار ہیں۔ ”صفائی بات غم کرنے کی

"ماں۔۔۔ جیسی سے باہر دیکھیں کوئی لڑکی ملوے
 ہزاروں بھائی کے ساتھ سوٹ نہیں کہے گی۔" اسامہ
 نے صاف منہ کر دیا۔
 "ایک ہی تو بھائی ہے، ہمارا بھائی تو رکھ کر لائیں،
 ویسے بھی لڑکیاں وہی دیکھیں، پتہ نہیں ہے۔"
 "شہزادی رضوانہ کی نہیں ہے۔ تو صاف کہو،
 بھر پور کیا نہیں مت منو۔" لڑکی نے اسے ٹوک
 "گھر کی لڑکی ہے۔ اور۔۔۔"

پر لڑکی اور شوکت نے حیران ہو کر نہ سہی کھلا۔
 "جو دار لڑکی لیں۔۔۔" لڑکی نے اپنا سر جھکا لیا۔
 "آہ۔۔۔ ابھی میں چلتی ہوں۔" لڑکی نے سچا کھل
 بھی چلنا ہے۔ میں فون کر کے تاہم آئی کا سر لے لوں
 گی۔ اور آپ بھی ذرا ایڈگرڈ نظر دو کیے نگاہیں
 سے پہلے کہ اتنی پوچھ کر لو کہ تمہیں وہ پہچانتی ہی جانے کے
 لیے اتنے کھڑی ہوئی۔



"آؤ۔ اور ہم مہاں۔ کیسے ہو؟" اور حمید اور اہل
 ہوا۔
 "ٹھیک ہوں اتنی ہوا" آپ کی دعا میں لایا ہوں۔"
 اور حمید نے ایک شہر سے گٹ لیا ہوا کہ اس پر کہہ دیا۔
 "بیچے رو بہ جا بھت مہلانی۔" لڑکی نے دعا پڑھی۔
 "مہلانی کی کیا بات ہے؟" اس جہل سے آتے ہوئے
 لے گیا ہوں۔ کوئی ایجنڈا لکھ نہیں مٹا اور ہونا ہی ہونا
 میں دل سے ہی کر رہا۔ اس نے جہت سے کہا تو وہ اس
 ہی بندھ گیا۔

"اے حسن، تم بھی تو گھر کا ہی لڑکا تھا۔ ہماری مودہ نو
 انہیں نظر میں آئی تھی۔ اور آپ بھی طرح جاتی
 ہیں کہ ہمارے پایا کاروانہ تھا کہ حسن اور مودہ کا رشتہ ہو
 جائے۔ سب تو وہی جان لے اپنی بہن کا گھر دیکھا تو ہم
 تھلا۔" اسامہ نے ساری اگلی پچھل پائیں کھول کر
 رکھ دی۔
 "اچھا۔ اب یہ سب پائیں مودہ کے سامنے کہنے
 کی ضرورت نہیں۔" شوکت نے حکم لے کر اسے ٹوک
 "تم بھی کبھی نہیں ہو شوکت؟" مودہ سے چھاپنے کی
 کیا ضرورت ہے۔ وہ سب ہی تو جاتی ہے۔ اور خیر
 کے لیے ملوے کا منع کر دیا ہے اس نے بھی کہا اس کا
 مطلب یہ تو نہیں کہ اب اس گھر سے بنی آئی نہیں
 سنی مودہ شاہ لکھ لے کر میں خوش ہوں ہے۔ پھر
 مل میں ڈال کیا رکھتے؟ لڑکی نے ہانپنے سمجھنے کی
 کوشش کی۔

"جو جہاں بندھے ہیں آپ کو تھانہ ہوں۔"
 "بیچے نہیں۔ شوکت کو سمجھا۔ میں ملانی ہوں
 شوکت۔" لڑکی نے کہا تو وہی۔
 "مٹنے لگی ہیں ہی۔ کوئی کام۔" وہ اپنے کمرے
 سے نکلی۔ بیٹھنے والے ہوئے پڑھ رہی تھی۔ مخالف
 دیکھ کر اور لڑکی۔
 "اسلام علیکم۔" لڑکی نے صاحب سے کہے انہو ہوا؟
 اسے دیکھ کر وہ اندر تک کھل پڑھی تھی۔
 "و علیکم السلام۔ میں ٹھیک تھا کہ۔ تم کیسی ہو؟
 ایشیہ نے کہی پل رہی ہے۔" اور م نے آگ لگا دیا
 دیکھا اور پھر سارے سونے اور انہی نکلے لگے۔

"کچھ بھی ہے۔۔۔ میں نہیں پسند بہ رشتہ دنیا
 بھرنی پڑی ہے حسین تو لڑکی سے باہر لکھیں تو جاتے
 ہیں۔" اسامہ نے کھل شوکت، جبکہ اسے دیکھ کر وہ
 گھبرا گیا۔
 "دیکھو آئی کو فون کریں، ہماری بہترین لڑکیوں کے
 رشتہ ہیں ان کے کیا ہیں۔"
 "شوکت بہترین لڑکیاں۔ کیا ہیں آپ کی؟" ہمیں
 اپنے جیوں میں ہی رشتہ کرتا ہے۔" شوکت نے حکم لے
 لیا۔
 "آپ رہتے ہیں، میں خود کہنا آئی کو فون کر دیا
 گی۔" اسے بیٹھو چاہو لڑکیوں کا دوسرے۔ ہمیں کی بات

"ٹھیک۔ لڑکیوں کی دعا اسے ملے ہے؟"
 "ہاں۔" مودہ کو میں سمجھتی سمجھاتا ہوں۔ نام
 پر دے رہا، ایک ہفتے کی ہیں۔ تم ہو جائے گی تو میں
 اور اللہ لگا۔ لیکن پھر اس کے ہوا ایک پار ڈاکٹر کا
 وزٹ ضرور کیجئے نگاہیں نے لڑکی کو نصیحت کی۔

دلی محکوموں میں حصہ لیا۔ جیلوں میں بیٹھیں اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"پینڈ کی شادی منع ہے اس کے علاوہ کچھ کہنا ہے تو بولو۔" اسلام نے تیزی سے کہا تو یہ تھا تو شرارت کے سوا میں مگر کاپی کی بات سن کر ایک ہل کو چپ رہ گیا۔

"بھارت بھارت کی لڑکیوں کو کچھ دیکھ کر سوچو کھٹ کر لے کر تو بہر حال بہتر ہے۔" تجویز نے جواب دیا۔ اسامہ اور شوکت حکیم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"اچھا۔ فوراً فی کوئی بند ہے؟" اسلام نے نیچے سے لہجے میں پوچھا۔ تجویز نے فوراً جواب نہیں دیا۔ "گپ کو کیوں بھولیں۔" وہ لے لے تک کہنے کے موڑ میں آ گیا۔

"نہ تازہ صبا۔ پر یاد رکھنا اس پینڈ کی کاپی میں سبھی بھی لگیں گی۔ تب ہی وہ اس گھر میں آئے گی۔" اسامہ ازا کر بولی۔

"جی۔ جی۔ ضرور اگلی سے تو قاعدہ دس دن میں دس لڑکیوں کو کچھ بچے ہیں۔ اگر تسماری دلی پینڈ آجائے تو وہ سکا ہے۔ نہیں میں ہو جائے۔" صفا نے اسے آس کر ہم کی باتیں اچھاتے ہوئے کہا۔

"انکھجولی جہاں ان کی تلاش ختم ہو گی۔ وہیں میری پینڈ شروع ہوتی ہے۔ سو لٹ (کم them) So lit کہ آس کر ہم نے کراپنے کرے میں جانے لگا۔

"اسی تلاش میں کوئی اور حین مل گئی تو تسماری بولی کا نمبر میں آئے گا۔ یاد رکھنا" صفا چپ سے بولی۔ "ولی۔" (Will be)۔

"سن رہی ہیں اس کی باتیں۔ یہاں ہمیں کھولنا کی طرح لڑکی تلاش کر رہے ہیں۔ آدھہ اچھا ای پکڑ جائے بیٹھا ہے۔" اسامہ بولا۔

"تذقیں کر رہا ہے میں بہت کر لیا گی اس سے۔" شوکت حکیم نے اس کا سوا ٹھیک کہنے کی کوشش کی۔ "ای۔ میں بچ کر رہی ہوں۔ اتنا خوار ہوئے

"گپ بھی تو ڈانٹ رہی ہیں۔ وقت تو بہرہ سے ملتا ہی ہو جاتا ہے۔" وہ لے لے پھرتے والے انداز میں بولی۔ اور ہم نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کی تا کلام کوشش کی۔

"اچھا زیادہ مت بولو۔ پہلے اسے پانی ملاؤ۔ سیدھا اسپتال سے لے کر آ رہا ہے۔" قلی بولنے لگے تو کل "نہیں۔" قلی بولا۔ میں بس پلٹا ہوں۔ گھر جا کر کہنا کہ لوں گا۔ مہارت کر رہی ہوں گی۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب روک جاؤ۔" تسماری میں بھی نہیں آئی۔ یہ برابر میں گھر ہے اور عید کا چاندنی رہتی ہے۔ آؤ اس کی کاپی کو۔" تجویز نے تسماری میں کی۔ "یاد لیا" اور ہم مسکرا رہا۔

"جی ضرور۔" لیکن اس میں اجازت چاہوں گا۔" صفا نے یہ بات ہم سے کہی تھی۔ "جی ضرور۔" "جیسے ہو گندہ خوش رکھے۔ یہی امر ہے۔" قلی بولنے لگے اور حیرتوں سے لڑا۔

"وہ لڑکیوں کے بدلے لیا ہے۔" صفا نے چپ میں رہا ایک کسب کے اور ہم کھل کر مسکرایا۔ "صفا اور میں نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"گندہ ملاؤ قلی بڑا۔ آئی شوکت کو بھی میرا سلام کہتے گا۔" وہ کمر کر جانے لگا۔ صفا کس پاس ایک ہل کو رکھا۔ دلوں کی نظریں میں۔ صفا کھل بیٹھے میں اچھا اس نے لگا میں چل رہی۔

"تکب کبتر۔" اور ہم چلا گیا اور اپنا دل سنبھالنے میں آئی وقت لگا۔



"مجھے اجازت دیں اسی میں فپ سب کی مشکل آسان کر دیں۔" توجہ پھر سب "توڑا منٹل" میں صفا آگئے تھے ساتھ ساتھ کھانے کی تیار بھی چل رہی تھی اسلام کے بچوں نے باب کارن اور آفس کو ہم منگولی۔ تو صفا سب کو مہو کرنے لگی۔ تب ہی تجویز نے اپنے معلق رشتے کے بارے میں شروع ہونے

کے حصہ اس کی پسند کی لڑکی نہ۔ اس گھر میں نہیں آئے تھیں۔ حد ہوتی ہے۔ ہم بھی بیخبر ہونے چاہتے ہیں۔ کیا ہاگس سمجھ رہا ہے اس نے۔ "ہاگس گھولے۔"

"اچھا۔ چھوٹے۔ نہایت کارن کھاؤ۔"

"نورانی۔ اسے یہ بھی سمجھا دیجئے گا۔ کہ شریک گھروں میں پسند کی سگوائیاں پونجی نہیں ہو جاتیں۔ سب کی رضامندی درکار ہوتی ہے، اکیلا تو نہیں رہتا اور نہ ہی ہم نادراری مرد و سہ رواج سے نکلے ہوئے ہیں۔ ہذاذیرک، اسلند سب کی پسند معنی رکھتی ہے۔ ایک ہی تو ہو آئے گی اس گھر میں۔ یونسی کسی کو بھی اٹھا لیں گے۔ خبر برکی بائیں ہیں کر ڈا ہا ہا کے پڑا تک لگی تھی۔"

"اچھا۔ اچھا تم تو مت ہو۔ تمہارے لیے اچھا نہیں ہے ڈاکٹر سے ہاگس تمہیں تمہا شکر تک پہنچنے بہنیل۔"

"نہیں۔ تاہم ہی نہیں ملا۔ سوچ رہی تھی کہ سوہ کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی بیٹھے کوں بھی تو اسرار سوز کے لیے جا رہی ہے۔ میں بھی ڈاکٹر رائیہ سے چیک اب کروا لیں۔" ہاگس نے کہا۔ "تو یہ ہاگس کی نماز پڑھ کے آ رہی تھیں جب انہوں نے اسوا کی ہم آخری بات سنی اور ساتھ ہی شکر تک چیک کا پتہ بھی دیا۔"

"ڈاکٹر رائیہ۔ بہت اچھی اور تھیل ڈاکٹر ہے۔ اتنے مشکل نہیں۔ بہت سہولت سے بیٹل کر لیں ہیں۔ آپ بلا نال ہی پر مجھو۔ گر سکتی ہیں۔" اسلند فقہت تک جیم کو "ڈاکٹر رائیہ" کی خصوصیات لکھا ہوا تھا۔ جب حفا اندر داخل ہوئی اس کے ہاتھ سر کی کھری دس تھی۔

"نہی۔ میں یہ آئی کہ ہاگس کے کر آئی ہوں۔"

"ہاں۔ حد لود میرا سلام بھی کہنا۔" اسلند بھائی میں میں ابھی تنی بیٹے کے گامت۔ حفا نے کہا اور مل گئی۔

"ابھی چوٹی آئی ڈاکٹر ڈاکٹر بھی ہوں گے۔ مگر ہماری قبلی کو صرف ڈاکٹر رائیہ پر زور ہے۔ اسی لیے میں نے آپ سے کہا کہ کچھ فرسٹ ڈاکٹر ہی تو سوہ کی نہیں پر ہوگی۔ تو اچھا ہے ڈاکٹر رائیہ ہی اس کا چیک اپ کریں۔ ہاگس نے کہا۔"

"جنس بھی اطمینان ہو۔ لکھ ہے۔ شکر تک یہ کم اس کے علاقہ کیا کہہ سکتی ہیں نوجوان کی بار کنوڈا دلاؤ۔ ساس کی کھٹو میں نہیں یوٹس سوہ کو بہت اٹھایا ہو رہی تھیں۔ لودہ اسے کچھ دن کے لیے سیکے چھوڑنے لیا تھا۔ لود زج ایک ہاگس اسلند۔ تفصیل سے ڈاکٹر رائیہ کی خصوصیات لکھا ہوا تھا کہ وہ اسی کو زور کریں۔"

"یہ زور تھی بات ہے کہ دلاؤ۔ بہنیں ایک ساتھ رہ سکتی ہیں۔" اسلند کی کما فرسٹ لکھا ہے یہ فرسٹ جنس کر فرسٹ ہو گیا۔

"نہیں۔ ہاگس کا۔ شاہ لکھ لود سوہ تو فرسٹ سے فرسٹ تاہم (کنسی) Conceive کر رہی ہے۔ کونسا تہہ گل رہا ہے اس کا۔" اسلند نے حفا سے پوچھا۔

"مشاید 'نہیں' میں سے ہو گئے ہیں انہیں۔"

"شاہ لکھ پہلی بار عموں سے کھلی کھلی میں پلنگرا معلومات آگے فرسٹ تم سے یہ کہی ہاگس کرنے گئی۔ کل آپ کی جسماری طرف۔" ان جانے لود کہا کہنے جا رہی تھیں کہ خود ہی حفا کی "معمومیت" کا خیال کر کے چپ کر گئیں۔

"ہاگس۔ یہ سوہ کہنا کہ ڈاکٹر طبیہ۔" ڈاکٹر رائیہ نے آئی تھی۔ "حفا نے اسے لود پتہ سے سیکے کہا۔" اسلند بھائی کی قبلی ہوا ڈاکٹر رائیہ سے چیک اپ کر لینی ہے۔ تو اس باہر تھی۔"

"اچھا۔ رائیہ ڈاکٹر۔ ہاگس میں سے بھی ہے۔ زور اسکی ہے۔ اسے پتہ نام کے اچھل کے اہم نہیں کی ہوئی ہے تاہم سے ہاگس بھی آکر آئی جاتی ہے۔"

پر اسی وقت تک تک دن کرتی ہے۔ ہر ارحم ہمارا تھا بیٹے
 میں ایک دن اسپتال بھی آئی ہے اور اکثر دعوتیں
 کرتی ہے۔ پر اسی وقت تک تک نے فرسٹا ہی پڑھا
 ہے اور نہ سب جانے ہیں کہ کون سے محنت کو وقت کا
 وہ ہزار سے کم نہیں لگتی۔ اور سے سے بھی بہت
 مصروف اور اکثر۔ لیاٹھنٹن میں بہت مشکل ہوتی ہے۔
 آئی فرحت نے اس کے بارے میں ساری
 تفصیل جاری کی آئی اخبار میں سے اور نہ مجسوس
 کرتے تھے۔
 "وہ اکثر صاحب۔ نہیں لگے تھے۔"
 "اسلامی عظیم نما۔" اس کی بہت بھی پوری بھی
 نہیں ہوتی تھی کہ وہی تو لڑائی ہی جسے وہ سنا چاہتی
 تھی۔

سوس سال کا ساتھ ہے ساتھی کا۔ آئی فرحت ہے کہ
 بنا کے بھی کچھ کام کر لیں۔ آئی فرحت کے کچھ میں
 صرف محبت اور اپنا حیات تھی۔
 "میں کل بہت کر لیا۔" اس نے ہلکی سی
 ڈھیلی کی۔
 "ابھی آئی میں چلتی ہوں۔ اس کے ہلکی کو کہہ کر
 آئی تھی کہ ابھی آئی ہوں۔ اور سہل ہوں میں لگ
 تھی۔"
 "تو بڑی بہاری ہوئی ہے تو کبھی میں۔" اس نے
 چھوڑا اس نے صرف وہ کچھ پر اکتفا کیا اور خدا حافظ
 کہہ کر چلی گئی۔



"کیا اور ہا ہے بیگم صاحبہ۔" شوکت بیگم نے
 کہے میں وہ پر بھی اپنے سامنے کوئی ڈھائی کھولے
 چینی تھیں۔ جب انور تھوڑا کر لیں کے پاس بیٹھ
 گئے۔
 "کچھ خاص نہیں۔" ایک کہی سانس لے کر
 شوکت بیگم نے ڈھائی سے کر دی۔ انور صاحبہ جھک
 کر لے کر خیر تار لے گئے۔
 "تھوڑا نہیں آیا۔"
 "نہیں ابھی کچھ ور پہلے فون کیا تھا کہ وہ ہو جائے
 گی۔" شوکت بیگم نے جواب دیا۔
 "ہاں بڑا کام ہے۔" محنت بھی لگے گی اور وقت
 بھی۔ "فون کے کچھ میں بیٹھنے کی طرف سے اطمینان
 تھا۔"

"لو۔" انور بیگم السلام۔ لہو مرے میری جیلا کی
 ابھی صفا نہیں ہی پڑ کر کر رہی گی۔" آئی فرحت
 نے خوش سے بیٹھ کر کہا۔
 "نہی نصیب۔" وہ تھا ہوا کہا تھا۔ لیکن کچھ
 تھا کہ صفا کر کہہ کر وہ شاش شاش ہو گیا تھا۔
 "میرے لائق کوئی خدمت۔" صرف سے مجھ
 رہا تھا کیونکہ "ظلمت" پر اس کا ذکر کرنا اور اس کا
 آجانا اسے شرمندہ سا کر رہا تھا۔
 "یہا خدمت تو کرنا پڑے گی" انور بیگم نے
 نے ڈاکٹر زانیہ کی لیاٹھنٹن لے لیا۔ "فرحت آئی نے
 گاس میں پائی ڈال کر بیٹے کو دیا۔
 "سبارک ہو۔" ان ہنسا دیا۔

"ابھی کل کی بات ہے۔" ہارے چاہیں بیٹے
 ہارے ساتھ ایک ساتھ ایک گھر میں چھوٹی چھوٹی
 خوشیاں بانٹنے سے اور اب زندگی کس بقیہ رہ لاری
 سے پہلو بولی تھی اور وہ بیٹھ چیاں لے لے کر بولی کی ہو
 گئیں۔ بیٹا بڑا سردوڑا گا ہو گیا اس کی تھوڑی ہو جائے
 صفائے گھر کی ہو جائے تو ہماری بھی زندگی میں بھاگ
 دوڑو اور ہم چلے۔" جی میں شوکت بیگم بہت تھک
 سا گیا ہوں میں۔" فون کے کچھ کی دولتی میں کہیں یہ

"نہی۔" اس لیے میرا انتظار دور رہا تھا۔ اس نے پائی
 کا گھونٹ بھرتے ہوئے۔ صفائی ہوئی ہی شکل کارٹا
 لیا۔
 "جی نہیں۔" میں تو آئی میں نے۔" اس کی
 سمجھ میں نہیں تھا کہ وہ کبھی صفائی میں کرے۔ آئی
 فرحت میں ہیں۔
 "نہیں بیٹے۔" انور میں ہانوں میں ذکر ہوا۔ تو میں
 نے خود ہی تم سے کہہ دیا۔ میں جانتی ہوں کہ شوکت
 بیگم پر بہت بوجھ ہے۔ اور یہ میری بھی تو وہاں ہیں

صحن نظر کے بھی شوکت جگمگے پر سوچ لگا ہوں
سے شوہر کو نہ کھلا۔

”جگمگیاں کھلنے لگتی تھیں اس ہل میں ہل میں ہل
تھیں۔ کیونکہ شاید وہ اچھی طرح سے جاگتی تھیں کہ
لوٹا دو گیا وہ دے کے بعد بھی ان کی صحن گھنٹیں
ہونے والی۔ جگمگ دوڑیں گی تو دور۔ اس کی جگمگی
شاید سارے صحن
”کبھی سوچتے تھیں۔ یہ کب کب صاحب کب
کھولے بھی ہیں۔“

”کچھ خاص نہیں۔ اس بیٹے کچھ لڑاؤ خرچہ ہو گیا
۔ وہی رکھ رہی تھی۔“ شوکت جگمگ نے بتایا۔ انوار
صاحب کچھ نہیں بولے۔ بڑے کراؤن کے ساتھ ٹیک
لگا کر بیٹھ گئے۔

”پھر دن تک۔ ایک کلاش سے رقص ملنے والی
ہے۔ میں کچھ پیے دے دیں گا۔“ شوکت کی آسانی ہو
جاتی۔ ”انوار صاحب کچھ وقت کے بعد بولے کہ
اس بار شوکت جگمگ نے کچھ نہیں کہا۔
”میں چائے پیلا کر ان آؤں گے۔“

”چائے نہیں کافی کام ہو رہا ہے اور وہ بھی مفاہ
کے باہر کی۔“ انوار صاحب کاٹل تو مجھے مفاہ کے ہاتھ
کی ہی پسند ہے۔ ”انوار صاحب باہر کو بدلتے کے
لیے شراعت سے بولے تو شوکت جگمگ مسکرائیں۔

”اچھا میں رہتی ہوں۔ اگر وہ فارغ ہے تو
ورنہ چائے ہی چلے گی۔“ شوکت جگمگ کہہ کر کمرے
سے چلی گئیں۔ انوار صاحب کمرے میں گرہ لگاتے گئے
کن کے دل میں اس وقت بیٹھنے ہوئے اخراجات کی
پریشانی چل رہی تھی۔

سنگ روم میں بیٹھی وہ لڑکی لکھ رہی تھی جب
فون کی تکی ہوئی۔ اس نے اٹھ کر فون لیپٹا پاس رکھا
اور دوسرے رکن سے کہا۔
”ہیلو۔“ ارجم صاحبہ کھنگ
”جی۔“ ارجم کا نام سن کر اس کا دل دھڑکا اٹھا۔

”کیسی ہو۔“
”تھک ہوئی۔“ اس نے لڑاؤ رک کر جواب دیا۔
”لو۔ اب سب ٹھیک سے ہیں۔“
”جی۔“ اس کی آہنی بھاری سے وہ فون کی
دوسری طرف بلادی جی مسکرائی۔
”کب۔“ مسکرائیں رہے ہیں؟“ مفاہ نے ایک
لمحے میں سنا کچھ عروس کہنے پوچھا تو ارجم کی جھلکی
چلی تھی۔

”میں کیسے چاہتا کہ میں مسکرائی ہوں؟“ بیٹھ
جواب کیا۔ اب مفاہ کو اپنی بھڑکن لڑاؤ سے تیز چلی
عروس ہوئی ارجم بلکے سے اس دیا۔
”اس لوکے۔ میں اب لورنگ میں کون کا
موڈ کے لیے ڈاکٹر راج کی لائسنس لے لی ہے۔
لیکچر کرتا رہے۔“ 40-84-84۔ ارجم نے
تایا۔

”تھک رہا۔“ میں ابھی فون کر کے اسے بتا رہی
ہوں۔ اس نے لڑاؤ چلی کو لڑاؤ بیٹھنے بعد کی مل رہی تھی
اچھا ہے بلکہ چیک کب ہو جائے تو صحت کنکھوں میں ہو
رہی ہے اپنی طبیعت کو بولے کہ۔ ”مفاہ نے کہا۔
”جی۔“ فرسٹ پریگنٹس میں تو ایسی صورت
حل ہے وہ چار ہونا صحت عام ہے۔ ”خیر۔ ہائرس فی
الوقت ڈسکس کر کے نہیں۔“ ارجم نے کہا۔
”جی۔“ تھک رہا۔ کب نے نام لگا۔

”صحت فارغ ہو رہی ہو۔“ خیر ابھی مجھے ایک
ہنٹ کو دکھاتا ہے۔ پھر بات کرنا لگے۔ ”اکوئی ہنٹ
کرنے جا رہا تھا۔ لیکن ایک کل پر اسے فون بند کرنا
پڑا۔“ مفاہ کچھ رہ رہی تھی۔ ”جی رہی۔“ پھر وہیں شک
نزدک میں آگئی۔ اس کی لڑاؤ اپنے فون کی طرف سے
ہٹ گئی دل کی گھر گئیں جو مفاہ سے ہٹ گئی تھیں
اپنی رازدار بن گئے تھیں۔ اپنے دل میں جہم لینے
احساسات جنہوں کو دل ہی ہم نہیں دے پادری تھی۔
پھر وہاں نہیں چاہتی تھی۔ یہ سچائی کہ وہ ارجم۔ ڈاکٹر
ارجم عزیز کو صحت سوچتے گئی ہے۔ اس کی لڑاؤ
محسوس۔ سب کچھ اس کے لیے سنی رکھتا ہے ہ

اسے پسند کرنے لگی ہے۔ یہ احساس اس کے لیے
 جڑوں میں نہ سہی ہے۔ "بے بس" سا مشہور قلم نویس اس کی
 بے اعتنائی سے شرمکے پا رہی تھی۔ تب ہی ایک بار پھر
 اپنے انیسویں کے ساتھ منبر اُترے۔



"و کھوئی بیانیہ" ہمارے گھر کام کچھ زیادہ نہیں ہوتا
 بنت کھاٹا کا بخور ہی کریں گے "میں بھال کھاتا۔ اور
 کپڑوں کی دھلائی... اور اوسری کرتا۔ ہم ایک ہزار
 سے زیادہ نہیں دیں گے" اٹلی پورا نے اس کی طرف
 ڈاڑھے بھڑکائی مگر کام واپس سے محلات طے کرنے
 شروع کیے۔

"اے لو۔ لہاں ایک ہزار تو کوڑا اٹھانے والے
 نہیں لیتے اب۔" وہ نکل کر لوٹا۔ "تو تھی تو اکا پارہ
 چڑھنا۔"
 "ہت سنو لڑکی زبان منت لڑکے میرے ساتھ۔
 بس ایک ہزار سے زیادہ نہیں دیں گے۔ گرانے تو کرف
 در نہ۔"

"اٹلی پورا۔" کہا ہوا۔ "شوکت بیگم اسلام سے نکلنا پ
 پت کرنے نہیں تھی میں اٹلی پورا کرم ہو رہی تھی۔
 "و کھو تو۔ ایک ہزار بر تانک بھولی چڑھارہا
 ہے۔" اٹلی پورا نے سچے سچے میں بولیں۔ شوکت بیگم کدم
 نہیں ہو گئیں۔ بچی کے سسرال سے بھیجی گئی ملاز
 پر نئی مہنت مہندی نہیں ہو گی۔

"اب چپ ہو جائیں اٹلی پورا۔ میں بات کرتی
 ہوں۔ کہا ہم بتاتا تھا تم نے؟ شوکت بیگم تھی پورا کو
 چپ ہونے کا کہہ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔"
 "تیرے (رضیہ) سر سے پانچ نام تیا۔"

"بی بی۔ میں دو اور بھی کہوں گی میں کام کرتی ہوں
 صرف تیرے اور کپڑے دھونے کا چندہ ہوتا ہے۔ ہوں
 ایک سارے گھر کا کام تمہاری کہنت سے ہے سناڑھے
 ثمن ہزار اور پھر ہے پورے گھر میں تو میں خود بھی
 کام نہیں کرتی۔ قسم خدا کی۔ کپ کے ساتھ کوئی
 صورت نہیں۔ اسلام بی بی کے گھر میری بھانسی کام کرتی

ہے اسی کے کہنے پر یہ کام کرنے کو راضی ہوئی بندے
 زیادہ دھلیا نہیں۔ کام تو کام ہونا ہے مجھے تو اس کا
 نی نے کہا تھا سارے کام کرنا ہے جس کھانا پکانا نہیں ہو
 گا۔ میں نے ان کو بھی پانچ ہزار ہی دیا تھا۔ اس کی
 باتیں سن کر شوکت بیگم کا منہ ہی کھلا رہ گیا۔ اٹلی پورا تو
 کہنے لگی۔

"اٹلی پورا۔ ہزار۔ منہ بھر کے بول بول کر پانچ
 ہزار۔ ایسے ہی نکلنے جاتے پورے پانچ ہزار۔ اس کا
 ہوا تو اپنا کا اور شروع کرنا۔ یعنی نہ ہوتی ہے۔" وہ
 ہتھ سے اٹلی پورا۔

"اٹلی پورا۔ اٹلی پورا۔ تم چپ رہو۔ میں بات
 کرتی ہوں۔" شوکت بیگم تو غور سے دیکھا کہ نہیں۔ نہیں
 اس پر غصہ آ رہا تھا۔

"و کھو رہے۔ مجھے صرف کپڑے دھونے اور
 محلاتی سفری کے لیے ضرورت ہے۔ ایک ہزار بہت
 ہے۔ جسے اس نے بھجوا ہے تو جسے ہا سو۔ اس
 سے زیادہ نہیں۔" شوکت بیگم نے کہا۔

"یاد سو۔" وہ سوچنے لگی۔ "نہیں بی بی۔ اتنی
 دور سے کولنگی پان سو ڈارا نہیں کھاتا۔ اچھا ایسا
 کریں پندرہ سو سے میں اور کم زیادہ نہیں کولنگی نہ
 بھی اس کو بھانسی کے کہے۔" رضیہ صاحب نے پڑا
 اصل نہ تھا شوکت بیگم نے اٹلی پورا کی طرف دیکھا تو
 منہ میں شرم کچھ بیڑا لے گئیں۔

"اچھا نھک ہے۔ میں اس سے بات کر لوں گی
 نہ اتنی محنت سے لہل کر شوکت بیگم نے نکالا۔

"اس اسلام کو جانے کب محل کہنے کی مسرہ
 میں چلانی نہیں۔ اور میں اپنے بیٹے چلانے چلی
 ہے۔" شوکت بیگم نے اس دور میں بنا سوچے بگھے بات
 منہ سے نکل گئی ہے۔ ذرا خیال نہیں رہا۔ اتنی
 پورے رضیہ کے جانے کے بعد ہی پورا شروع کر دیا۔
 سوچی شوکت بیگم بھی لگی رہی تھی کچھ کہہ کر اٹلی
 پورا کو مزید شناسنا۔ "بھانسی بھانسی کچھ۔" پھر



دوری ہوا جو وہ نئی فصلوں کو سمجھا بھرا کر لگا رہا ہے

بڑھے ہوئے ہاتھ کا سارا بے کراٹھہ بنیں۔

”کئی گھر نہیں ہیں کیا؟“

”برابر میں کئی ہے۔ وہ مصلحتی رہ گئی ہے۔ تم بھی کھاؤ۔“ وہ جس انداز سے بولیں۔ عفا کو کچھ نہیں لگی کہ وہ کس ”شطن“ میں کہہ رہی ہیں۔

”ہاں کبیرا والے۔ اور مصلحتی؟“ کنکھن۔ اس کے سامنے ایسا گونہ چہن لارک بن گیا جس کا جواب وہ جانتا نہیں جانتی تھی۔ کئی بڑا اپنے موٹے شبے کی تنگت سے اسے دیکھنے لگیں۔ اور پھر عفا کے اپنے ہاتھ کوئی رست کی پورا ہی بڑھے لگی۔

”اور تم کارنٹہ طے ہو گیا ہے۔ مبارک دینے لگی ہے۔“ چھانک سے کچھ لونا اور راکھری کڑھیں بکھر گئیں۔ اسے اپنے چوسے کی ر مٹائی۔ مڑھائی ہوئی عموں ہوئی۔

”آ۔ اچھا۔“ کئی بڑا کے سامنے سے ہٹ گئی۔ اس کا کئی اکھاڑو خیال کا عشق تو تھا نہیں۔ ہاں پتہ نہ تھی کہ عفا بارسل کی چھوٹی کھانہ۔

”میں تو کئی سوچی رہی تھی۔“ عفا اچھا لڑکا۔ وہ چلنے کہا کتنے جا رہی تھیں کہ اس کا پورا کچھ کر چپ ہو گئیں۔

”اچھی بات ہے۔ میں خدا کی پڑے تہوڑا (change) کر لیں۔“ وہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ اپنی فائل اور بیگ بیلے چھیننے ہوئے وہ خود بھی پہنچ گئی۔ اور تم کارنٹہ طے ہو گیا ہے۔“ ایک بار پھر یہ جملہ اس کے کانوں میں گونجا۔ اور پھر رگ رہے میں گردش کر رہا ہوا۔ اس کے وہ وہ کہہ لائے گا۔ ”تو آرام۔“

وہ لکڑا آرام میں کبھی کبھی کی نظروں میں بھی نہ تھیں۔ ”پھر کس کوں پھولن رستوں کی طرف چل گئی۔ چل رہا تھا کئی ہی گئی۔ جسے ہم سفر سمجھا۔ تو فقہ اک سائے نکلا۔ ابھی جو اک آنسو نکلا وہ پار سے زارا پچھتوے کی کیفیت سے مرشاد تھا۔ محبت اور پچھتوے کا سفر۔ ایک لمحے میں اس کے دل کی دنیا بدل گیا تھا۔

دونیاں بنا کر اس نے میز پر رکھیں۔ اور خود بھی

کہا اور فیصلہ پائی کی نوکری کی کراؤں۔

شوکت عظیم کو فارغ ہونے کی عادت سمجھی تھی ہی نہیں۔ ایک عام عورت کی طرح زندگی بھر گرتی میں گزار دی۔ بے لگ وقت کے ساتھ وہ صحت طاعت نہیں رہی تھی۔ مگر پھر بھی انہیں پرانسی خرچ ضرورت سے زیادہ بچھوری با پھر دکھوا لگ رہا تھا۔ بھر جملہ وضع کے آئے سے۔ اور کوئی خوش ہو گا ہو۔ پتھیاں بہت مطمئن ہو گئی تھیں۔ اکثر لگ۔ ملازمہ رکھنا۔ نرنڈ ہو چکا ہے۔ یہ الزام صاحب کی صاحبزادیوں کے کیفیت تھی۔

”اب کو بھی سکھ۔ اور آئے والی کو بھی۔“ عموں نے آئے والی جانے کب آئے گی۔ تمہیں بیٹے ہو گئے۔ لڑکھار پھینکے مگر جیل ہے جو ایک بھی بھائی ہو۔ اب وہ ”بمردھوئے“ کے پورا پورے تو صاف منع کر دیا کہ جب ہر طرح سے مطمئن ہو جائیں نہ بات کرنے کا۔ اور آہستہ آہستہ تو ہر قسمی سے مطمئن ہوا تھا نہیں عموں کی نوکری پر کتنی تھی۔ وہ زیادہ نہیں جاتی تھی۔ جبکہ اسے اپنی خیر پر کتنی تھی۔ جو اپنا آپ ظاہر کرنے لگی تھی۔ اس سے پورا عموں ہر قسم سے انہیں چاہنے پر جلی جاتی اس کے سرسری دلائل کا تو کبھی تھا کہ اسے اس لئے نیچے میں ہی تھی رہتی ہے۔ شاید ہی کا گھر اس کے بغیر چل نہیں سکتا۔ کچھ بھی تھا کہ اسے اسے وہاں کچھ ایسی ایسی چیزیں بنا رکھا تھا۔



عفا حلقے سے آئی۔ تو بول کرے میں ”نئی بڑا“ تو کچھ رہی تھیں وہ بلکہ آہستہ سے چلنے ہوئے اپنے کرے میں جانا چاہتی تھی جب کئی بڑا نے اسے پکارا۔

”آج نہیں۔ عفا“

”جی۔“ وہ رک گئی۔ ”اسلام عظیم کئی بڑا! آپ اور کئی ہیں۔ اندر چل کر سوئے۔“
”نہیں۔“ عفا نے آگے لگ گئی۔ اس عموں سے وہی تو کام ہیں۔ کہا گیا سوسا راب کو باڈر لیا۔“ وہ اس کے

شوکت عظیم کے برابر بیٹھی۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے مگر اجنبی لگا رہا ہے۔
”تمہارا چہرہ؟“ اچھا نہیں لگتا۔
”تمہارا چہرہ؟“ اچھا نہیں لگتا۔
”تمہارا چہرہ؟“ اچھا نہیں لگتا۔

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

”اچھا۔“ کچھ ایسی ہی باتیں اداوار صاحب کا تھا۔

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“
”جانیے، میں اور وہی تھی۔“

ہو گئی تھی۔



— جتنا ہے بھر ہے اسی پر اکتا کرنے والی عورت۔ اسکی فضیلت خراب ہو گئی۔ یہی تو اس کی خرابی کی علامت ہے۔ تب ہی اسے احساسِ طمانے لگیں۔ اس دوران صفا کر کے رکھی گئی۔

”لو ہوا ہی یہ کیا اور ان سلاوا کو بے لے۔ کیا؟ کیا؟ کیا؟“
”نہاں کپڑا تھا اور سلاوی لکھنی سلاوی۔“ عورت ایک بہت ہی خوب صورت آجکی شرت کو ہاتھ سے کھولے بیٹھی تھی۔

”میں نے اسے جدید ڈیزائن کا بھی کہا تھا۔ ٹاپ بھی رکھی تھی۔“

”یہ بلا سا گلے کا ڈیزائن فوراً شرت شرت جدید ڈیزائن ہے؟ میں تو نہیں پکن رہی یہ شرت۔ صفا کو بے دے دیکھتے ہیں آپ کو کیا لگتی ہے کہ اسلہ کو اچھا لگا ہے کہ میں منت سے ڈیزائن اور فیشن ایبل پٹرن سے پہنوں۔“ منہ پھلانے بولتے ہوئے اس نے شرت ایک طرف سے پھینک دی۔

”میرا صفا نہیں شادی پر جاتا ہے۔ لہجی پکن لو۔ پھر آئی نے سمجھانا چاہا۔“

”رہتے ہیں۔ آئی کوٹ چانگ ڈرینگ کر کے مجھے تمناش نہیں دینا۔ اب فرحت آئی کے ساتھ بازار جاری ہیں نا۔ میں بھی چلتی ہوں لہجی ریڈی میڈ سوٹ خرید لیا کرتی۔ اس نے صحت قبلا کہ۔“

”بہ ریڈی میڈ کپڑے لینے تم کہنے سواں کے ساتھ ہی جاتا۔ مجھے پکچن نہیں ہے۔ پھر لہجی کوٹ آجک لہجی ہے۔“ اس نے صفا منع کر دیا۔

”مجھے تو پکچن ہے نا۔ ارہر لہجی میں ہستی شاہیں ہیں۔ ہرگز تو میں لہجی ہوں۔ پانچ سات ہزار میں پکچن سوٹ آجاتا ہے۔“ عورت نے بولے۔

”پانچ سات ہزار۔ رہنے والے میں ہونو نہیں کر سکتی۔“

”اب چلے تو سہی۔ میرے پاس بھی کچھ ہے جس۔ مل مار لے لیں گے۔“ عورت اصرار کرنے لگی۔

”میرے پاس مل مار لینے تو بھی نہیں ہیں۔ پھر اولیٰ خند ہے تمہاری عورت۔ اسکی تو نہیں کسی تم

”اسی۔ فرحت آئی کا فون آ رہا ہے۔ انتظار کر رہی ہیں آپ کا۔“ عورت کا مڑا ہی کے انتظار رہا ہو چکا تھا جبکہ اسی ڈیڑھلی طور پر منت سب بیٹھ ہو گئی تھیں۔ آئینہ بند عورت کی فضیلت خرابی اور لہجی رنگ رہی تھیں۔ لورنہ ہی اپنا اس طرح اکتا کرنا۔ بیٹھ لیا کو تو وہاں سے بیٹھ ہی گئی اور اتنی ہے۔ لورنہ اس بھی بدلی نہیں کر رہی۔ لیکن اس وقت حالات ہی ایسے تھے۔ شوکت بیگم کے پاس جو آٹھ دس ہزار بڑے تھے اس میں بیٹے کے چالی دن کے اخراجات۔ عورت کے مینڈیکل اور لہجی ساتھ ہی ہر کم کی تنگنی کے اخراجات بھی پورے کرتے تھے۔ یہ سولہ کاساتھ تھا۔ پونہ سو تھے منہ ہاتھ تو خوشیوں کی ہی نہیں جا تیں۔ جبکہ عورت کی یہ تنگنی میں دو کھیل کھن تھیں۔ اس وجہ سے جسے میں ہوا اور توڑا کڑا زوت ہو ہی جاتا تھا۔ وہ بھی بھون کے خرچے پر۔“

”میری باتو۔ آجکی کی پکن لو۔ ہاؤ نہیں لگ رہا ہے۔ یہی نے ایک بار لور کو خوش کی۔“

”ہی۔ اب پکچن ہی نہیں۔ اسلہ کی چلی میں شادی نہیں۔ فیشن شو ہونا ہے یہ جو شرت خراب کی ہے اس ٹیلر کے بیچے نے صرف شرت ہی چار ہزار کی ہے۔ میں نے نو اسلہ کو سر اکتا ہوا تھا۔ اسے میری چاؤ اس بہت پسند ہے۔ یہ راتوں کی تو ذوق اڑانے کا میلا۔“

”اب اس ذوق سے بیچے کے لیے تم چار ہزار کی شرت ہارے لیے نہیں نہ ڈالو۔“ صفا لہجی بولی۔

”جب تمہاری شادی ہو گئی تہ تب دیکھ لو گی۔ شوہر کی پسند پند کا خیال رکھتی ہر وہ نہیں۔“

”جب کی جب دیکھی جائے گی۔ فی الحال تو اس شرت کا کوئی تعیدوار نہیں۔“ لورنہ ویسے بھی اسے

شاد ہار رکھنے جوڑے۔ ”فی الوقت ہماری جیب سے ہا ہر

ہوں۔ صفا کے لیے میں بلکہ سے طوکی مظلوت تھی۔
 مودہ بکد ہمار کی منہ چلائے شرت لٹانے میں ہوں۔
 ”اسعد کچھ نہیں ملوانا آپ کے اصول۔ آپ
 کی فکر میں بیٹے دیکھنے کی کوئی اہمیت نہیں۔ میں جیسے
 خود ہے بیٹے ”آرت آک نہیں یعنی میں ویسے ہی
 سب کو چٹانا چاہتی ہوں۔“ وہ منہ میں جو کہا کئی جلی
 گئی۔

”مودہ۔ ایسے کیسے کہیں جا رہی ہوں۔ لٹا سر میں
 منٹ لو۔ نزاری صانت لیکھی نہیں ہے۔“ شوکت
 پیٹھ کے محل سے اسے خصر کر کے دے دو لگا۔
 ”کچھ نہیں ہوا مجھے۔“ وہ نخرت بھرے لیے میں
 کہہ کر چلی گئی۔ شوکت بیچم پریشان۔ جبکہ صفا کے
 دل میں جرتی اور صبر کے جذبات ابھر رہے تھے۔
 کوجر ہر دم کی منگنی کی باتیں چل رہی تھیں کوجر
 صفا سے شکوے میں بندھنے کی کوشش کی۔ وہ فرحت
 آئی کا کہن نہیں رکھ سکتی پورے ایک منٹ میں صراٹ
 ایک بار چند منٹ کے لیے ہی کوجر مبارک دے کر آ
 گئی۔ فرحت آئی نے ٹھکی بھی کیا تو تیکو ہم کی بیاری کا
 یہاں بتا رہا۔ کوجر کل ویسے بھی بہت لطف سے بیٹھ چل رہا
 تھلا سل اور دل کی رنگ میں بھاری صفا تھیل کی دوش میں
 تھی ”فرحت آئی کے بھر پورا سر اور اس نے منگنی میں
 کہنے کی مافی بھولی حیرت کی بہت توجہ تھی کہ اگر اس
 نے خوزار ہم کو فون کرنے کے مبارک نہیں دی تھی۔ تو
 اس نے بھی کل نہیں کی۔ مودہ کی پاپا تھنٹا شاور کئی
 پو کی ہوا تھیل کا لقا۔ بھی بلے خوزار پور کے ہاتھ بچھا دیا۔
 کوجر ہم کا ساتھ بنا کر مافی نہیں چاہتی تھی۔ کوجر ہم
 ایک سو اب۔ کل صفا۔

گئی۔ راستہ پر لٹنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ دلاؤ اکثر ہم
 کوجر بچکی تھی۔ اس کے فریب کا زنی لاکر ڈاکٹر ہم
 لے دو انہ کھولا۔

”اسلام منگم۔“ عیش و لگا اگلا اس کے لیے سے
 رخصت ہو چکا تھا۔
 ”تو علیکم السلام۔“ شکر ہے نظر ۲۲ میں۔ کہل ہوتی
 ہو کج کل۔ مجھے مبارک کہتے ہی میں آہیں۔“
 ڈاکٹر ہم نے اس کا بھر پور نظروں سے ایک جا رہا۔
 ”مبارک ہو۔“ وہ ہر احساس سے ماری تھی۔
 اس کی ”مبارک“ میں کوجر ڈاکٹر ہم کے چہرے پر لگا
 سلبہ سالہ لیا تو فوراً ”سجیل بھی کیا۔“
 ”تھنٹا کسو۔“

”میں بعد میں کون کی۔ ابھی چلتی ہوں۔“ صفا
 نے لگا ہیں اٹھا کر سے دیکھا ایک بل میں کیا نہیں کون
 آزا ان نگہوں میں ”وہ سب جس کا خود سے بھی
 احساس نہیں تھا۔“ ڈاکٹر ہم کے فریب سے گزار
 گئی۔ کون آکھوں کی ٹی ڈاکٹر ہم کو بے مذکب کر گئی

تھیل پھر بھی کہتے ہیں
 اٹھ رہا بھی کہتے ہیں
 کوئی تو اس کا بھی
 لپٹ کر ابھی سکتا ہے
 جو شہ
 کہ ابھی ہنسی ہے
 وہی شہ جو بھی گئی ہے
 محبت ہو بھی گئی ہے

”اسی لڑکیوں کو سہی کتنی بیاری لڑکی ہے۔ وہ
 بھائی ہیں۔“ دلاؤ ہاں پاپا کا بوسہ بھی سنبھالتی ہے
 زیادہ اور میں ہے نہیں۔“
 اگلا نے تصویر میں کے اصول میں تھلائی۔ وہ
 لڑکی بلا شہ بہت حسین تھی مگر ساتھ ہی اس کی تھلائی
 چاہے لڑکی تھلائی بہت حد تک شوکت بیچم کے لیے

یونیورسٹی سے واپسی پر گاڑی فریب ہو گئی کوجر
 اسے بس پر آئی اور گھر کے اس ہی سٹیج پر وہ مڑی۔
 موسم کے سے ہی ابر کھو تھا۔ کوجر اب بھی کوجر اچھی
 شروع ہو گئی تھی ”وہ تیز قدم اٹھاتے ہوئے گھر کی
 طرف بڑھ رہی تھی گھر سے چند قدم کے کاٹے پر وہ
 آئی فرحت کے گھر کو عبور کرنے ہی لگی تھی جب میں
 گھٹ گھٹا۔ کوجر گاڑی باہر لٹنے والی تھی۔ وہ رک

تاکل تعقل حقیقت لٹی رہا تو سلیبی سر پکا چکل نہیں
 رہے۔ ہنسنے کے بعد کہ لاکھ ڈرگ کی رشتہ میں ہنسی
 زانو بھی گلن ہے۔ فریب کرنی طاسی۔ کرن تو بھی بنا

۱۱۱۔ لڑکی بہت چاری ہے۔ بھر چاری
 حیثیت سے بیٹھ کر ہے لڑکی کا ہوا چاتی ہے اور بھائی
 باہر بیٹھے ہیں۔ وجہ؟ ہاپ کا کاہنہ کھن نہیں
 سچو لاف؟

تو ہوا آئی۔ آپ بھی بیل کی کھل اگرنے لگی
 ہیں۔ کچ کل کیا فلانہ سے مو عورت میں فرنی کرنے
 کا۔ دراصل ہنسنے کے چاہو پڑاس میں حصہ دار ہیں ہنسنے کا
 کے ہے بھائی کو لڑکن کرن کاڈ ہولڈر ہونے کے
 لیے کچھ سہل دہن رہنا ہے۔ جیکے چھوٹا بھائی ابھی بڑھ
 رہا ہے اس لیے ہاپ کی مدد کرنی ہے۔ اسامے
 ساری تحصیل مائی۔ شوکت بیگم نے لٹی بوا کی
 طرف دیکھا۔

۱۱۲۔ مجھے اس رشتے پر اس لیے اعتراض ہے
 کہ۔ دیکھو وہ دور نڈک سے ڈرگ کی کھن ہے۔
 کھول میں سو سٹکے مساکں ہوتے ہیں۔ جو لڑکی
 کا ہوا چاتی ہے۔ وہ شوہر کے ساتھ کیے میل کھلے
 گی۔ ہمیں یہاں ہے نا تو خود کھن کھوار رہے اور پھر
 وٹے تھو لہا حسابی ہو جانے لگا۔ اس لیے۔
 ”مجھے پامنا کہ کوئی کئی میں کچ ضرور نکالیں
 گی۔“ ”ناپ گی۔“

”ہمیں اپنے برابر بھائی میں ہی رشتہ کرتا ہے۔“
 شوکت بیگم نے کہا۔

”ہی۔ آپ کے برابر کوئی ہو نہیں سکتا آپ کی
 سوچ بھی جکا تھی ہی مدد ہے۔“ گنیش منور اندر
 داخل ہوا۔ لہوہ چپ ہو گی۔ گمرے میں نیل کاٹو
 تکر کہہ کر اس نے اشارے سے ماں سے روانہ کیا
 وہ نئی میں سہا کر گھر نہیں۔
 ”کہا ہوا۔ سوت کھن آف ہے؟“ اس نے ۱۱۱
 سے پوچھا۔ ۱۱۱ گفتار میں کھن لگی۔
 ”لڑکی کے بھائی کی جانے اگر لڑکی خود کریں کھن

ہولڈر ہوئی تو میں ضرور سوچ۔“ ”لڈا کا ہوا۔ اسام
 نے گھور کر اسے دیکھا۔ شوہر ایک انگر لٹی لیسے ہونے
 صونے کی پشت سے لگ کر کھرا ہو گیا۔ چہرے کے اسام کو
 دیکھا۔

”اٹی“ ”اب نہ“ ”ما بھی ہنٹ شو (show
 Hunt) کچ کریں میں نے کب سب کو بہت وقت
 چاہے اب مجھے کب میں سے کسی کی بھی تلاش کی گئی
 لڑکی سے ملادی نہیں کرنی میں۔“
 ”ہاں۔ بس تمہارے بولنے کی کمی نا پوری
 کر لو۔ اسام شرح کھرتے ہوئے لگی۔
 ”اس گھر میں تو جس کا ہوا سوچ۔ وہی کھنے کو
 دڑنا ہے۔“

”گنے ہلے“ اسام دھنچ رکھو۔ چن سے ہات
 کرو۔ اپنی جانٹ دیکھ کر غصہ کھتے تھوڑا۔ ”اٹی برا
 نے اسے تکی میں رہنے کو کہا۔

”بس رہنے لا لٹی برا۔ سب کو دیکھ لیا ہے۔“
 نسوے ہلے لگی۔ شوہر عجیب شکل بھانے اسے دیکھ
 رہا تھا۔
 ”صد ہو گی ہے۔“ اس نے بے ہوشی سے بہن کو
 دیکھا۔ اور کرنے سے چڑا گیا۔

”عزرا فریٹ چلے۔“ ۱۱۳ نے اپنا ایک سہا اور
 بچوں کو گوازی۔

”عجیب لڑکی ہو لٹی میں کے گمرے میں اسیا تھاہو کر
 جاتا ہے۔ ڈرگ کو فون کو۔ ہمیں لے کر چلے“
 رشتے سے مت جاننا لڑکی لٹ لڑکھا۔ سچل میں
 پارہی تھی اس دن موہ لور آئی اسام۔ ”ڈرگ نہیں
 چلی گئی تھی لڑا ایک سہا پھر سکر گھر تھیں۔“



۱۱۴ اور موہ بھی مٹھی پر ہو نہیں سکتا کھریا
 مصروف کی وجہ سے نہیں آئیں۔ شوہر کی کچ کل
 چلتے ہوئی چل رہی تھی وہ بھی میں جا ک۔ لڑکی بولے
 اپنی طبیعت کی ہناسازی کو دور سے معذرت کر لی۔ چانا
 تو متناہی نہیں جانتی تھی۔ گمرہ کی کابل پہلے ہی بہت

ہو گیا ہے۔ ایک بار بھی نہیں۔ ایک بار بھی نہیں
 ڈاکٹرار جب حسن خط کے لیے خود بھی اس کی آنکھیں
 آنسوؤں میں ڈوب گئیں۔

بے بسی کی انتہا تک پہنچنے کے آخری مراحل
 طے کرتے ہوئے اس نے اپنے آنسو لیتے اور
 اٹکے۔ لہذا اٹکے صحت مند نہ کر میں اس شخص
 کی صحت سے کچھ بچا جڑا سکتا ہے۔ یہ شخص جو میرا نہیں
 ہو سکتا ہے میرے دل سے نکلنے یا لوگ سے بیزار
 رہنے۔ یہ آخری حکمت خدا اس کے دل سے نہیں
 لٹکتے جانے کیسے لڑا ہو گئے۔

”مٹا غلط“ اسی نے اپنے پکارا زور دیا ہے تب
 سے ہر نکل۔

”کلمہ پڑھی ہو؟“ اس کیسے پکار رہی ہوں۔
 ”کچھ نہیں۔“ اسی نے کہا۔ ”گت کیا کہہ رہی
 تھیں آپ۔“

”فرحت بھائی۔“ جس نے پکار رہی ہیں۔ جلتے
 امیں ضرورت ہوگی۔ اسی نے کہا اور اپنی کرسی سے
 اٹھی لیکن تک نہیں جگر پر وہ کن سوجھ رہا سوار تھی
 اسے ابرو اٹھی نہیں ہوا۔ اسے تو ابھی کے ہوش
 دلائے پر پتا چلا تھا کہ اس کے ہڈی تھکے۔ وہاں کہیں
 سے نکل رہے ہیں۔

اور تب کتنا مشکل تھا۔ ہن آنکھوں سے آنکھیں
 چرائیں تو اس ایک سے میں جگڑا گیا تھا جب منگنی کی
 رسم لڑا کرتے ہوئے اس کی نظروں صفا پر ایک کٹی
 نہیں۔ اس کا پر ران خود جیسے چھو گیا تھا اس کے ہاتھ
 میں صوف کا سوہم سا ہاتھ جیسے پھل رہا تھا۔ انکو بھی اس
 کے ہاتھ میں تھی اور وہ اس جیسے کا خوف کر رہا تھا وہ
 اور گرتے۔ بے خبر اپنی ہتھیلیوں میں اچھلی ہوئی تھی
 ہر اکہ لہو جو صفا اور کہہ کہ اس سے مل کر خوش رہتا
 تھا اس کے سامنے کھول کھیرے لگاں کیا کر رہا ہے؟
 جس لڑکی کو اس کے ساتھ ہونا چاہیے؟ اسے زندگی
 سے نکل رہا ہے اور جو اس کی زندگی میں آ رہی ہے وہ
 اس کی زندگی میں نہیں نہیں تھی۔ ”ملائے اس کا ہاتھ
 دیا اور اس نے صوف کا کونو کھو گیا۔ یہ بتا دی یہ کیا ہوا اس

لو اس تھا اس کے انکار پر شاید کچھ اور اب سب سے
 ناخوش نہ تھی کی خاطر اس نے دل میں مضبوط کر لیا۔ اور
 منگنی منبذ کر کے اپنے تیار ہو گئی کائنات تک نور لہج
 اسٹافٹس سے سوٹ میں پکا سا سگناپ ٹھکانوں میں
 لٹا لٹا لٹا ہزار کے سے ٹھکانوں اور ایک گلابی میں چڑیاں
 بس اٹھی تھی اس کی تیاری تھی۔ وہ کاتھ میں رہے ہی
 بہت اچھی تھی۔ پشہ تک نہ پہل کر کھل پانگل
 آسٹریٹ تھے۔ اس نے امیں اپنے ہی رہنے جا۔
 آنکھوں کا کھل اس کی کو اس آنکھوں کو کچھ اور بھی
 لو اس کردہ تھا۔

لیکن آج اسے لو اس میں ہونا۔ جو طوفان اس
 کے اندر ہے۔ اسے نہ بے ہی رکھتا ہے کیونکہ جب
 تک یہ ہڈی تھکے اور اس تب تک اس کے ہن۔ جہاں
 ہو گئے تو پھر اس کے نہیں رہیں گے پھر ان کی قسمت
 کیا ہوگی۔ بد جان منگنی تھی اس لیے جتنا میں چاہتی
 تھی منگنی کی رہی تھی اسے لڑا اس میں جسے اس

لیے لڑکی والوں کے گھر کے لڑکان میں ہی باقی تمام کیا گیا۔
 اپنی فرحت کی طرف سے کچھ نہیں منگنی کو کہتے
 اور نہ سری طرف سے بھی میں منگنی انزل سے کہی
 ہوں گے۔ ڈاکٹرار تم جب لڑکی والوں کے گھر میں
 داخل ہو رہا تھا۔ تب صفا کی پائل لکھا اس پر پڑی تھی
 بلکہ ٹیوشن میں وہ بے حد جبر لگ رہا تھا اسے لگا
 تھا کہ ڈاکٹرار تم سب سے ہمارا اس وقت لگتا ہے جب
 اور گل پنپنے لگے میں امیں کو یہ دکھائے تو بہت
 توجہ سے اپنا کام کر رہا ہوا ہے۔ مگر میں! آج اس
 نے صفا کے دل کے آدلا کو چھین لیا تھا اس سوٹ میں
 اس کی وجہ تھی۔ اپنے اور گرو شاید سب کو بہت
 اچھلیس کر لیں۔ اور صفا کو شاید سب سے زیادہ وہ
 پہلے تھے تکہ آئندہ ڈاکٹرار تم کے سامنے نہیں آتی
 تھی اور ابھی اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس کے سامنے جا
 کھڑی ہو۔ اسے پوچھے ”وہ اسے نظر کیوں نہیں آتی
 ؟“ کیا وہ اسے نظری نہیں آتی؟ ایک بار بھی اس کو یہ
 نہیں لگتا کہ اس کو خود اس کی ذات کیسے کیسے سوجھا کھو

کے ساتھ کوئی فرق نہیں آتا۔ انہوں نے آواز اٹھائی اور اسے نظر انداز کرنے کی۔ سزا جو بھی تھا گراس احساس کے بہرہ ور ہونے کو وقت بہت کالم تھا۔



ظنا جیسے تین گز نے حمار سے جسم بدل دیا جان سے اپنی برصاقت میں فرق ہونے کی کوشش کر رہی تھی باقی سب کچھ اپنی جگہ موجود تھا وہی موہ اور اساء کی نڈاز وہ دلی سے نہ تھی تو اس پر بحث من کی تہہ۔ اسی کا بچت کا روٹا اسنوں کی جو کسی اور شہد خرمی کی آغوش میں تھے۔ کئی بڑا کی بی بی ہوت گور پھر اچانک ایک دھماکہ ہوا جس نے سارے گھر کو ہلا کر رکھ دیا۔ غور نے اپنے لیے ایک لڑکی خرید لیا اور اسی سے ہر عمل میں شادی کا کاروبار بھی نھانا۔ چلے گئے کسی کسبیت ہضم ہی نہیں ہوئی۔ اور جب چھوٹی کیش کی تو پتا چلا کہ لڑکی کا بے بی ایک کلچ ٹوٹ چکا ہے وہ ایک جی میں جلت کرتی ہے۔ غور سے وہ کین سار ہتی ہے۔ اپنے میں باپ کی انکھن بھی اور غور یہ نسبتا میں جوت ہے۔

”میں کوئی اور لڑکی نہیں ملی تھی۔ جو اس کو روٹ کر لیا۔“ اسلئے نے خوب احتجاج کیا۔

”نہ تو کلچ ٹوٹا کوئی صیب ہے اور نہ مجھے سے تمہیں زبان ہونا۔ وہ کین عمل ہتی ہے۔ میں میں سار نہیں۔ میں نے تو کلچ کیا۔“

”شرم و حیا کوئی چیز ہوتی ہے۔ اس کے کلچ ٹوٹنے کی وجہ بھی تو ہوگی؟“ اسلئے نے کہا۔

”مجھے کہا لیوان تاس کے ماضی سے اور ویسے آئی۔ اچھا خاصہ خوار ہو چکی ہیں کب۔ کب اس لڑکی سے ایک بار مل گئی۔ پھر کوئی فیصلہ کر لیں۔“

”فیصلہ کی تجاوتس ہے کیا ابھی؟“ وہ خوبصورت سے پوچھیں۔

”یہ تو کہہ سکتا ہوں کہ آپ کی رائے بدل چائے گی۔“

”اب تو بدل گئی۔ شہرے بارے میں۔ تم

نے ذرا بھی سوچا کہ شہر کی شادی شدہ نہیں سسرال والوں سے کہا کس کی ہوگی کس کی نہیں پتا میں کہے۔“

”میں دنیا والوں کے سامنے خود کو نہیں ہوں۔“

غور نے کہا۔

”چھو جان بھی میں نہیں سکتے۔“

”میں متاثر ہے گا۔“ کہہ کر کچھ اگڑا اس نے کئی

پروا کی طرف سے کھانچے سر تھامے چھو چمکے تھن کی

بحث سے سخت متاثر ہو رہی تھی۔



چنی و حکام کے غیر خبریہ تھی کہ غور نے خود اپنے لیے

کوئی لڑکی پسند کر لی ہے۔ اس سے بھی زیادہ خبر کن کن

پتہ یہ تھی کہ بلا جان۔ بلان گئے تھے وہ ایک ہزار اس

لڑکی سے لے اور اس کے گھر والوں سے بات کرنے پر

راضی تھے۔ غور کی خوشی کا کوئی ٹکڑا نہیں تھا اور

اسلام تو وہ دنوں اس رشتے کے خلاف تھی مگر بلا جان

کے سامنے کچھ دیر کو ہی سہی انہیں چپ رہنا پڑا۔ بلا

جان نے غور کی بات پتہ پتہ گور سے کئی اور پھر

اسے گھر سے بھی ڈیال ان کا دلہنہ تھا کہ اگر لڑکی

اور اس کے گھر والے ہمارے مطابق ہوتے تو اس

رشتے پر کوئی اعتراض نہیں کرنے گا۔ کیونکہ کن کی

نظر میں نہ تو کلچ ٹوٹا کوئی بی بی انکار کی وجہ ہے اور نہ

یہ غور میں بیا ہونا بلان کب شرط ضرور تھی کہ لڑکی کو

شادی کے بعد تو کسی بھوڑا پڑے گی۔ سہی جاتی تھی

کہ اسلام اور موہ لیسے رشتے کے ہل ہونے پر دلوٹا

ضرور جاتی تھی کی میری بلان کن سے ملاکت کا

رکھ لیا گیا۔ سہی بیا کی بھول سے کونہیں ضرور ہوئی

تھیں۔ مگر زیادتی بھی کن کے ساتھ ہی تھی بھلائی

حالی بھر لینے سے وہ سارے سوال ختم نہیں ہو جاتے

تھے جو سارے رشتہ کرنے کی صورت میں کھڑے ہو سکتے

تھے۔ اسواء اور موہ کا احتجاج در دست مگر اظہار کا طریقہ

کار لفظ تھا۔ ورنہ سوال تو اسی جان کے دلخ میں بھی

وہی اصرار تھے جو کن والوں کے وہ لوگوں کو کہا جو لب

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریٹریوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

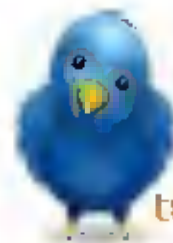
WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



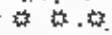
Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

وہیں کے ۱۷۹۰ء کے اکلوتے بیٹے میں کوئی عیب تھا اور
اسکی لڑکی سے رشتہ جوڑا۔ اور کچھ توڑکی تھا کہ بیٹوں
کے سسرال والوں کے گھن میں کوئی ہمت نہ تھی تو وہ تو
منوہر سو سال اٹھائیں گے۔ لیکن ہر سال ہلکا جان کے
کسی منہی لپٹے پر چبھتے تک وہ کچھ گنا نہیں جانتی
تھیں۔



منوہر کی گور بھرائی کا بیٹہ ہم بھی آہا۔ اس کی طبیعت
خراب تھی اور وہ اکثر بے کھل آرام لاکھو رہتا تھا اسی
لیجے کچھ دن پہلے ہی گور بھرائی کی رسم کر کے اسے
کے ہاں بھیجا جا رہا تھا۔ تاکہ وہ محل ہیڈورسٹ کے
۱۰۰۰ رسم تو ہر صورت لوار کرانی تھی جلد تک عیادت
ٹلے سے سازگار تھے۔ شوہر نے شادی کی رات لگا رکھی
تھی۔ دوسری طرف اسلام بھی قانع ہونے والی تھی
۔ اور اس کا بھی بار نہ تھی تھا کہ ڈیڑھ ہی کے چند دن بعد
بچوں کو لے کر بیس آجائے تاکہ منوہر آرام کر سکتے
اور بچوں کو بھی سنبھالنا تھا اس کام کے لیے منوہر تھی۔
اور منوہر کے لیے تو زندگی پہلے ہی بہت تھکی تھی اسی جو
گئی تھی۔ شوہر کا کہنا تھا کہ گور بھرائی کی رسم سے پہلے
ایک بار لڑکی کو دیکھ لیا جائے۔ تاکہ اگر کوئی رسم لوار
کرنا ہے تو ساتھ ہی کر دی جائے۔ سو پہلے اسی کام کو
نہا لیا گیا۔

لڑکی کا نام ریاب تھا۔ وہ ایک جنگ میں جا لپ کر گئی
تھی منوہر کراتے کے لوگ تھے۔ زمین نہیں تھیں
۔ سو وہ کی شادی ہو گئی تھی۔ ریاب دوسرے نمبر تھی
ماہوں زاو کے نکاح میں ۵۰ سال رہی پھر کچھ ماہوں کی
وجہ سے بھگتی ہوئی۔ سب سب تفصیل ان لوگوں کے
خود ہی بتائی۔ ریاب سے جو خوب صورت تھیں تھیں
تھیں صورت منوہر تھی لڑکی اچھ کر لے آگے بظاہر
انکار کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی۔ الوار صاحب خود
بیٹوں والے تھے، کوئی اعتراض کبہ انمول نے لڑکی
والوں سے پہلے کہہ دی۔

اور کن کی اس پہلے نے شادی شدہ بیٹیوں کو ناراض

کر لیا۔ منوہر خود بھی ہل سے راضی نہیں تھی کہ لڑکی
وجہ سے چھپی رہی۔ اور ویسے بھی کسی کو منوہر
جاہت کرنے کے لیے ایک سوچ ضرور نہ تھی۔ سو
اس ایک سوچ کو بار بھی تھی۔ اور جانتی تھی کہ شوہر کا
یہ بھلا کچھ جاہت ہو چھ دن بعد گور بھرائی کی رسم کے
ساتھ ہی شوہر اور ریاب کی ہمت بھی ٹٹ کر گئی تھی۔ سو
کے آنے سے منوہر نے کچھ اور زواہ ہو گئی۔ اسلامہ کی
دقت بے وقت گن۔ بحث کی بے ترجیحی اور منوہر کی
پر عملی صورت تھی۔

اسلامہ آنی کے پہلے بیٹے کی پیدائش ہوئی۔ جسکی سب
زندگی میں ایک جھوٹا ماہا آیا۔ بے شک آنے والے
دنوں میں کچھ اور مصیبتیں پیش ہوئی تھیں۔ سسرالی خاں
دونوں طرف سے بہت تھکی تھی۔ شوہر کی ماہوں
کر گیا۔ ”جوڑا“ کھل ہو گیا تھا۔ اب سب سوئے کے
بچہ نہ ہو کر بچہ شوہر بنا گیا۔

وہ کچھ سے والوں کو اپنی فرحت پہلے سے سوچو
تھیں۔ کرے میں کر گیا سب ہی عور میں سوچو
تھیں۔ خوب کپ شہ پہل رہی تھی۔ منوہر نے کچھ
پر مٹھائی رکھی تھی۔ شادی اسلامہ کے منہ کی مبارکباد
دینے لگی تھی۔ سوچ کر کے آنے کا کہہ کر اپنے
کرے میں رہی تھی۔ والوں کی تو اپنی فرحت جا پہلی
تھیں۔

”آئی مٹی گئیں؟“ وہ سوچ کے پاس ہی تخت پر بیٹھ
تھی۔

”ہاں۔ اچانک کچھ سوال آگے تھے۔ ارجم کی
کلر لگی تھی۔“ وہ چار لیٹ کر بیٹھے سے ٹیک لگا کر
لیٹ گئی۔ منوہر کو کچھ نہیں ہوا۔

”کھانا کھا لیا آپ لوگوں نے؟“
”میں نے تو کھا لیا ہے۔ سب سے سوک لگ رہی تھی
تو پورا سما آئی کر لیتے گی۔“ سوہنے بیٹا۔
”مہول۔“ گتے میں لگی ہوا غسل خانے سے شوہر
کر کے نکلی۔

”وہ ذرا جانے لہاڑ نہیں کر رہی پر ڈال دو اور شوکت
سے کو کھانا رکھ۔ بھوک سے چکر آ رہے ہیں۔“

سہارے کر چٹے گئیں۔

"انہی نے کہا نہیں کہا۔ رکت پر کہا تو کہا لیا کر رہے۔" موہ نے ان کے لیے جگہ چلا لی۔

"گھاس کھاتے شکر کتنے کی بار کملہ نہیں چاہ رہا کملہ پر فرحت آگئی اور حرم کی شادی کی تاریخ سننے کے بعد کافی عرصے کی مشعل دینے آئی تھی جس بارش میں بھی رہی۔" کئی یو یو اپنی جا رہی تھیں اور صفا کامل کہیں پائل میں اتر گیا تھا۔

"ابھی" موہ نے مڑ کر "نیری بلالوفی کے دن جن سے سوچا تھا فارغ ہو جاؤں تو ہی کوئی فنکشن لینڈ کونفر اور سٹور انہارے ہائی صاحب بھی دو ماہ سے کی تیاری کر رہے ہیں۔" موہ نے بتایا تو وہ نہ نہ گھٹے والے انداز میں کہنے لگی "کئی یو اسر جھٹک کر اسے کہا اور پھر نماز کے لیے نیت بنا لی۔"

"ابھی کچھ دیر پہلے کہہ رہا تھا کہ شادی کی تیاری کر رہا ایک کوہ مینے میں ہی۔" موہ نے بتایا کہ جیلاباز رہا۔

"توئی جلدی۔ لسی کہا جلدی؟" چھ روز پہلے تک تو ایک کوہ شمال تک راہ تھا۔ اور اب ہا جا ایک کوہ صوبہ۔ اس کا بیچ کھلا ہے وہ کہا۔

"تم کب آئیں؟" شکر کتنے پہلے اندر داخل ہو گئیں ان کے ہاتھ میں گھاس کی تیرے کئی وہ خود ہی لٹی لٹا کے لیے گھاس لے آئی تھیں۔

"اسی۔۔۔ خود کھلی شادی کا کہہ رہے ہیں۔" اس نے اسی کا سوال گھر اندر آ کر دیا۔ اسی نے موہ کی طرف دیکھا۔

"گھاس ہی تو کہہ رہا ہے۔ کچھ اکیلے سے لے جانے کام نہیں ہونگا۔" وہ موہ سے کچھ تار میں فکر آئیں کہانے کی تیرے کئی موہ نے پلو پلو لیا۔

"جس ڈیوری کے فوراً ہی پلو پلو ہواں کی میں میں عیب و جوہ لگی ہوں آپ کو۔" نی تک بی۔

"ارے ارے۔۔۔ بہت کہیں سے کہیں نے گئیں نہ۔" منہ پڑھیں فکر کرنے لگی۔

"چاہی تو کہہ رہی ہوں۔" موہ کی گواہی عروسی۔

"جس کا وہ دل چاہے کرنا چاہے اور کتا بھرے میں تو تھک گئی ہوں ایک کے بعد ایک کو سمجھاتے نہیں لے۔" شکر کتنے سیکم بھی بھری جیسی تھیں کہ نہ کر چلی گئیں۔ صفا کو سمجھنے نہیں لگی کہ بہت کیا تھی "کئی یو" نے سلام پھیر کر اس کی طرف دیکھا۔

"جو پتے پتے کہا تھا کہ آرم کر آمو میہی نماز میں خلل ہو رہا ہے۔" کئی یو نے کہا تو موہ نے جھٹک سے پھرتے ہوئے آکھیں بند کر لیں۔ صفا وہیں کچھ سمجھ میں نہ کہ کئی یو اپنی کو سمجھانے لگی "کئی یو اب وہ نماز کی نیت بنا رہے چلی گئیں۔"



"سج کے منگنی کے اس دور میں بھی لٹا کر لینا بہت زیادہ ہے آپ خود کھولے گھونٹا کالی پھر لگائے جا رہی ہیں۔" شادی کی تیاری لڈلٹا پر تھی۔ فرحت بہتر لے لے اکلوتے پتے کے لیے دھڑو دھر مشابہت کر رہی تھیں۔

"میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا منہ میں سطلے ہیں کہہ سیمرو لو کہ تم نے اٹھو تے ڈاکٹر جی کی شادی ہو گئی تھوڑی کر دلا گی۔۔۔ لیکن سب لیکن پورے کر دلا گی۔" خوشی سے چٹک رہی تھیں۔ آرم من کے چہرے کی خوشی دیکھ کر خود بھی بہت پر سکون سا ہوا کہہ۔

"سج چھٹی ہے میں نے جو اور کوفٹن کو دیا ہے۔ گھر نہ جائے گا۔ جس میں نہیں جاتا نہیں؟" اسی نے ایک ڈاکٹر کو کیا پتہ کہ وہ چھٹی کا پورا دن گھر گزار کے گیا کئی ہی کھل پر جانا پڑے گا۔" ان سو نے سے ٹیکہ لگا کر پتے گیا۔

"ہاں مجھے پتا ہے پر ایک ڈاکٹر کی ڈھکی میں بھی کچھ ایسے دن گاتے ہیں جب اسے اپنی ڈھکی کے لیے لکھوں کو فید کرنا پڑتا ہے۔" فرات سے اس نے کہا۔ "تو وہ فرس ڈا۔ فرحت سمجھنے سے اسے کہنے لگی اس نے ایک من کو لیں کی طرف لے گیا اور پھر تر جھا لیا۔

"آپ اس خوش رہا کریں گی جانتے تو یہ شادی خود

لکھ لور شہم کو میرے ساتھ واپس آئے۔ ایسی لڑکی اس گھر کی تھالی اور کھین کر سکتی۔" تو ساریت سے بولا۔ فرحت کا دل بکھم کھی نے طبعی نہیں لے لیا سن کا ایک ٹھک تھک تھک تھک کے بیٹے کی آنکھوں کی اواسی دیکھی۔

"تم اس گھر کے لیے ہو؟" لا رہے ہو؟ میں تمہارے لیے ایک وہی چاہتی ہوں اور وہ جو کوئی بھی ہے "تو سمارے دل میں اب بھی ہے ایک کھل کا دل اور اس ہونے لگا۔

"مما پلیز لے دوں یا کیکہ۔ میں عروج کے ساتھ خوش رہ لوں گا پلیز ہام پلیز۔" اس نے لہلہ کو دونوں ہاتھوں سے تھمتے ہوئے پورے رٹھن سے کہنے کی فرسوش کی۔

"پلیز نما، آسمی کب اس موسم پر بات مت کر لے گا۔ تاہم ضرورت بھی نہیں ہے۔" اس نے جھانکے ہوئے انداز میں کہا اور ہاتھوں سے چلا گیا۔



"کیا یہ خرچ ہو رہا ہے جنا کی پرہالی پر۔ کس کام کا۔ کون سا تھوہو کا آب کو اس کی پرہالی کا کھل کال کو شادی اور جلسے کی اور اگلے میں کریں گے۔" گوج ایک نئی بات "مما" نے نکلا۔ اسی تو سچا کرہ گھر میں لور ہوش سی لٹی بڑا کو دیکھتے گھن۔ پھر سوا کو دیکھا وہ آرام سے سب کھا رہی تھی۔

"ایسی خرچت تمہارے دل میں آئی کیسے ہو؟" ہو گیا آیا ہے ایک سال میں تمہارے دل میں دلچ کر؟" لٹی بڑا بولا لٹا ہوا۔

"تو لٹا کیا کر رہی ہوں؟"

"سوا ایسی باتیں نہیں کہتے۔ کوئی بھی مل باپ اپنی اولاد کو۔ لور خاص کر بیٹیوں کو تعلیم اس لیے نہیں دیتا کہ وہ کل کو انھیں قائم رہے۔ تم شہ لور اساتذہ نے اور پختہ پڑھا ہوا۔ ہم نے بھی اس میں بھی رکھوت نہیں ڈالی۔"

"زندگی گزار گئی۔ خیرت سب کی شادی ہو گئی۔"

سے زیادہ میں آپ کو خوش دیکھنے کے لیے کر رہا ہوں۔ کپ کی غمگینی اور ہو چلا سب اور میں آپ خوش رہوں جو کئی چستے ہوئے رہا کریں۔" ایک بیٹے کی طبیعت سے اس کے سبب میں ہے حد اعلیٰ اور اپنی بات بھی یہ لگہ بہ لگہ ہے کہ اپنے دل کو چینی بار بھی اس نے نٹلا ہا ہا عروج کا کوئی دھور نہیں تھا۔ فرحت ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔

"آر ایسا ہے تو ایک بات سچ بتانا۔" وہ ذرا سا کھٹک کر بیٹے کے فریب ہو گئی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے لہلہ کو دیکھا مگر ایک لمحے کو بھی نظریں ملنا کر نہیں رکھ سکا۔

"میں نے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔" وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے ٹھنکے لگا۔

"میری طرف کچھ کر بات کر۔" فرحت نے اس کا چہرہ اپنی بہت کجا۔

"آئی جان۔" لٹی ابہا تاز۔

"مما نے۔ تو نہیں پوچھا تم سے۔" وہ اس کے بے اعتباریوں نے ہر چیز ہو کر گھر کو پٹا کر دیا۔

"تم نے عروج سے شادی کا فیصلہ میری خاطر کیا۔ اور خود تمہارے دل میں ہے، وہ کون ہے۔" ایک لہلہ کو دیکھ لکل ساکت رہ گیا جس چٹائی کو خود چٹا کر دیا ہے۔ گبات سے اسی اتنی آسانی سے پڑھ چکی ہیں۔

"میری بات کا تو لبہ دار م۔"

"مما۔ کوئی بھی نہیں۔" لٹا کی طرف کچھ اشاریہ بولا اور اٹھ کر چلے لگا۔

"آر تم۔ میں نے کہا تھا جھوٹ نہیں بولو گے؟" فرحت نے اس کے کھٹے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا اس نے رگ کر لہلہ کی طرف کھٹک لگا۔

"مما اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑا کہ میرے دل میں کون ہے۔ مجھے اس گھر کے لیے ایک سا کھی چاہیے جو صرف اس گھر کو دیکھے۔ تھپ کو دیکھے کون جو میرے دل میں ہے اس کے خواب دیکھ لور ہیں۔ کچھ لور سوچ رکھا ہے اس نے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس گھر میں کسی لولہ ہو میرے ساتھ سچ اس کے لیے

ازم پر ان کی پیشکش اور ازاد رہی تھی۔ وہ سب سے پہلے
 نہیں کب آئیں اس وقت میں انہیں اور اسکی پالی کا
 فطرت نگاہ پر مہم نکلا۔

کچھ لوگ تہ بہ تہتے کھٹے کھٹے مشکل ہو جاتے
 ہیں۔ انسان تعلقات اپنے سخن نکلے گتے ہیں۔
 چلی اور ان کی خوشی جس کا کوئی سہل نہیں اور اس میں
 پسند ناپسند چھاپنے کا چاہتے کا کوئی رطل ہو ناہیں یعنی
 ہوا بنا۔ کسی بھی نعمت بار نعمت سے خالی ہاں نہ
 جاتے تو ہاتھ پن با "بے اولاد ہی" کا وہ ایک نہیں نکلا
 ۔ ایسی نا شکر کی۔ اور چہرہ اللہ انسان کو اس کی من
 چاہی اولاد دینا شروع کر دے تو نظام زندگی جس جس
 نہ ہو جائے گتہ چاہے تو ہی سب ممکن ہے ورنہ سب
 ناممکن۔ ایک شخص کے کہنے سے انسان خدا کی رضا کو
 نہیں جان سکتا۔ یعنی ڈینا۔ سو لوگوں کی ہتھڑا
 پر بیٹھ نہیں ہو سکتی۔ سر حال اسلام کے ایسے سب کے
 پر ان کی اصل خوشی کا خوشی ہو سکتی اصل میں ہزاروں
 طرح کے سوسے آئے گئے۔ سب سب ناہیں۔ جن کا
 بھی تصور ہی نہیں کا قابل کو ستانے نہیں سدا تم
 مسمی ایک جگہ نہیں تھی۔

"مولا کو باطن تو کیا کس کی۔ کتنا ہی کہوے گا
 اسلام نہیں ہی کو۔"

"مولا اور انصار حم سے ہاتھ نہ ہئی ہے میری۔ کچھ
 دیر میں دم میں سخت کر دیں گے۔ آپ نے اسلام
 پہلے کو تارا نا نہیں نے کنی انہوں کیا عمل رہے نہیں
 کر رہے۔" مقام کو روضہ میں ملنے کے برابر بیٹھ گئی۔
 شوکت بیگم نے خالی تھوڑے سے اس سے کہا۔

"کیا ہوا وہی۔" آپ سے نہیں لگ رہی ہیں۔
 چہلے خاموش رہنے کے بعد ہی نے کہے اسلام کے
 بارے میں بتا کر اپنے دل کا بوجھ ہٹا کر وہاں مقنا کو تھیں
 نہیں گیا۔

"تو ہی بچھلے کو مجھے جھٹھے سے کل رہیو نہیں
 کر رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کوئی اسلام
 ان کی طرف آ کر کھلی را۔ وہ لوگ اپنی جگہ سے اٹھ
 گئے۔"

مطلب تو یہی تھی ہو نے ہی ہوئی ہے پر اس گھر کے
 حالات نہیں بدلے۔ نہ سوچ نہ رہن سہن۔
 میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں اور اسلام الٹی ہی تو
 اچھی زندگی گزار رہی ہیں۔ میں لہلی کلم کر کے کون
 سا حیرا رہا اور وہاں آئی اور خود نشی جانے کا خواب لے
 کر رہی رخصت ہو گئیں۔ وہ قسمت میں ہا چھا کھا ہے
 کہ ہمارے شوہر خاص کر اسلام ہا چھا کھاتے ہیں۔
 اچھا کھاتے ہیں پیسے کی کوئی کمی نہیں۔ بس کہنے کا
 مطلب یہ ہے کہ اگر جفا بھی کسی امیر گرانے میں
 رہتی جائے تو مجھے میں جانے کی رہ ڈاکٹری۔
 تخت پر ان گراہی سوچ کر آکل کہنے کی کوشش میں
 تھی شوکت بیگم اپنی زندگی کسی بھی کی سوچ پر چکا ہی
 نہیں۔ مود بھی سزا تک کر کے کو شہل کر لیت
 تھی۔ شوکت بیگم فرانس رہنے پر سن اٹھتے کہنے
 لگیں سب ہی مود کی گراہی ہوئی گواہ لگی۔

وہ کی ایک نیا مود کے ہوا کہ ہر اک رہی تھی۔



پہلو اسلام بنا مبارک ہو اللہ نے رحمت کر
 دی انہی کے باپ ہیں گئے ہو۔ شوکت بیگم فون پر
 رات کو خوشخبری سن رہی تھی۔ اس کے اپنے ہی گئے
 سے پہلے ہی گذرنا لگی۔ وہ ابھی تک شوکت میں
 چھا تھا۔

"بی۔" مگر انہوں نے اس میں تو بیٹا بتا تھا میں؟
 رات کے ایسے اور سو لڑ شوکت بیگم کو چھا کھا
 ہا۔ ہوں ہاں کہنے لگیں ان کی کچھ میں نہیں
 اور اتنا کہ کیا ہو گیا ہے۔"

"میں کچھ دیر میں پہنچا ہوں۔ آپ بلیر فون پر
 کر رہے شوکت بیگم سے پہلے۔" اس نے رات کو
 متعلق کر دیا۔ شوکت بیگم کے ہاتھوں میں جیسے جڑ
 ہوا میں چلنے لگیں۔

"جی کاسن کر اسلام نے فون پر کرنا۔" وہ فون
 کلائی سے بیٹھا میں۔ جس شوہر اور سسرال کی پہل

”سہارک ہو اسلام بھائی۔“ مغلانے پہلی کوشش
 پہلے بار اول نظر کرنے کی کی۔ ”وہ جوان“ کچھ نہیں
 بولا۔

”سب کیسے ہو چکا ہے۔ لڑا سا اوٹھ میں تو بیٹا
 تھا۔“ وہ غن سے ایسے سوال کر رہا تھا جیسے بیٹی پیدا
 کرنے کی ذمہ داری ان کے سر ہے۔

”یہ تو کب کیسے پائیں کر رہے ہیں اسلام بھائی۔
 بیٹی ہو یا بیٹا تم سے کیا فرق پڑتا ہے اور سو لو گروانی کی
 وہ پوتہ و پوتہ پرست تو نہیں ہو سکتی۔ یہ تو اللہ کی
 مرضی ہے۔“ مغلانے اسے سمجھانا چاہا۔

”تم پلیر اس مغلٹے میں مت پورو لکتا کچھ سوچ
 رکھا تھا تم نے۔ سب کو پتا تھا کہ بیٹا نہ تو والا ہے۔
 میں تو گھر اطلاع بھی نہیں کر سکا۔ لوگ تو پرانے کی
 خوبی کا اعتبار کر رہے ہیں۔“ وہ ایسے افسردہ ہو رہا تھا۔
 ”کیسے؟“ شاید وہ الفاظ غر میں آنے کی ہمت نہیں
 رکھتے۔ ”جولہ“ ماں بیٹی ایک دوسرے کی شکل دیکھتے
 لگتیں۔

”اسلم۔ جبکہ تو اللہ کی مرضی ہے مجھے چاہے بیٹا
 دے اور جسے چاہے بیٹی۔ شکر کرو اللہ نے صاحب
 اولاد تو کیا۔“ بیٹی نکلی ہے تو انشاء اللہ وہ بھی ہو جائے
 گا۔ شوکت بیگم نے اسے سمجھایا۔

”مٹی اٹھ تو کچھ کچھ نہیں آ رہا۔ سوائے اس
 شرمندگی کے۔۔۔ جو مجھے اٹھانے کی۔“ وہ کہہ کر
 وہاں سے چلا گیا۔ ایک بی بی پریشانی پورے چرخوں پر تھی۔
 حیرت کا دورہ تو اس وقت شدہ ہو گیا۔ حسین کی
 اپنی بیٹی۔ عہدہ بھی بیٹی کی پیداوار کا نہیں کہہ سکتے ہیں
 آئی ایک بیٹی کی پوری اس کے برابر بیٹی تھی اور وہ
 بے بیٹی سے بیٹی کو۔ دیکھ رہی تھی اور پھر کچھ مہ دے
 تھی۔

”یہ کیا ہو گیا ہے۔ مجھے تو بیٹا چاہیے تھا۔“
 ”نہی۔۔۔ سوہ بھی جان لینا نہیں چاہیے لڑا سے لڑا
 باری ہوئی ہیں۔ ایسے مت سوچ۔ اچھی بیٹی نہیں
 کتہہ نازاں ہو گا۔“ شوکت بیگم نے بیٹی کو سمجھانا
 چاہا۔

”سب ہاتھ ہیں۔ کیسے نہیں کہیں گی شہا اپنے
 سرسریں واہل کو۔“ وہ دوتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
 شوکت بیگم کے پاس تو وہ الفاظ ہی نہ رہے کہ بیٹی کو
 سمجھائیں ’اسلم‘ کی پھر اس کی کم عقلی پر دوش
 ”تو بیٹی کو دیتی ہو سوہ تم کی۔“ بیٹی کوئی گلہ تو
 نہیں ہے؟ ”تساری ہی اولاد ہے۔ ہاتھیں تمہاری
 سوچ اس قدر گھٹا کیوں ہو گئی ہے۔ کب تم یہ سب
 کہو گی تو اسلم۔ بھائی باپائی گھروالے کیوں نہ کریں گے
 ؟“ مغلانے وہاں گیا۔ پوچھ ہی پڑی۔

”ہاتھ گلہ کی کی نہیں ہے۔ سب کو پتا تھا کہ بیٹا
 ہے اور سب۔“

”جو کیا ہو گیا۔“ مغلانے سختی سے ہاتھ گلہ۔
 ”یہ بھی تساری ہی اولاد ہے۔“ مصمم سی بیٹی کو
 اس طرح رو رہی ہو۔ جیسے۔۔۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک
 گئی۔
 ”لعنت ہے ایسی سوچ پر۔“ مغلانے سختی سے کہہ کر
 وہاں سے پھرتی گئی۔



گھر میں ایک واقعہ پچھلے سکان کا دور چل رہا تھا۔
 سرسریں سے عہدہ کی بیٹی کو دیکھنے کوئی نہیں کیا تھا۔
 اسلم سے سب سے میرے روز آ جا یا آخر وہ خوش نہیں
 تھا اور اس کی لڑائی رگہ کر سوہ کی ممتا امتحان میں پڑ
 جاتی تو ساری طرف پھر جلدی ستاری نہ ہونے دیا تھا
 ۔ موسم بدل رہا تھا۔ چھوٹے بچے تھے اسی لیے سوہ
 اور اسلم چاہتی تھیں کہ فل سوہی کا سینہ نکل لیا
 جائے جبکہ وہ جلدی چاہا تھا۔ کچھ بحث بھی اسی طرح
 سب سوہ ہونے کا تھا۔ حالت اجابت نہیں دے رہے
 تھے۔ گھر میں تو سب کو اپنی پڑی تھی۔ شوکت بیگم
 بھی بیکر چاہتی تھی کہ سوہ والہ گھر چالے تو ہی کوئی
 قدر اٹھا کر۔ کیونکہ میں دن ہو گے گھر میں سے ایک
 فون گل نہیں آتی تھی۔ شوکت بیگم نے خود فون کیا
 مگر اتوں نے مصروفیت کا ماننا کر منہ کھرا دیا۔ جوں
 جوں دن گزر رہے تھے۔ شوکت بیگم کی پریشانی بڑھ

چائے کے کمریزیاں منہ چھو ہمارا ہلکا بھی نہ
وہ بھی سے کپ کے کرا گھر۔

”معا۔۔۔ بیچے چاہو تم ہی چائے دے کو اسے۔
فرحت آئی جاتے جاتے پلنگ کو کمرے۔ اور ذرا کمرہ
بھی دیکھ لو۔ کیا سب کیا ہے اس کمرے کے۔ کچھ
لو کمرہ کمرہ ہو تو کر لیا۔ میں پھول بھجواتی ہوں۔“
فرحت آئی۔ کب تھمتے ہوئے ساتھ ہی کلم بھی
نماوا۔ اسے کچھ کئے تھے کامرہ میں نہ ملے۔



اس نے لکھے سے دردانہ کنگھٹا۔
”اور اجازت اس کو روانہ کھولا۔ خوشبو کا کین جو دکا
سانسوں میں گھل گیا۔ وہ ابھی نما کر نکلا تھا۔ صرف
ٹراڈر پہنے تھے جس کا رنگ لکھا۔ ڈرنگ ٹیبل کے
ساتھ کراٹھیاں بنا ہوا تھا۔ اس نے شیشے میں ہی گتے
دل کے کاجوڑے کھاتے تھے ابھی تک رک گیا۔

”مگر۔۔۔ چائے لائی تھی۔“ اس نے وہیں
دروازے پر کمرے کپ بچھایا۔

”ارے۔۔۔ تم کلم ہوئی ہو۔“ اس نے ہاتھ سے
پیش رکھ کر اپنا الجھڑا پیش کرنے کی کوشش کی۔

”سوری۔“ اور پھر اپنا توبرہ اٹار کر کرسی پر رکھا۔
ہنگ کی ہونٹ شربت پکھی۔

”کو۔۔۔ اندر کو۔“ اس نے چائے کا کپ خود کے
بندہ کر کے لیا تھا۔ ایک چٹائی لگا کر سے براہی۔ نیا

فرنیچہ بوندے۔ چیت شدہ خوشبو میں بٹا کمرہ۔
کسی کے آنے کا پتھر تھا۔ ڈبل بند کے ساتھ کراچ
کے ساتھ رکھی کلاس ٹیبل پر ”مگڈکن“ ٹیبل رکھا۔

ایکہ فوٹو فریم ڈاکٹر زمر کی شکر آئی تصویر کے ساتھ
۔۔۔ سوری جاگ عروج کی تصویر کی پتھر۔ وہ کمرے کا

جاڑا لے رقی حنی اور ڈاکٹر زمر ہم اس کا۔ چائے کا
سنب لیتے ہوئے ڈاکٹر زمر کو عروس ہوا کہ کچھ اور

بھی تھا جو اس کے حلق سے اڑا۔ کوئی سسکی۔ کوئی
تھکا ہوا آس کوئی کہ۔ لٹن ٹیبل لگا ہوں میں سے نظر

آئیں تو فقط کرتی ہیں۔ نہ اس نے بھی کچھ کہا۔ نہ



گھر کی اواسی سے مل بہت برا ہو رہا تھا۔ رقی حنی کی
طرف بھی توجہ نہیں دینی چاہتی تھی تاہم چل رہا تھا
اور اس کاٹن ہر طرف سے کھپات ہو گیا تھا۔ طبل کی
لوہا ساں ملد بھی بڑھ گئیں۔ جب فرحت بیگم کی طرف
سے آئی بارٹلاوا گیا اور اسے چاہتی پڑا۔

فرحت آئی کے ہن بہت خوش ہو گئی تھی۔
شادی کے دن فریب آتی ہے تو اور آئی کے کچھ مسلمان

بھی اور دروازے آچکے تھے۔ فرحت بیگم صفا کو رکھ
کر اس کی طرف عینت سے لگیں۔

”چاہے کھل گیا کراچ تو۔“ وہ اس کا ہاتھ چوم کر ہنر
لے آئیں ہمسائی سے منازک کر دیا۔ چائے کا اور

چل رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ کپوں اور لورگت کی
پیننگ چل رہی تھی۔

”عروج کو بائٹ کو لڈ بہت ہے۔“ یہ وہ کھوئیے
اس کی منہ کھلی پڑا کٹر پائونٹ گگ۔ فرحت بیگم نے

اس کی پاس بیٹھے ہوئے ایک بڑے سا بیکس سبب
دکھایا۔ اس نے چہرے لگے دیکھا۔

”بہت سچا رہا۔“
”تھی بارٹلا بھی کلم نے نہ کت کہ۔ وہ بھی نہیں

کلیاں عروہ کے سسرال سے کیا گیا کوئی؟“ آئی نے
پوچھا۔

”گھرا آئی ہوا۔“ لپٹو دکھ کو جو بھلا کر بھی گھی۔
لے آئے امان ہوا۔

”تھ۔۔۔ رسولہ ایس جا رہی ہے۔ لیکن کوئی رسم
و خوب نہیں ہوگی۔“ لہلہ لہائی آ کر لے جائیں گے۔

اس نے ہنسا۔
”کیسے لوگ ہیں وہی کلم؟“ نام سے پوچھیں۔

اور پھر آئی وہ کچھ اور کئے ہی دلی تھی کہ ایک دوس
گیا۔ سلی کی لٹی چائے کا کپ اٹھائے کہ کھلی۔

”ہا۔۔۔ ڈاکٹر ماسوں کے لیے۔ کلم ہیں؟“ وہ
لپٹے کرے میں ہے۔ لاؤ میں خود سے آئی ہوں تم

اس نے کچھ سنا۔ پھر سے بے کیف اور کرجیاں نہ
سستکیں اور کاکھیل۔۔۔ جسے کہیں نہیں شروع ہو
گی۔

”کہا۔۔۔ دیکھ رہی ہو۔۔۔ آرم نے کب ایک طرف
دیکھا۔۔۔ چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔
”کچھ نہیں۔۔۔ آئی نے کہا تھا۔ ایک بار وہ کہوں
کہ سب بیٹ ہے۔ سب کچھ فریبٹ ہے، وہ خود کو
سجوانے ہونے لگے۔ کے پھل آگزی ہوئی۔
ارم کچھ نہیں بولا۔

”منا۔۔۔ سب بیٹ نہیں ہے۔“ اناجک ان اس
کے پیچھے آکر بولا۔ تو وہ گھبرا کر پھٹی مل لڑنے سے دھڑکا
جیسے ابھی باہر آکر نہ گامو تم کا مل چلا گیا ہے کہ
اس کی کی ہے جو اس کے سامنے ہے۔ پھر گولڈ کی
چوٹی پر بیٹھا رہی تھی چند دلوں میں اس کی نئی زندگی
شروع ہونے والی تھی۔ اگر آئی ان لوگوں کے آگے
بار گیا۔ تو خود اس کو تو نہیں مگر شاید ان آگموں
میں ٹھہری کہ جہاں اسے خون رلا دیں۔ اور سب شاید
یکے کہنے ہوئے لگتا نہ ہو گی نہیں۔

”کیوں کیا ہوا۔۔۔ کیا کی ہے۔“ وہ سنبھل کر
اسے دہرائی۔ کہے پر ایک نگہ اور ڈالی۔ چند
دکھنے اور مٹتے دیکھا ہوا۔ اس کے بند ہونے کے
پچھے لگا تھم رہی تھی رہا تھا اس سے پہلے وہ کچھ اور
گتہ نہ تھکا اور وہی تھی کھیل کے داخل ہوئی۔
”یہ پھول کرے میں رکھتے ہیں۔ ہاتھ دینے دیے
ہیں۔“ اس نے بڑی بے کلامی۔

”تھیک یو ہاؤ۔۔۔“ ارم نے پھول لے کر اس کا
گل تھیک۔

”یہ نور آئی کی تھی ہے۔۔۔ وہ تو کراچی میں ہوئی ہیں
۔۔۔ ساری لائی ہائی۔“ ارم نے ضارف کو بولا۔

”پہلو۔۔۔ مسمانے اسے پار کیا۔
”بلیز۔۔۔ بہت بورنگ ڈاکٹر ہیں۔ انہیں سمجھا
ہیں کہ اپنی شادی پر لو اس نہیں گھرتے۔ میں تو پورے
گئی ہوں یہی۔“ آرم نے اس انداز سے کہا
کہ وہ دلوں میں ہے۔

”یہ چل رہا ہے۔۔۔ ہاگموں سے۔۔۔“ آرم نے جھجھکتے ہوا
کہنے لگا ہوں۔۔۔ آرم نے اسے جھجھکتا۔

”کہوں دھماکا ہے۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ٹھیک ہی تو کہ
وہی ہے ارم تو کم کر میں اور کبھی کبھی لے کر گھبرا کر
۔۔۔ شادی ہوئے تو اسے کہہ بی کہی کھل کو فروج نے کیا
شکایت کر رہی تو پھر؟ منانے اور کاشیاد و حوالے کی
کو شش کی۔ وہ اس سے دیکھنے لگا۔

”یہ پھول دیوں وانس ونگا اور تم۔۔۔ پان ہاگموں
سے۔“ ارم نے پھول مٹا کر منانے کے اور پھر بھی ہے
کھلی ہوئی۔

”میں ان کے ساتھ پھول پھاڑوں گی۔ اور نہ میں
دست میں نے خون ہانا ہے۔۔۔“ ارم نے کہا ہاگموں سے
پھاڑوں۔۔۔ اس نے منانے کے ساتھ میں پھاڑے پھاڑو کو
ٹھل گیا۔

”پھول۔۔۔ بہت پیارا ہے۔۔۔“ تھیک یو۔۔۔ ارم
نے شرارت سے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے پھول
لے لیا۔۔۔ منانے کو اس نے پھول پھاڑنے کو نہ دینے پر
ہاتھ پٹے سے پھول لے لیا۔ اسے اناجک سے دیکھنے لگا۔
وہ صوف کے ساتھ آئی ہوئی پھول پھاڑنے لگی۔ ساتھ ہی
باتیں کر رہی تھی۔ اناجک سے کو ارم کو اس ہاتھ کا شہ
احساس ہوا کہ شاید اس کا بھلا جلد ہی اس میں ہو چکا ہے
منانے پر اناجک کو اس کے ہاتھ سے پھیسی میں تھی۔
”پھو گیا۔“ وہ پھول مٹا کر تھی۔

”پھل لکھتے ہو رہی تھیں۔۔۔“ وہ پھاڑوں۔
”پھول۔۔۔ سب جلد ہی سے اور چاہتے تھے تو۔۔۔
چائے ٹھنڈی ہو گئی۔“

”انہیں۔۔۔“ وہ سر جھٹک کر چلی گئی۔
”لو کہ۔“ اناجک صاحب میں بھی چلتی ہوں۔۔۔ کئی
دیر ہو گئی۔“

”لو کہ۔“ اناجک صاحب میں بھی چلتی ہوں۔۔۔ کئی
دیر ہو گئی۔“

”لو کہ۔“ اناجک صاحب میں بھی چلتی ہوں۔۔۔ کئی
دیر ہو گئی۔“

دیکھا رہا اور پھر ہاتھ میں پکڑا پھول اس کی طرف بڑھا
 دیا وہ ہار گیا تھا



جیسے مجھے سونے سے سسرالی مٹی تو نہ نکلتی تھی کہ
 سکھ کا سامن ایک ایسا ہی ایسے سسرالی روشن دیا کی
 شادی میں شرکت کے لیے ہمیں تیار کی ہوئی تھی۔
 لب لباب کی طرف سے سکھوں کو خوشبو شادی پر لاد
 دینے کا تھا۔ ہلا تو میں جیسے بہر کا کہہ رہے تھے کہ وہ
 اس جیتے کی بہت کرنا تھا۔ ان کا سرواڑے تھا کہ دھوم
 دھڑکانے کی ضرورت ہی نہیں نکاح کرنے کے بس کو
 کرنے کا تھا۔

پھر لیکن اپنی کیا الگو لوٹ رہی۔ ہمارا کہ تھوڑی لا
 نہ ہے ہیں تو کسی کو لاد رہے تھے بھی نہیں تو پہلے ہی اس
 رخصتے خوش نہیں تھی۔ لب لباب کی طرح شادی
 کرنے پر تو دلویلا پادری کی۔ شوکت بیگم کو ایک تھی
 پر شادی نے آریا۔ اس طرح کی شادی

میں ان کی کوئی بات نہیں کروا سکیں۔ اس بات کا ان میں
 انہوں نے تھا۔

ڈھولک کی تھاپ اس کے کہنے کی ہی اور پھر ڈھول
 شادی دے رہی تھی۔ طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔
 میں بھی کتابا گل ہے۔ کبھی ایک پورے گلی ہوئی ہے لاد
 بھی برستار بھی من کی کیا اس میں بھانا آتا ہے
 ... دو تو ہونا ہے۔ کہ تو کھاتی ہے اس کی خاموش
 محبت کو تھاپتے۔ ضرور گلی تھی گھر خود دینا آپ
 دیا سو وہ سنا۔
 عینت ... بھی اطمینان بھی ہے عینت۔ شادی
 طبیعت تو اک بہانہ تھا جو لے اچھلے میں اس کی
 جھولی میں گھرے تھے ان کے ساتھ وہ کوئی سا
 لہو کو دھونسا نہیں چاہتی تھی سارم کی شادی شروع
 ہونے میں صرف وہ میں دن پلنے تھے لود دا چاہتی تھی
 کہ بہانہ اس کی زندگی میں بھی نہ آئی۔ وہ اس
 عشق کے ساتھ زندگی تو ورنہ میں گھرے کی ہنکر

بہر حال وہ وہ آتا ہو تو بھی وہ وہ وہ ہے۔ وہ تو
 چاہتی تھی کہ ان دنوں میں وہ سب جاسکے۔ لود محبت
 کے لیے ہی ہم اس نے آخری ملاقات میں ڈاکٹرار ہم سے
 وصل کیے ہیں۔ سن کے بعد ان آگھوں میں باجنت
 نہ کیے آجکل سے بھی فراغت تھی فراز کا کوئی راستہ
 نہیں تھا۔

وہ کنوڑے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سب ہونا
 چاہتا تھا جس کا اس نے سچا بھی نہیں تھا۔ اسے غیور
 غیرت تھی۔ وہ ایسا تھے کہ ملتا ہے۔ کبھی لود کے
 ساتھ کھیلے ہوئے تھے پادریوں۔ مٹا کو اٹھارے کے
 پھولی کبھی سے ملتا ہے۔ اٹھارے لہا فراز ہو بھی تھا
 اسے بہت کچھ تھا اور وہ تھا وہ اسے نہ مٹا کر
 اپنے جہالت پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پھر اس کے پیچھے
 صرف سوچ تھی۔ کہ وہ اس سے محبت کر کے لود
 جانتا ہے کہ مٹا بھی اسے پتہ نہ کرتی ہے۔ پراپی اس
 سوچ کے اٹھارے کے لیے۔ یہ وقت نہیں تھا اور کچھ
 دانا میں اسے کرتے ہیں۔ کہانے کی لود وہ لڑکی

جو اس گھر سے زندگی کے کسی حصہ یا بہت سی
 اپنے لیلے پر اس سے پہلے اسے بھی کچھ تو نہیں ہوا
 تھا۔

اس سے پہلے خوش رہنے کی کوشش تو کرتا تھا لود
 لب لباب شادی کے دن تک بھی تھے اس کو پہل
 سے گھر لانا چھ نہیں لگتا تھا۔ گھر میں ڈھولک رکھنی
 تھی۔ گھر اس نے ایک بار پھر مٹا کو نہیں بلایا تھا۔ کج
 کل تھامے تھے۔ وہ چاہتا تھا اس کے کہنے کے لیے وہ جلا
 خود سے وہ بھی جانتا تھا اشارہ لاد تھی کہ ڈھولک
 بی عیب اس سے سرسند لود رہی کی سہ ہاتھ دیر
 سکون لینے کی خاطر نہیں پڑھا گیا۔ سچ تھی سکھ آستان
 پر وہ ٹوٹے پتوں کے پیچھے آگھ بھولی کھینچنے پادری کو کہتے
 ہونے والی تھی سوچوں کو سمیٹنے کی کوشش کر رہا
 تھا۔ تب ہی اس کی نظر ان میں خلیق صفی پڑی وہ کچھ
 دیر سے پوچھی رہا تھا۔ ایسے سے زندگی میں ہر کسی کو
 کب نصیب ہوتے ہیں۔ فرحت بھی تھالی بھی لود
 دیا اور بھی وہ ہی تو جہ سے لے سکتے تھے۔

تو کئی برائی طبیعت جب کبھی اچانک غریب ہوئی
 وہ فوراً اسے بلانے لگاتی تھی۔ ڈاکٹر جلدی
 چلنے لگا۔ ”مگر بڑے ہونے لگی تو فوراً اس کے
 ساتھ ہو جاگ۔ جب یہی بار بار اسے ملی گئی تو
 میں بالکل یقین جانے لگا اور یہ سمجھ گئی تھی۔ تب تو عمر
 سی لڑکی تھی اسے ہر شے ڈاکٹر کہہ کر لائی۔ زیادہ بہت
 نہت تو ہوئی تھی۔ لیکن کبھی جسبہ پر صحت مفا
 کیا پتا چاہتی ہونے تو فوراً ”بورب“ ڈاکٹر صفا وہ
 اس وقت ہمیشہ اسے صلی پر مضبوط رہنے کی نصیحت کرتا
 ۔ اور تب اچانک اسے کہا ہو گیا تھا۔ اس کی سوچ
 اتنی پتہ نہ تھی ہو گئی؟ وہ خود آگے ڈاکٹر تھا اور ایک
 ڈاکٹر سے شادی اس لیے نہیں کر رہا تھا کہ اس کے
 گھر اس کی ماں کو توچہ نہیں دے چاہتے تھے۔ اس نے
 صفا کے لیے ایسے کیسے سوچ لیا؟ جبکہ اس کی جمشید
 یا پھر نسوں میں اسے آگہ کر چکی تھیں کہ معافی
 آگھوں میں اس کے لیے پسند کیے۔ اس نے
 اتنی ہی پتہ کیسے نظر انداز کر دی؟ خود اپنی ہی
 عدالت میں نہ کہ کسی سے کہہ کر صفا اس کے پاس اپنے
 کسی سزا کی کتاب میں تھا۔ مغرب ہو کر اس نے
 اپنے پاس میں ہاتھ پھیرا۔ صفا کان سے جا چکی تھی
 اس نے چونے الفا کر آج کی طرف نہ کہتا پارش کی
 چند برس اس کے چہرے پر گرفت چاہا ہوا تھا
 نہیں کہو کیا تھا۔

”جسے اقتدار میں تو رہ چھو کر دے
 وہ شخص میرا نہیں تو اسے میرا کر دے“



”ہی۔ کہہ کے پاس کہہ رکھے ہیں وہ لاکھ
 روپے جو درگ بھائی نے منہ کھلی کر مانگ لیے؟“
 جو روٹی کے منہ سے سبب تھے کاسن کر رہی تھی۔
 ”خستہ پٹن بھی تھی۔“
 ”کہہ رہا ہے کہیں سے بھی اسے کوریں سخت
 ضرورت گنا ہوئی ہے۔ ورنہ پھر اس کا زیور بیچنا
 پڑتا گا۔“

”یہ دو چکی ہے یا ایک سہانگ۔ ہم کھل سے ہوں
 اچانک اسے گریں؟ آگے میں ڈاکٹر نہیں ہیں کیا؟“
 جھڑک کر بولا۔
 ”سب یہ فصلوں کو کیوں دکھا رہے ہو؟“
 ”ایسے کیسے منہ لگا کر مریخ کر رہیں۔“ کئی بڑے
 اسے ٹوکا۔

”لو کہیں سے ہیں کے وہ لاکھ تھی شادی کے
 لیے تو ایک روپہ نہیں نکل رہا تھا۔ اور سب وہ لاکھ
 اور گئے کاسو چاہا جا رہا ہے۔“ لاکھ کو ڈاکٹر
 ”خبر چنا۔ بروقت نکل رہوں کاسو ہے تو اس
 سے سوچ اتنے سال ہونے کے اس کی شادی کو۔ کبھی
 کسی چیز کی تمنا نہیں کی اس نے اور اسے کبھی
 رہا ہے۔ وہ بھی اور کار تو لوٹا ہی نہ گانا۔“
 نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ شوکت بیگم کو تو
 الوقت تھو کہتے تھے میں اپنا تھا۔

”لو خا۔ ایک بار جان لیں وہ لاکھ کن کی سبب
 میں وہاں تھی میں تو نہیں کی پڑنا کی۔ لڑکی
 وائے ہیں وہ بھی کامیاب تھے کہتے ہیں؟“
 جسے میں کی میں نکل تھی۔

”میں تم کو چاہ رہی ہوں۔ لاکھ چاہ رہی ہے مجھے
 مسئلے کا حل نکالنے کے تم گئے ہو کہیں تو کئی
 خدائے اور ایک بار پھر انے لاکھ رہا کر رہا۔
 ”اگلے میں۔ صفا کی ہاتھ جلیب کے لیے بھی
 پیسے چاہیں۔“ اس نے یاد دلایا۔

”اور ایک بہت میں صفا کے وہ رہا ہوں۔ وہ
 رہا ہے کہ اب شہنشاہ چھوڑنے کا سوچ رہے ہیں۔ اس
 کوئی اور امیر لڑکا نظر آ رہا ہے۔ اسی لیے میں شادی
 کے لیے جلدی چاہ رہا تھا مگر کہہ کے تو مسائل حل
 ہوتے نظر نہیں آتے اور میں رہا ہے کے علانیہ کسی
 سے شادی نہیں کرنا گا۔ چاہے مجھے کورٹ میں
 کرنا پڑے۔“ اس کی اتنی تیزی سے کئی پتہ لگا
 اور شوکت بیگم پر ہنسنے لگی۔

”کہا۔“ شوکت بیگم کو گلے تو نہ طور طریقے
 نہیں ہوتے۔ ”شوکت بیگم صدمے سے باہر نکلیں۔“

”ہاں۔ جیسے کہپ کی مجیدریاں فٹم ہونے کا نام نہیں لیتیں دیکھتے کسی اور کی بھی۔ تھو نیندرہ ہزار کی کھڑوہ پر ہم۔“ وہی جاسے کہا کہنے جا رہا تھا کہ ہم چپ ہو گیا پایا جان نور صفا اندر داخل ہو رہے تھے۔ درکار کا نہیں بول سے چلا گیا۔

”اے کہا ہوا؟“ صفا کو ایک لمحے کی دیر نہیں ہوئی انداز کرتے ہیں کہ کوئی بہت سیر میں مسئلہ چل رہا تھا۔

”کچھ نہیں۔“ ہوشورکت چیکرانی لینے چلی گئیں۔

”کہا ہوا تو کرا۔“ کہپ لوگ ہیکر پریشان لگ رہے ہیں کیا جان لے بیٹھے ہوئے ہر جملہ اور آئی پریشان ہیں۔ تلی بڑا کھیں سار سنی ہیں۔



لگے دن۔ مجب سامنوسم تھا۔ سونج کی آنکھ چھٹی بھی پوٹھی پھیل سونج کی گراہی کی پروا نہ کرتے ہوئے پوٹھیں پر ملنے لگے اور بھی۔ ”سونج کی خوش سے نہیں کا ہر کوئی چک لگتا بھی۔“ وہی ایسے بے اعتبار سے موسم سے کتنی کوفت ہوئی ہے اور بھی دھوپ میں برسی بارش میں کو دھو کر ایک ہی تک دے رہی ہے۔ ”بھی چل چلا ہے۔“ وہی بھی چیک کر ملانے لگے بچے کی طرح پر سکون ہو جانا ہے۔ ہیکر ایسا ہی سکون صفا محسوس کر رہی تھی ملائکہ۔ مسئلے مسائل تھے کہ غم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

ساتھ ہی ساتھ برائے میں بھی ہوئی شہتلی باہی ستالی نہیں دے رہی تھی۔ من جیسے ہر طرف سے پیلو پیل گیا تھا شہم کو ہندی کی اور سم بھی اور سے جانا ہی تھا ہی نے موہ اور اسلہ کو بھی گنے کا کہا تھا اگر اسلہ نے تو منع کر دیا تھا جبکہ۔ موہ کے لپے سسرال میں کوئی لنگھن تھا یہاں شوہر الگ خراب موہ کے محوم رہا تھا۔ ہا جان ہلاک کے لیے دو لاکھ اونچا کرتے کی کوئی شہتلی میں چلائے تھے ”وہاں کو شوہر کی ہر وقت شہتلی کی فکر کھائے جا رہی تھی سا کر دیا تھی اس نے کورٹ میں بکر لی تو یہ۔ اس کی وہ جس سے فی الحال ہا جان لہ علم تھے۔“

ہاں نے تو فون کرتے موہ سے بھی لوہار پہنیل کا تذکرہ کیا کہ شاید اسلہ کی طرف سے مل جائیں ”خود اس کے پاس ایک لاکھ رکے تھے“ وہی دیکھنے کی حالی بھری تھی سگے کیسے بھی بہت تھا۔ ”بھی لاکھوں کا زور مشکل وقت میں کوڑوں کے ہوتے تھے۔“ وہی گوارا نہیں تھا کیونکہ اسی طرح کرتے۔ ”وہ لاکھ لاکھ ربرک کو سونا۔ جس نے جلدی لوٹانے کا وعدہ کیا۔“ پورا وعدہ۔ اور دلاؤ تھا کہ۔

پھر رات ایک بج رہا۔ جس کا بھی کسی نے خواب میں بھی نہیں سوجا تھا۔ سب لوگ ہندی کی رسم پر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ ”خیر پور ہا جان تو تمہیں باہر گئے تھے۔ گھر کی خواتین۔ تیاری کر رہی تھیں جب دروازے پر تھیل ہوئی کہنے چلاؤں میں بندے کیسے ہوتے۔“ وہ لاکھوں کو لے گیا۔ تو سامنے۔ فرحت بیگم گھری تھیں۔ گھر کے ہی صلوہ کھولیں۔ ”میں بہت اس لے کر گئی ہوں شوکت۔“ کہن۔ ”روتے ہوئے فرحت بیگم کی گواہ تھی وہی۔“ تلی بڑا اور شوکت بیگم کو حیرت کا بہت بے چینی تھی کہ ان کی ہوتے وہی ہو صلوہ بیگم۔ گھر سے بھاگ گئی تھیں۔ وہ کسی اور کو نیند کرنی بھی صلوہ بیگم نے نہ دیکھی رستہ طے کر دیا اور جب شہتلی کا فن کن پچھو کر لائے بھاگ گئی۔ صلوہ اپ جانے لگاں سے پوچھو کر لائے اور اب اسی لڑکے سے شہتلی کو برا ہے تھے۔ فرحت بیگم سے بہت سفیدت کرنی تھی پھر کن لوگوں کی سفیدت کن کے دل کے خون ہونے سے نہیں نڈک سکی۔ وہ غم نہ پوچھتے تھیں۔ ہیکر میں منہاں موہو نے۔ کارڈو تقسیم ہو چکے تھے۔ کج ہندی کی رسم ہوا تھی۔ وہ لوگ اپنی کسی اور بچی کا رشتہ نہ رہے تھے لیکن فرحت بیگم نے منع کر دیا۔

”کہ صفا کو میری بیوی تھی۔“ وہ ہاتھ پھیلائے آنسوؤں میں کہہ رہی تھیں۔ گھر سے بیٹھا ہر شخص بے یقینی میں چلا تھا اور کہیے سے باہر دروازے کی لوٹ میں کھڑی صفا بے یقینی کی آخری حد تک کو چھو رہی تھی۔

میں سوچا تھا کہ زندگی کی کلاہوں میں جلتے کی جہاں
 عورت کو اتنا دل چاہتا ہے۔ وہیں صفا چھٹی ہوگی۔ میں شاید وہ
 صفا کی جگہ پر کسی اور کو لے کر لے کر گیا تھا اس نے
 رک کر صفا کو رکھا۔ وہ حسن جسم اس وقت دنیا کی
 سب سے حسین لڑکی لگ رہی تھی۔ وہ میرے
 منکر ایسا۔ اس کی بے چینی فرار میں بلی گئی۔ لہذا
 نگاہوں کی بخشش کوئی ایسی بات ضرور تھی کہ جسے
 صفائے مخصوص کرتے ہوئے لگا ہوا تھا اسے دیکھا
 اور یہ پھر بھی نہ لوٹ کر آئے والا تھا۔ پھر گیا۔ وہ
 نگاہیں بھاری تھی تھیں۔ ارم کھینچا ہوا اس کے پاس چلا
 آیا۔
 ”وہ تم۔“ وہ تکلم ہن مٹی لائق۔ ”اس کا ہاتھ
 خالصتہ ہوئے محبت سے جو رہے ہیں۔“

”ایضاً۔ توہنکس۔ نہتکس۔ میری زندگی میں
 آنے کے لیے۔ توہنکس۔ میرے کرتے میں
 برآمد لانے کے لیے۔ ایضاً توہنکس۔ مجھے خوش
 نصیب۔“ وہ شرارت سے مسکرایا ہوا پوچھ کر کہنے
 والا تھا۔ جب صفائے لینا ہاتھ بھیجے بیٹا۔ اس کا چہرہ
 شرم سے سرخ اور باخوں میں لرز رہی تھی۔ زندگی کا
 انجام نہیں ہے۔ شاید ایک کمال کا ہو سچائی کچھ اور
 ہے۔

بہ خوب تاک سے مٹھا!

یہ دیکھ رہے تھے
 یہ کھلتے مسکرائیں
 یہ نئی زندگی کی نرم گرم سانس
 کھول کر بھرتی ہیں

ان لمحوں کے قیام کی شاید کوئی حد نہیں۔ فرحیت
 بدل جاتی تو زندگی کا لے والا ہر لمحہ خوب صورت ہونا
 ہے۔ انسان خواہوں کو حقیقت کا پسند ایسا سمجھتا ہے
 ۔ اب اسی پر توے کے رنگ کیسے ہوں گے یہ تو
 منفرد لکھنے والا ہی جانتا ہے۔ ایک حقیقت تو یہ بھی
 تھی۔ کہ شوکت بیگم کی زندگی میں کتے والے
 مسائل کا سرکل اسے ہی چلانا پڑا تھا۔ نین بیٹیوں کی
 شادی کے بعد ایک اکلونی سو بھی گھر آئی تھی زندگی کا

جو رنگ یہاں مل رہا تھا۔ کچھ اور در تک پہنچا تھا۔
 شاید یہی زندگی ہے۔ انسان پیدا ہوتے ہی ایک محفل
 میں مصروف ہے۔ وقت اور عمر کے ساتھ معمولات
 بدل جاتے ہیں مگر مصروفیت ختم نہیں ہوتی۔ اپنی
 بیٹیوں کو تو یہ سنیں پڑھا کر سمجھا تھا کہ جس جیاد کر جانا۔
 اسی رنگ میں رنگ جاتا۔ اسی گھر کو اپنا گھر بنا کر بھی
 کبھی اپنا یہ دھارا کہا اصول انہیں خود بہت تکلیف
 دے گیا۔ مگر آئے دل ایک اکلونی ہونے کچھ اور
 نئے سین اور اصول بھی یہ تھا ہے۔

کچھ انسانوں کی زندگی میں محفل بھی ختم نہیں
 ہوتی۔ ایک ماں کی تو بھی نہیں۔ کبھی اپنی اولاد کو
 سکھانا پڑتا ہے۔ اور کبھی گھر چلنے کے لئے
 لیے بہت کچھ خود سیکھنا پڑتا ہے۔ یہ سفر نامہ ہے
 اس کا کوئی اختتام نہیں۔

صفائی شادی کے بعد تعلیم جاری رکھے ہوئے تھی۔
 اور ارم کے ساتھ ہی اس کے ہسپتال میں جاس چلب
 کر رہی تھی۔ فرحت تکم بھی اس سے بہت خوش
 تھیں۔ لہذا کے پلے پڑھانے چلنے والا سستی تھوڑا
 طویل تھا۔ مگر کچھ ہفتوں سے کبھی کبھی غلطیوں
 دہرائے جاتا خوش تھی۔

اسلام اور سوا کے وہی جھیلے تھے۔ انہیں جلوت
 ہو گئی تھی۔ اپنے ہر مسئلے کا بوجھ ”میں“ کے گھراٹھا
 لاتے تھے۔

نئی کتے والی ہو بیگم۔ بہت بڑک اندام تھی
 اسے ایک نہیں کئی کام راجیوں کی ضرورت تھی۔
 کپڑے دوہونے، امزنی کرنے، برتن صفائی اور بہت
 سارے لوگوں کا کھانا۔ ماما بھی کھانا پکی تھا شوکت
 بیگم کی محنت ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ شاید ایک ماں
 کی محفل بھی ختم نہیں ہوتی۔ ”فرش“ کے نام پر
 بھی کھلائے خدا حق بھول جاتی ہے جو اس کی اولاد کی
 طرف سے ملے چاہیے۔ اور ان میں سب سے بڑا
 حق عزت کے بعد سکون ہے۔ جو نصیب سے ملتا
 ہے۔

عزیز احمد

تعلیٰ

ماہ کامل کی وہ بریلی رات!

کو ساریہ سفید رقص کی ہے
ایک قدم کا نشان تک نہیں ہے
ایک تعلیٰ کی سلطنت ہے۔

لازروں لگتا ہے جیسے شعلہ دل!
میرے اندر کے طولان کی طرح باہر کی ہوا بھی غرا
رہی ہے
میں اپنے شکر کو امید نہیں دہا سکی۔

خدا اجاتا ہے میں نے تعلیٰ کو شش کی!
کہ کن کو مظلوم نہ ہونے دلا!
وہ ابھی لڑکی لڑا جتوں جو مجھے لڑا تھا
خندہاویں محسوس نہ کر دلا کن کو یہاں تیل جلائے
مگر تیرے لب جہاں گئے سب
سوجے جاتے تھے۔ جاتے دو
لب نہیں دھا سکتی اس کو اندر
جاتے دو۔ جاتے دو۔

بیسویں قسط

Downloaded From
Paksociety.com

سُز جاتا۔ اور دو دن گذر گئے

لوگ کہہ کر گئے تھے پروا نہیں

طوفان کو کہا ہونے لگا

لٹھ سے دھکے فرقے دیا بھی نہیں!

جیسے جانتے ہے کہ پھر اور سے فاصلے سے

تیرے ہر عمل پر کھلا ہونے لگتی ہیں

کو رو رو کر جھوٹے گھبرے رہتا تھا

ابہٹھے پر جو بھی نہیں پاتا

سبیر دیکھنے کا وقت ہے کہ میں کیا کر سکتی ہوں

ابہٹھے اور دو کو آنا ہے اور ڈرنا ہے

تہ کوئی کج نہ کوئی غلط کوئی اصل نہیں میرے

ہے
میں بھی دیکھیں نہیں جاؤں گی ہانسی ہانسی میں
گیلا

جلنے لگا

نور میں انمول کی تانہ صبح کی طرح

جلنے لگا

دہرے کھٹے گمراہ میں رہتی

اور سہل کھڑی ہوں میں اُٹان کی دھنکی میں

طوفان کو کہا ہونے لگا

لٹھ سے دھکے فرقے پر لگا بھی نہیں!

Quoem Elsa (قولان)



میں ہوں آؤں اور جلنے لگا

تم اب دھکے کسی دوتے ہوئے نہیں دیکھو گے

سہل کھڑی ہوئی میں خود نہیں رہوں گی شہر!

طوفان کو کہا ہونے لگا

میں برف شہر کی طرح ایک خیال میں جم سا جاتا

صبح نے تیز قدموں سے راہواری میوز کی طور
اضطراب یہ قابو پاتے ہوئے وہاں کھولا لوگا رازہ نور
میری خاموش کھڑے نظر آ رہے تھے۔ سہلی کے

صباح کی آواز

Downloaded From
Paksociety.com

کمرے کی دیو گھنٹی۔ خلور کمرہ فریض کو دیکھ رہا تھا چہاں
 بے سوجھ گامڑا بیٹا اور معلق ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخی
 نے زبردستی کی تھیں۔ وہ خود شاک کے عالم میں معلق
 ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی انہیں یہ سہمی آوازوں بیٹھا تھا۔
 کھٹنے سینے سے لگائے، نیشنل سارا سٹے غلام میں دیکھ
 رہا تھا۔ تھپی تختی سے بند تھی۔

”کیا ہوا ہے لوہر؟“ فصیح خوابیہ فصد طاری کرنا
 گاڑا زکو ہٹا، تجوی سے اندر داخل ہوا۔ لاش کے
 قریب قدم رکھے۔

”ن کھانے کر ابر گیلہ پھر کچھ در میہ سہمی نے
 کو ازوی میں لگی تویہ دو لڑکا ہاں حالت میں تھی یہ
 کچھ جانا نہیں رہا تھا تو میں نے خلور کو بلا یا۔“ میری
 جلدی جلدی کہنے لگی۔

گاڑا زکو بھی دم بخور تھے۔ سر اٹھا کر اپنا بدن کی جانب
 میں شامل نہ تھا۔ وہاں کسی کو بھی معلوم نہ تھا
 کہ وہی تو اس صبح گاڑا سہمی کو صاف کو قتل کرنے اندر
 مگاہ تھا اور کس نے اسے سہیا تھا۔

”اس کی سوت ڈہری راج سے ہوئی ہے۔“ پھلی
 کے بل لاش کے قریب بیٹھے ہوئے خلور نے خشک
 لہجہ میں اسے مخاطب کیا، مگر فصیح نے جبک کر اس کی
 نہیں جھولی گہرا نہ پاتھ رکھتا پھر اسٹاٹ سے ہاتھ کی
 پشت دیکھی۔ وہاں سو جہر نشان ہوا۔ فصیح نے کہاں سے
 کتا ڈیر نہا سے پاس بولا۔ ”اس نے سہمی کو جھٹ
 کر کھڑا کیا۔ سہمی اب بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔
 اس کی نظریں سارا سٹو رو آپ بھی تھیں۔ فصیح نے پہلے
 جڑا اس کی طبیعت کھول۔ اندر مڑی، رازی تصویر تھی۔ پھر
 اس نے اس کی تلاش کرنا چھینیں تھبتیا میری۔

”پورا کرو چیک کرو“ ایک ایک چیز چھان اردو۔
 ڈہریلا آنکھوں میں کہاں سے آیا؟ تجھے جوبل چاہیے۔
 اس کی بھی تلاش کی لو۔“ خاور کی طرف اشارہ کرتے
 ہوئے وہ کر جا۔ خلور نے ایسا دیکھا کہ ہاتھ اٹھالے۔
 گاڑا زکو کی طرف ان کی طرح کھڑا کھٹائے۔ لگے میری
 وہاں سے ہٹ گئی۔

فریہ! ایک گھنٹہ گاڑا زکو اس کے کمرے کو چھاننے

رہے۔ ہر شے اٹھاری، بکھرا دی۔ مگر ڈہری میں نہ
 ملی۔ فصیح بچا ہر لٹ کو کھل لانا ہاں سے لگن گیا۔ وہ
 سخت پریشان لگتا تھا۔ کمرے میں وہ تمام لگے تو خلور
 نے ایک کمری نکھر سہمی۔ ڈالی جو پھر سے فرش پہ
 اکڑاں بیٹھا تھا۔ مثل ’سائنت‘ لاش اب وہاں نہیں
 تھی۔

”دھکر کر ڈہرت میری نے وہ بین چھپا دیا۔ ویسے
 کہاں سے لپکا وہ تمہارے پاس؟“

وہ سن نہیں رہا تھا۔ کس ایک کھجور ہار کو دیکھ رہا
 تھا۔
 ”وہ تم پہ حملہ کرنے آیا تمہارے لست مارا۔“ ٹھیک
 کہل سب ہم زبان بان رہاں نہیں رکھیں گے۔ سارا کاش
 کی بولت قریب آگئی ہے۔“

اس نے لب بھی کچھ نہیں کہا۔ خاور سر جھٹک کر
 باہر نکلنے لگا تو وہ بولنے۔
 ”اس کی بھی جلی تھی۔“ وہ میرے سے کہتے ہوئے
 اس نے تھپی کھول۔ ”یہ اس کی جیب میں تھی۔ اس

کی تھی کی تصویر۔ ساتھ میں ایک پٹی بھی ہے۔ وہ
 افراب وہ افراتھے اس کی جلی میں۔ میں نے خسر کی
 جان بنا ہوا ایک سبب بھی تھا۔

”وہ ایک اصل تھا۔“ خلور باگواری سے بولا۔
 ”وہ ایک انسان تھا۔“ سہمی نے آنکھیں اس
 کی طرف موڑیں تو وہ سسٹ تھیں مگر خشک تھیں۔ سن
 میں اس وقت بہت سے جذبات تھے۔ رکھ فصد
 احساس جرم لہے ہی۔ لوہر ہی میں اس وقت کچھ بھی
 نہیں تھا۔

”تو پھر مبارک ہو سہمی ہو سہمی آج سے تم بھی
 ہم جیسے قاتلوں میں شامل ہو گئے ہو۔“ خلور بگڑ کر کہتا
 ہوا باہر نکل گیا۔ سہمی نے زخمی نظروں سے اسے
 جلتے جلتے دیکھا تھا۔ اس کو کھلے غامبی تک لوف تھا۔



میں اپنے جھگڑے میں کھو گیا ہوں
 جبکہ میرے سوا کوئی نہیں ہے

موجودہ میں باہر ہوتی تھی۔ ہمیں کوئی مشورہ کرنا اور اس کے لیے جمانی چھوڑنے کوئی نہیں ہو جاتی۔ دوسرے اسلامی ممالک (سنے کے لیے) کا وہ وہ کھولا لڑائی میں معمول کی گھبراہٹی نظر آئی۔ مدد لگنا لڑائی وکیل چہرہ ہار لیا تھا۔ جبکہ انہوں نے صحبت رہی تھی۔ عدوت فریق کھولے کرتی تھی۔ ہمیں ہمارے میں نہیں ہاتھ سے لے لیا۔ وہ رہا غافل ہے میں سب نے سادہ گوشت میں نہیں تیار ہی زمر کو اسلامی سے لگنے دیکھا۔ عدوت باہر ہٹ کر نہیں رہا ہی کل ہی تو فارس کیا حال ہو۔ کیا نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

”تم لوہر تھیں؟“ عدوت نے عدوت کے باہر جانے کا اشارہ بشکل کیا اور پھر ہٹے۔ تانہ سنیں وہ جو سب جوں کی طرف ہی تھی اس نے سڑ کرنا کسی باز کے عدوت کو دیکھا۔

”جی ایچے دیر تک کس اسلامی کرنا ہوتا ہے؟“

سلا کی سے کہہ کر لے پڑھنے لگی۔ لیا کو بالخصوص

نظر انداز کیا اور بالکل خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

زندہ عبور کرتے ہوئے اسے اپنی پشت پر سب کی حتیٰ کہ حسین تک کی نظریں محسوس ہو رہی تھیں۔

ابھی وہ اپنی چٹائی تھی کہ فارس اور اس کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ باہر نکلا۔ جہز پہ پوری آستین کا سفید سوئیچر پہنے، وہ ناندہم لگ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

”وہ سلام علیک؟“ ایسے مسکرا کر لڑا کہ وہ نہ جانے ہوئے بھی مسکرائی۔ (ان کا لب تکہ پشت پہ لگائی محسوس ہو رہی تھی۔)

”وہ بیگم اسلام۔ میرے جانے کے خیال سے کتنے خوش لگ رہے ہو۔“

وہ لگا ساہنسا اور ملی میں سر ہلاؤ۔ پھر اس کی تیار ہی رکھ کر اشتہار کیا۔ ”گورنٹ جاری ہو؟“

”نہاں کے کس کی ہوج سے جینے لوگ کے کہہ دو میں نے نکالے ہیں ناگن کو بھی توڑ کر تھاپے لو رہا۔“

سری نہیں نہیں لڑائی تم نے؟“

فارس نے کمری سانس لے۔ ”میری اور سری جلیب بھی جا چکی ہے، نئی نئی لڑائی کر رہی لگ بھگ کچھ دن کی مسلت سے دیکھتے۔“ دوسرے بمشکل مسکراہٹ دیا۔

”صرف کچھ دن! یہ سفیدہ کی نور پھر حنہ کے کمرے کی طرف چلے گی۔“

فارس نے آواز آئی۔ عدوت ان کو ٹارل دیکھ کر واپس کاموں میں لگ گئی۔ مگر لہا بالکل خاموشی سے کچھ سوچتے رہے۔

اس نے حنہ کے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ بیٹے کھیل لے ٹھیک لگنے پہنچی تھی۔ لکھے ہل سوتلا شکل بالکل جب آٹھنوں سے لب لباب کو بھرتی تھی۔ دوسرے کے کنارے آٹھنوں۔

”سو ہاری کتنے بیٹوں کی محنت خلیج ہو گئی۔ وہ فلیش ہے کار ہے۔“

”ہوں۔“ اس کی خاموشی غیر معمولی تھی۔

”ہمیں فارس کو تیار بنا چاہیے۔“ دیکھنے میں جا رہا فارس کی وجہ سے ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے مگر اب ہمیں مسیحا کے لیے فوراً کچھ کرنا ہے۔ ہمیں وہ فلیش چاہیے حنہ گیارہ گورہی ہو۔“

”شیر و کائنات کس۔“ وہ رنگت علیحدت سے ہٹ کر آ رہا تھا۔ یاد ہے اس کو ایک دن ایک لڑکے نے پڑ لیا تھا۔ ہارنٹ ہیرو کی بیٹی۔ گوارا ہیرو۔ تم علیحدت سے تیار ہی ہے کہ اسے ہاتھ پڑ لیا تھا۔ ”وہ سارا قصہ سناری تھی۔“ چھوٹی ہوئی نظریں لب بھی ہسکر پ پ بھی تھیں۔ دوسری کے ساتھ آٹھنوں اور غور سے ساری گفتگو رہنے لگی۔ حنہ نے شروع کا پورٹن چھاپا اور حنہ لب زمر کو کیا تانے؟

”انہوں نے کچھ کہا ہے؟“

حنہ نے کوکل کر کے نیچے اس کے سامنے رکھ دیا کسی بھی ہار میں لیٹنے والے کے ہر لڑکھی تھی۔ سرخ لہکار لے لے گئے آٹھنوں والی خوب صورت لڑکی جو سفید پیشہ اور صورت سے گوشت میں نہیں تھی۔ کسی

باہر کے ملک کی تصویر تھی۔

”یہ تو...“ وہ کہنے لگے چیپ ہو گئی سب حین کو کہا
تلائے؟

”نچے لگی تو قمار میں ہمدرد ہو کر اسلٹ مین میں گول
میز کے گرد بیٹھ کر رہے تھے۔ ہم بولے جا رہا تھا اور
قمار میں مسترا کر رہا تھا ابھی میں لپٹاؤں کے
دوسرے کنارے بیٹھے تھے۔ چیپ ہائل چیپ۔ زمر
نے اپنا کپ لیا اور ان کے ساتھ آئی تھی۔

”ہم گھوم رہے ہیں۔ کپ نے دیکھ لیا ہے۔“
قدرد سے بے نیازی سے شلٹ لپٹاؤں کو کپ لپٹوں سے لگا
لیا۔

لپٹے ان ہی عجیبہ خاموش نظموں سے دوسروں کو
دیکھا۔ ”میں نے دیکھا ہے۔ تم دو ٹولہ ٹولہ ٹولے
سے ہاتھ کر رہے تھے۔ میں جیسے بتلاؤں اس کا کیا
مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے، یہ سب پلٹوں سے
چلا آ رہا ہے سب کو لوگ جلائی ہو چکے ہو۔“

”نہ سب کے لیے نہیں کیا گیا تھا۔ چلے اس کو اندر
تک۔ خیراب کی طرح جلائی۔ وہ ہائل میں رہ گئی تھی۔
پہلے کچھ کے بار کھل گئی۔

”لوہا اپنے پیڑ پر بیٹھی تھی اسی سڑک کو پار پار پڑے
جا رہی تھی وہ سیر کرنے کے لیے تھی۔

”پہلی شادی کر رہا ہے۔ پہلی شادی پہلی...
شادی کی دوا۔ اپنی بچہ کی دوا۔ بچہ کی دوا سب
انہی کے ذہن سے گزرنے لگا تھا اس کی ہماری دنیا برف
ہو گئی تھی۔



”بہو کی بستی کو بھلا مریج لگا سکتی تھی؟
میں اگر خود نہ شریک کتب دوا ہوتا
تھر کا دار بھی اس صبح وہند میں ڈنڈا ہوا تھا۔ اپنے
کمرے میں بنگھار میز کے سامنے کھڑا ہوا۔ اپنے
عکس کو دیکھنے ہوئے، ”ظلی کی گرد لگا ہوا تھا۔ چہرے پر
سجود کی گہری کیلے ہل چھہ کوروش کے دل سب ستر لگا
تھا گویا پچھلے پچھلے کی بے سکول بصر سے دوسرے منظر

رہی تھی۔ نہیں اس کا فائن عمل اس نے سگھار میں
رکھے سوا بل کا اپنی کون کہا اور کف لٹکس
اٹھاتے ہوئے لولا۔ ”پہلے دلو لٹکی۔“

”سب رات میں کب کا لپٹاؤں تک تھا، میں تا
میں سکا۔ سہری نے ایک گلو کو کھل کر دیا ہے۔“
کف لٹک کو کف۔ تھیں کرتی اس کی ہاتھ لیں گھر
میں رہے ہر کے لیے وہ مجھ کو کہا۔

”گاراؤ اس کے کمرے میں گرا گلو پتو دیر بعد اس
کی ہڈی سے لاش لٹی۔ زہر کا انجکشن سے سارا لپٹا ہے
لے۔“

”کیا انجکشن؟“ دہرایا۔
”ہم نے بہت زہر دیا مگر انجکشن میں ملا۔ اس
کے پاس سے کچھ بھی نہیں ملا۔“

”لٹکی! یہی بنت کھن کھول کر سنو۔“ وہ لولا تو
آنکھوں میں خسر لور چہرے پر کسی درد کی تھی۔ ”انگر
مجھے کبھی یہ علم ہوا کہ تم خلوہ یا سہری کو میرے خلاف
... کسی بھی طرح۔ استعمال کرنا چاہتے ہو تو میں جو

تسلرے ساتھ کھول گاؤں جہاں ہی سلت۔ تسلیں بار
رکھیں گی۔“

”سرا ہم خود شاکر ہیں کہ انجکشن نہ...
”لوہ شلٹ سب اپنے وقت کچھ رکھا ہے تم نے
مجھے؟“ وہ فرمایا۔ ”مگر ہر تم کو کھول کے علاوہ کون دے سکتا
چلتا ہے؟“

”سرا کپ تھیں تھیں میں...“
”سہری بوسلف بھی کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ مجھے
کیا معلوم اس نے ابراہین چنے چلا میں کیا ہے انہی نے
کہے گئے قتل اس پر ڈال رہے ہو۔ کل رات سے پہلے
مجھے وہ انجکشن چاہیے۔ وہ نہ میں تم سب کو زمین میں
گاڑوں گا۔“

”خون بھر کہا تو اس کا مہل سخت خراب تھا۔ اسٹینڈ
سے اٹھا کر کوٹ پتالور کہنے میں خود کو دیکھتے رہا وہ
گردانہ پچھڑا کہ نبی سے روانہ ہا کسی بوسلف کے کھلا

ہاشم نے ہانگواڑی سے جو کھٹ کو دیکھا وہاں
لو شبروں کا کھڑا تھا۔ شب خروالی گئی شرت میں بیوس
وہ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھتا چہ قدم اندر گیا۔

”میں اس وقت بہت کسے کے موٹا میں نہیں ہوں
شبرو!“ وہ مزید مزاحی سے کتاٹلی پن نالی پ نکلنے
لگا۔

”وہ کون تھا؟“ وہ اتنی عجیب کو لاس میں خرواک کہ ہاشم
نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اسے سٹو میں پڑیں۔

”تمہارے عزیز دیکھو گئے شبرو؟“
”شبرو!“ ہوا ہر ت لوہ کسی کام سے آئی تھی۔ کھلا
دو دانہ دیکھ کر لوہ شبرو کی کو لاس کر رہا جب سی
چو کھٹ میں آگئی ہوئی۔

”وہ لڑکا جس نے مجھے پیو روٹی میں بڑا تھلہ کون
تھا؟“

ہاشم کے ابو سمجھے۔ تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ
آئی۔ صرف تلی پن کو جو لئی انگلیاں تختی سے بھینچ
لیں۔

”مہ نے مجھے بھی ایسے کسی لڑکے ہارے میں میں
بتایا۔“

”مگر آپ جاننے تھے۔“ وہ چاہا۔ ”کپ نے اسے
بھیجا تھا مجھے ہارنے کے کھٹ میں نے۔ آپ کی آواز
کو لاری تھیں۔“

”شبرو“ تم سے کس نے کہا ہے یہ؟“ ہوا ہر ت۔
تھلہ کو آڑ میں تختی اس کے قریب کئی۔ لو شبروں نے
پلٹ کر صدمے کو رو دکھ سے اسے دیکھا۔ ”کپ بھی
جانتی تھیں۔ کپ بھی اس میں شامل تھیں۔ اور وہ
کپ کا شو ہر تگی۔“

”لو شبروں!“ ہاشم گرجا۔ ”میں نے آجھیوں سرخ
ہو گیا۔“

”میرے لوہ پر مت چلاؤ۔ میں تمہارا میرا ہے۔ جو
ایک بڑے کو وہ سرے سے پڑائے۔“ وہ میرا پ نہیں
تھا۔ ”وہ تعلق جا کر چلنا تھا۔“

”تمہیں کس نے بتایا۔ سب؟“ کپ نے؟

ہوا ہر ت نے اس کا بازو تھامنا چاہا مگر وہ تھوڑا
”میرے قریب بہت کچھ میں نے۔ میں نے
کبھی کپ کو نہیں بتایا اس لڑکے کا کہ تھوڑے میں نے
میری آڑ میں کی تھی۔ اس نے۔ میں اس نے مجھے اتھند
سے ڈرا کر رکھا تھا۔ اسے سارے لوگوں کے سامنے
اس نے مجھے لسن۔ مگر اگر ہا تھا سہی نے مجھے
نہیں بتایا۔ میں اسے سہی سے ڈرا تھا رہا مگر
اس کو کپ سے نے کہا تھا اور رہنے کے لیے۔“

”میں نے اس سے کہا کہ میں کہا تھا۔“
شبرو نے لٹی میں سر ہلایا۔ ”کس صدمے سے کپ
لوگ مجھے الزام دیتے ہیں کس میں نے اپنے کپ کو اتھا
کر کے کپ کو دھو کا دیا۔ میں نے دھو کا دیا؟ شبرو تو
کپ۔ کپ سے نے کہا تھا۔“ اس کی سرخ آنکھوں
میں پائی تھا اور کھٹ سے کپ ہا تھا۔

”میں تمہاری حماقت کر رہا تھا لو شبروں۔ اور
بچھلے کئی بل سے میں تمہاری لٹلیوں کو ہی سنبھل رہا
ہوں۔ سہی نے رات ایک گارڈ کو گل کر دیا ہے۔
اب مجھے اس کو بھی سنبھانا ہے۔“ ہوا ہر ت کی گردن
میں کھٹی سی ڈب گرا بھری تھی جڑے۔ وہ کیا عجیب
مصنوعی تھا۔ اسے خیر مل چکی تھی۔ تمہارے پیچھے
میں کتا خوار ہوا ہوں۔ تمہارا ہے تمہیں؟“ وہ ڈب کپ کر
پلا۔

”کپ مجھے اپنا دفاع نہ کرے۔ چڑھا لیا کر کے
کرتے ہیں۔ پیچھے ہر دفعہ صدمی لٹکی ہو۔ مگر اب
نہیں۔“

”شبرو“ ڈیڑے ایک واہہ مجھے بھی پولیس کے
جو لے۔“

”میں کہوں میرے ساتھ جھوٹ بولنا۔“ وہ چننا۔
”اسی طرح۔ اسی طرح ڈنر بھیل پہ بیٹھ کر تمہارے
خاتمہ ان کو اپنے پاس کھانے پلا کر کس کپ دھول ان
کی آنکھوں میں آجھیوں ڈال کر جھوٹ لگائے ہیں۔“

ہاشم کا ہاتھ بے اختیار اٹھا کر اس سے عمل کر وہ
فریوڈوں کے چہرے۔ تمہا پھر رہو کہ شبرو نے ایک

171

تھکے سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”مجھے دلدادہ مارنے کی گھٹلی صحت کر لیا ہاشم کا دیار۔“
اس کی کھالی کو بھٹکا دے کر بچے گرا با۔ ہاشم
خجندہ کیلے ہٹلے سن۔

”شیرو! جو اہرات نے بششہرہ سی ہٹلے کو اواز
نگالی۔

وہ لے گھورے ہوئے فرمایا۔ ”میرا ہاشم تو شیروں
ہے۔ گھور مانتے رکھے کوٹ اسٹیڈ کو ٹھوکرائی وہ
دیوار کی طرف لڑھکھکتی تھی جی جی جی۔ گری۔ گری۔ گری۔
تو شیروں ہیٹھے سے کاجچا کاجچا“ دو زائر عازر سے بند
کر کے باہر چلا گیا۔

چہرے سے وہاں سناٹا پھیلا رہا۔ پھر جو اہر اس نام شرم کی
طرف بڑھی۔ ”اے گھٹھے میں ہے گور اور میں۔“
”مجھے آگیا ہوا تو میں گئی۔“ وہ گتے کی طرف مڑ
گیا اور گڑھی اٹھا کر کھولنے لگا۔ چھو پان لور سخت ہو
چکا تھا۔

”ہاشم!“
”کوٹ! می! اچھا! وہ حال۔ جو اہرات بے بسی
سے وہاں سے نکل گئی۔ اس کی زور گنت عقیدہ پڑ رہی
تھی اور آگھوں کی جنت بھی بھی بھی سی تھی۔ ایک
کینڈا تو تھرہاں نے اس دیوار پہ ڈالی جس کے پار
ایسی تھی۔

فلاس جازبی جب بھی وہاں آتا تھا سن کی زور گتوں
چل رہی تھیں ہونے لگتی تھیں۔ کل وہ کہا اور کن تھی
کن کے تھرہاں جو صحت آئی سلیبہ کیسے اپنے لوگوں
پینوں کو چھوڑا ہے؟



وہ جہر اپکن جیہے انعام کی تھی
چھین کر لے گئے اجباب وہ چھو بیوا
وہ گھٹلے مانتے پھیلائے ہے تو جی سے انہیں پڑے
رہا تھا۔ مانتے بند ترکان مجید رکھا تھا۔ اس کا کھلا نظم
تھک ہو رہا تھا مگر صفحہ فرط اس ابھی تک خالی تھا جس لگہ
شیرو! رہا خلسہ اب لگہ ہی نہیں سکتا تھا۔ ان کے

اندرا ہر ہر جگہ ایک ہی سحر جابا تھا۔ وہ آگھوں کی
بھٹی جو صحت وہ تھی سے اندھیرا۔ اس نے بھی کسی
کو بچے مانتے مانتے مانتے مانتے کھا تھا اور جس کو کھا تھا
جس لب و لہجہ باہر تھا۔

صیری نے صیری پتھن سے میرا ہاشم تو جہر تھک
”اسے جھیل کر رکھو یہ وہ آخری لہجہ تھا جو میں
نے تمہیں ہوا سستی“ وہ برہمی سے بھلا۔
صیری نے خلیا خلیا نظروں سے اس ظلم کو کھلا
”میں نے ایک انسان کی جان بنا ہے۔“
”انکاب بیٹ مت ہو۔“ وہ نرم نرمی۔ ”میں نے جہر
کیا سلف اور تھیں میں ایک سیلف ڈیجس ہر انسان کا
حق ہو گیا ہے۔“

”ہاں میری اہلیوں۔“ وہ تھی سے منکر لیا۔ ”سلف
گور تھی ہے کہ سیلف ڈیجس میں کیسے مانتے والے
تھی۔ گھٹلے نہیں ہے۔ گور تھی ہے کہ سیلف
ڈیجس جرم میں ہے۔ گور تھی یہ گور تھی نہیں رہا کہ
اس کا ”غلم“ نہیں ہو گیا جب انسان کسی کو گل کرنا
ہے تو اس کا ایک حصہ مرنے والے کے ساتھ مر جانا
ہے۔ وہ حصہ بھی وہاں نہیں آتا میری اہلیوں سے گل
تعلق ہو گل خطا ہو باگل وگل ذلت۔ گل کا قسمت
بھاری ہوتا ہے۔“ اس نے اسی سے کہنے ہوئے

رہتے ہوئے کر لیا۔ پھر گری سانس بنا اور مڑ کر اسے دیکھا
جو بیٹے شیت بدل رہی تھی۔

”ہم بہت جلد یہاں سے نکل جائیں گے صیری یہ
سب غلم ہو جائے گا تمہاری قیام تمہاری لذت۔“
وہ تھی یہ بیٹوں کے لہر اڑیں گھٹلے سے کہہ رہا تھا۔
”ہم آؤں ہوگی اور اسے گل جاسکوگی۔ اپنے بیٹے کے
ساتھ ایک ہر سکون زندگی گزار سکوگی۔ کاردار اور ذور فن
کی گھلائی سازشیں سے دور۔ تم اپنی بھولی سی مذاقیں
دلہنیں مٹی جھانکی۔“

”بھولی سی مذاقیں ہانت کس نے کئی؟“ اس کے
انقلابی صحتی جہر نہیں لینے لگا تھا۔ چنگ کہہ لو اس سے
اسے دیکھئے لگا۔

میری نے چلوہ جھنگلی اور محوم کر سٹخ اس کی جانب
سوزا کہ

”تمہیں کس نے کہا کہ مجھے میری بیوی چھوڑ دیا وہاں
چاہیے؟ آپہنری دنیا میں تو میں پہلے ہی گئی۔ جانتے ہو
قلبان کیسا ہے؟ میرا سارا ملک کیسا ہے؟ ککڑی کے
بنے چھوڑے، چھوڑے گھر کیسے ہوتے ہیں، اسارا دن
ساری رات کھان کی طرح کھام کو تیب بھی بد وقت کی
دانی بچنے میں نہیں رہتے۔ جانتے ہو جب سیلاب
آتا ہے وہاں تو کیسے گھر کھول کی طرح چرے ہیں؟ جانتے
ہو کتنا مشکل ہو تا ہے۔ کہنے ملک کو چھوڑا اور خیر ملک
میں لوگ کیسے لیے جانا کر ہم قلبان کی حور نہیں جاتی
ہیں۔ دوسرے ملکوں میں۔ کہتے ہاڑ شاہوں کے غلام
خود میں سلی کے ہاڑ شاہ ہوتے ہیں۔ کس نے کہا تم
سے کہ مجھے اپنی بیوی دینا پر سکون ان کی لود ہے
غیر خیر دلہن چاہیے؟ مجھے اپنی جلب دلہن چاہیے
تمہی سعدی یوسف آج مجھے ایسا مقام دلہن چاہیے
تھا۔ میں۔ اس گل کی۔ ملک تمہی وہاں میرا علم چلا
تھا۔ میری تقدیری تھی۔ قلبان کی بھوک اور غم
خوف اور ظلم میں لسنے کے پورا کر کے میں نے ایک
ی خراب کیا خراب ہے کلا مچے گل کل میں تھرا
ساتھ اس لیے رہتی رہی کیونکہ تم نے مجھے میری
پوزیشن دلہن والدہ کی لہدہ دلائی تھی۔ تمہارے
ساتھ بھاننے کا مطلب ہے میں آہر مقنود رہوں
گی۔“

جل جل کر رہا ہے گئی تھی۔ چاروں لب بھجوا کا ہوا
خا اور آنکھوں میں پانی تھا۔ سعدی لب ہی لو اس
تھکوں سے لے کر کچھ کہا۔

”ہم جھرت کی رات میں سے بھاگ رہے ہیں۔
خاور میرے کمرے میں گئے گا اور ہم مل کر کارڈز
حلہ کریں گے۔ اگر تم نے چلنا ہوتا تو جانے۔“ صبیحہ پٹا
تھا اور وہ لوگ انداز تھا اس کل۔
میری عجیب ہی کیفیت میں گھری اس کو دیکھتی رہی
اور وہ اندہ اندہ سے روتے رہے کہ پھر کھل گئی۔ وہ لہلہ کر

پتی تھی۔



مجھے جو بھی دشمن میں لانا وہی پتہ کار جانا
نہ کسی کی ضرب غلط نہی نہ کسی کا خیر نفا ہوا
وہ گھر کئی تو انہی کی طرف جاتے مسزہ اہرات
کے کرنے کے پچھلے پر کہہ کے نظر پڑی۔ یہ تو اہرات
وہاں تھی سٹخ اسکا رنہ دلی لڑکی کے ساتھ بیٹھی تھی۔
دوسرے ایک خاموش نظر اس۔ ڈالی اور لہے پر کہہ
کی بیڑ میں چرے تھی۔ وہ وہاں کھولا تو حسین کھڑکی کا
پتہ ہاڑ گھر میں نظر لود سے باہر تھا کہ وہی تھی۔ دوسر
اس کے ساتھ آگڑی ہوئی۔

”یہ فارس سے ملے کورٹ کئی تھی۔ فارس نے کہا
نہ اس کی گول فریڈ ہے۔“
حسین کے لہو سے پچھلے شکل سے باہر بیٹھی لڑکی کو
دیکھا۔ ”کئی ڈنڈا لنگ۔“

”ہی لہ۔“ دوسرے کھل سے نکلا۔
”ہی تھی!“ اسات پیچھے آگڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں
پٹیں۔

”تمہیں کیا مسئلہ ہے اس سے؟“
”مجھے ایسی خوب صورت لڑکی پسند نہیں ہوتی اور
میرے ساتھ سے ہی ہو۔“ چنگ کر کتا اور بھاگ گیا۔

دوسرے حسین نے ایک دوسرے کو دیکھا
”ایسی خیر لڑکی وہاں میں اس کی۔“ حسد انتہائی
اس کے کچھ لگی۔ دوسرے لڑکی۔ سعدی۔ وہ بگ
کچھ سعدی کی طرف سے کتا ہوا تھا۔

سبز دار کے اس طرف۔ برتو سے میں بیٹھی
گوار نے چاہے تاک لہوں سے لگا کر شاہ اور سوچتے
ہوئے پوچھتے لگی۔ ”یہ کون تھی؟“
”یہ لود تک۔“ تب کے بھانجے فارس کی بیوی

کئی کے دل کو کچھ ہوا اور سنبھل کر بیٹھی رہی۔
”دیکھنے میں میں تمہیں ہے۔ فارس زیادہ اچھا ہے۔
وہاں ہے گھر آیا تھا تو میں نے دیکھا تھا۔ پتہ کی شادی

کے ساتھ اس نے ہر وقت ہم کارناک کی گود پر قدم
اٹھایا۔ ہماری قدم اٹھایا۔ اسی کی طرف بڑھنے
لگا۔

سہی؟ عقل؟ جس کا پورا جسم سستا اٹھا۔



تھک جاتی مری روح کی تھلی بھی
جیسی آنکھوں میں بھی جھانکے نہ دیکھا ہوا
قریب اپنے چہرے پر جس بلکہ واقعہ ہوا تھا جب
اس نے اپنی زندگی کی ترجیحات طے کر رکھی تھیں خود
اس لحاظ سے اور کئی بے بسی چھوڑنے کے سہل ہوا
اس نے عدوت سے کہا تھا کہ دوسرے کے لئے رشتہ منج
دیا۔

وہ وہ سائل میں تنہا ہوا اس کے ذہن میں یہ
خواب کیا کہ کس اس کے دل میں اس کی کس اور
شہلی نہ کہیں مگر اسے وہ نہیں کیا تھا کہ وہ اپنے دل
کے لئے بڑے بڑے کے بعد بڑے کسی کو بھی اپنی بیٹی نہ
دیں گے خود کرنے میں باپوں کرنے میں بھی بیٹے
کا کس کے اور اس کی بلا علی میں یہ سب ہو جائے یہ
بنا لیکن تھا اسے شہل ہی پہناتی تھی۔

عدوت اس کی کس کس کس کے لئے طوف ہو نہیں پھر
ناہوش۔ وہ دن کی آنکھیں بند نہ سکا تھا۔ وہ سائل
تھیں سکتے ہر سائل کے ہنر خوار تعلقات کے بعد دن
کو اپنی ماں سے لہجہ نہیں تھی کہ وہ دن کے پہلی کو

اپنی بیٹی کا ہاتھ تھامیں گی۔ خود ان کو اگر اپنے بارے
میں کوئی خوش نہیں نہ تھی تو کوئی احساس کمزوری نہ
تھا کہ وہ اس نے بیٹہ دوسری عزت کی۔ اجرام کیا۔
اسے خود سے بڑے سمجھا تھا اس نے بھی خود کو کمزور نہیں
سمجھا تھا۔ جس سہل زندگی کی خواہش اسے تھی اس
میں نہ پیچھے ہٹنے کی جگہ نہیں تھی۔

رشتہ بھولنے کے چند روز بعد وہ اس میں تھا جب
تین کا فن کیا۔ اس نے بتایا کہ وہ اس سے ملنا چاہتی
ہے کوئی بات کہنا چاہتی ہے۔ وہ یوں ایک بٹلہ ہے یہ

پلے جانے کے حق میں نہیں تھا تمک۔ اسے انکار کرنا
بھی اچھا نہیں لگا۔ وہ جس کے گھر آ گیا اسے امید تھی
کہ وہ اس کے رشتے کے حوالے سے بات کرنا چاہے
گی۔ اسے وہ تو کہ اپنے اڑ میں کچھ داری کے ساتھ
زینت خود کو تو تھکا دیا کسے کی۔ مگر ایسا نہیں ہوا
اس میں ہر دو بل سے مل جانا گہری تھی۔

وہ تو اپنی ناک میں پھنی اس لوگ سے بھی مل جاتی
کتنی تھی۔ کچھ روز قبل وہ ایک چور کے پاس کسی
تفتیش کے سلسلے میں گیا تو اسے شوکس میں تھی یہ
ڈاکٹر ڈورن اپنی خوب صورت تھی کہ وہ لے لے لے لے لے
سکا۔ بچے وقت اپنا نام اس نے نہیں لکھا کہ کسی اور
کے ہاتھ لگ گیا تو نشانہ بن جائے۔

اس کو وہ پتہ نہ کہ کون میں میں خود گھوڑا احساس
ازا نہیں دیتی تھی مگر وہ اس کی کھلائی نہیں پہچانی
تھی تھی۔ اس نے ایک سال تک یہ جھانکا اس سے
بھی تو اس کی ہو گی اس نے قاریس کی کھلائی۔ کھو
لوٹ نہیں کر سکی اور پھر جب وہ اپنے منہ سے کئی
اس کے سامنے صوفیہ پہننے نہ اپنا مسئلہ حل نہ تھی
تو قاریس تازی کے محل میں خود اپنی ہی ازنی تھی۔ کس
طرح کے پہلی کی ہوا اس سٹ کی وجہ سے پریشان تھی۔
یہ اچھا تھا کہ ایک فریجی مور شے نہ ہونے کے ساتھ
اس نے قاریس پہ بھروسہ کیا اور اس کو اپنا مسئلہ بتایا مگر
یہ اسے اچھا نہ تھا۔ وہ وہ کی ہوا مگر کون سے اٹھ کیا۔
مگر بل میں ایک عجیب سا احساس بڑھ جائے لگا۔ وہ
جاتی تھی اور جلی کر ان جلی بنے ہوئے اس کو آنا

رہی تھی آباد جاتی ہی نہیں تھی آکر یہ کیسے ممکن تھا
کہ اس کو رشتہ دے لستے دن گزرتے ہوئے خود زور
کے والدین جو وہ بات میں اس کی دل سے انکار کرتے تھے
اس کو خریدیں نہ کریں۔

اگلی دن جب وہ عدوت سے کہاں گیا تو دن سے کما کہ
وہ دوسری دن سے پوچھیں۔ وہی تو ہی ملن تو ملے۔
عدوت نے لہجہ کیا اور اپنی ماں کا جواب سن کر دن
کے اندر تک خاموشی چھا گیا۔ دوسرے انکار کیا ہے اور

سے میل ملاپ ہو کر دیا۔ زمر کی اہلی کی دلہہ ہوئی تو وہ
 کیا ضرور بلکہ دو چار دفعہ گیا مگر کوئی خوشی کی کہ زمر سے
 سنا تا نہ ہو۔ نگاہ جھکنے کی تو دل چلنے لگے، مگر جو نگاہ
 صاف تھی اس لیے اس کا دل پر سکون ہو گیا۔
 اس نے زمر کو چھوڑ دیا۔ اس سے دستبردار ہو گیا
 اور خود کو ایک نئے انسان کی زندگی میں شامل ہونے
 کے لیے تیار کر لیا۔

وہ شادی سے پہلے درناشہ سے صرف ایک دفعہ ملا
 تھا وہ اس کے ابو کے رشتہ دار کی بیٹی تھی۔ ابہر ایس
 ہی سا نیکو لوگ کی کر رکھا تھا اور دل سے کہہ سکتا تھی۔
 رنگت خاصی گوری اور شاندار کتہا پہلے سب حد سیاہ
 تھے، وہ خوب صورت بھی تھی اور طبیعت کی بھی
 اچھی تھی۔

زمر کا شہزادہ بچکانہ دور اس جلد باز اور اسی فخری ضرور
 تھی، لیکن یہ سارے عناصر اس میں ذرا ذرا سے
 تھے۔ ان کو چھوڑ کر اس میں ڈیپرسی ساری محبت، اچیر
 سارا ظہور اور ڈیپرسی ساری خوش مزاجی بھری تھی۔
 شادی سے پہلے اس نے فارسی کے سامنے صرف دو
 شرطیں رکھی تھیں۔

پہلے اس کے گھر مجھ سے نہیں لڑیں گے
 اگر میں بھی جالب کرنا چاہوں تو مجھے منع نہیں
 کریں گے۔

اس نے دوسری شرط بیان کی تھی اور پہلی کو حالت
 اور خود درناشہ کے دہلے سے مشورہ کر دی تھی۔
 البتہ دل میں وہ بے حد محفوظ ہوا تھا۔ درناشہ میں
 ویسے تو برہنہ زمر سے مختلف تھی مگر ایک بات جو
 اس میں اور زمر میں زمین آسمان جتنا فرق کرتی تھی ان

سہلی تھی۔ زمر میں نہیں تھی اور درناشہ کی اس
 معصومیت بھری سادگی (جو بہت سے لوگوں کو اس کا
 بچکانہ پن اور جذباتیت لگا کرتی تھی) نے فارسی کے دل
 سے پہلی محبت کو فریاد ختم کر دیا تھا۔ زمر سرف سہلی
 بہت پیچھے نہ تھی تھی اور جس دن اس نے درناشہ سے
 درناشہ فانی بن کر اس کی زندگی میں نکلی تھی پہلی

کتنی ہے کہ وہ فارسی جیسے خسرو اور بہا نہیں کر گیا
 کوئی کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتی، سیوسلی، آدیت تو
 نہیں تھا کہ اس بات پر چین کر لیتا۔ وہ دن پہلے تک
 زمر اس سے دو جاگ رہی اور لب اس کو بے سب
 کے؟ صاف ظاہر تھا زمر کی اہلی نے عدوت سے
 ساری زندگی کے حجاب پھٹا کیے تھے۔ نئی سے پونجے
 با شاید وہ کسی بغیر انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ عدوت
 دو بار عدوت کرنے کے حق میں تھیں مگر آٹھ کھڑا ہوا۔
 عزت اور غیرت سب میں ہوتی ہے۔ لکن کے
 سامنے محبت جیسے وہ جاتی ہے۔ اس میں بھی اپنی
 غیرت تو تھی کہ اگر ایک دفعہ لگا صاف جواب مل گیا
 ہے تو وہ اس خاکدان سے وہاں نہ ہونے میں کہے گے۔
 وہ اس سے برتر تھی مگر وہ اس سے کم نہ تھی۔
 اسے معلوم تھا حسین عدوت کی بات سن رہی تھی اور
 وہ جانتا تھا کہ وہ سوچ رہی ہوگی، پہلے نے اپنی جلدی
 پہلے ہی؟ مگر یہ برہنہ کی بات نہیں تھی۔ عزت اور
 غیرت کی بات تھی۔ عزت دار لوگ خاموشی اور وقار
 سے راستہ چل لیتے ہیں اس لیے بھی کی کہ

فارسی کو سنا سو سنا چل کی اپنی جگہ کی کہی
 کتاب پڑھنے کی ضرورت نہ تھی یہ جلدی کے لیے کہ
 مرض عشق کی دوا کیا ہے؟ ایک تجھ دار اور بچکانہ
 کوئی ہونے کی حیثیت سے لگا تو اسے معلوم ہی تھا کہ
 یہ عشق تو خسرو ٹھیک ہو جاتا ہے وقت کے ساتھ۔ اگر
 انسان اس نئی جانا چھوڑ دے اس شخص سے ملنا اور
 اسے دیکھنا چھوڑ دے (یعنی ہمہ اور خود کو کہیں اور
 مصروف کرے۔ زندگی میں کوئی تیار شدہ آہل ہے ایک

اچھی بیوی ہو تو اپنی محبت با دیکھنے والے تکلیف
 نہیں پہنچتی۔ مگر یہ سب صرف نیا ہو سکتا ہے جب
 انسان کی طبیعت صاف ہو اور ارادہ "آگے بڑھ جانے"
 کا ہو۔ جو لوگ مرض عشق سے شگلاب نہیں ہو پاتے
 ان کی دوا اصل "صبر" نہیں ہوتی۔ مجرب کی دوا کے
 "تھکے" سے نکلنے کی۔

اور فارسی نہایت گرجا تھا اس نے زمر کے خاکدان

دلہہ یہ ہوا کہ فارس کے ذہن میں زمر کا خیال کیا بھی
 شہنشاہ ہوا گیا۔
 پہلی دفعہ یہ زمر کو ہونے لگا تھا۔ ماضی طور پر ہی
 سہی۔



ہم کہیں ہات دلیلوں سے تڑپ رہی ہے
 اسی کے ہونٹوں کی نموشی بھی تند ہوتی ہے
 مگر اس وقت وہ لائق میں خاموش بیٹھا، زرش
 کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا۔ لگاں کسی غیر موٹی
 نفظ سے بتائے، انداز میں کم تھا۔ پریشان بھی تھا اور
 فکر مند بھی۔ پس من میں صرف سہی کا خیال چکر کٹ
 رہا تھا۔ یہ سب کچھ اس کے سامنے محفوظ ہے، شہنشاہ
 چکا تھا اور جھپٹے کچھ دولت سے کوئی رشتہ بھی نہیں کر رہی
 رہی تھی جب سہی سے کہ زندگی چلنے کی امید نہ تھی
 ہو۔

فارس نے آنکھیں بند کر لیں اور سوچنے لگا کہ
 شہنشاہ کی اس بات کو کبھی کسی سے یہ مسئلہ شہنشاہ
 نہیں کر سکا تھا۔ پہلے وہی بلا سے وہ جس جگہ کی
 بنیادی کردہ تھا، فربہ آج بھی تھی مگر اسے اس سے
 پہلے ایک کام کرنا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور لوہرا اور دیکھا۔
 عدوت استری داس نے پیرے الگ رکھ دی تھی، لیا
 ادا پارہہ رہے تھے۔ جن میں خاموش ہی کو نے شہنشاہ
 تھی۔ زمر کی من گھڑی ہوتی تھی۔ سہی کی
 کے آگے ہم بیٹھا تھا۔

”کجا۔“ جس نے شہنشاہ سے پکارا، کوا لاجی تھی
 کہ ہر کوئی چمک کر لڑے دیکھنے لگا۔ ”میں نے آپ

کے رپورٹ سے پانچ منٹ کی پورا ہے۔ ایک اچھا مگر
 اور غلط ہے، کوا لاجی ہے اور قسمت بھی اچھی ہے۔“

سب مگر گھراس کا چہرہ دیکھنے لگے۔
 ”جیسے کہ ہمیں وہاں شہنشاہ ہوتا ہے۔ آپ لوگ
 بیٹنگ کر لیں۔“ وہ مباحثہ لگا ہوا تھا مگر ادا ل

ایک جوت بھرے ستارے میں سب نے ایک
 دوسرے کو دیکھا۔ زمر بھی کچھ نہیل تھی، جس میں الگ
 شکل بہ صورت کوئی ہوش کیا۔
 ”تو رہ مگر؟“

”میں نے سچ کہا ہوں۔“
 ”مگر کئی؟“ کجا نے اچھے سے پوچھا تھا۔
 ”کیونکہ یہ ضروری ہے۔“ کجا سا شکر اکر کھڑی تھی
 حسی لیے میں بولا کہ کسی سوال کی سمجھاؤں ہی نہ رہی۔
 سب اسے ہی دیکھ رہے تھے اور وہ مباحثہ ہی نہ رہا تھا
 سب بڑھاپا چھٹے لگا۔ کمرے کے دروازے کچھ کم
 ہونے سے پہلے انہوں نے اسے خون کھن سے لگائے
 کہنے لگا۔

”یہ میرا نمبر ہے، اس کو آپ سید (مفوظ) کر لیں
 اور روانہ بند ہو گیا۔ سب ابھی تک چپ بیٹھے
 تھے۔“

پھر زمر نے مک ٹکڑی سے دیکھا تو کجا کے پتھر سے
 کمرے کی کوا لاجی دہائی۔ حسی نے کم صم ہی ہو کر
 اس کی طرف گردن موڑی۔

”ماہول کیا سوچ کر رہا کہ وہ ہیں؟“
 زمر نے ہلکے سے شانے لگا کر کہا۔ ”اس پہ بھروسہ
 کہ۔۔۔“ کہ رہا ہے تو اس کے پاس کوئی حل ضرور ہو
 گا۔“

”آپ کو کب سے ان کے فیصلوں پر بھروسہ ہونے
 لگا؟“ حسی نے کسی دوسرے کی پیرا لوجے بغیر اس کو
 منگھو کر نگھولتے ہوئے۔

”جب سے میں نے اس کو کورٹ میں اپنا دفاع
 کرتے دیکھا ہے۔ وہ معاملات کو سیدھا اور سٹوڈنٹا
 جانتا ہے۔ اگر وہ کہہ رہا ہے کہ ہم کمریل میں تو ہم
 بدل لیتے ہیں۔ اس کو نئی جانب کی تلاش ہے، وہ ہی
 لگاؤ سے بہتر طریقے میں شہنشاہ ہونا چاہتا ہو گا۔“ وہ
 رسلان سے کہہ رہی تھی۔ لوہرہ ریت کو لب تھی مگر
 نے ان گھبرا تھا۔ رسلان بیٹنگ کھیلنے سے کمرے سے
 کام شروع کریں، اس نے ابھی تک گھوٹھی نہ اٹھا

کہ نیا نیا نام۔ "میں کہنے پر کہہ سے میں جہلا لانا تھا کہ
 وہی ہوں تو مڑا!"

اس نے گد وہاں دھرا اور۔۔۔ توڑی دیر بعد وہ
 اچھی گھٹنا اور پر سکون چہرے کے ساتھ قصر کے
 پر کہنے کے لیے چڑھ رہی تھی۔

"ہم کو آفرین سزا کا دار۔۔۔ مسکرا کر جوابت کو
 سلام کیا جو بیٹے پالنے پالنے میں گھٹنی مسکن آگھیں
 اس پر ہلکے ہوئے تھی۔ تو سر وہاں اور کئی بولا۔۔۔
 حل تھیں کہ سنی جواب اصل مسئلے کی طرف تھی۔ اس
 سے پتہ چلا تھا۔"

"موسکل فارس رہا ہو کر آ گیا۔ میں نے سوچا کہ میں
 چاہیں کہنے وہ وہی کوئی وضاحت کرنے کے لیے۔"
 مسکراتے ہوئے ہونٹوں مگر نگاہ آگھوں سے چبا
 چبا کر لیا۔ زمر نے ہلکے سے شہلے اپکا کہ۔ "آپ
 کل بھی پوچھ سکتی تھیں۔"

"تو پوچھتا تو زمر کہ فارس۔ کبھی رہا ہوا؟"
 "ہاں رات ایک ایسے عرصے کے لیے مخصوص
 کلب میں تھا جہاں بڑے خاصہ لائق کے ہمیں موٹھی
 خضے ہو۔۔۔ ذم لوب کے موٹھی اپنی اپنی حالت کرنے
 کے لیے اگر ہم جن لوگوں کے ہم عدالت کو دیتے تو
 عدالت جن کو Subpoena" کرنی۔ (تو جن
 بھیج کر حاضر ہونے کا حکم دیتی۔) ایسے میں وہ ہمیں
 عزت دار لوگ پوری دنیا کے سامنے کھاتے ہو رہے
 تھے۔ وہ کوئی کے وقت کر جاتے ہو تو کہہ گئی بھی بائیں
 جگہ کے ہارے میں گواہی نہ دیتے مگر ایک نیا اسکینل
 کھڑے ہو جانا اور سب کی بدنامی ہوئی۔ جن میں سے
 ایک ماہر پر اسکینر جنرل کا بیٹا بھی تھا۔ بیج صاحب
 نے اس کلب کا ذکر کرنے پر سمجھا کہ موجودہ پراسیکوٹر
 جنرل پچھلے پراسیکوٹر جنرل سے انتقام لیتے ہوئے اس
 کے بیٹے کے خلاف اسکینل بولا جاتا ہے اس لیے
 اس کلب میں موجود ایک گواہی فارس کو کچھ نہ کہ ہے
 سوچ صاحب نے فارس کو رہا کرنے کا حکم دے دیا۔

سرا لارا۔ "وہ برفی ہی عورت کہلا سکتی ہو انتقام کے
 لیے بے کرب ہو گئی؟"
 زمر جو سے آگھیں سکوا کر اس کی آنکھوں میں
 دیکھتی رہی۔
 "شاید یہ کھیل گئی؟"
 بد نظمی کر رہی ہو مگر زمر نے اسے تھیل میں
 ڈالا تھا۔ وہ بھی نہیں بھولے گا۔ اور اگر عمر اس کے
 ساتھ زندگی گزارنے کا سوچتے تھی تو تو مجھے کھارے
 ساتھ دھری ہے۔ کہ کتب۔۔۔ وہ وہ قدم خراب تکی عورت
 شہلہ کی چمکی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ "تو کتب۔۔۔ تم
 اس کو کچھ بھی نہیں دے سکتیں۔ لولا کہ تھی ہی ہمت
 ہے۔ تم بھی نہیں جہاں سکویں۔ اور تمہارے ساتھ وہ
 ساری زندگی ایک عورت انسان کی طرح گزارے گا۔"
 زمر کے چہرے پہ سلیہ سا گزرا۔ پھر وہ ہلکا سا
 مسکرائی۔ "جیسا کہ آپ کتب کا دار نے آپ کے
 ساتھ گزارا ہی تھی۔؟"

جو اہرات کا چرو صرغ ہوا۔ بے اعتبار اس کا ہاتھ
 اٹھنے کا تمہارا نے طوطی کی جھنجھلی۔ ”تیرے“
 ”میرے کمرے کی لڑائی کو دیکھیں، وہاں فارسی
 کھڑا ہے اور لوہری دیکھ رہا ہے۔“ ”تیرے کو کپ
 نے ہاتھ نہیں اٹھایا اور نہ ہی کپ کا کیا حال کرنا چاہیے۔
 صرغ کو کپ سے امدادی ہونے لگی ہے۔“ ”صرغ
 بے حسد کا چہرے کے ساتھ جو اہرات نے گردن موڑی۔
 وہ بالکل ہی کھڑا ”آنکھوں کی پتلیاں سکیز کر چھوڑی
 سے لوہری کو دیکھ رہا تھا۔“
 ”اسی دن کپ آئے، بھی میرے ساتھ ذرا احتیاط
 سے بہت گریں گی اور نہ ہی انکیاں بیک وقت کھلی
 لڑیاں کھینچ رہی ہیں ”کپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا۔ گزرا کٹڑ
 لہنہ“ ”گدگد کر رہی اور تیرے ذریعے اترتی تھی۔“
 جو اہرات لیے لیے سانس لیتی تھی، ”فیسے میں مل کھاتی
 ہیں کھڑی رہی۔“



حقل کو نہ پہانے وہ عشق کا رانی

ہوئی ہی سنی، ”یہا بھی سارے تو نہ تھا
 ہارن صید کی دہائش گدگد سر شام ہی وحدت انہنی
 ہونے لگی تھی۔“ ”بہتہ ہڈیوں کے اندر تک تمہیں
 جانے والی ہوا میں ہر ایک کو بخار ہی تمہیں۔ ایسے میں
 داخلی ردوان کھول کر ہارن اندر داخل ہوتے تو ہڈی
 کھائش سے بھرے لوٹک دم میں کئی کو بھتر پڑتے
 دیکھا۔“
 ”جو حریکیں نہیں ہوں؟ کوئی بہت کرتی ہے؟“ وہ اس
 کا چہرہ دیکھتے ہوئے آکر بیٹھے اور پوچھا۔
 ”یہاں ”نہ چلنے سے قریب ہوئی۔“ ”صرغ آسٹارٹ
 سر پہ لیٹ کر گردن کے پیچھے آنکھا کر کے ڈٹا تھا اور
 ٹالی جیسے چہرے پر تذبذب تھا۔“
 ”کپ میرے لیے کچھ کر سکتے ہیں؟“
 ہارن نے کسی سانس باندھ سوا مل نکالتے ہوئے
 ”یہ لو ”کہا“ پھر فیک باک پر جا کر اسکرین پر انگلی

پھیرنے سے کلاڑی کھینے لگے۔
 ”فارسی قازی۔ میں نے اسے چاہئے پہلا ہے۔
 بیوی کے ساتھ ہی میرا منہ ہوا تھا کہ میں اس کے گے
 ایک دنہ قتلے لگی۔ میں نے سوچا اس زمانے کپ کی
 بھی پاس سے ملاقات ہو چلتے گی۔“
 انہوں نے فٹنگ سے اسے دیکھا۔ ”تم ہاٹم اور
 فارسی قازی کے سارے مسئلوں کو جانتی ہو۔ ایسے میں
 کیا ضرورت تھی اس سب کی؟“
 ”یہاں اس طرح فریاد اچھا ہے نا اس کا لک سمیں
 بھی آسے۔ تمہیں چاہئے گا۔“
 ”تجھے اس کے شک کی ہوا ہے بھی نہیں۔ خیر تم
 کو جانا ہو تو مل جاؤ۔ میں مصروف ہوں۔“
 ”تب ایک دفعہ اس سے مل کر تو دیکھیں۔ میں
 اس جیسے کسی انسان سے کب تک نہیں ملی ہوں۔ اس
 نے کئی بار اس میں من کے ہاتھ تھامنے۔“
 ”میں مصروف ہوں کل اتنے مل جاؤ اور اگر مانا تھا
 تو نہ نہ پڑتا۔ میں۔ صرف چاہئے نہیں؟“
 ”اس میں ہلاک وہ تو ان کا پندرہ ہے۔ چاہئے کی بہت
 ہوئی تھی سوچانے ہی بنتی ہے۔ خیر کپ صرغ ہیں۔“

کتابوں کی دنیا کا ایک عالمی بازار
 750
 کے ساتھ ساتھ اس کی ایک
 کھانا ہے
 225
 800/190
 منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
 37، اردو بازار، کراچی
 فون نمبر: 32216361

میں اس کو دیکھنے کی شام کو جو کھڑی ہوئی وہاں سے پورے چاند کی ولایت ہوئی۔ ایک بہت خوبصورت رات۔ جلدی جلدی خوشی سے کہہ کر انہوں کو بھانگی۔

آج اس کے پاس لڑچرین چلانے کے ٹکڑے تھے۔ نہ دانت کی کی کی شکستیں۔ کچھ نہ خوش لگتی تھی۔ معصوم نور نے خوشی سے انہوں نے بہت غور اور اوجھ سے اسے سمجھنا شروع کر رکھا تھا۔



کوئی ہم نفس نہیں ہے، کوئی رادوں نہیں ہے۔ فقط ایک مل تھا اب تک سو سو سالوں میں ہے۔ جواہرات جب لانا بیچ میں دلہن کوئی تو مجھے سے کلب رہی تھی۔ سیدھی لورہ نام کے کمرے میں تھی۔

وہ لٹری ٹیبل پر کئیوں کے بیٹھا مگران ترجمی کے کچھ لکھ رہا تھا۔ لکھ کر اپنے لکھ کر کما تھا اور مصروف لگا تھا۔

میں دو گے کی ٹکی نے میری اتنی بے عزتی کی کہ۔

”تو کچھ چکا ہوں۔ میری بالکل سے آپ کا بیٹھا ہر کدھر لکھ رہا ہے۔“ وہ مگران کو نہیں وہ بے اختیار لکھتا رہا جواہرات میں کر کو لکھ ہو گئی۔

”مور تم بیٹھے دیکھتے رہو؟“ وہ مجھے قاری کے ہم سے دو مگرانی گرا اور کہا۔ ”مجھے سے لڑ رہی تھی۔“

”آپ کو کسے کلفرت نہیں کرنا چاہیے۔ قلم ہم نے کبھی قاری سے دشمنی ظاہر نہیں کی۔“ لورہ نے کہا۔

”تک کہہ سکی اور میں نہیں چاہتا۔“

”میرا دل چاہ رہا ہے میں اس کو شہت کھلا اور تم کہتے ہو کہ۔“

”صاف تمہیں۔“ اس نے کہا کہ مگران موٹی لورہ بے زاری سے لہلہ بھوسا چہرے رکھ رہی تھی۔

”ہم مزہ کوئی گل نہیں کر سکتے سب سو دن کہنے کا وقت ہے۔“ وہ لہ لہ جاکر اسے بھی سنبھل چکا ہے۔

لورہ میں بھی اب اپنی زندگی کو ایک مثبت نشان بنا رہا تھا۔

”ہاں۔“ زہرا کو اب اس لئے لگے لگے جواہرات سب کے چوکی۔ پھر فریب آئی۔

”کیا کر رہے ہو تم؟“ غصہ کم ہوا۔ تشریح سی در آئی۔ نام کے کدو کے پیچھے سے جھانکنا تو وہ چیک بکس چیک سا بن کر رہا تھا۔

”میرے کو ہم نے ساری انکا میں ہوتا ہے پرا ہر انڈیا کے لیے۔ میں امن سے پہلے ایک کینسر اسپتال کے ہم کچھ چیکس لکھ رہا ہوں۔ لورہ کچھ اور گلزیب کا دار کے دورے کے لیے۔“ وہ چیک لکھ کر انکے سے پچھلی۔

”تو کچھ ہم سے اتنا سب کہہ کر کی کیا ضرورت ہے؟“

”مجھے یہ کر کے خوشی مل رہی ہے کی۔ جب آپ نے مجھے توہین کو گل کرنے سے نہیں روکا تو ان کو بھانسنے سے بھی نہ روکیے۔“ وہ انکل میں کی طرف سے بے نیاز تھا۔

”مگر تمہیں لگتا ہے کہ تم یہ کر کے ایک پینے Philanthropist بننا سیتے کے اور وہاں رہتے ہو تو میرے نزدیک یہ کبھی کبھس کے سوا کچھ نہیں ہے۔“ وہ تمہا لگی تھی۔ ”میرے نوٹبر وال اور سب نام نام نے ناگوار سے بکھرنے کے لیے کھریں۔“ انہوں نے کہا۔

”ہاں سہی بولو۔“

”جواہرات جو گل کر جانے لگی تھی بے اختیار غصہ مٹی۔ پھر اسے نشانہ کیا۔ نام نے اسے مگران کر کے خون ہانسنے لگیا۔

”ہر وہاں میں دور مگران کا وہاں ہند کے کھڑی میری لہجہ آہستہ آہستہ سے خون میں کہہ رہی تھی۔“ وہ جھرت کی رات کی ہانسنے کا چانن کہہ رہے ہیں۔ معذی لورہ حاور۔ وہ ل کر گاؤں پر حملہ کریں گے اور ان کو

حند اس کے ساتھ نئے کا ریشہ بیٹھ گئی بلور لب ٹاپ
 گواہیں رکھے اسی ظلم کو لگتے پھر سے کہ کوشش
 کرنے لگی۔ گاہے ہلکے نظر اٹھا کر اس کو بھی دیکھ
 لیتا۔
 "تسلیم بیٹھ ہیں؟"
 "جانتیں۔" وہ بے زار تھی۔ جیسی لب کا مٹی
 دہلی۔

"کوئی مسئلہ ہے تو قارن غازی ساتھ والے کمرے
 میں ہیں سن کے پاس پتھرا "علیٰ مہجون ہو گا"
 "نشٹ لیا؟" فکر سے سوچ بھی موڑ لیا۔ حند
 مسکراہٹ دیکھنے لگی۔ "توڑی اور پھر اس نے پکارا۔ "میرے
 روی نہیں ہے جو بھائی نے سوچا کیا برتھ ڈے پینٹ ہے
 خر لئی تھی۔ جیسی کہ اس میں ہلکے رنگ کا ٹاپ لپٹے ہوئے
 بھی جینٹ محسوس ہوتا تھا۔ کے کپڑے لگا کر اٹھی مگر
 وہ ڈنڈا اب اس کے اندر کھینچیں ہے؟ اس کی جگہ
 بھائی نے اس کے اندر توڑ لیا کھیل ڈال رہی ہے؟ ہانگ
 ڈنڈا اندر میں ہے تو یہ وہ ٹیلیڈ میں سے لور کر رہا
 ٹیلیڈ میں ہے تو قارن کے سناٹوں کی بھر پور پٹن کھلی؟
 "نہیں۔"

گھر مرادھ کڑی ہوئی تھی۔ کڑی کلر پتھرا سا سار کا
 کر دلا رہے تھو پتھری تھی۔ حین جی جیسے گھڑی۔
 وہاں جو اہرات لور ہاٹم زینہ انز کر بنوا رہے کڑی کار
 کی طرف بڑھتے دکھائی دے رہے تھے۔ (حند نے
 فوراً سمجھ نوڑ لیا کہ وہ لڑائی کھینچ جانے کے لیے تیار
 لگتے تھے۔ صری طرف سے نو پڑیوں آواز دکھائی دیا۔
 ہاٹم اسے نگر انداز کہہ کے کنگے پیچھے گھول۔ جبکہ
 جو اہرات نے اسے نہیں سے دیکھ کر ہاٹم کے ساتھ
 ہلا۔ امر کی آنکھیں سکڑیں۔

"جب علیسا نے نو پڑیوں کو دیکھا کہ ہاٹم نے
 اسے پتھرا توڑا تو اس نے اس کے سے کیا کہا؟"
 "کچھ نہیں۔ تب سے علیسا کو وسیع میں کیا
 اس نے لور کے بل پر بہت زور سے مٹی ہے۔ وہ
 ہلکا سا ہنسی۔ اندر دیکھ کر تو قارن نے نکل کر صری شہزاد کے

رنگ لپٹا کر وہی سے بھاگئیں گے کہ نے مجھے
 کھین دیکھا کہ ہم سری نکلیں ہیں مگر میں اب کو یہ
 سہتا رہی ہوں۔ اس نے مجھے بھی پٹے کی پٹھن کی
 گھس۔ "میں بھاگوں گی۔" ہاٹم لور جو اہرات نے
 ایک سر سے کہہ کر ہلکا ہانگ مسکرایا۔
 "جس میں کیا ہاٹ ہے میری آنکھ۔"

"مجھے صری اپنی جگہ دلیس چاہیے۔" لور لور
 بھروسے کے ساتھ۔
 جو اہرات نے وہاں تک ہاٹم کے ہاتھ سے لیا اور
 جیسا اس میں لور توڑی سے پٹھرا لپٹا لیکن تھا۔
 "کے میرا لور کھلیا ہے۔ میری لپٹھن میں ہاٹم
 جس میں دلیس نے آئیں گے۔" لور لور لور کے
 ایک کٹھن کا کچھ مضمون ہو گا۔ ہے؟
 "میں سزا دار اب اس بار سے میں میں کچھ نہیں
 جاتی۔" لور میری لپٹھن جیسی مجبور لور مضمون سنی
 وہ نہ پٹھن کو کھینچا سکتی تھی مگر جو اہرات مضمون
 ہو چکی تھی۔ سوات شہزاد سے کہ فون ہاٹم کو تھا
 وہ۔

"ہم خاموشی سے لہن یہ نگر کو میری اپنی سرت
 سنبھال لیں گے" کہنے ہوئے ہٹھ کر لور لور جو اہرات
 چوکی۔ "مگر حند؟"
 "ہاٹم حید سے لور کٹھن کرنے۔" وہ لپٹے سے
 پولا تھا۔ جو اہرات کا ہار می اطمینان مضمون نے لپٹھن
 چوکی کرا کر لور۔ "ہاٹم ہم ساتھ جائیں گے میں
 تیار ہوں۔" لور ہاٹم لپٹھن گئی۔ اس کا ذہن تیزی سے
 صح نظرین کرنے لگا تھا۔



کچھ نہ کہنے سے بھی چھن جاتا ہے اور اڑتھن
 قلم سینے سے بھی عالم کی مدد ہوتی ہے
 جو اہرات کے پاس سے کہنے کے بعد سے زور
 عورت کے کمرے میں کھینچنے کے پاس کر رہی ڈالنے
 چپ چاپ بیٹھی تھی۔ جو کہہ لگی تو جو اہرات نے
 سن لیا مگر جو خود اس نے سنا وہ الگ داستان ہوئی۔

دل سے تو دور سے نہیں لگی تھی مگر ہر خیال ذہن سے
جھٹک کر زور کو کھیل۔

”اب اتنی دلا کیل نگ رہی ہیں؟ مجھے کیوں لگا
ہے کہ ملن ہلن آپ کی صحت بگڑ رہی ہے۔“ کوئلہ بزم
ساقی سے۔ ڈرمیٹیک سے اس کے ساتھ کرسی چھین
کر بیٹھی۔ اسے کسی کو تو جانتا تھا مگر حسب توقع اس کے
وہ صحت اس کو شاید اور پریشان سی حد تک کہ وہ قلبی
دینے میں لگے کہ وہ ٹھیک ہو جائے گی اور یہ کہ ظاہر سے
نہ تو ذرا صبر دلیا ہے۔

”کون ہے پوچھو؟“ حنا نے بے تعلی سے پوچھا۔
”اس نے نہیں بتایا۔ مجھے ڈرمیٹک کرنے والے
لوگ جانتے کیوں خفیہ رہنا پسند کرتے ہیں۔“ شائے
اپنی کانگریسی۔

حنا کی دہریہ لگی۔ ”بھائی! اصل طور پر ڈرمیٹک
”مجھے یہ خفیہ نہیں بتائیں نہ کہ۔“ وہ بے زار ہوئی مگر
حنا سارا غم بھول کر ایک دم بڑھ چلا۔ ”تو کیوں نہیں
”ہو سکتا ہے وہ خود ذرا جانتا ہے کہ آپ کو بہت پسند
کرتے ہیں۔“

”ہاں ممکن ہے اب اس میں کرسکتا۔“ ڈرمیٹک سے
کسی باؤٹی لگی۔

”کیوں نہیں کرسکتے۔ وہ بہت اچھے ہیں اور ان کا
طلب آج کا ہے کہ۔“
”اس کا لڈ گروپ اسے پانچویں میں لانا مکتوب
ہوں۔“ مجھے بھی ڈرمیٹک میں کرسکتا تھیں۔“

اس نے بڑے درمیان سے حنا کو اپنی ہڈیاں تین
کو روکا۔ ”ایک دم حنا کی طرح جینے لگی۔“ ”تو
”اور اٹھ کھڑی ہوئی۔“ ”میں آئی ہوں۔“ ”تو حنا کو
ایک دلد پھر ڈرمیٹک صحت کی فکر ہونے لگی۔ لیکن وہ
ظاہر کرتی تو ڈرمیٹک سے تاملے پہ بچھائی سوچ چھین
رہی۔

ڈرمیٹک کے کمرے کی کھلی بیڑھاں پر سنی اور
آئی تو جانتی تھی کہ ڈرمیٹک اور جواہر لٹ کمرے سے جاتے
ہیں۔ اسے اپنی پشت سے بالکونی میں بیٹھے فارسی
تھیں مگر نظر انداز کیے رہی۔

اس نے تو شہروں کے کمرے کا وردانہ کھٹکتا۔
خلاف توقع وہ فوراً ”کھل گیا۔ اسے چرکت میں
لوہا نہ دیکھ کر شہروں کے اہل دل تھے۔ ”ہاں ہے ہوں۔“
”مجھے کچھ کام کرنا ہے۔“ اپنی ٹوٹ بک اور کاغذ
دکھائیں۔ ”ڈرمیٹک کی لاہوری سے بی بی ایل ڈی دیکھ سکتی
ہوں۔“

”شہور۔“ وہ پہلے اسے اسطری کا رستہ چاہنے لگا۔
پھر غریبی داہر آتا اور ڈرمیٹک کے کمرے کے اس طرف
اسطری کا۔ وردانہ کھولا۔ سامنے شیفت اور میزوں
نظر آ رہی تھیں۔ ڈرمیٹک ”میز۔ اپنی جینوں
پر تھیں مگر سامنے شیفت سے سیاہ جلدی دلی کاکٹیں
دیکھنے لگی۔

”مجھے صرف چند منٹ لگیں گے تم میں بیٹھ
جاؤ۔“ اسے جاتے ہوئے کہ موصول آواز میں دیکھا۔ وہ
ٹھنک کر رہا۔

”آپ کب آرام سے۔“
”نہ FIDا ہیں جتنی کتابیں ہیں کھل کو کھلی
آگے بچھے ہوئی تو میز پر نہ گئے اسی لیے کہہ رہی
ہوں۔“

”آپ کا نام کیوں گئے؟“
”چند ماہ پہلے میں لوگ کر تھاشی تھی چاہی تھی
خود نے کسی خفاکس کے لیے۔“ وہ کتابیں ملانی اور
کری سمجھنے ہوئے کھلے بان لایا۔

”تو نہیں۔ ہم تو ہیں ہی بڑے لوگ۔“ شہروں نے
کندھے جھٹکے۔ بیٹھا نہیں۔ کھڑا رہا۔ پھر مڑا۔
پوچھا۔

”آپ کو کچھ چاہیے؟“
”توہ تنگ ہے۔ کیا تم مجھے کون تمام سائلوں کے
کھڑا اس کتاب میں سے ڈرمیٹک کے ڈرمیٹک۔“ ایک
کتاب اس کے سامنے دھری۔ وہ مصروف نظر آ رہی
تھی۔

”میں اس طلب خا چاہنے والا ہوں۔“
ڈرمیٹک ہونٹوں میں ڈرمیٹک کے ڈرمیٹک کے
گی۔ وہ کمری سانس لے کر کرسی چھین کر بیٹھا۔ کتاب

کھولی اور مطلوبہ کمنڈوی اسٹوٹ بھی۔
 بالکل ہی بیٹھے تھریس کو سامنے اٹھاری کے کیلے
 بیٹھے کے دروازے سے دونوں چیز کے گزرنے میں صاف نظر
 آ رہے تھے۔ خاموشی سے کن کو دیکھا کہ وہ لوہر کیا
 کر رہی ہے؟ وہ اس کا باطن دیکھتا چاہتا تھا مگر نہیں
 پڑھ پایا تھا۔ چاہتا تھا کہ زمر کارواڑ کی حیثیت سے
 واقف ہے اور وہ لب بے لب بھی ہے کیونکہ اس کے
 خیال میں فائرس پیچھے ہی ملے۔ کچھ نہیں کہہ سکی
 کے لیے۔ (اس فائرس خالی تو ہے مگر کرنی ہے نا)
 "صوف یہ کیا ہے؟" شہزاد نے تھوڑی اور بعد

پوچھا

"نہیں اپنے کا ایک کو مرزا سے پہچانا جاتی ہوں۔
 مرزا کس ہے۔ کل اس کے چھوٹے بھائی نے کہا
 ہے مگر باپ اور بھائی نے بڑے کو آگے کر دیا ہے۔"
 ایک قائل اس موصوفہ افراد میں شہزاد کے سامنے
 اٹھی اس نے اسے دیکھ کر کھلا

"دیکھو بھائی نا تم جرم کا اعتراف کیوں کر دیا ہے؟"
 یہ کیونکہ اس کے باپ اور بھائی کا اس پر بہت زور
 چلتا ہے۔ انہوں نے ساری زمین اس کو اپنی مہبت کی
 نشانیوں سے کر بھی بڑی نہیں ہونے جا۔ کچھ
 اور نہیں مینا بھی کرتے ہیں۔ ایک بچے کو فرائض دیتے
 ہیں تو وہ صوفے کو لایا یاد رکھا اگر سٹائے رکھتے ہیں۔
 اس کے لیے کوئی اہم ذمہ داری نہیں ڈالنے اس پر
 بھروسہ نہیں کرتے۔ اس کو ہر وقت کنٹرول کرنا چاہتے
 ہیں۔ لہذا زمین پر ہوا جاتی ہے اس بچے کی سون زمین
 میں جو غلط فیصلے کرے اس کی وجہ اس کے وہی ہوں
 باپ اور بن بھائی ہوتے ہیں۔" چہرے کے لیے
 شہزاد کچھ بول نہ سکا۔

"بھروسہ ہے کہ اس کو محفوظ رکھنے کے لیے لیا
 کرتے ہوں۔" اس کتاب پر خلق خلی ہی نظریں پڑے
 آہستہ سے بولا تھا مگر مرزا نے اس موصوفہ افراد میں
 صفحے پلٹے ہوئے کہ۔

"بھئی کی حفاظت کرنے کے لیے اسے ہرٹ کیا
 جانا ہے کہا؟ جموں ہونے ہیں وہ لوگ ہو سکتے ہیں کہ

یہ سب اپنے باپوں کے لیے کرتے ہیں۔ صرف
 اپنے منافع کے لیے کبھی جاسے ہیں نہ کہ اپنے کلمہ
 چھانے کے لیے۔"

تو شہزاد نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ چیز چیز لوت
 پلٹے۔ کتب سے دیکھ کر کہ کچھ لکھنی چاہی تھی۔
 تو آپ نے نکالنا کہ کیا لکھی ہیں؟

"میں کہ اسٹینڈ لے اپنے لیے لکڑا ہوا ہے کہ
 جو اس کا دل چاہتا ہے۔ اور نہ کہ جسے جو ان لوگوں کو
 نہیں پسند۔ چاہے تو شہزاد۔" سر اٹھا کر اس کو دیکھا
 اور سلیکی سے بولی۔ "تم نے کہا تم بڑے لوگ ہو۔
 میں تمہیں اتنا دل لب تو ہم بھی اچھے لوگ نہیں
 رہے۔ میں سمجھتا ہوں میں رہی۔ کیونکہ میں نے یہ سیکھا
 ہے کہ بڑے لوگوں کے ساتھ بڑے سے سٹے اپنے
 پڑتے ہیں۔ خیر اور شری اور میانی کثیر کو دھندلا کر پانچ نا

شہزاد نے خاموشی سے سر ہلایا اور ابھرا اٹھا ساتھ
 اس دن اس سے مطلوبہ کمنڈو کا پوچھ رہی تھی۔ اس
 ہفتے کے خط لکھنے لگا۔

فائرس خالی باہمی تک نہیں دیکھ رہا تھا۔



عزم یہ شہزاد ہے لہذا کسی کا حوا ہے
 ہلکا نہ دھونڈ کسی مسافر کو گھمراہی والے
 ہارن جب ڈواننگ موم میں داخل ہوئے تو
 جواہریت سامنے اونچے صوفے پر ٹانگے ٹانگے بنا کر
 بیٹھی تھی۔ کدک سے جاؤ چہرے پر مسکراہٹ
 چلے، ان کان کے بڑے سے مسلسل اٹھل پھیر رہی
 تھی۔ ہاتھ مگر فریجیل کے ساتھ کھڑا اور سر ہٹا کر
 کلچ کی بڑھل سے مشوب گلاس میں اینٹیل رہا تھا۔ ان
 کی آہٹ اگر اس نے سر اٹھا اور مسکرا کر ہارن کو
 دیکھا۔ "شہزاد بچہ۔" "تو پھر گلاس میں کھانڈ پلٹا لگا۔
 "ہی اللہ! کس کو کارواڑ کی کد انٹاک کی شام کو کثیر
 نہیں رہے رہی۔" مسکرا کر وہ ایک بالہ صوفے کی
 پٹن پھیل کر سامنے بیٹھے۔

”میرے محض اتفاقاً ہے اور میں دُور سے شریع میں کاروبار کو دیکھنے سے پہلے ہوں۔“ وہ ہارڈن پہ نظر گرا کر اسے غرت سے بولی تھی۔

”ہماری ایسی بولی کہیں۔“ کوہ پشیمانہ لہجہ میں ہارڈن کے متعلق بات کرنے کے لیے ہوا۔ ”انہوں نے اطمینان کے ساتھ کھلے دلا گلاس اٹھائے چلے ہوا تھا اور پھر کوٹ کاٹھن کھولتے ”مہمانے بڑھ کر کھنگ پے ناگہ تھلی۔“

”میں اپنے مہمان کے بارے میں بہت کرنے نہیں کیا۔ میں تمہارے بارے کے بارے میں بہت کرنے کے کیا ہوں۔“

”جو ہرگز کسی چائے کی گڑیا کی طرح مستکراتے ہوئے ہارڈن پہ نظریں چلائے ہوئے تھی البتہ اعلیٰ مسئلہ تھوڑے پھیر رہی تھی۔“

”میں نے چلنے پھرنے کی ہے۔ گارڈ سے سہی کی پہلے ہی لگتی تھی۔ اس رات دونوں کا جھگڑا ہو گیا اور سہی نے اس کو زبردستی دیا۔ پھر اس سے کہیں کہے گیا میں مظلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

”میں نے بھی چلنے پھرنے کی ہے اور میں سہی سے کہہ گیا تھا کہ میں یہاں نہیں ہوں۔ میں نے سہی کو دیکھا تھا کہ وہ گارڈ کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ ایک ایک گارڈ کی شکل دیکھنے کے لیے لایا تھا اور وہ سہی کی طرف دلا گیا اور اس کو لوہر کرنا تھا۔ ایک سہی سے گور ہس سے کہہ رہے تھے وہ کھنڈا نہیں دوسکتی ہیں۔“ وہ بہت سکون سے کہہ رہا تھا۔ ہارڈن لب لہجے میں بیسیک سے اسے سن رہا تھا۔

”اتو تم نہیں جانتے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا کیسے ہوا۔ اگر ایسا ہے تو بے فکر ہو جاؤ گے۔“ وہ نے اسے کوئی لگا دیا۔ ”اور وہ اس معاملے کی مکمل کوریج تک پہنچ جائیں گے اور میں تمہیں ہدایت اطلاق کھلاں گا کہ تمہارے لوگوں میں کتنی کھلی بھینس ہیں۔“ وہ سری بات یہ ہو سکتی ہے کہ تم ہر بات سے واقف ہو۔ تم نے ہی میرے مہمان کو مارنے کی کوشش کی ہے اور اگر ایسا ہے تو تمہیں فکر کرنے کی ضرورت

ہے کیونکہ جس دن بھی یہ ظلم ہو گا کہ تم جانتے تھے اور تم نے مجھ کو دیکھا ہے تو اس دن میں تمہارے ہر معاملے کو ”مستقبل“ میں لگا۔ ”اب ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔“

”اب ایک دو سنت کے گھر جا کر اس کو دھکا دیا۔“ کوہ پشیمانہ لہجہ میں ہارڈن کے متعلق بات کرنے کے لیے ہوا۔ ”انہوں نے اطمینان کے ساتھ کھلے دلا گلاس اٹھائے چلے ہوا تھا اور پھر کوٹ کاٹھن کھولتے ”مہمانے بڑھ کر کھنگ پے ناگہ تھلی۔“

”میں اپنے مہمان کے بارے میں بہت کرنے نہیں کیا۔ میں تمہارے بارے کے بارے میں بہت کرنے کے کیا ہوں۔“

”جو ہرگز کسی چائے کی گڑیا کی طرح مستکراتے ہوئے ہارڈن پہ نظریں چلائے ہوئے تھی البتہ اعلیٰ مسئلہ تھوڑے پھیر رہی تھی۔“

”میں نے چلنے پھرنے کی ہے۔ گارڈ سے سہی کی پہلے ہی لگتی تھی۔ اس رات دونوں کا جھگڑا ہو گیا اور سہی نے اس کو زبردستی دیا۔ پھر اس سے کہیں کہے گیا میں مظلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

”میں نے بھی چلنے پھرنے کی ہے اور میں سہی سے کہہ گیا تھا کہ میں یہاں نہیں ہوں۔ میں نے سہی کو دیکھا تھا کہ وہ گارڈ کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ ایک ایک گارڈ کی شکل دیکھنے کے لیے لایا تھا اور وہ سہی کی طرف دلا گیا اور اس کو لوہر کرنا تھا۔ ایک سہی سے گور ہس سے کہہ رہے تھے وہ کھنڈا نہیں دوسکتی ہیں۔“ وہ بہت سکون سے کہہ رہا تھا۔ ہارڈن لب لہجے میں بیسیک سے اسے سن رہا تھا۔

”اتو تم نہیں جانتے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا کیسے ہوا۔ اگر ایسا ہے تو بے فکر ہو جاؤ گے۔“ وہ نے اسے کوئی لگا دیا۔ ”اور وہ اس معاملے کی مکمل کوریج تک پہنچ جائیں گے اور میں تمہیں ہدایت اطلاق کھلاں گا کہ تمہارے لوگوں میں کتنی کھلی بھینس ہیں۔“ وہ سری بات یہ ہو سکتی ہے کہ تم ہر بات سے واقف ہو۔ تم نے ہی میرے مہمان کو مارنے کی کوشش کی ہے اور اگر ایسا ہے تو تمہیں فکر کرنے کی ضرورت

شکرت تھی۔

پہلے ان کا سامر جھک کر اٹھے۔ ”ممن مجھ سے پہلے سارے جوان بلاش کر لو گے۔ اچھ میں انکار کرنا گاہ۔“ وہ نول رووانے کی طرف بڑھے تو اہل خانہ نے جھک کر گلاس اٹھائے ہوئے کہا۔

”اس میں کہ تم جینے کی سہلی نہیں ہو گے۔ قاری قاری کی سہلی کو میں نے چاہنے سے منع کیا ہے۔ میں بھی تو نہ کھوں۔“ کان نے یہ قاری قاری۔ ”موصوف سے ایذا میں کہہ کر انہوں نے گلاس اٹھانے سے لگا بس نہ تو اتنی اور جھنڈے منکرانے چوبے کے ساتھ جھانسا تھا اس حلق کو کڑوا کر ہتھولے ڈکر ایما دینا چاہے۔ بڑا ہرانت بھی چوکی تھی مگر ابھی دیکھ تو چھتا ہے کار قلم تازہ تیزا بر نکل گئے۔



”مکن نہیں ہے مجھ سے یہ طرا مصلحت ونا جیسے مزاج کا بندہ نہیں ہونا میں نیا گھر کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا نہ قاری نے رکھانے کی بیٹی کسی کی تھی۔ وہ بس بھی گئے جا رہا تھا کہ جینے کو ہم نے شکت ہونا ہے۔ ایسی گویا کھری پڑی تھی۔ ہر طرف گئے کارن ہنکڑا۔ سلطان کے ڈھیروں عدوت حسین حسینہ اور سب کاموں میں گئے تھے۔ حسین نے بنگلہ سے پہلے اپنے راست کو گل ہوائی جان سے چیکے سے ہات گئی تھی اور اب پڑے ہی سہانے انداز میں گلوں کے فرش پہ لیٹی گئے کے ڈبے کو چورے شہ سے بند کر لی کہ رہی تھی۔

”حسینہ! ڈاکہ کرا کر آئی گویا شہس میں لپیٹ کر کارن میں رکھو۔ کہیں کو صحت جزاوں میں لیٹر۔ ایک تھیر سے دو ڈاکہ۔ اور ایک بیسی چوس آگ ساتھ رکھو۔ ہر کارن کے نوے اس کا ٹکٹ لگا ہونا چاہیے کہ اس میں کیا ہے اور منوبہ ٹیک ہم نے کارن کے اندر ہی طرف نہیں لگائے۔ مسٹیپ لگائے ہیں۔“

”و کیوں حسین ہلتی؟“

”کیونکہ جب غلط ہوتی ہے تو کارن ایک

دوسرے کے اور رکھ کے ڈھیر لگا دیا جاتا ہے۔ کب تک بڑھنے کے لیے ہم کارن بنانا کر دیکھیں گے کیا؟ اس کے سہیل۔ ٹیک لگا ہوا تو ہم آسانی سے بڑھ لیں گے اور صرف رہی کارن لکھیں گے۔“ اور حسینہ رات ہی اس سے تازہ ہو رہی تھی۔ سنہ کا خیر بندہ ابھی جاری تھا۔

”مہر نہیں اپنا ایک چھوٹا ٹیک بنائے گا جس میں اس کا تو تھیرا ہی تو لکھ گیا۔ ایک تو ڈار غموا ہوں گے وہاں جا کر اتنے کھٹے ہوں گے ہم کہ کہیں پورا سلطان کو سہل کر چھریا ڈھو بیٹریں گے۔ سو پہلے طنا رات کا الگ سلطان سب کے پاس ہونا چاہیے۔“ وہ لوہی کو ان میں کہہ رہی تھی۔

”عدوت برمن ٹیک کرتے ہوئے پارا لے ایک گھوڑی سے نوازش ہو رہی نظر کر رہی۔

”شکر ہے جس میں بھی دیکھتا میں مگر ہے۔“ یہ الگ بات ہے کہ جیندے سے وہ بہت خوش تھی لیکن ابھی ہاتھ لگا کر تمہیداً نہیں ہوتی جو غیر ملکی شہدہ بیگم کی تھی۔

”نور حسین نے پہلی دفعہ غموس کا تھا کہ اسے اس گھر کو چھوڑنے کا فہم لگا کر ہم کی مسکائی چھوڑنے سے زیادہ تھا۔ (اتنا طرا لگا کر ہم کہہ کر نیک کیا تھا۔ سب چھوڑیں اور وہ بھی ناگ ایک کھنک کھن نظر پور واپس بنانے سے قاری بیٹریں ہانپا آ رہا تھا۔ منہ میں کچھ چباتے ہوئے وہ دو چھوڑ اور بیٹریں میں بیوس ہتیار لگا رہا تھا۔ زمر جو صونے۔ یہ بیسی ایک کارن ٹیک کر رہی تھی، نظر اٹھا کر پہلے آسے لکھا اور پھر حسینہ کو ڈا سا اٹھا دیا۔ کیا ہے۔“

”تو نول۔“ وہ میں اپنی مملتی کے ساتھ بھول گیا۔ مسکرا کر کتا ہر نکل گیا۔

”زمر زار اسی چوکی۔“ سب سزاوار کے پاس کیوں جا رہا ہے؟ شاید وہ با کو زار ہن سوچ رہی تھی، اسی لیے ساتھ وہ کیل بیٹری۔ جیسے بڑے لگا کو سہ سے بولے۔ ”و کن کے ساتھ اس گھر کو بیٹری کی ڈیل کرنے جا رہا ہے۔“

درو اور خود بخود بھی ہے اختیار مڑ کر انہیں دیکھنے لگی۔ ”کپ کو کیسے پتا؟“
 ”تمہارے خیال میں وہ اور کس کو کیسے گا کھر؟ اور وہ سزاوار کے ساتھ کج کج چائے کیلے پیے گا۔“ کونا کے انداز میں غلطی تھی۔ ذمہ دار سوتھی سے اسھی گورن کا کونٹ اور سٹریٹ لائی۔ ٹوٹی ہوئی ٹوڑھے ہوئے حصے اس نے کونٹ کو کھٹ پاتا، سٹریٹ لائی اور ڈیبل چیمبر پر لے آئی۔

”تمہیں پتہ کونٹ ہے لہذا سو اگ پہ چلنے ہیں۔ میں سو اگ کونٹ کی لور آپہا ہے۔“
 جوہار نے لائیکنگ جلی سے نکل ہی رہی تھی اور اصر کو دیکھا کہ وہ رہی تھی جب اس نے دیکھا جیسے جلی میں ہاتھ والے قمارس، سٹریٹ لائی آ رہا ہے اور وہ ایسے کب سٹریٹ لائی تھا؟ اصر کو اس نے دوسرے ہی ہاتھ ہلا دیا اس نے بھی سر کے ٹھم سے جو کھپ ڈیا اور اصر چلا گیا۔

”جوہار پتہ کونٹ اور پتہ پتہ سے قمارس“
 کہتے ہوئے اسے گلے سے لگا لیا اور پتہ پتہ کی کئی میں ہانڈا لے لے لے چلے گئی۔
 ”مجھے دیکھ کر کئی خوش ہوئی ہیں کپ۔ میری آنکھیں پھر آئیں۔“ لہذا کپ نے دیکھا۔
 جب دونوں کونٹوں کے ساتھ بڑھی رہی وہ کرسیوں پہ بیٹھ گئے تو جوہار پتہ سٹریٹ لائی کا خطاب ہوئی۔

”اگر فرم اپنی بیوی کے بارے میں مجھے سنا ہے اس کرنے کے ہوتے۔“
 ”میں یا کبھی پتہ پتہ ہوں۔ خیر میں ہی؟“
 جوہار پتہ کے بھر کو نکل ساکت ہوئی پھر ملدی سے پیدھی ہوئی۔ ”سٹریٹ لائی؟“
 ”جیسے چاہیے ہیں۔ دو واہہ ڈکری سے نکلا گیا ہوں۔ کب کئی تیار نہیں مجھے چاہیے نہ کے لیے کاہنار شروع کرنا چاہتا ہوں۔ شاید کراچی چلا جاؤں۔ شاید ملک سے باہر کب چلیے۔ کتنے میں خیر میں کی“

لور جوہار پتہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ کون کی زندگی سے جا رہا تھا اور پتہ پتہ سے لور کا کھر جو اس کی ضد تھا وہ کونٹوں کو کھٹے دلا تھا۔
 ”مارکٹ برا کس میں؟“
 ”میں کئی! مارکٹ پر اس سے دس فیصد لڑا۔“

”ہائل نہیں قمارس! وہ غوث سے پیچھے ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں۔“ مارکٹ پر اس پہلے ہی پتہ پتہ لڑا ہے اس سے لور کئی میں خریدے گا۔“
 ”ہاں کاسا سٹریٹ لائی۔ کپ مارکٹ پر اس سے میں فیصد لڑا۔“

جوہار پتہ کے ایسا استقبال سے کھٹے قمارس! اپنی قیمت نہیں ہے اس جگہ کی کسے؟
 ”میں فیصد لڑا۔“ وہ جتنا احتجاج کرتی وہ اتنی قیمت پوچھا، جاگ جوہار پتہ نے غلطی سے اسے دیکھا۔ ساری خوش غلطی کھٹا ہوئی۔

”لور اگر میں خریدوں ہی پتہ پتہ؟ اور ہی پتہ پتہ پتہ کے اصر کی عمارت کس میں اور کونٹوں میں پتہ پتہ؟“
 ”میں جس کو پتہ پتہ کا کونٹ نہیں ہوگا کپ۔ جس سارا لٹ سے لور پتہ پتہ کو کھٹے دلا ہوگا کپ۔ کونٹوں اور پتہ پتہ میں ہو سکتا ہے لور وہ پتہ پتہ کو پتہ پتہ کے کاہنار شروع کرنے میں پتہ پتہ آتا ہے۔ وہ مجھ سے دینی قیمت پہ خریدنے کو تیار ہو جائیں گے۔ سو مارکٹ پر اس سے میں فیصد لڑا۔ سزاوار اور پتہ پتہ کا کھار کئی تھا۔“

”وہ پتہ پتہ کپ میں سے کھڑی رہی یہ کھڑی تو دینی قیمت پہ بھی خریدنے کو تیار ہوگی۔ سو ہاتھ صاف کسے لے پتہ پتہ۔“
 ”کونٹوں فیصد زیادہ لور ہی کا کھٹ پتہ ہے۔ حساب پتہ پتہ مجھے کھٹے مت دلاؤ۔“
 ”پتہ پتہ کونٹوں میں لور مجھے دس لور کون کونٹ تک میرے کا کھٹ میں ساری رہ پتہ پتہ کو لور میں سب کھر کپ کا ہے اسب۔“ پتہ پتہ نے لور کھٹ کھڑا اور دو واہہ کی طرف پتہ پتہ کی اس نے پتہ پتہ کی نہ

جواہرات نے پاپا کی۔

اسی لیے "بگڑے" جا رہے تھے۔

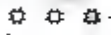
بگڑنے کے نتیجے میں اس نے بہرمان کی قیادت میں دور انگریزی کی طرف جلتے قاریں پہ بھی توجہ دینا شروع کیا۔

تو فریڈرکس نے کہا "جائے؟ کیسے؟ اس کا سوچنا کھل دیا جائے اس کا اس کی پرانی زندگی سے سارا رشتہ منقطع کر دیا جائے۔ تاکہ اس کی ساری پرانی یادیں بچھ تھیں نہ مل سکیں۔ اور پھر اس کا دروانہ کھول دیا جائے۔ محبت کھلا دروازہ ہوتی ہے۔

نارہ ہوا تو کہنے لگا۔ دروازہ کھولو۔ اس نے یہ لودہ کیا میں نے کیا کیا ہے۔ سب کو کھول کر چند کھول کے لیے پھر ساری رات خود بخود کھل جاتے تھے۔

وہ سچی وہی۔ پھر کلکان سے سکرانی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ لہذا کھلت کھلت ہوئی اور اس کی جاکہ جاکہ اس کا سفر خاموشی سے کھلنے لگے۔ پھر کچھ نہیں کھلے کہ کچھ چھوڑا اور کہتے تھے۔ جیسے دہانہ اور ہارنہ اور اٹھ کھلا کو

اجنبی تھا تاکہ اور لہا لہا تھیں جا چکے تھے۔



ایک ضرب لودہ بھی اسے زندگی پیشہ بدست ساکس لینے کی سکت کتب بھی مری جان میں ہے۔ اعلیٰ صحیح قاریں عالی نے کاروبار اور سڑک کے ہونے اس میں ہوش اور ذہانت کی سمجھائی میں دخل کبھی۔ اٹھ کر میں سے ہاری ہاری اٹھ کھلا لودہ چند معنوی مبارک ہو میں اور کچھ نمانا میں من گھڑیوں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد جواہرات نے نام کو کھلا۔

"وہ کراچی جانے کی ہمت کر رہا تھا۔ کہا تو میں نے ہاری زندگی سے چلا جانے کا ہوش۔"

"کب سو گن کرے گا تو ہے۔ کی ساشی کی ساشی میں چھوڑ کر نئی زندگی شروع کرنے کا وقت ہے۔ اس کو اس کی زندگی شروع کرنے دیں۔ جیل نے اسے سارے سچ سچا کر دیا ہے۔ اس لیے اس کا اور نصف کے ہر کھلے سے سارے ہے۔"

اور دھڑکنے میں۔ قاریں نے دیکھا کہ زمر کی وہ تھلی چتر دیکھائی جا رہی تھی۔ وہ یہاں سے اس کی دھڑکنے میں سنا تھا کہ دوسرے وکیل چتر بکڑے ہاتھ جو رہے تھے۔ تاکہ بھی کالی پڑ رہی تھی۔ لہذا سے کھل کر کھول پڑے۔

"واگ کا کتب خانہ بہت بڑا تھا لہذا میں پرل ہو رہی ہوں۔"

"ہم عرصہ پہلے برف ہو گئی تھی۔ شاید جس میں خود بھی نامور تھیں۔" وہ خفا تھے۔

وہ دو تھلی ہاتھ رکھتی تھیں کے سامنے آؤں اور کھلنے کے کھل تو ہیں کھاس۔ وہ صحت میں لودہ ہونے خودشت اور گرد خاموشی سے اس کو دیکھ رہے تھے۔ اس کی بھوری آنکھوں میں کھلی کھل گئی۔

"مجھے پتا ہے۔ وہ بے نظریہ ہے۔ یہ بھی کہ وہ اچھا ہے۔ لودہ یہ بھی کہ میرا خیال رکھنے کا لیکن میں اس کو زبردستی نہیں کرے۔ میرے پاس اس کو دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں اس کے لیے برف کی بن جاتی ہوں اور میں پھلتا نہیں جاؤں۔"

"تو کیا تم اس کو بھی رول کھینچا جاؤ؟"

لودہ اس قدر ہے۔ تو وہ اس لحظہ میں بھی اسی رنگ جیل گئی۔ "کیا؟" شکایت سی ابھری بھوری آنکھوں میں۔

"ہم سہی کے لیے بھی ایسی ہو گئی تھی۔ تم ہر وقت صبح تقریر کرتی رہتی ہو۔ خود سے ہاتھ لڑیں کہ کہہ لیں کو ذہن میں بیجا چڑھا رہی ہو لیکن پتہ عیبت سے کہے گئے تھم تھے ہوتے دل کو کھلا دینے ہیں۔ لودہ کہہ لوگ اس قتل ہوتے ہیں کہ ان کے لیے پھلے جائے۔"

(خوش گوئی بھی اسی تھی کہ اس پیش میں رکھی منگولان سے شاید ہاشم کی خاطر کھل آئیں۔ خود جس وقت منگولان نے گردی ہوئی کھلی لودہ اس کو لے کے ساتھ کھلا رہی ہوئی۔ لہذا سارا من دہی سنتے تھے۔

وہ کافی مطمئن لگ رہا تھا۔ میری انجینی کی چالی ارنگھی تھی۔ جو گڑبیل تھی۔ میرے طور پر فائرس اور محوڑ کیا تھا۔ یہ انجینی فن کی ضد تھی اور وہ فور تک نہ پکارا اور کی وجہ سے اسے اسل سل خاصوش رہے تھے۔ پھر بڑے بھی نہیں بننا چاہتے تھے۔ اور سبب وہ فن کی بھولی میں آگئی تھی۔ کیا اسٹن دار کا تھا؟ اسٹی ڈنکی

پہلا پہلے جلسے کی بنیادی کریں گی؟ وہ سکون سے بولا تھا۔ شہر و نورد سہری کے جھٹلے ڈان سے پتہ کرو پراہر اسے لفظ سے نہ پوچھا پوچھا تھا۔

سری انکاش تین برس پہلے ہزار ہا بنے تھے۔ تینوں "میرا" یعنی بل کال (پورے چائے کی دکانوں کو ہوتے تھے) پلاٹنوری میں ہوا تھا۔ سرانقوری اور تمبر انڈیا میں سپلائی اور تھیل کا ٹکڑا ہوا۔ سے شروع ہوا اور شہری مختلف تھیلوں کا پیکر کات کرانی جلی تک پہنچا تھا۔ پورا شہر لوہے کی بنیاد سے لوگ آ کر فن بنا تھے۔ کھٹیل کڑے ہو کر پیلے فن کی گلی تک پہنچنے کا انتظار کرتے تھے اور پھر اس کو گڑے دیکھنے تھے۔ کارڈارڈ کو لہو کا ایک پراہر پیش دیکھنے جاتے تھے۔ شہر میں پہلے ساتھ جالی تھی لیکن سب سے تم میں نے کر جا رہا تھا۔ شہر سے اس نے پوچھا تک نہیں۔ سہری کی جہان تھی فن یا تھیل میں۔ وہ اس کو لے جا رہا تھا اور ہزار کت کے ساتھ لوہے مطمئن تھا۔

بل کال کی رات سے وہ روز پیلے گہرا سہری اور غلور کو فن کے کہوں سے نکال کر لائے اور ایک نیوے کمرے کے حوائی بنا دیا۔ کمرے کے پورے کھلیے تھے اور فن کو اندر رکھ دیا۔ وہ اس کی آواز کا تقریباً تمام حقائق کو تھا۔ اندر وہ لوہے کے چنگ رکھے تھے۔

صحت جلد تم کو ملے گا اس جگہ سے شکل کیا جا رہا ہے۔ نہ تک تم کو ضرور ہو گے۔ "میرا" سے سہری کو دیکھا گیا تو وہ فوراً خاصوش کھڑی تھی اور دیکھنے کا بھیجے۔ یہ خود مدد ہوا ہوا۔ "تم نے بتا دیا کہ کو؟" میری نے نگاہیں جو نکلیں۔

غلور نے ہنسنے سے سہری کو دکھا۔ "تم نے اسے کیوں بتا؟"

"میں سمجھا ہی جاتا تھا۔ میری ہانہ میرا کہے کر سن کر وہ؟" وہ بے حد کھلی دیکھا تھا۔ میری خاصوشی سے باہر نکلی تھی۔ اس نے اسے کن کو لیتا ہے۔ لیے تھے۔ جب مدد کے نکلے اور قتل ہونے لگے اور مددوں خانا گئے اور سہری اس کی طرف مڑا۔ "تمہیں تھیں ہے تھاری ہانہ میں دیکھا؟ میں ہوا ہوا؟"

"میری بھی اپنی ذاتی تھیل میں کمرے، دیکھا یا سوہانس نہیں لگا سہری؟ آپ کو کیا معلوم ہے؟ وہی آپ یہ بیٹھا گاڑا تک جاتے اور وہ وہی جو آپ کے خلاف تھا تھا اور انت ہیں جا کر پوچھیں تو سہری نے سہر بھی پوچھے تک کہ لے لے۔"

غلور کا سر پگ پگ گیا اور اوتوں کو چھو کر شکل کر محسوس کیا۔ کو لہو کے کیسے پھر تک کھلی کر حوالہ دیتا تھا۔

"میرا میری تھیلوں نے وہی کیا جو میں نے کہا تھا۔" سہری میری ہانہ لے کر اسے بڑے کتھے سے بیٹھا۔ "تمہیں لگا تھیں کیسے تھا کہ میری فن کو تھاتا ہے؟"

"وہ میرے لیے بہتر ہی کہتی ہے مگر اسے اپنی جاب دیکھیں چاہیے۔ تمہی اسی لیے میں نے اس کو یہ سوچ دیا کہ اس کی نوکری اسے دیکھیں اور جاتے اور ہمارے ہمارے گئے کے خوف سے ہمیں وہ اس کے حکم سکھائی تھیں۔ میں میں شقت کر رہی۔" کہہ کر وہ چمت کو دیکھنے لگا۔ میری کو فن وہ دونوں نے کیسے استعمال کیا تھا میری کو کچھ ملنے تھا۔

"سوہی وہ کل ہے جہاں ہانہ میرے ہانہ ہی ہوئی کو دکھا تھا اور اس کو میں نے نکالنے کے لیے تم نے راستہ دیا تھا۔ ویسے کیا تم اسے نکالنے میں کامیاب ہو گئے تھے؟ کیا یہ تھا اس کا؟"

"میں سمجھتا ہوں کہ فریڈ نہیں ہو۔ ایسے سوال مت پوچھو۔ کچ رات سے ہم کام شروع کر رہا ہے۔"

کلنی زیادہ ہو۔" کب لنگا کر بیٹھ چکا تھا۔ امر کی
شکر اہستہ خطاب ہوئی۔

"یک منہبہ تم میں سے کلنی کلنی بنا رہا ہے؟"
"نہیں، بلکہ ابھی میں بتاؤں کہ میری بیٹیوں کو کہہ دو کہ رات
کے سالنے کی بجائے صبح اپنی بیٹی کے لیے کلنی
بناؤں۔" وہ بھی نہ افسوس نہ غم اس نے اسے کہا
تھا۔ عرصہ بعد اس کا جھکا تھا۔ نگاہ رکھتی تھی کہ اس
"صرف اس لیے بتا رہی ہوں کہ تم میرا پتلا چلا
رہے۔"

گھوڑی اور برہنہ وہ وہاں اڑنے کے لیے اندر
داخل ہوئی ایک کھیل سے نکل کر اور وہ سڑک کے ساتھ
بیٹھی۔ قارن اور کلنی انڈیا میں بیٹھا تھا اور وہی لہجہ
سمیٹ کر فریڈ سے کہنے لگے ہوئے تھی۔ وہ کلنی
انچی سے چل کر تم کو گھونٹ گھونٹ کلنی جینے لگی۔
"کلنی، یہاں تک کہ تم کو گھونٹ گھونٹ کر میں تم
"یہ دعوت تمہاری گھونٹ کر دے دی ہے۔ یہ اس
کے لیے ہے؟"

"ہاں، کیا سامان بنا اور کلنی کا گھونٹ بھر لے۔" وہ بیسی
گھونٹ فریڈ میں ہے۔"
"گھوڑی میں بھول گیا تمہاری کلنی گھونٹ فریڈ
کبھی ہو سکتی ہے۔ تمہارے گھونٹ میں کلنی ہی ہے۔"
"سنو فرائڈ! اس نے کلنی سے اسے رکھا۔
"میں صرف کلنی جینے کا تھا۔ صرف اسی ہائی پٹلے
ڈونج کلنی کچھ نہیں اور آبل ایسی جھولتی ہے میں جانا
میں۔"

"مجھے کیا سڑک۔ رات گئے تک گھر سے باہر
ہوتے ہو۔ کلنی جاتے ہو گھر کرتے ہو۔" شائے لپکا
کہ گھونٹ گھونٹ کلنی جینے لگی۔
"شکر اگر وہ گھونٹ کلنی ایسی ہائیں پوچھتے
ہیں۔ بہادر نہیں ہیں۔"

میں کی خبر میں کلنی میں ہم میں سے کسی کی
انہی باروں میں ہو سکتی ہے۔ قارن اس نے کپ
پرسے رکھا اور جو کلنی سے اس کی طرف مڑی۔ "ہم
اسے کہے اور میں گے اب مجھے (کلنی) رات نظر

اب وہی کو اور میں کہتا اس کو اس کے جسے کلام
سمجھا رہا تھا اور سہلی دوست چاہتا تھا کہ میں سے
کلنی کر رہی ہو اور مظاہر حیات کا قیدی ہو جگہ۔



درختیں صبح و شام یکساں نکلتی رہتی ہیں۔ کب
اس کا ہونا میں کہے کہ نہیں نکلتی۔ ہونا میں
قارن کا کلنی میں رات جس وقت اس کی پوچھی ہو
گھر نکلی کلنی ساگہ رہا تھا۔ کلنی اور اس کے سہلان کے
چنگ شہ زیمو۔ کارن۔ اور کب (کلنی) کم سے
گھر کے لیے کہہ دیا ہے۔ پک کر اس نے دستک دی۔
پکرا سے دیکھا۔

وہ اپنے صوفہ کم پہلے بیٹھی اور کلنی سے ملاشت
کی (کلنی) "کلنی، کلنی سے پھلانے ٹوٹ گیا۔ کچھ
کہہ رہی تھی۔ کلنی جوں سے میں نے گھر سے گھر اور ایک
لٹ بھنگ کر کھانڈ کو چھوری تھی۔ آہستہ یہ بھاری
آہستہ ہائیں اور اسے چگھنٹ کر لے گیا۔
"آبل ایسی؟" جب کلنی میں ہاتھ والے کلنی اور
عربی آہستہ میں اسے جھلکا دیا اس کے لپکا۔
"تمہارا گھر ہے آبل جاتے۔" وہ اس سے جھکا کر کلام
کہنے لگی۔ قارن وہاں نہ کہہ کے اندر گیا اور اس
کے ساتھ بیٹھا۔

"کب میرا نہیں رہا میں نے گھونٹ۔"
"تمہارے لیے بیٹھے ہیں قارن۔ کسی کو کیا
اجازت ہو گی۔"
قارن خاموش رہا۔ یہ اس کی میں کا گھر تھا اس کی
عمر گزری تھی اس میں۔ درگاہ کے ساتھ گزرا
وقت۔ ابھی ہی ہائیں۔ وہ لے گھر کے لیے سب
پوچھنے کا پھر سڑک گرا اور کھلا۔
"کلنی بیوی؟"

وہ سر جھکائے اور اس کے لپکا (کلنی) اور اس کا ہائی
آج کب میرے لیے کلنی ہائیں گے اور جو اٹھایا۔
"شہنواز"
"کھنکھن۔ بیسی کلنی میں بیسی منت ڈالنا اور

نہیں آتا۔

میں اوجھڑ رہا ہوں اور دل جلے گا۔ اس نے
تسلی دی۔ اور دمر نے اس پر اعتبار کر لیا۔ کہ ابھی
چاہتی تھی۔ جو کچھ چند لمحوں کو تیل سے نکالنا ان کی
چاکا مسئلہ ہے۔ چاکا اور مدھی کی تلاش میں سفر میں
پہلی ملی تھی۔ کوئی اور چاند بھی تو نہ تھا۔ مگر قوس کو رہا
ہوئے نہیں دن بھر۔ مجھے تھے اور نہیں دن سے مدد کی
سوج رہی تھی۔ کہا کہ آگے آگے کہے؟

اب اسلین ہیڈ کی چائے تھمراے طاق سے اتر جائے
کی یہ جلتے ہوئے کہ اس کا ہاتھ ہے اس سب
میں آگ کی رات یہ بات اس سے کہہ سکتی تھی اور
پارسی بھی اس پر سمجھ نہیں کر سکتا۔ (اسم کا نام
میں سنی تھی اور اسے گولہ بندھا کر کے)

تھمراے طاق سے رات بھر اتر جاتا ہے۔ ایک
الغیہ کہ مگر ابھی۔

مکمل ہم سو کر جا رہی تھی مجھے پتا ہے تم تھی
ہوتی ہوگی مگر چائے پہ چائے ضروری ہے۔ چاکا رات
دہرے صرف سر ملا دیا۔ وہ اب صبح میں کم کھوٹ
بھرا ہوا چاکا۔



سیرے شوق کی نہیں لڑج رکھا
وہ جو طور ہے بہت دور چلا
وہ ایک ساکن سی شام تھی۔ سو کر گیا کتنی جمالی
تھی اور پڑھوں کے اندر تک بند کر دیتی تھی۔ آسمان پہ
پورا چاکا جسکے ساتھ کمال۔ پورا سیر۔

تھی پورے چاکا کو "پہلی رات" میں "کی علامت
کہتے ہیں سلا کمال کی رات تھی خانوں کے دور مقیم
ہیں یہ وہاں لوٹ کر اپنے گھر لوگ کو آتے ہیں۔ ان کا کہنا
ہے کہ "مکمل کے (خانہ لائی گھر) کے آسمان کا چاند زیادہ
چمکتا ہوتا ہے۔" ساری دنیا میں ہے کہ جوڑے
آسمان پہ بیٹے ہیں مگر تھی کہتے ہیں کہ جوڑے سے
آسمان پہ ہیں مگر ان کی ساری چاکا پہ ہوتی ہے۔ ان کی
لوگ کہتے ہیں آتا ہے کہ چاکا یہ چاکا اسی نام کی

ہری لپٹے گلزارے کے ساتھ رہتی ہے اور اس نے
اب حیات پل پر رکھا ہے۔

بدھ مت لوگ بلو کمال کو سہارک جانتے ہیں
کہ کنگ بدھ کی زندگی میں سارے آسمان افسانہ کمال
کی رات کو پیش آئے تھے۔ اس رات کو انسان کی
مدد ملی اور وہ ہی زندگی کے لیے اہم سمجھے ہیں ان کا
مقید ہے کہ اس رات انسان اپنے ذہن کی طرف چلتا
ہے۔

ہندوؤں کا پتا ہے کہ چاکا پالی کو جو کہ کنٹرول کرنا
ہے اس لیے ساری دنیا کو کنٹرول کرنا ہے اور وہ اس کا
تعلق مقدس سمجھتے ہیں۔ چاکا ہے۔ چاکا لیوان اس
بات یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ بلو کمال کی رات عبد
یعنے یا وہ ہے کہ نے کے لیے اچھی نہیں ہے۔ طاق
ماہرین کہتے ہیں کہ چاکا انسانی جسم کے اندر رہتی ہے۔ پالی
بھی ایسے ہی اثر انداز ہوتا ہے۔ جیسا کہ سمندر کی امواج
سے مادی امراض باندے اور جلد کی بیماریوں میں مبتلا
لوگوں کی حالت اس رات زیادہ خراب ہو جاتی ہے۔
Yaku میں ہونے والی ایک تحقیق یہ بھی کہتی ہے
کہ پورے چاکا کی رات اگر کسی کا خون سے تو وہ عام
رنگ سے زیادہ ہلکا ہے۔

کہتے ہیں کہ چاکا کی چند خصوصی باتیں
کہنے کو چاہیں گے۔ زیادہ شفا بخش ہیں اور قدیم
داستان میں بھی کہتے ہیں کہ اس رات کچھ (دیر زوال) کی
انسان جسم پر پھین چلتے ہیں اور صبح ہوتے ہی ٹھیک
ہو جاتے ہیں۔ امر کی کہتے ہیں کہ انسان نے چاکا پہ
قدم رکھا تھا اور دنیا میں ہمت سے کھینچ لیا
تھی۔ سب اس بات کو ایک ڈرامے کے سوا کچھ نہیں
مانتے اور اس شخص والا کہتے ثابت کرنے ہیں کہ کون
تھیک کسی انسان نے چاکا پہ قدم نہیں رکھا۔ تیل آرم
اسٹراٹک کی موت کے ساتھ ہی یہ راز کہ انسان نے
چاکا کھیر کر اٹھا لیا نہیں بھی وہی ہو گیا ہے۔

اور دنیا والوں سے بے نیاز اور چاکا کی کاتھل اس
رات سرد سے آسمان پہ چمک رہا تھا۔ پورا کھیل ہو گیا۔

قاری کا شمار ان ایک پرش خانے میں
 چلے میں ابراہیم بیگہ سبیل سے اذکار اور کلمی
 خوب صورت قلم اسی سے لکھی گئی کہ قیمت پھر اس
 سے کسی زیادہ کلام اور جملہ ہر کسی کو اس کا اپنا کرا لے
 گا۔ ہم اس بات پر خوش تھا اور اب عورت حسینہ اور
 صداقت کے ساتھ مل کر سلطان رکھوا رہا تھا۔ سب
 تنگ بھی گئے تھے کہ اور اس وقت وہ حمل تھا کہ عورت
 کچھ مانگی تو چند روز ہم ایک دوسرے کو اشارہ
 کرتے۔ ہم قریب ہو کر اٹھائے۔ اور یہ تو بہن
 بہائیں کا پرانا اسٹیبل ہے کہ قریب دو گنا ہی کلام
 کہے گا سو لوگ شامت ہم کی آ رہی تھی۔

بھی رہا تھا نہیں ہو گا پھر ساقی کو کون ہو گا ہے مہلا؟
 "بہنو! کہتے تو بھوت ہو لے گنتہ کے کہ اس
 میں خیانت کرے لڑے تو کھلی ہے نقدہ کہے تو اس
 کے خلاف کرے۔"

جموں خانہ نقدہ خلاف اور بدلیوں۔ پھر نے
 انگلیاں پھرتا ہوا۔ یہ چاند یا ان میں سے ایک سچ بھی
 کسی میں ہوتوں ساقی ہوتا ہے۔ بھوت تو ان سے بولا
 جا رہا ہے کھلی انوں سے ہی جا رہی ہے نقدہ انوں سے کیا
 جا رہا ہے گنتہ کی ذمہ داری انوں سے ہی جا رہی ہے۔
 جنہوں نے گنتہ میں سلطان۔
 "جو کچھ ساقی کو فرما رہے وہ دور کرتا ہے؟"
 "ہاں کی زبان! دہرے گئے۔"

گھر کسی حد تک سیٹ ہونے کا تھا اور قاری
 چلے۔ جا چکے تھے جنہوں نے صرف خلقی خلقی
 تھی۔ پھر تو گنتہ لہجے کر کے دیکھنے کی اتنی دولت
 ہو گئی تھی کہ سب گنتہ اور دل نہ لہجے کر کے لگے
 تھے۔ گنتہ سے تمام میں پڑھ رہی تھی نہ لہجہ
 تھا۔ دل و دین تھا۔ سوائی کی انٹرنیٹ کو کون سنی
 کہے کہ انہی پھر کے پاس چلی آئی تھی ان کا گھر چہ
 سلسلہ کے لئے تھا۔ (وہ اپنے پر لے
 علاقہ میں زمین کو بیٹ کے قریب ہی آ رہے تھے)
 لب ان کے دریا تک روم میں ہی کے سامنے سر
 چھلکے تھے۔ یہی وہ ایک دلہہ پھر اپنی کمزوریوں کا اقرار
 کر رہی تھی۔

بھوتہ خانہ پڑھ لیا تھا لفظ پڑھنا بہت سے
 پھر ملتا چلے بدلے کرنا نصیحت کرنا کہ سلطان کی عزت
 بھی اہلہ پاس اہت ہوتی ہے۔ نئے سارے گنتہ انسان
 کو وہ غلام تھے ہیں۔ گنتہ کو کہتے ہیں کہ ان سے دور
 رہو گی تو نماز کے قریب لوگی۔ تب یہ صحت گنتہ کہ
 لاس تو گنتہ بھوتہ اور بدلیوں ہے مگر فرم رہا ہے ہمیں
 کچھ نہیں پتا گنتہ کسی نماز پڑھتا ہے نہ کسی کو۔
 پورے گنتہ چاہیے۔ صرف انہی امور کو۔
 جنہوں کے اندر باہر کھل کر وہ کیا تھا گنتہ بولے
 ہادی تھی۔

"نماز کی دولت نہیں ہوتی وہ کیا کرے؟" وہ پچھ
 اندر کر لستہ دیکھ کر پوچھنے لگیں۔
 "نظر اور مشرب تو سب پڑھ لیں ہیں لیکن صبر
 کسی کی تھا ہوتی ہے اور پھر وہ عشا گنتہ چھوڑتا
 ہے کیا آگے حد شمش۔؟"
 "جسٹان! وہ صحت بولے۔"
 "گور ساقی کون ہوتا ہے؟ کافر؟ مشرک؟ ہندو؟
 ہودی؟"
 "جنہوں نے لگی میں سہلانا۔"
 "بھودی کہنے والا ساقی میں ہوتا تھی کہ بدکار

"تو ہو گیا کہ نماز سے کیا ہو گا۔ جسے پڑھنا نماز
 خود کیا ہے؟" پچھنی دلہہ کا سوال اور ہلکا۔ وہ لب بھی
 چپ رہی۔

"دلہہ کہتے ہیں۔ معراج چھٹائی تھی قمری رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کہ معراج یہ وہ کلمہ ہے ہم کلام
 ہوتے تھے تھے ہم لوگوں میں جاسکتے تھے اور یہ ہم کو خود
 یہ بھی نہیں جاسکتے تھے۔ انہوں نے شوق کلام کی حالت اللہ نے
 نماز کے ذریعے دکھائی تھا اور انہوں نے معراج ہادی
 نماز ہے اس کی عزت کی اپنی چاہیے۔ کیونکہ اگر ہم
 اپنے بچوں کو نماز کے لیے وہی نہیں اٹھاتے ہے

لفظ نشتر کی طرح دل میں اُتر جاتے ہیں
 ظلمت کا بھی وہ گھٹا ہے کھوار کے ساتھ
 اسلام کلوں میں اس جو ستارہ ہوئی کے ذوق
 روشنیوں سے جیگمگاتے شہانہ طرز کے زائنگ ایریا
 میں ایک میزبانہ چاندی برافین تھے لودھیوں کے ادب
 سے اشرافے غلام ہوئی کر رہے تھے وہ یوں بیٹھے تھے
 کہ میز کے ایک طرف کئی اور ہانڈیاں تھے لودھیوں سے
 چاہتے وہ لودھی۔ ہانڈیاں شکار سہن کے لور کوٹ
 میں لیویں مسکرا کر کب دار سے پوچھ رہے تھے کہ اس
 نے کسے سماج کے سامنے اپنے والد کی شخصیت کی
 جیسا بائیں۔ کئی بھی مسکرا کر کہہ رہی تھی کہ ایسا
 نہیں ہے اس نے سر فاسٹ اور کٹھنری لڑائیوں کے
 انداز میں چرسے کے گروپٹ کر چھو ڈال رکھا تھا۔
 کالوں میں ذمہ داور ڈاکٹر ٹائیس دنگ رہتے تھے۔
 بچے سفید مٹام سوسائیز تھا جس کی ہائی ٹیک کے لور
 ڈیو کا کھلس جیگا رہا تھا۔ طوش اور سونہ لگ
 رہی تھی۔ یونہی کے ساتھ ساتھ مسلسل کھاری
 تھی۔

قاریں ابھی تک خاموش تھا۔ چرسے پہ رہی
 مسکراہٹ سوائے وہ گے شہنہ پہ سیاہ کوٹ پہنے
 ہوتے تھا۔ کبھی کبھی وہ مسکرائیں آٹھیاں ہانڈیاں کو
 دیکھ کر مسکرائیں کئی ہانڈیاں کا جو کبھی سے دیتا پھر سر جھکا
 کر ہیبت کی طرف مصروف ہو جاتا تھا کہ وہ زیادہ کھا
 نہیں رہا تھا۔
 ذمہ دار کئی سے تیار ہوئی تھی۔ کئی کے کوڑے
 سفید رنگ کے پیرکس اس نے سنگ کی سیاہی کبھی
 بن رہی تھی۔ کھنگریا کے بھورے دل سامنے سے
 ڈرا سا چہرے کے کہ جین لگا کر کھلے چہرہ ڈھلے نئے اور
 بھورے آنکھوں میں گرا کمال تھا۔ جب کوئی اسے
 پتھلیب کرنا تو وہ آنکھیں اس پہ جھانک رہا ہے جی اور پھر
 لور لور دیکھنے لگ جاتی۔
 معنوی باتیں معنوی وہ نہیں۔

اسوقاس قاری۔ آپ کتنا عرصہ جیل میں رہے
 ہیں؟
 میں نے کھڑا کائے میں ہسپتالے ہانڈیاں نے
 سرسری ہانڈیاں سوال کیا۔
 کئی ذرا خبر آرام وہ ہوئی ہانڈیاں نے مسکرا کر
 انہیں دیکھا۔ "آپ سے عین مثل کہ۔"
 ہانڈیاں کو اس کے جواب نے چونکا بھی اور ہانڈیاں
 بھی کبھی کبھی چلتے ہوئے مسکرا رہے۔
 "میں نے ساڑھے سات سال کی ہانڈیاں پہ نکل
 لیا کہ عین وہ جیل چاچا کا ہوں۔ تم ابھی کچھ سے بہت
 چھپے ہو۔" طرز کھلم کھلی دیا۔ کب دار نے اس
 ہی سانس لیں۔ دیر خاموش نظر لگے ہانڈیاں قاریں لور
 ہانڈیاں ذوق لگتی تھی۔

"آپ جیل بھی رہے ہیں کب سے کلاس ہانڈیاں
 نے میں ہی کلاس خفیہ تھا۔ آپ میرا مقابلہ نہیں
 کر سکتے میرا۔"
 قاری کے اہل قلوب سے آنکھیں ہوئے۔ "آپ تو
 اٹھل بھس اٹھ رہے تھے پڑھے کھئے تھے آٹھ ماہوں
 سے تھے آپ کو تو عدالت کو لے کلاس لانا کرنی
 چاہیے تھی۔ تعلیمی خاتون کئی میں پھر لور چاہی وہ
 کئی بنیاد پہ تھی ہانڈیاں کی کلاس کا نہیں کئی ہے تا
 عدالت آہور ہانڈیاں کھلے سے ذمہ دار طرف دیکھا
 جس نے عین سر ہانڈیاں لیا ہے تو کچھ سے کہنا پوچھ
 رہی ہے؟"

ہانڈیاں نے میری کلاس "جی" مقرر کی تھی پھر
 چونکہ میں ہانڈیاں عید نہیں تھا اس لیے جیل کے اندر
 مجھے ہانڈیاں کی مرضی کے ہانڈیاں میں چکا گیا تھا۔ وہ
 عزم مسکراہٹ کے ساتھ کھنکھرتا ہانڈیاں تھا۔
 "میرا اس واقعہ ہانڈیاں نے لکھ لیں سے پوچھا۔
 اس واقعہ میں اپنی مرضی سے ہی ہانڈیاں میں گیا
 تھا۔ لور مسکرا کر مڑھائے کائے سے کھلے کا کھڑا
 ڈالنے لگا۔
 "جیل کبھی ہوئی ہے؟" کئی اب کھا نہیں رہی
 تھی۔ کئی میں یہ رکھے آگے ہو کر جی ہانڈیاں
 دھیان سے اس کی طرف متوجہ تھی۔

میں تو وہ تکلیف مند کب کے اندر بہت بچھا ہوا ہے
 ہے اور وطن کی مدد میں تو ویسے بھی ہارنے والے
 بہت ہوتے تھے۔

اپنی بیٹی کو دیکھتے ہوئے کہ جاہرا تھا۔
 ”ہر روز شام پانچ بجے خیر خواہوں کی جنگ جگمگ ہوتی تھی۔
 قطار میں جاہر ولد کی طرح کھڑا کر کے لوں کا مہمانہ کیا
 جا تا تھا۔ صرف سارے بیٹے کا رانا تھا اور کھانا۔“
 یہ سب سبھی ان لوگوں کو اسام کی ڈیڑھ گھنٹہ کو دیکھ کر وہ مسکرایا۔ ذرا
 فکرا ہوا۔

”قانون کے مطابق ہر طبقے میں تین دن چھ دن ہیں اور
 ہفت روزہ ہے۔ بڑی بھائی کی بیٹی کی اور دو وقت کی چائے
 بھی۔ صبح شام میں سبزی کی بیچا بھی لے گی۔ کرسی
 کلاس فندی اگر گوشت کی فصل دیکھتے ہیں تھے تو وہ بڑے
 ٹھوسے مری ہوئی مرثیلے کا ہوا تھا یا پھر چوڑا ہی نہیں
 تھوڑا دل اور سبزی کی بھی سب سے سستی تھی۔ کئی بھی
 کھانے میں۔ ایک احسان حکومت کرتی ہے کہ گھر کا
 کھانا (لاڈلاجات) ہے مگر میری بہن دو طرح کے
 سوے لاد کھانے میرے لیے بھی کرتی تھیں۔ نہایت
 کچھ بھنگا۔ پختہ تھا۔ راستے میں قسم ہو جاتا تھا۔ میں
 لوں کو منع کرتا تھا کہ نہ کھانے نہ کرس۔ میں نے زندگی
 میں اس سے پہلے بھی ارشاد نہ دئی تھی۔ لیکن یہ کم
 بھی نہیں میں شروع کیلے اور دن کو پانچ سو روپے بلی بند
 ماہوار دو کو پانچ پانچ لوگ مل کر اپنے چوٹا گائیکے ہیں اور
 اپنا کھانا کھا سکتے ہیں۔ جگہ جگہ پانچ پانچ لوگوں نے
 گروپ بنا کر یہ کام شروع کیا ہوا تھا۔ اسے ”ہڈلی
 ریل“ کہتے تھے۔ میں بھی اس ”خیر خواہوں“ اور
 ”رشتہ انگیز“ کام میں چار سال شامل ہوا۔ لیکن میں
 نظریں والی والی اور مری ہوئی مری نہیں کھا سکتا تھا۔
 ہمارے جیسے مسافر نہیں۔ جہاں قانون نام کی کوئی
 چیز نہیں ہے۔ اپنی بلا کے لیے انسان فراموشی کو لے
 مجبور ہو جاتے اور اس کے اس دو مرا کوئی راستہ نہ ہو تو
 کیا یہ کرنا تھا ہو گا؟ یہی ہے کہ نہیں۔ امر شریف
 کہتا ہے کہ یہ لوں رائس ملے جا ہے ہیں تو وہ ٹھیک
 کہتا ہے۔“

”بھیل...“ فارسی نے رک کر سوجھ اس کے
 چہرے پر تکلیف سی باہری۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر
 کب وار کو دیکھا تو سہمی آنکھوں میں کہہ جیسی
 تھی۔

”بھیل میں کب آئیے ہوتے ہیں۔ کوئی کب کا
 دوست نہیں ہوگا۔ کوئی کب کا خیال نہیں کرے گا۔“
 اسے سخت پتھر بار کیا۔ ”جب میں بھیل میں گیا تو سب
 سے پہلے مجھے ایک گھر سے میں جانا تھا۔ قراظین سے
 ملے۔“

”قراظین...“ کئی اور بار دن اور دن نے نا بھی
 سے اسے کھلا۔

”میں کا مطلب ہے کہ قراظین“ دہرائے بیویگی
 سے رضامند کی۔ وہ پائل چپ سی ہو گئی تھی۔ یہ
 سب اس کے لیے بھی تکلیف مند تھا۔
 ”مگر پاکستان میں قراظین نہیں ہوگا۔ قراظین
 ہوتا ہے۔ بھیل کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ لہذا بھیل
 ہوتے ہیں۔“ پھر کئی کے انور لکھے چہرے کو دیکھ کر
 کہنے لگا۔

”قراظین وہ شخص ہوتا ہے جو نے فدی۔ جس کو
 کب امریکی فوجوں میں چھوٹا تھا کہہ کر پارتے مہنی
 ہونگی۔ اس نئی بھیلی کو قراظین کے پاس سے گزرتا
 رہا ہے۔ اس کو اس کی کلیاں اس کا لٹاک ہوس کی
 اور کہ اس کے فے کی مشقت سب کچھ ادا کرتا
 ہے۔ قراظین بھیل کا پڑا تھا ہوا ہے۔ یہ قیدی کو پہلی
 طاقت میں اسے نہ مارنے کے چھکس ہزار لیتا ہے۔
 قیدی کو پاتا ہے۔ حکم نہ لگنے کے چھ لاکھ ہزار لیتا ہے۔
 پانچ لاکھ دینے کے پختہ ہزار لیتا ہے۔ اور یہ ہر مہینے
 فدیوں سے ملنے آئے والوں سے لیا کرتا ہے۔ وہ ملے
 کرتا ہے کہ کب کی بھیل میں قسمت اور زندگی کہی
 ہونے جا رہی ہے۔ اگر کب اس کو ذرا سا بھی خفا کریں
 تو قراظین ہڈی ہڈی کب کو دیکھ لیا۔ ہڈیوں میں ڈال دیتا
 ہے اور کب پوری پوری رشت اس طرف سے سو نہیں
 سکتے کہ کو بھی رشت کو کوئی کب کو صرف تکلیف
 پہنچانے کے لیے چھرا مار جائے گا اور کب نہ بھی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

نے چونک کر پہلے آئی کو دیکھا پھر زمر کے ساتھ بڑا اٹھا اور وہ آگاری سے تو کھینکا تھا جب۔۔۔

”کلف گورس۔ میں نے قاریں کو گر لاد کر دیا تھا۔ وہ قاری کی آنکھوں پر نظر میں تلے مسکرا کر بیٹھی تھی۔“ یہی تو کہہ کر مس عیوبہ میں نے ساری زندگی لوگوں کو اخصاف دہلانے کے لیے جلد جھوٹی ہے۔ اگر میرے لیے خاتمہ کن میں میرے وطن آتے تو کہہ کے سزا میں کوئی مفیض بخیر ہے تو میں اخصاف کے حصول کے لیے اس کے خلاف بھی لڑتی رہوں گی لارڈ کالون کی پوری بھد کر دیں گی۔ کیا آپ لکھنا کر سکتی ہیں؟“

گھٹن اٹھا کر وہ ہوا سر جھک کر بے جھجکی ہوئی تھی۔
 (دل بہ جو گزری ہو گزری۔)
 آپ وار کا چو پیکا پڑ گیا اس نے مشکل تھوکر لکھ لہانے بھی اتنی ہی تھوکیوں سے کہتے گھور کر شاید میں ایمان نہ کر سکتی۔ کئی دن سو رہی میں نے سنا تھا کہ آپ نے سہری بے سبب کے بیوروئل ڈنڈے کا تعلق (اندان نے غیر آرام دہ پیلو بول) کہ آپ کے بیچنے نے جب کو اپنا گروہ ڈیوٹی کیا تھا یہ سب سے مشکل ہو گا آپ کے لیے اس کا کھو جانا۔ ”یوں لب سخت الفاظ کا اثر ڈال کر نے کی کو خوش کر دیا تھی۔
 زمر نے ہنسی سا ساں لیا۔ ”مجھے نہیں پتا وہ کہاں ہے تمہارے امید ہے کہ وہ زندہ ہے ان آٹھ ماہ میں میں چند کمپوں کے لیے بھی اپنا فن آف میں کر لی اس ڈور سے کہ وہ کل کہے گا اور اگر میں نے انھیں تو کیا ہو گا؟“ کہ مجھے پتا ہے سب سے پہلے مجھے کل کہے گا۔“

یہیہ خاموشی کا دور تھا یہ بھد گیا پھر ہانڈان نے ہر دلی اور اپنی جینٹ سے پوچھا۔ ”وہ کس طرح کا انسان تھا؟“

”مہمان خرم دل اور۔“ زمر کہنے لگی ہر قاریں نے جو اٹھا کر ایمین سے کہل ”مغرب کا رتہ“ سب نے چونک کر لے کر لے کر لکھ لہانے سر جھکا کر پلٹ میں چھری لکھا جاتے ہوئے کہہ دیا تھا۔ ”میں نے اپنے خاتمہ کن کے ہر فرد کو یہ یقین دلاد رکھا تھا کہ

وہ پھر اور سر جھکا کے کھینکے کو پلٹ میں پھیر لے کر مسکرا کر سنا سنا تھا۔ کئی کا کا رتہ چکا تھا اور آنکھوں میں پانی تھا۔ زمر بالکل خاموش اور سپاٹ تھی۔ ہانڈان نے ہنسی ساں لیا۔

”تمہارا واقعی مجھ سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔“ وہ جیسے پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھے۔
 ہنگوٹم نے قزاقین و لکھا پات پوری میں تالی۔
 رخصت تو ہم نے پہلی دلی کو پہلی دلد دی تھی۔ تو قزاقین کو کیا پتا؟“

قاریں فن کو دیکھتے ہوئے ڈھکی سا مسکرایا۔ ”میں سے پہلے ملاقات کرنے والے خوف سے کانپ رہے ہوتے تھے وہ بادشاہ تھا میں کو کچھ بھی کہہ سکتا تھا ان کی عزت کا جاننا کھل سکتا تھا میرے ساتھ ان نے کھنگوٹمی ہوئی کے نام سے شہر کی تھی۔“

کئی کھاساں رک گیا۔ ”مہمور کہنے لگا کیا پتا؟“
 ”میں نے اسے مارا۔“ اپنی بھد کی طرف اشارہ کیا۔ ”مہمور سے خون لگنے لگا تھا اس کا ہوا ٹنگے آٹھ کے قریب لگے تھے اس نے مجھے ہی گاس میں بد نام لہانے بخیر میں کے ساتھ شفٹ کر دیا۔ سہ ماہہ شکل میں ایک ”ملا احمد“ سے فائر سرکاری ملازم تھا۔ کج وہ اسی شکل میں رہا ہے۔“

”مہمور اس کو فیر کس نے کر لیا؟“ آپ دار نے ساں رو کے پوچھا۔ ”میں ہی ساں کر لیا۔“

”شاید کسی نے اپنی پوری کے گواہیہ حملہ کرنے کا انتظام لیا ہو اور صرف یہ۔“ نے سے اس کا دل نہ بھرا ہو۔ ”مہمور کہنے لگا کہ پوری تو جس سے کھلے لگے کئی بے اختیار مسکرائی۔ اسے اس لیے قاریں سے پھر ہوا تھا لگا میں موڈ کر ہانڈان کو دیکھتا رہا۔ کئی اس کی پانی سے لطف اندوز ہوتے دکھائی دے تھے۔ آپ ہار کی گھٹن مزید آگئی ساں نے زمر کی طرف چہوٹ لیا۔

”مہمور کہنے لگا ڈیوٹیا تھا قاریں کو قید میں ہے؟“
 ”میں سوائی لارڈ مصومیت سے اس نے زمر کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا تھا۔
 ”مجھے پھر کے لیے اس میں شدید تاخیر کیا تھا اس

سب سے زیادہ عجب وہ اسی سے تو کہہ رہے، زوار اور بھی
 وہ اسی کا ہے، مگر سب سے پہلی تو یہی وہ اسی کے لیے
 دے گا۔ جب وہ جنس رہا تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہم میں
 ہر جنس ہی مخلوق کو سعدی کا سب سے اچھا دوست
 سمجھتا ہے۔ اے جنس کو کب فریب لگا نہیں کہیں
 کے ڈر گیا نہیں گے۔

زمرگی آنکھوں میں آنسو آگے بھر اس نے کل
 ضبط سے لین کو اندر لگا لیا۔ اس نے قاریس سے
 سعدی کا ذکر مت کم سنا تھا اور اس طرح تو شاید پہلی
 واقعہ بھر سے کب وہ اسے بولنے کا موقع ملتی تھی؟
 "قاریس عالیٰ؟" امدان نے بہت تعجب سے اسے
 دیکھ کر کہا۔ "میرے لیے کام کرو۔"

"میں چاہتا ہوں چاہتے ہیں ہوا کرنا اور کب
 سے اتنے اچھے دوستان ماحول میں ملاقات کرنے کے
 بعد میں کب کے لیے کام کرنے کا موقع بھی نہیں سکتا"
 کیونکہ سعدی کے ساتھ کاروبار نہیں کیا جا سکتا۔
 "مگر تم سیاست دان ہوتے تو اتنی جیل کفرت کر
 دیتے۔ سیاست دان نہیں ہوں اس لیے کب تو کب
 تک ملنا مشکل ہوگی۔ تو کبھی کے بغیر تمہارا کیا بنے
 گا؟" وہ سبھلے رائے انداز میں کہہ رہے تھے۔
 قاریس ہنر ہونٹوں سے لہجہ چلاتے ہوئے مسکرایا اور
 ذرا کہے کو جھک کر امدان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"اب ایک بے گناہ کوئی کو ایک بدنام لفظ جیل
 کے ہی جلاک میں بے رحم اور خطرناک دہشت
 گردوں کا مظاہرہ اور قاتلوں کے ساتھ چار سال کے
 لیے بند کر دیں اور اگر وہ سوائے کر جائے تو کیا اس کے
 بچھن جانے میں کب کو فریب ہونا چاہیے؟"
 بہت عرصے بعد ہاندان کو کسی نے لہجہ محفوظ کہا تھا
 مسکرا کر لہجہ میں سر ہلایا۔ "سعدی جیسا کسی تمہاری
 بیوی زمری سے بچھے جواب کا انتظار رہے گا۔" اتنی
 بھی اتنی ہی انداز میں مسکرائی اور زمر کو ہاتھیں کہا مسکرا
 کچھ بہت بڑا لگا ہوا تھا۔

دو دن کچھ جگ ہی گھبراہٹ بھی ہوا بازار کے ساتھ
 کو بڑے شہر کی تاریکی پوری طرح چھا چکی تھی۔ شہر
 کی چھائی جگہاں روشن ہوئی تھیں۔ اس وقت شہر
 کوڑے تمام جینوں کا فرش پھینکا جا رہا تھا۔ اسی سے
 تاریکی ابلی و پتھر شائستہ۔ میں وہ نکلی اور چھوڑ گئے
 تھے اور کچھ لوہے کی اور کو مسلسل تڑانے لگا لے کر
 کو شیش کی جارہی تھی۔ چند کارڈ اور بھی دوڑے
 تھے کہیں تو نکلتی ہوئی وہ شغف بھرے ہوش کے نشوون
 پہ دینی ہی نہیں گئی۔

نیرسی شہلے رک کر غور نے وہ بارہ رک رک
 دی۔ وہ ہم میں۔ میں رہا ہے ہمارے چور سا کارڈ اور
 لگا تھا۔ لنگے ہی لنگے کارڈ بڑے اندر سلائی ہو اور
 روشنی نکل آئی۔ آگے ایک کھلی ہوئی تلکاری تھی۔ وہ
 دونوں بکے بعد وہ کمرے تلکاری کے اندر سے ہو کر اس
 کمرے میں آ گئے ہوئے اتنے عرصے بعد۔
 سعدی کی طرف سے کوئی اور کراؤ نکلا تھا۔ میں لوں ہوا
 ڈرامہ مگر اس نے ضبط نہیں کھرایا۔ سنبھلا ہوا جھکا
 کھڑا رہا۔

سلائے یکن کا ہیڈ شیفت کھڑا تھا۔ میں کو اندر لگا کر
 اس نے جلدی سے کارڈ پڑھا اور کیا اور تلکاری سے
 ایک بیگ نکال کر غور کو نبھایا اور تلکاری کو لگا لگا۔
 "میں تمہیں ۱۱ مارے۔" مطلب کر کے غور کے
 بیٹھتے بیٹھتے رہے تھے۔ "سعدی نے غور کو بیگ کی
 ڈپ کھول کر اندر تمام چیزوں کی نقل کرتے دیکھا تو
 شیفت کو مخاطب کیا۔

غور بیٹھنے کے رہے کہنے میں لہجہ لگتا تھا
 اور تو زمر کو گریٹ میں رکھو۔ سارا کوڑا میری کمن
 میں چھبک رہی۔ روز شام کو کارڈ کو لگا لگا۔ کمن میں
 جا کر ڈال رہے۔ شیفت ایک ایک رہے چیک کرنا تھا
 بیٹھ ۱۱ اس کو ہاتھ میں لیتے تھے۔
 "مگر غور کے ہاتھ۔ احسان ہیں۔ میں کمن کے
 لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ تمہارے لیے نہیں۔"
 زمر وہ نظروں سے سعدی سے شکستہ لہجے میں کہا اور
 کپڑوں کا بیگ کھلا۔ وہ بھی میں اسی کو کھول رہا ہوا

تم بڑے لوگ ہو، میرے ہی گزر جاتے ہو

کے پیچھے گیا۔ غلور اب اس کے شلے کو چھک کر اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔
 نیچے لائی میں آہم کا دار بنوا ہوا ہے۔ بیجا بیلا کا جو رہا ہے وہاں تھا۔ گنگہ ہنگہ ہنگہ گنگی کی نظر والی تھی۔ براہوا اور ایسا کے اس اسٹریٹ تک چھپنے میں کم وقت نہ لیا تھا۔

لوہ تیری حلقہ کی لٹ کے دو دانے کھلے اور اندر غلور نور سہمی کھڑے نظر آئے۔ سیاہ پٹنٹ سفید شرت غلور سیاہ کٹن شہا ہے۔ پندرہ کی مخصوص ٹوٹی سما ہے۔ توں جاہر لگے۔

”ہی کی بی بی اور بی بی اور بی بی ہے۔ کتلوں میں کوئی نہیں نہیں وہ کھ سکا۔ اس کسی شہا کا گلا سے نہ نکرا۔“ غلور اس کو بدلیت سے گرد لہو لہری میں بائیک طرف کو چلا گیا اور سہمی سر ہلا کر ٹرائی دیکھتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔

مجھے جیسے معمول سے ہاتھ کی طرف دو گاڑ ڈالیز تیز چلے گئے۔ ڈر نہیں ہارٹ سا اور ہاتھ کو پکارتا اس نے چھو اٹھایا اور لوہ دونوں کے چولہے اڑی ہوئی اور ایک دیکھ کر گڑھے بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔ اس جلدی جلدی غلور ہاتھ میں لے کر تار پے تھے اور ہاتھ کے چہرے کی رنگت خیر ہو رہی تھی۔ پھر وہ بے اختیار آگے کو بھاگا۔

سہمی یوسف سر جھکا کر ٹرائی دیکھتا رہا اور اس کے موڑ پر آنکھوں کو روٹ نکال کر اٹھ رہا اور اس میں جھانکنا ایک کمرے کے بندو دانے کے گہا اور وہ مستعد گاڑ ڈال کھڑے نظر آئے۔ سہمی نے جیب سے شو ہاتھ کی لٹی چھٹی شے نکالی پھر ساں روٹ کر اس کا ڈسکن چھلایا اور جھک کر اس میں آگے کو لڑکا دیا۔ وہ گاڑ ڈال کے فریب بنا کواڑ کے لڑکے کے ٹھہری بیاس میں سے ایلیر رنگ کی کپس نکالنے لگی۔ لوہ میں کھڑا تاکہ یہ بدل رہا سہمی دھڑکتے سے لگزی دیکھتے لگے۔ ایک منقطع دھ ساڑھے تین منٹ بعد اس نے گرفت نکال کر بھاگا۔

گاڑ ڈال میں پ لڑکے چکے تھے۔ یہ جس اور ہے

سہمہ اور ٹرائی دیکھتا تیزی سے آگے گیا اور جھانک دو دانے کے ساتھ لہو لہری سے جب سے اسٹریٹ کا لڑا لکل کر دو دانے میں لگایا۔ دو دانہ کھڑا اور لوہ دونوں کو ٹھیک کر سہمیٹ کر دو سرے سرے میں بائیک پکارتا کو وہاں ملا کہ کہ اس کمرے تک پہنچا جہاں وہ بند ہے رہے تھے۔ ابھی دو دانے کے فریب کاڑ ڈالنے کر گیا تھا۔

”Savan“ جھانک سمت سے ایک ایسی حلقے دکلا۔ پھر آگے لپکا اور دو دانے کے شکل سے سنائی دینا میں اسے جھانک گیا۔ سہمی بائیک لگے ہو گیا۔ پھر لگا سا چھو ہو ڈال۔

ڈرا انجیسے سے اسے دکلا۔
 ”oba ahit“ ”کیا تم نے ہوئی؟“ ایک انجیل دینا میں سہمی یوسف سے بات کر رہا تھا اور جڑا بٹانگہ تھا۔ سہمی نے گہرا ساں لیا۔

”danna nao oba abanda“
 ”Maran“ ”مجھے نہیں معلوم ہے۔“ چپ جا کر غور معلوم کر رہا۔ غلور رخ موڑ کر ٹرائی میں جھک کر دست کرنے لگا۔ پھر پڑا آہوا آگے پیچھے گیا اور سہمی یوسف نے دل میں اس من کے لیے فکر لڑا کیا۔ اس نے اسے تازی کے پتھار میں حمل کر کے غلور کو اپنا صاحب لیس۔ پھر پتھار کے لڑا لٹی سنائی صرف سہمی اس کو سکا۔ اس کا تھا۔

”وہ جس میں نیچے بنا ہے ہیں کب سے کل کر رہا ہوں۔ جلدی چھو سر سے میں آہر۔“ ”کیا ہاں میں کمر غیر کھلی لڑکی تھی؟“ اس کو آگے بڑی میں لڑکا تو فرے پریشان ہو گئی اور جلدی سے باہر کو بھاگی۔ سونیا نے گرفت کھما کر پھینک کھل سہمی فوراً ”پلیٹ گید۔ جب لڑکی باہر لکل گئی تو اس نے دو دانہ بند کیا اور لوہی ادا کرتے ہوئے آہستہ سے سہمی کی طرف گھول۔
 ”ہیلو پورس۔“ ”سکر آکر کھتے ہوئے وہ فریب کیا۔ سونیا کے ایو آکھتے ہوئے۔ مصوم چہرے پہ جڑائی اور ابھن ابھری۔ خوب صورت آنکھیں

تکلیفیں۔

مسئلہ: "وہ پہلی بار اسٹیشن سے اٹھی۔ سرخ لمبی
سکین میں وہ اشیا کی جلی پٹے کے بے حد خوب صورت
گڈی تھی۔
"تم تو طے مجھے تھے۔" اپنی عمر کے لحاظ سے وہ
صرف اتنی جوان ہو سکتی تھی۔ وہ ہفتہ مقدم چلتا اس کے
قرب آہٹا اور نرمی سے اس کے دو لٹل ہاتھ تھامے۔
"مگر میں دلہنیں آگیا ہوں اسٹیبل کے ساتھ ایک کیم
کلیب باری ہے۔ جب میں تیار ہوئی گی سے ملنے لیا تھا
جب تم دو لٹل ہاتھ رکھ رہی تھی۔ سنل میں اور ہمیشہ
نے صدمے کے ساتھ ایک کیم کھیلا تھا۔" سوچا گی
آکھیں چمک آکھیں۔ وہ شرارت سے مسکرائی۔
"کئی وقت۔"

تو سوچا۔ "مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ
کر دیا۔"

"Wanna build a snowman"
"Do You"

لور سوچا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ کہنے لگا "جیسے پھر تک
کسی کھل کہ اس کو یہ تصور ہے کہ گرد کو لہر لہر
پہرے خانے کے دو دانے کے کھلے بڑے سنل اور پشم
وسط میں کڑا سرخ چہرے کے ساتھ گارڈز۔ فرار آتھا
چل رہا تھا۔ ہی کھل جاسکتے ہیں۔ اچھوڑو کن کو۔ نہ
ہوئی میں ہوں گے ٹریکر سے واسطو۔" اور گرد
انرا نظریہ ہی تھی۔ گارڈز آگے جیسے ہاگ رہے تھے
وہ سنل کیپورٹ کے سامنے بیٹھا کھٹ کھٹ پتھپتھ کر رہا
تھا۔

خبر ہی پشم کے سوا نکل کی ہوتی تھی۔ اس نے
چلا کر دیکھا۔ ایک ہی دلیخہ موصول ہوئی تھی۔ سوچی
کے ٹیبلٹ سے۔ وہ مسکرا لور جب اس پہ کلک کی
تھا۔

مگر سوچی کے کہنے کا تھا وہ وسط کرے میں بتا
کئی تھی وہ لٹل ہاتھ خصوصاً سرخ۔ اٹھائے منہ ذرا
کھولے آکھیں ہنر کے ناما کت کھڑی تھی۔ جیسے
پہلے کا پھر ہو۔ (پشم گویا خود روت بنا گیا)۔ کھیرا

ایک طرف کو نہیں ہوا اور سوچی کا چہرہ صرف چہرہ
دیکھ لیا۔

گڈا اچ تک پشم کا دوارا سوچا لور میں بہت انہوا ہے
کر رہے ہیں۔ سوچا اس وقت سوچا نہیں ہے۔ وہ
"ہاؤ ڈاٹ" ہے اور فری ہو چکی ہے اور یہ لگا لگا کتاہر معاصر ہو گا
کہ صرف کئی جھبٹ سے کہا گیا عمل ایک شخص کو چھلنا
سکتا ہے۔ "ہنا ڈاٹ"

وہ پھر آنکھوں سے مسکراہٹ دینے سے روک دیا۔ سامع
دے کر وہ کئی اس سے زیادہ دل نہیں سمجھتی تھی۔ کبھی
راہیں سوچی کے اوپر ہوا۔ وہ اب ہاتھ کر سوچی کے عقب
میں آگڑا ہوا۔

میں سوچی کے دماغ میں انہوں لور میرے پاس ہاؤ
کڑے گارڈز کے لواٹز بھی ہیں۔" ہاتھ لہرا کر بڑھا
پستول دکھایا۔ "مور میں پہلے ہی ایک گارڈ کو اس کے
گردن پڑی جس تک پہنچا چکا ہوں۔ سو میری صلاحیتوں
تو کبھی شک تو نہیں ہونا چاہیے۔ سب سے بڑا ہے
تو سوچی کے پاس سوچی کے سوچی لولڈ کے لیے کہا
کرتے ہیں۔ میرے سارے عمل کل ڈاکو سنس نے کر
اس کر رہے میں کہا تھی اور مجھے یہاں سے کھینچت
لگتے ہیں تو میں سوچی کو کھلا انہوں گارڈ نہ سوچی ہار جلتے
گی۔" گویا وہ بڑھتی ہوئی۔

زندگی میں کئی بار۔ پشم کا دوار کو اپنا سر لپٹا
طلب اپنی ساری دنیا کھوتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔
اس کی رخت کیلے عقید بڑی لور پھر سرخ۔ لولڈا کر
اس نے چہوا اٹھایا۔ "وہ میری بیٹی کے کہنے میں
ہے۔"

خبر تک کیسے بڑے سامنے بھارا نہیں بھی ہول
اضافہ۔ "دو اتنی اس کو ہے۔ ہے سو سٹ میں۔" تھپتھا
میں سوچا کے کہنے میں۔ اس کے گڈے گڈے کے لور
اکاڑ کھڑی میں نے لہکتی وٹا کر دیا ہے۔ وہ اب ہی کر
نہیں پاسک۔"

۔ "مور خوب۔ وہ کھل ہے۔" وہ لور سے چلا ہاتھ
ٹلی کی ہٹ ڈھکی کرتے ہوئے اس نے آکھیں سے نر

تھی انہوں نے بھی جملہ ایسی تک گھوم رہا تھا۔
”وہ بھی وہیں ہے۔“

”اس نے اپنے پیروں لگائے ہیں۔ میں لوہر چاہتا ہوں۔ میرے پیچھے پانچ آدمی میری پیٹنی کے گھر کی طرف بھیجے۔ تم دونوں گھر کی چوکی طرف سے آ کر لوہر نہیں۔“

وہ تیزی سے بدلیات سے رہا تھا۔ مسٹانہوڑ کو لہراؤ وہ محنت یہ بیٹھ کر گھوم رہا تھا۔ دو اونے کو باگ میں رکھیں گے۔ ساتھ کیڑوں میں گاڑوڑ کو ہوٹن کے چاروں طرف کھیرا۔ وہ دونوں زخمی رہیں۔ انہوں نے فطیس کے ”وانت نہیں کرھیں سے کتنا ہا ہر کی طرف جانا گا۔ دو گاڑاؤں کے ساتھ دو لہرے تھے۔“

وہ لٹ میں تھا جب خون جملہ سونیا کے گھر سے کل آ رہی تھی۔ اس نے تیزی سے فطیس کان سے لگا۔ ”مگر تم نے میری پیٹنی کو چھوا بھی تو میں تمہارے گلے سے گلے سے کھلاؤں گا۔“ لائل بھجوا کا چہرے کے ساتھ ہنسی۔

”گھر تو تک ہائیم کیسے ہو۔ مجھے بھی تم سے ہات کر کے اچھا گھوم گیا ہے۔“
”سونیا سے ہات کرنا تو تم میں نہیں رہے میں کیا کہہ رہا ہوں؟“ تیزی سے بھس کے ساتھ ہائیم کا ہاتھا پھر فریاد تھا۔

”وہ تو ہات نہیں کر سکتی۔ وہ فونڈا ہے۔ کیا ظلم ہے وہی۔“
”بھئی ایسے دنیا انہیں بنہ کر رہی ہے۔“

”سندھی نے لٹ کے دو اونے کے تو ہا ہر لگا۔ چھو گئے سانس لے کر لوہے کا پھیلا۔“ میں تمہارے ڈاکو متش لے لیں گا۔ تمہیں جانے دیں گا تم میری پیٹنی کو گھر سے ہا ہر نکالو۔ ہڈی ہڈی کراہتہ کر کے پیچھے رہو میں تمہارے ساتھ ہا ہر اعلان کرے گا مگر لے جانے۔“

”مگر خوشی سے مرعہ جلتے اگر ہتھیار ہوگا۔“

”تم انکا پیچھے کیسے کر سکتے ہو؟ وہ ایک مصوم بیٹی ہے۔“

”ہے کوئی اذیت ہے کوئی انتہا قیامت جلتی ہیں تمہارے امیرو ایک گل۔“ کہنے کے بعد تمہیں سے بھی گزرو گئے ہو؟ وہ ایسوس پورہ بے چینی سے کہہ رہا تھا۔
”کوئی کھٹی بیٹی ہائیم کھڑا رانا ہا ہر ہون جب مجھے بے بس کر کے تم میری بیٹی کے ہانے میں ہات

کر رہے تھے؟ میری بیٹی کی حالت ہوئی تھی۔“
”انگلا کے برعکس اس کا گھبراہٹ تھا۔ ہائیم نے جیشالی کو منسٹے ہوئے شکل خود کا پھیلا۔“

”چھو میں کرے کے ہا ہر ہوں۔ جانا ہا ہا چاہتے ہو؟“ دو اونے کے ساتھ کرتے اس نے فونڈی سے لوہر اور دو کھلا۔ مسٹو گاڑاؤں ہائی من لکھنے چھو کر کرتے تھے۔“

”مجھے تمہارے گلے ڈاکو متش جن کی دود سے میں ڈاکو جانا گول۔“

”تمہیں نے منکوائے ہیں، چھو متش گلے کے تمہیں نے امیر کر لیا۔“ کہہ کر اس نے دو اونے بجا بجا لاک بھرا۔ وہ ہر تھا۔ بیگ تکی بھی بند تھی۔ وہ امیر جمانا بھی نہیں سکا تھا۔ ہائیم ہا ہر تھا۔ مسٹھی دو اونے کو لہر۔ اس نے لہر سے بجا۔“

”مگر تمہیں ایک دھ بھو اونے کو ہا ہر بھی لگا ہا ہر میں اس کی جان لے لوں گا۔ دو اونے صرف منسٹے کے جب تمہارا کو متش لاکو کے لوہر منسٹے لے کر لے گا۔“
”ہائیم میں آگیا تو اس گے مجھے پیٹنی سے متش۔“ وہ بے چینی سے لوہر اور منسٹے لگا تھا۔ دو صری طرف سے فونڈا ہوا۔ ہائیم ہائیم۔ میں کو کل کر کے اسے جلدی وہ کائنات اور پیچھے کو کہہ رہا تھا۔ ایک خفاکی لگاتے میں چند دینی کھڑا۔ ہا ہر دکھا کر سندھی کو تمہا لاکم دو اونے کو منسٹے۔ پیچھو کر سکتے تھے ایک دھ دو اونے کھل گیا تو اس کے مسٹن ہاؤس میں منسٹوں ہا ہر ہوا۔

”کوئی کھٹی بیٹی ہے کوئی انتہا قیامت جلتی ہیں تمہارے امیرو ایک گل۔“ کہنے کے بعد تمہیں سے بھی گزرو گئے ہو؟ وہ ایسوس پورہ بے چینی سے کہہ رہا تھا۔
”کوئی کھٹی بیٹی ہائیم کھڑا رانا ہا ہر ہون جب مجھے بے بس کر کے تم میری بیٹی کے ہانے میں ہات

کر رہے تھے؟ میری بیٹی کی حالت ہوئی تھی۔“
”انگلا کے برعکس اس کا گھبراہٹ تھا۔ ہائیم نے جیشالی کو منسٹے ہوئے شکل خود کا پھیلا۔“
”چھو میں کرے کے ہا ہر ہوں۔ جانا ہا ہا چاہتے ہو؟“ دو اونے کے ساتھ کرتے اس نے فونڈی سے لوہر اور دو کھلا۔ مسٹو گاڑاؤں ہائی من لکھنے چھو کر کرتے تھے۔“
”مجھے تمہارے گلے ڈاکو متش جن کی دود سے میں ڈاکو جانا گول۔“
”تمہیں نے منکوائے ہیں، چھو متش گلے کے تمہیں نے امیر کر لیا۔“ کہہ کر اس نے دو اونے بجا بجا لاک بھرا۔ وہ ہر تھا۔ بیگ تکی بھی بند تھی۔ وہ امیر جمانا بھی نہیں سکا تھا۔ ہائیم ہا ہر تھا۔ مسٹھی دو اونے کو لہر۔ اس نے لہر سے بجا۔“
”مگر تمہیں ایک دھ بھو اونے کو ہا ہر بھی لگا ہا ہر میں اس کی جان لے لوں گا۔ دو اونے صرف منسٹے کے جب تمہارا کو متش لاکو کے لوہر منسٹے لے کر لے گا۔“
”ہائیم میں آگیا تو اس گے مجھے پیٹنی سے متش۔“ وہ بے چینی سے لوہر اور منسٹے لگا تھا۔ دو صری طرف سے فونڈا ہوا۔ ہائیم ہائیم۔ میں کو کل کر کے اسے جلدی وہ کائنات اور پیچھے کو کہہ رہا تھا۔ ایک خفاکی لگاتے میں چند دینی کھڑا۔ ہا ہر دکھا کر سندھی کو تمہا لاکم دو اونے کو منسٹے۔ پیچھو کر سکتے تھے ایک دھ دو اونے کھل گیا تو اس کے مسٹن ہاؤس میں منسٹوں ہا ہر ہوا۔

”سولی“ تم لنگ ہو۔“ مگر سولی سے کتنی فہم اس کے قریب بیٹے کے کنارے آج بھی لور کے خود سے لگایا۔ جوتا تھا اس نے اسے ہلکا ہلکا۔

”کھلی ہیں وہ لور کی آکھیں ہانگے۔“ وہ توشیح سے اشم سے پوچھ رہی تھی۔

ہاشم جواب دینے کا سوا کچھ نہیں لگا لگا گاڑا۔

بھی کرے میں داخل ہو کر لور اور پھیل گئے تھوڑے کویا ہو کر ناچنے لگے۔ رہے تھے لیکن کبھی شیون بھی ہاتھ پیرھے ساتھ آکر ہوا تھا اور اب وہ جو اہرات سے کھ رہا تھا۔

”کھولی اندر سے کن ایک بند کر رہا ہے در نہب لور کے پاس ہاشم کی لور کیسے آسکتا تھا۔ ایک بھی بند کچن سے کیسے اٹھا کر لائے ہیں انہی دو بگڑ کے ہاشم لور کھان سے لگائے چیزی سے پولا۔“ ”تیس نا چلے ہیں۔“

میں اتر گئے تھے۔ کچھ بندوں میں سہیلے رلوہ واری میں کھڑے تھے۔ ہاشم نے لگاؤ پکڑا لور دووانہ کھنکھایا۔ جواب نہ دیا اس نے گاڑے سے ہاشم کی کارڈ لیا اور دوڑانے میں نکل گیا۔

”سولی ہاشم تمہارا کچھ بچے لے آیا ہوں۔“ اس نے

اصطلاح سے کہنے ہوئے دوڑا بند چلا۔

گرا در کھن تھا اور وسط میں سونا کھڑی تھی اور ہاشم اسی۔ وہ اس کو صلح کرنا تھا۔ وہاں ٹھکا کھانے سے واپسی کو تھکن تھی وہ کھن میں کک کو کوسے سے زیادہ کھا چکی تھی۔ کچ اشم نے کچھ نہیں کھلے کھلے۔

”سولی میں اکیل تھی تھا۔“

”سولی۔ کھلی ہے۔“ اسے کچھ کچھ سمجھ میں کرنے لگا تھا۔

”سولی میرے لیے کب کھلایا ہے۔“ ہاشم اس نے کہا میں نے آپ کے آنے تک اس کو کھم کرنا ہے۔ در نہب میں ہونے لگے۔

ہاشم نے اختیار اس کے قریب کیا اور اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

”ہاشم میرے کپڑے۔“ وہ کھنکھائی لگتی رہی۔

بار اس کا چہرہ اور سر پر ہاتھ۔

”سولی کھلی گیا سولی۔“ ہاشم اس نے پوچھا۔

”سولی کب کھلی۔“

”وہ تو کب کا چلا گیا۔“ سولی نے جواب دیا۔

چرت سے اس نے کھا تھا اس کے منہ پر لور اسی کریم کھی تھی اور وہ ایک دفعہ پھر سے ایک منہ میں ڈالنی سکتا ہے کھی تھی۔

”I Wanna stuff some chocolate in my face.“

ہاشم نے روبرو سے اسے بچے انکار شدہ چہرے لور شل اہم سب کے ساتھ نہ اہست سے مزہ کھی نے جو اہرات کو کھی ہلکا تھا اور اس ہانڈہ سی اندر داخل ہوئی تھی۔

خواہشیں ڈانچتھیں
کر لے سے ہمیں کھلی ایک ہونڈہ

سولی

فوزیہ کا سین



پتہ: 7501-۷

© 2016

شکر سے ٹپس کرواؤ کہ میں ہوں

اسکرین پر لگا ہوا جلتے قبضے رئیس نے اچھے سے ابرو سیکڑے۔ "تو سب وہ دنوں اسی کمرے میں ہیں۔ مشکل ابھی تکسا کپڑے۔" گور گور آواز کتاب جی ہاشم کی نظر زلی کے کچلے خانے میں پڑ چکی تھی جہاں نشوونما سے ٹپس جتنے شکر روڑے تھے ہاشم جتنی سے مسکرایا اور نشوونما کا رخ کھاخون شاہو القادری بہت پہلے اپنے کندھوں سے شکر روڑت کر لویج چکے تھے شکر پائنت۔

موسیقی کا فنڈ ٹپس کرواؤ اسی کے پاس قتلہ جلدی رئیس۔ "ہے چلا اور پھر یہی سے رادار میں کھڑکی کے ساتھ پڑی بیرو ٹھوکہ ماری۔ میز کو جھک گئی۔ کلچ کا پھول واٹن نیچے جا کر ہاشم نے سرخ آنکھیں اٹھائیں۔ کھڑکی سے چپے کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ پراہرا انٹرنیٹ میں پہنچ چکا تھا۔ ہوش کی کوئی چار روادری نہ تھی۔ یہ کیوں صورت لونی عمارت اس مصروف شاہ روڑے کے موڑے کھڑی تھی۔ مین دسپینشن سے نکلوڑے ماسٹے سڑک تھی، تو اس وقت لوگوں سے بھری تھی۔ فن کے جھرسٹ میں پراہرا کے دو آئیٹی بیوسٹ لوڑے سے بھاری چلنے پلہ ہے تھے۔ سوا تھیلن کا قاتلہ اس وقت سڑک سے گزر رہا تھا۔

ہاشم نے ایک دم چونک کر سر اٹھایا۔ اس کے لوہر جیسے کوئی انگشت ہوا تھا۔

"پراہرا۔" پراہرا کے جھوم میں گم ہونے والے ہیں۔ "پھر تیزی سے سڑک سڑک پہ جا تک انٹرنیٹ میں پھیل چلا۔ وہ نظر آجائیں گے۔" مہاشم کی بھارت

اس نے تیزی سے کل اٹھائی۔ وہ سری طرف رئیس قتلہ

"سرس سنی کا فنڈا ہا ہر کی طرف جا رہا ہے۔ پراہرا کی طرف۔ میں بھی لوہر جا رہا ہوں۔" شکر ٹپس وہ سرے ہاتھ میں لوہر پکڑے۔ فن کی لوکیشن کو ماسٹے رکھے بھرا لگا ہوا ایک سے نکل رہا تھا۔

ہاشم اب لوہر کھڑا ہے گا راز کو چلا جا کر ہدایات

دے رہا تھا۔ چستہ سے موہو ہناتا ہوا تار تھے کہ جیسے ہی فن کو سہی بڑا خلور دکھائی دے وہ فنا کو گھٹی لادریں گے

چند ہی منوں میں گا راز پوری ہاشم ٹپس پہ پھیل گئے تھے ایک ایک کر کے تھوڑے تھوڑے لوہر لوہر بھاگ رہے تھے۔ ایسے میں رئیس لوہر پکڑے۔ لوکیشن کو ماسٹے رکھے دوڑا ہوا پراہرا کیا قتلہ راجین ہاشم گرفت کھانا ان سیاخوں کے جھوم کو چھ تاہرا آگے بڑھنے لگا مگر راستہ نہیں مل رہا تھا۔ مشکل لوگوں کو رہے ہانا آگے نہ تھے مضر میں کرتا وہ آگے گیا۔ مہاشم شکر کا سر چھٹکان ایک جگہ رک گیا تھا۔

وہ بدقت اس جگہ پہنچ گیا۔ سیاخوں کی عقل اور ڈینٹن پھٹار کو نظر آگے آگے ہوتے اس نے ٹپس کو رکھ کر واٹن (موسیقی کا فنڈ) میز واٹن پہ اغوا رہیں اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ پراہرا دائیں طرف سڑے لگا۔ اس نے چونک کر رکھ ماسٹے ایک پورے تین خود نقلی کی سنسر سے ہٹل ہوئی تھی وہ اس طرف بھاری تھی۔ وہ آہمی طرفوں کی طرح اس کے سر پہ پھیل اس کے ہڈیوں کو سبب کھڑا تھوڑے کر رہا تھا اور کہہ پنے ایک ایک میں ٹپس رہا تھا۔

عقبت ہے۔ اس نے شب اٹھا کر عوامی سے لوہر لوہر دکھل ہر طرف انسانوں کا منور پھر القادری اس سبب میں دن دنوں کا کوئی ہا ہوشن تکست تھا۔

وہ لڑتے قدموں سے لوہر ہاشم کے پاس آتا تھا۔ وہیں کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔

"سرس۔" پھولے ٹپس کے ہر دھن اس نے کہا۔ "وہ نہیں ہیں۔ یہ فنڈا انمول ہے پراہرا ٹپس والی ایک

بچی کے لوہر پائنت کروا اور خود رش میں آگے نکل گئے۔

"نہیں لوگ سڑک پہ پھیلے ہو لوہر کسی سے وہ بنوے نہیں پکڑے گئے۔" وہ راجا قتلہ پراہرا آٹھین سے پیشانی پر پھٹا دل پراہرا تھا اس کو شرت کر دے۔ "تو کہے ہو سکتا ہے کہ وہ اتنی جلدی نکل گئے ہوں

انہیں اکھاڑ کر ان کے لیے میں ہول کھول کر نہیں رکھیں گے؟ وہ بچنا خفہ جس کے منہ پر کئی کئی ہون خون آلود منہ پہ ہاتھ رکھے سر جھکے سیدھا اٹھ کھڑا ہوا۔

”کہہ دو میں میں ہوں؟“ لے کر چلو مجھے لو صوبہ“

”ایک دفعہ پھر گاڑا ڈیوڑھی لگ گئی تھیں۔ ہاتھ رو مڑا رہا میں اسے میں ہول کی جگہ کا پکا کرنے کے لیے کسی راکٹ سائنس کی ضرورت میں تھیں۔ کوئی وہ لگا ہاتھ مڑم مڑ تھا اور اس کے لوہے خراب ہے۔ کھاساں صاف نظر کرتا تھا۔“

”میں نے اس سے ایک ہوا تھا آج بھی ٹھیک نہیں ہو سکا۔“ ہینے آف سیکورٹی اس کو دوا نہ کھولنے کا توں انداز سے لاکھ تھا ہاتھ لے اسے برے رکھ لیا اور یونٹ سے دوا لے یہ خود کراہی۔ ایک نکتہ اور دوا لے گا اور دوا سہی طرف جاتا۔

”اور فرس کے کوئی میں اتنی جگہ آگئی ہوتی تھی کہ ایک کوئی مجھے از سیکے مجھے نہیں فٹ کی گہرائی تھی اور اس کے نیچے میں سر تک ہاتھ آگے کیا اور اس میں ہول کے دہانے پر کھڑے ہو کر کہنا جھکے کھڑے کھڑے کھڑے اور ایک نکتہ رکھا تھا ہاتھ نے چھٹ کر اسے اٹھا اور چہرے کے فریبلاب۔“

abit of a forced upper!
'Everyman'

وہ سہی کی کھالی اکھول میں پہچان تھا جسے سے موڑ کر کھڑے پینک۔ گارڈ اور وہ میں ہا ہر کو ہانگے تھے۔ کچھ لوگ اندر آ رہے تھے۔ کچھ باہر سے اس کے دوسرے دہانے تک جا رہے تھے۔ کھڑا ہاتھ کا دوا ہانگتا تھا کہ لوگ سب تکے سندھ اور جا چکے ہوں گے۔



زہر کے پانے کا ٹھونڈ ٹھونڈ لپی لپا آگ میں آڑ چلا سر کو آسمان رکھنا کئی اور پہلے جس وقت ہاتھ کا دوا سہی سے فٹن

اور جسیں نظریں نہ گئے ہوں؟ سلیوٹی چنے ہیں رکھے تھے انہوں نے با۔ ہاتھ رکھا ایک درجے سے اس کے لوہے زہر ساری لٹھری ہرف گر گئی تھی۔ کہتے سے اس نے کہنا سوزی اور مجھے سر تک پہننے پر ابرا کو کھلا۔ سب اہل کے رش کو کھلا۔ تھیں کو دیکھ۔

”میں ہم لفظ ہیں۔ پر ابرا۔ پڑے صرف ڈسٹرکشن ہے۔ ہزار رحبان ہانے کے لیے۔ وہ پراہر کے ہاتھ میں تم ہو کر نہیں لٹھے والے تھے۔“

چونکہ کران لوگوں کو پاری پاری کھلا۔ کھاساں ہوش سے لٹھے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔“

وہ نہیں نے ہول لپہ نظروں سے گئے کوٹ والے گاڑ کو دیکھا جو ہول کی سیکورٹی میں سے قتل اس نے فوراً لٹی میں سر ہٹا یا۔ ”میں سر۔ دوا لے کے قتلہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔“ کچھ کھڑا شیون خاصوشی سے ہن کو دیکھا رہا۔

”کارا! ہاتھ شہ۔ بار نظروں سے اسے مہور یاد قدم آگے کیا۔“ میں باہر تک سے کہنے سے نہیں لگا ہوا ایک حکم لٹھری ہول ہانے اس کے۔ خالے میں اپنی ذاتی فٹن رکھے اور پھر میں کے اچانک بیڈ سے بچنے کے لیے کوئی ختبہ راستہ نہ رکھے تھے۔

تاکہ کوئی۔ اور۔ راستہ ہے کیا نہیں؟“

”سرا! آپ میرا نہیں کریں نہیں۔ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ ہونا تو میں آپ کو پہلے بتا کہ پہلے یہاں میں ہوتے تھے مگر بعد میں ان کے لوہے سوزنا تھا وہ میں نے توں بھی نہ ہو گئے اور۔“

ہاتھ نے پوری فٹن سے اس کے جڑے پہ مکا دے مارا۔ وہ کچھ کوزھک گیا۔ دوا کا سامرا ابرا اور گرتے گرتے چلا

”میں کے پاس سکول کے ماشری کا ڈاڑھوں ہے ہوش کرے ہولی کس ہے اسلئے ہے ہوش کی دوا ہے نے کوئی اندر سے فٹن کی عد کہتا ہے۔ اور تمہارے مجھے گدھے کا خیال ہے کہ کن کے گدھا فرس کی ہے

ہیں۔ جب تک ہاشم کا دار کے کوئی اس میں
 اہل تکبیر بننے لگا تو اہل مفورہ مذہبوں سے مستدار
 چاہتے تھے۔



اب یہ داغ بھی سورج بنا کر چلے گا
 جس کو ہم نے دامن دل میں اتنی مر چھایا ہے
 بادشاہ اور کبیر کے جلنے کے بعد وہ لوہا اس
 اور سے اٹھتے تھے کہ لب ہو لے سے باہر نہیں مگر
 باہر جلنے کے پہلے لان میں چلے گئے اور قدم خود
 خود پل کے قریب اٹھتے گئے۔ عورت کا لہن آگیا تو
 قدری نے کہا کیا کدور سے لوہے آئیں گے۔

”تم لوہے میں جانا چاہتے ہو؟ اس کے ساتھ چلنے
 ہونے زمر نے خود سے اس کے چہرے کو دکھا دیا
 پینٹ کی جھول میں ہاتھ ڈالے سر جھکے قدم اٹھانا
 تھا کسی سوچ میں گرفتار۔“

”کیا اتنی گہری فیزڈ کو کس کدور سے ہوا ہے کل کر
 لو مشاہد کوئی ہانت نئی ہو جو اس نے تم سے نہ پوچھی
 ہو۔“ زور دہی سے ”شوہر دیا۔“ تارسی نے سنہری
 آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور ڈاسا سکر لیا۔

”تمہیں اس سے کوئی شلو نہیں ہے۔“ مصوم
 سی لڑکی ہے۔ ملو اور نہ ہی سی۔ وہ تمہ میں ہانک بھی
 اتر رہی نہیں ہے۔“ ہیل کے کنارے وہ دونوں آگے
 سامنے آکر بے ہوشے تھے۔ اور تاریک رات میں
 چمکا پورا چمکا پور کے ٹیبلیاں پھیلنا اور اتار دینا
 کی وہ سنی ڈمر کے چہرے پہ پڑ رہی تھی جو عجیبہ ہو گیا
 تھا۔

”زند مصوم ہے نا ہی۔ اس کا اسکار اب امر لنی
 پھر کا حصہ ہے یا اس کو لینے بل نہیں پینڈ۔“ لہائی
 اسکار لیا نہیں ہوگا۔ مجھے تو اب ایک بڑی بچی کے

سوا کچھ نہیں گئی۔ خیر و راقی ہم میں ہے کہ ہم اس کو
 ڈیکس کریں۔ تم ہاتھ کھر کھل نہیں جانا چاہتے؟“
 بننے پہ بالہ پینے وہ پوچھ رہی تھی۔ کھر کھلنے

اس کے ڈاکو خوش البے کی ہمت کدور تھا اس سے
 چھوڑ کر بعد وہ سڑک کے کنارے بنے اس میں اہل
 کے کو پر رکھی ہو ہے کی پینٹ اٹھا کر باہر نکل رہے تھے
 سنی کا لہب ہاں سوس ہاتھ دوم تک جاتے ہوئے
 زمر نے میں ایک سیان بچی کے ایک ایک میں گرا کر
 گئے چھو گیا تھا۔

انڈیوی سڑک پہ جڑی سے باہر نکلے اور لوہے کی
 پینٹ برابر کے اسی طرح آگے بڑھنے لگے سڑک
 قریب سنڈن تھی۔ ”موا“ وہ بروقی ہوئی تھی مگر
 پڑتے تھے یہاں کا روت میں تھا سوسلے لوگ گویا
 ریل سے سمٹ کر اوپر چلے تھے۔ جو پھر ہے تھے
 انہوں نے بیک بیک اور ٹانچو پکڑے وہ کوہیل کو
 میں ہونے سے لگتے تھے کہ کرن کو مغلی یا لہب تک کا
 حملہ خیل کیا اور نظر ہوا اڑ گیا۔

”میں کو نہیں مٹ لکیں گے کہ از کم میں میں ہون
 کا پتا چاہتے ہیں۔“ خلود نے تیز تیز چلے گئی دیکھتے
 ہوئے گئے۔ سدی خاموشی سے چلا رہا۔ وہ آگے
 دلوں۔ ہنسی۔ میٹھل بھد۔ نان ہوا میں کیا تھا۔
 سر اٹھا کر پورے چاند کو دکھا جو یاد آجین پ دیکھا
 تھا پورے کمال اور اس کی چائینی میں فوجی جتے
 پر اہو کی مو سیکل اور شور میں تک سٹاپے رہا تھا۔
 ایک مولڈ مگر خلود نے منہ میں انگلی ڈال کر سینی
 بھائی۔ تین رنڈ فوراً اسے ایک تک تک (سری
 نظریں رکھا) جڑی سے چلا لہن کے قریب آ کر کن
 دونوں چل دی سے اس میں پینٹے اور تک تک سڑک پہ
 گواڑا کیا اور چلا گیا۔

”اور یقیناً یہ تک تک ڈرا تیر بھی شہر اچلے
 والا ہو گا؟“ سدی نے تیر ہوا کے شورش لہری تو آواز
 سے ساتھ بیٹھے خلود سے پوچھا۔

”میں نے اس شہر میں ہاشم کا دار کے لیے یہ سولی
 کلام کیا ہے۔ کیا میں نے چند دار کھٹا کھٹا نہیں بھی نہیں
 ہوں گے میں؟“ بڑا کر ہوا۔

سدی مسکرا کر نہ گیا۔ کھو جانا تھا؟ ابھی وہ آواز

بھرنے ہل سمیت کر چرے کے بائیں طرف ڈال دیکھتے اور پھر وہی کانٹھ سے مزین آٹھیں سکیر کر اس پر تیار بھی نہیں۔ تاکہ میں پڑی سوئے کی ہلی ہلا کر اس کی چھائی میں دیکھ رہی تھی۔

”مجھے لڑ بھن ہو گا زمر میرے لیے پہلی رات بہتہ تکلیف ہوئی ہے۔ خانے کی پہلی رات پھیل کی پہلی رات دیکھا کہ گڑھی۔ چیل کی پہلی رات اور اب۔“ سر جھکے جو تیرے کی ٹوک سے گھاس کو سٹلے وہ کہہ رہا تھا۔ ”وہ گھر بیڑے لیے بہت اہمیت کا حامل تھا۔ مجھے بہت پیار تھا۔ اس کو بچ کر بھی خوش نہیں ہوں۔“

”اب کیا کرو گے؟ جب کہ بڑھو بندھے؟“ وہ فکر مند تھی۔ وہ بائیں بخی زبان سے عرض ہونے لگے۔ ”مل جلتے کی چاب۔ نہیں تو پیسے ہیں میرے پاس۔ چھوٹا موٹا کارڈ تو کر ہی سکتا ہوں۔“ کندھے جھٹک کر ابرو اٹکی سے بولا۔

”مدرت بھائی چاہتی ہیں کہ تم ریسورٹ میں بائیں کے ساتھ شراکت داری کرو۔ بائیں رائے پورشن بھی ہو کر خولے۔“

اس نے استہزائیہ انداز میں سر جھٹک کر دہلی سارے رشتے دار آگے ہیں، ہمارے نہیں کن اسے ملنا نہیں چاہتا۔“

”فارس نے کہا ہو نہ عدالت نے جہیں ہی کہا ہے تو کھیل بھانگے ہو اپنے رشتے داروں سے؟“

”زمر اپنی تو گولی کو اس بلت سے غرض نہیں ہوتی کہ یہ کوئی بے گناہ عذابا گناہ کا۔ جیلوں میں جانے والے تو سنی صمد لوگ مجرم ہوتے ہیں مگر لوگ سمجھتے ہیں سب مجرم ہیں جن نظروں سے میرے رشتے دار چھپے دیکھتے ہیں، میرے قریب گئے یہ میرے پارے میں سرگوشیاں کہتے ہیں، مگر یہ خون جلائے کے لیے میرے پاس نہ وقت ہے نہ کوٹھلی۔“ کہتے ہوئے وہ آگے بچھا اور پول کے کنارے چمک گیا۔ زمر بھی گہری سانس لے کر ساتھ آٹھیں ساڑھ کے گارن کی کی چیل

کی بائیں لہلہ سے منسوب کر دیا تھا۔ ”میں چاہوں گی تو تیرے گل کے اڑاس سے بھی چھپا نہیں چھڑا سکتا۔ میں بھی تارل نہیں ہو سکتی۔“ بی بی کے سر جھکے کہہ رہا تھا۔

”مگر میں ہونا چاہتی ہوں۔“ وہ گفتگوں پر غور ہی لگائے، پورے چاند کو بائیں میں صبر ہے وہ کہہ کر گوا خود سے بولی تھی۔ ”میں بھی اس ریل کو کھلانا چاہتی ہوں۔ مگر مجھے نہیں پتا میں کیا کروں۔ تمہارے پاس ہے میں سوچوں یا نہیں؟“

فارس نے سرخ موڑ کر اسے دیکھا۔ لو اس نظر آ رہی تھی۔

”سہارا اور میرا ایک ساتھ کوئی مستقبل نہیں ہے۔ اس رات تو میں نے اس ریل پورٹ میں کہا تھا۔ میں اس کے لیے شرمندہ ہوں مگر وہی تھا۔ جلدی پادیر ہم الگ ہو جائیں گے۔“ گڑھ مرے اس دل سے برا نہیں لگا۔ تارل رہی۔

”تو پھر کہہ دے کہ ہو تو مجھے پلٹانے؟“ ہم مل میں مجھے چاند سے کوئی پتہ کن گری تھی۔ کچھ کہنے کی آواز کی آئی۔

”پلٹانے؟“ آنگ ہونے کا واحد راستہ نہیں ہوتی۔ گو کہ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ صرف محبت ہے عزت ہے۔ مگر میں ایک Curved (خموس) کوئی ہوں۔ میرے ساتھ بہت سے مسئلے ہیں۔ میرے دشمن ہیں۔ میری رشتہ جیاں ہیں۔ میں بہت جلد خود کو نم سے آنگ کر لوں گا۔ تاکہ میری Curved (خوست) نہیں مزید نقصان نہ دے۔ پہلے ہی ختم رات نقصان اسی کا ہے۔“

”میری قسمت تھی فارس! زمر کی میں پہلی دلہن اس نے تسلیم کیا۔“

”میں میرا قصور تھا۔ میں خود سے وابستہ کسی عورت کی حفاظت نہیں کر سکتا۔“ وہ پول کے پانی کو دیکھنے ہوئے بائیں سے کہہ رہا تھا۔

”تک“ اس نے کسی سانس لینے ”جب تک ہم ساتھ ہیں ہم خوش فزونہ کہتے ہیں تا’ ذرا ایک ہفتے کیل کی طرح فزون۔ ”بڑھتے کیل جو لوگ نہیں ہیں جڑا تھا جب فزائن کا سماں مل جیتے گا۔ اس نے ایک شعر دیکھا۔ ”پاکنگ۔“ اس نے کل تک فزائن تک کھڑا۔

”ہاری کر پڑی ذیل ہمیں خوش نہیں رہنے دے گی۔“ وہ جل کر لولا تھا۔ ”جب چاروا ہے کہ نہیں آ رہے ہم گھر تو بار بار کل کر کے بلائیں گے کہ مہندی کوشتہ ہے۔“ آکر کھارو۔ ”کیا ایک دم اور سے اس۔“ دلعنا اس کا نام مریا کل بھی فزائن نے لگا۔ ذمر نے ہنسی روک کر مہندی فزائن کے سامنے لرائی۔

”حین تک۔“ اور کل تک وہی وہ سلسلہ کلام چولہے ہی لگا تھا کہ گھر کے بیلی سی ایل سے کل کے لگی۔ اسے یاد تھا کہ۔ ”یہ گھر میں نہ ہی حسد نے فزائن کے بارخیزو ہو رہے تھے۔ وہ پھر سے کل تک کر فزائن کی طرف متوجہ ہوئی۔

”تم کہا کہ وہ تھے؟“ ایلان کین کر پوجا ہالہ مہندیوں کے گرو لپٹ کر وہ جیسی جیسی اور تیل انہی تک ساتھ میں تھا۔

”کیا کہ کل کی کل دیکھیں گے کیا یا ہم بھی باگ نہ ہوں۔ کیا چاہا سب تک ہو جائے تو پھر۔“

”بھئی۔“

”بھئی وہ اس کی طرف گھبرا اور نرمی سے مسکرا کر اس کا چہرہ دکھا۔“ ذمر پوسٹ خان آگیا تم فزائن فزائن کی بیوی کی حیثیت سے ایک بار مل رہی گزرا نا چاہو گی؟“

”ذمر نے بے اختیار اڑ کر آئی مسکرا ہوا ہوا۔“

”ہلکے بھجے اب گو۔“

فزائن نے سر کو اٹھت میں خم دیا ’ اور اور اس کا کھٹ کھارو۔“ ذمر پوسٹ خان۔ ”اس کی آنکھوں میں رنج کہ گزرتا آہستہ آہستہ سے دور لیا۔“ ”کیا تم فزائن فزائن کی بیوی کی حیثیت سے ذمہ گزرا نا چاہو گی؟“

اور فزائن ذمہ کو کون کسی بہت کے لیے مجبور کر سکتا تھا۔ ”صرف وہی مجبور کرنا تھا۔“

”ذمر نے کسی سانس اندر کو بھئی۔“ ”بہر ایک میں

تھماری رہ سورتھ والی کئی بہت نہیں بھولی ’ فزائن۔“

”میں تمہارے چہرہ نکلتا نہ چکا ہوں ’ تب تم۔“

فزون با یکسو دلہ پھر لڑائی لڑا کہ لگا۔ فزائن سا لہر تھا جس کے ہوتے۔

”بھجے تھے وہ کئی خود ہی کل نہ ہو۔“ اس نے ہوا اس کل فزون کلن سے لگا۔ ”پولو“ فزائن غور سے اس کے آواز دیکھنے لگا۔

”کلن؟“ ”حیث؟“ ”چاہا یہ تمہارا نمبر ہے۔“ اور اس سے زیادہ فزائن غازی کے لیے ہوا داشت کرنا مشکل تھا۔ فزون اور مہر کے کلن سے لوچ اور فزائن سے لگا۔

”حیث؟“ ”م اسی وقت اپنی فزائن سے بھلا ہو۔“

سلمان سمیٹو اور اپنی کلن تم کو۔ ”صوتے دلہیں کے تک اگر تم مجھے نظر آئیں تو اچھا نہیں ہو گا۔“ ”فصلیے اور اگر مجھے صحت کر اس نے فزون ہر کید۔“

”ساتھ تک کر رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں اس وقت تم صرف مجھے سونو۔“ ”سوا کل اس نے اپنی جب میں ڈال لیا۔ ذمر بھی اس نے ذمہ اس ساتھ لٹ کیا ہے۔“

اس نے خاموشی سے فزون تک کرنا تھا۔

”کیا سنیں؟“ ”فزائن کھتے۔“ ”وہ کئی سے اسے دیکھتے تھے۔“ ”ہلکے چل کے اور جھللائی علامتی منکس ہو کر فزائن کے چہرے پر پڑی تھی۔ اور کو فزائن فزائن سے بے لیا۔ اس نے فزائن کو دیکھے تھے۔“

”کیا سنیں ذرا اچھے چہرے“ ”مذہ میں کچھ چہرے ہوئے۔“ ”پائی کو دیکھو نا تھا۔ اس کے سوال پہ سنہری آنکھوں کا اس کی طرف حوالہ

”بھجے فزائن طے تھے۔“

”مہوری؟“

”تمہاری کلاس میں جو فزائن تم نے کائی کروا کر دیے تھے وہ مجھے ملے تھے۔“ ”میں نے پھینک دیے تھے۔“ ”میں سے وہی کئی کلاس لینے کا پورا ذرا پھر تھا۔“

ذمر کے امید استہاب سے اٹھے۔ چو کھتے سے اٹھا

اور "جس میں وہ سب بچرؤں نے ہلکا کسی کچھ میں کسے تھے؟ پھر میں یہاں تک تھکتے تھکتے تھمارے ساتھ سر رکھ پائی تھی؟" وہ اور نہیں بولی تھی۔ اسے وہ بچہ کھانا کا تعلق اس نے ہارس بنا ڈالی کوئی بیڑیوں میں سمجھا تھا گور اس کی بنی وجہ نہ تھی کہ وہ تھی خود اسے برقی تھی۔ ایک ہی ٹاپک اور اس کو پریشان نہ تھا۔

"مجھے ہر چیز کچھ میں آتی تھی ذمہ داری اور صرف آپ نہیں سمجھتی تھیں۔" گھب کے وہ مسکرایا تھا وہ ہلکا سی چپ ہو رہی۔

"گور وہ لڑکا جوش ہے جس کو آپ میرے ساتھ ٹاپک سمجھنے لے آئی تھیں لا بیرونی۔ بہت پرانگا مجھے اس کا سبب فون میں نے فیکس کیا تھا اور اس کو اس وقت سے وہ بے چارہ اٹھ کر گیا تھا۔ مگر آپ سمجھیں وہ لاپرواہ ہے اس لیے وہ اور آپ نے اس کو نہیں پڑھایا۔"

"تم جوش سے ایک بڑی ہنسناک شخص۔"

"گور وہ ہنسناک ہے کہ ہر اس کی کہنا تھا۔ گور آپ میرے پاس آئی تھیں۔" وہ گھڑو مال سے فٹا ہوا تھا۔

"گور میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ اس سے ہمت کرنا کہ جانتی ہیں تم نے کیا کیا؟"

"جانتی ہوں۔" سیدھے ڈسٹرکشن پر اس کو بڑے چو آگے جھکا کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر گھب فارسی پائل ٹھہر گیا۔

"تم اسے اپنے کسی تاریخ سبیل لے کر گئے اور اسے مارا اور کس ہے؟"

وہ اسے بھر کے لیے لا جواب ہوا۔ "اس نے آپ سے کچھ کہا تھا نہیں؟"

"فارسی۔" تھمارے پاس یہاں آئی تھی میں؟ اگر اس سے صرف ہمت کرنی ہوئی تو میں خود کرتی۔ مجھ سے ہر manipulative talk (جو ڈرو ڈرو بولی منگنی کو کزن کر سکتا ہے) مہلا؟ تم نے اس لیے کہا تھا کیونکہ تمہاری جانب اور تمہاری شہرت کتنی تھی کہ تم اس کی طبیعت اس طریقے سے صاف کر دو گے جس طریقے سے میں کروانا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی

تھی کہ تم اس کو ہار دو۔ ہاروں کا محبت میں تھا۔ گور اور اٹھا اٹھا کر اٹھانہ ٹپکے چاہیں۔ وہ بچہ ہالے چپ ہلکا سر جھٹکا۔

"تم میں گور مسز کاردار میں بھی کبھی مجھے زیادہ فرق نہیں لگتا۔" پھر جیسے کچھ ہر پختہ تھا اٹھا اٹھا کر اٹھا ہلکا۔ کم از کم کج کی رات تھی۔

"گور بچہ۔ گور کیا کچھ کرے کہ ہو تم میرے علم میں لائے بغیر؟" مسکرایا کر پوچھنے لگی۔ فارسی نے گھب کی اس وقت تکھا۔

"پہلے چل کر گھب کھاتے ہیں۔ ہاروں اور جوش کا حرام کا ہی تھوڑا بہت ڈیہرا کیا تھا۔" گور اٹھ کھڑا ہوا۔

"جیسے کئی ہالے میں اس کی مسند تھی ہے کہ از کم کج کی رات ہوگی میں چاہے کس پر رہے ہیں۔"

"اسے سمجھتے ہو کس میں؟" اس نے گھب اٹھا کر استقبال سے اسے دیکھا۔

"وہ روز گور خود ہی کر اہوں کی ہے۔ اتنا خرچا؟"

مسکرایا کر اس نے ہاتھ پڑھایا۔ گور بیٹھنے والے آنکار نہیں کیا کرتے۔ اس کا ہاتھ تمام کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

آپ بول کے کتارے لانا لہاں ایک دو میرے کے عہد مقابلے کھڑے تھے ایک دو میرے کی آنکھوں میں جماتے ہوئے۔

"تم مجھ سے میرے سامنے ایک مختلف روپ میں آتے ہو پہلے تم میرے رشتے دار تھے۔ پھر اسٹوڈنٹ بنے پھر میرے محرم۔ پھر ایک گھڑی ہاتھی رشتے کا ایک پرانے پھر سہمی کے لیے میرے پارٹنر بنے۔ پھر ایک بے گناہ انسان کی حیثیت سے میرے سامنے کھٹے پھر میرے کا اکٹھا بننے سب شہر میں چلا گئے۔" جی نہیں پھر کس روپ میں سامنے آؤ گے؟ کیا ابھی ابھی کچھ لیا ہے جس میں جانتی تھمارے بارے میں؟"

"ہاں۔" یہی کہ تمہارے کا کھٹ کا تمہاری نہیں ہوا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" اس سوال سے بچا تھا سو مسکراہٹ دیا کر لانا تو وہ اس کی پھر معنوی شکل سے بولی۔

"تھرا ایک لمب جیسے اس ہمت سے فرق میں پڑتا

کہ فرار میں مستعمل میں ساتھ وہیں کے بائیس
 میں مزید کوئی پلاننگ کیے بغیر وقوع نقصان سوچے بغیر
 اس شانکی کو قتل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر مجھ کو
 اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میرے دل میں تمہارے
 لیے کوئی فائدہ ہے، بلکہ تمہارے نہیں تمہاری
 ریٹائرمنٹ والی کوئی بات نہیں، یہی مورد فریاد ہے
 تک۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈل کر اسکو
 سے ملو۔ "کلی بیٹھو۔"

وہ مسکرا کر اس کی طرف جھکا۔ "کلی بیٹھو تو۔"
 اور اس نے بہت وقت سے مسکراہٹ لیں۔
 وہ کی تھی۔ چاندنی میں نہانے جھلا لے پانی کے ساتھ
 بیڑو ڈالو۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے اور
 اولف سچ کہتا تھا۔ کچھ لوگ واقعی اس قاتل ہوتے
 ہیں کہ ان کے لیے کھلا جائے۔



کہلانے کے بعد جتنا بے کرمی میں آئی تو اس نے
 نوراً سے پہلے میونز کو کھل لائی۔ میونز اس سے لا
 سلی سنتر تھی۔ کلج میں دونوں ساتھ تھی۔ کسی کلم
 کے پہلے میں نزارف ہو اور پھر وہی ہو گئی سو وہ جگہ
 فرنگ تھی اور شادی شدہ تھی۔ ایک بنا بھی تھا۔
 "میونز اپنی آپ میری نماز کی تکبیر میں گیا کچھ
 دنوں کے لیے؟" منڈب انداز میں مذہباً بیان کر کے اس
 نے پوچھا۔

"تعمیر اور کھوٹوں اور کسی کی ذمہ داری تو نہیں
 ہیں اگر کوئی تو اسے آخری سانس تک بھائی ہوں۔
 میں ہر روز فجر کی تلاوت کے بعد پانچوں صبح بعد جنس
 کھل کر کے پوچھوں گی کہ تم نے نماز پڑھی یا نہیں اور
 روز رات کو جنس بھی ٹیکسٹ کر کے بتانا ہو گا کہ کون
 نے پانچ میں سے کتنی نمازیں پڑھی ہیں۔ جس دن
 تم کو اتنی کوئی نہیں تم سے وضاحت مانگی گی اور مجھے
 امید ہے کہ تم خود کو اور مجھے شرمندہ نہیں کرے گی۔"
 میونز سے سوچے ہی ایک روز پڑھا مارشہ تھا مجھ تو
 بیڑو لگا آ گیا۔ وہ جلدی سے بولی۔ "اگر شاہ اللہ میں

میں آٹھ چلوں گی۔
 اور ڈھنگی میں پہلی اور چھین ہوسٹ کی مجھ میں
 کیا تھا کہ بیچے کو نماز پڑھانے کے لیے میں باپ کو بلانے
 تھی کھلا کر چلی ہے۔ ہلو میں ڈالنے کے لیے سچی
 کرنی پڑتی ہے۔ اس نے فون بند کر کے لوہر آسمان کی
 طرف دیکھا۔

"اللہ تعالیٰ ہمیشہ میں سے کلارم کھا کہ یہ مجھ کو سا کیا
 ہے مگر آج نہیں۔ کل صبح آپ مجھے اٹھا میں گئے
 مجھے نہیں پتا تھے یہ میرا مسئلہ نہیں ہے، لیکن آپ
 مجھے اٹھا میں گئے۔ ہر حال میں۔"



برانہ من۔ سے حرف زور سی
 میں کیا کہنا کہ کیا خاتون زبان کا ہے
 کو لہو کی اس برف رات میں چھری سے بھاتا تک
 تک ایک جگہ رکھ دوں ہا تاکہ مجھ کے ان سے اور پھر
 جہاں حضور جانا کہاں اس کے ساتھ کھنا چلا گیا۔ سڑک
 پار کرتے ہوئے دو لہنا کر۔ سڑک کو جھٹکے پاتھ
 رکھا۔ خلیو نے چرک کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا؟"

میونز سے منہ کاواقتہ جب ساہو ہا ہے۔ شاہ
 کھا خراب ہے۔ "ابن من سے سر جھٹکا کہ آگے بڑھ
 کہ سڑک کے کنارے سے انہوں نے ایک اور تک
 تک دو کالوریوں "تعمیر" میں سوار یاں بولی کہ وہ دونوں
 اس پار گشت بلڈنگ کے سامنے رکے۔ اور
 بیڑو ہیاں چڑھتے سہی سے پوچھا تھا۔ "تم اس عمارت
 میں ہے مندر اخبہ قیامت جس کے بارے میں کاواوز
 نہیں جانتے؟"

"میرے پاس ایسی کئی خبریں ہیں ہیں۔" وہا تھے
 پل لے کھوڑے سے لے میں تانا زینے چڑھا بلڈ
 قیامت معمولی اور سستا ساتھ سہی گرنان لوہر
 اور کھانا "طائرانہ" ظہور نے جانے لیتے ہوئے اور
 داخل ہوا۔ بیک صوفے پہ دھرا۔ خلیو بیڑو عمارتوں
 کرے میں چلا گیا۔ سہی چرکٹ پہ کتا اور کھلا۔

خلور کا بہت بٹا کر نیچے زمین پر جٹا ہوا تھا اور فرش کے اندر بنے ٹپ ڈر سے ایک پاؤں نکل رہا تھا۔ سوئی کے آگے ایک دوکانی پاؤں تھلا (ایسے پاؤں گوڈو پاؤں کہتے ہیں) اس میں خلور کے ہاتھ کے نیچے سپورٹ تھے۔ پینزل تھا اور لوہوں کی گڈیاں تھیں۔ انگریزی میں بھل گئے وقت کا سارا سالانہ کر پاؤں میں موجود تھا۔

”اب اہلے اس سے بھی ہیں اور پلان بھی سب سوئی نہیں فیز نوچ بھن کرنا ہے۔“ ڈارٹ نکل نکل کر باہر گئے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”بھئی کو ہم نے تمہارا نام کلیئر کر دیا ہے۔ ہاتھ کے سامنے جس بے گندہ باہت کرنا ہے۔ تمہارا ہون۔“

”کہہ مجھے اچھا کہ مرزا بھگوانو نے اسے کی بے گندہ پتھر کر رکھا۔ بلکا سا ڈرا ہوا اور خلور نے پھر سے چونک کر اسے کھلا منسلک کیا ہے۔“

”جیسی ٹھیک ہوں شاید پھر لٹو کہہ لیا تھا۔“ ڈارٹ نے پھر سے ٹپ میں جھٹکتا ڈرا کر کچ میں چلا گیا۔ ڈارٹ نے گزری تو خلور کو اس کے گھانسنے کی گواہ لگی۔ سب تیزی سے اٹھ اٹھ رہا ہوا تھا۔

”پگن سٹیکس جتنا کہہ رہا ہوا ہے کر رہا تھا۔“

”کیا کھلا تھا تم نے؟“ خلور تشویش سے کہتا اس کے سر پر آٹھابا اور ہوا ہوا ”نہ اعلیٰ سا چو جھکائے“

”مڑنے کے لیے نہ کھولے ہوئے تھا۔“ ڈارٹ سے کر رہی رہا تھا۔

”سوئی نے شاید کھلے میں کچھ ملا با تھا۔“

”نہیں! شاید کوئی ڈارٹ کی ہوا تمہاری جان میرے لیے بہت تھی ہے۔“ کہہ کر وہ سر کی طرف دیکھا اور کیٹ کھلے۔ دلہنا ”خلور ٹھہر۔“ ”مگر ایک منٹ۔“

”ہم نے ڈارٹ کھلے کو دیکھا ہی نہیں تھا۔“

”چونک کر پینزل کا تھاک۔“

اس کے سر پر رشتہ ڈر سے کوئی بھاری بھاری آکر لگی۔ خلور نے اعزاز آگے کر لڑکا مگر عمو تھا سلیب رکھے۔ ”ٹھیکنا چلا“ لیکن سوئی نے پچھلے سے اس کی گڈیاں دیکھی اور ڈر سے اس رنگ کو دیا گیا۔ خلور نے

پوری قوت سے مزاحمت کر لی۔ وہیں ہاتھ یوں بارے سلیب سے شیشے کے گلاس گر کر ٹوٹ گئے۔ اس کی مزاحمت دم توڑ لی گئی اور گڈیاں پھٹ گئی۔

”آج کو اس ابہم نے نہ کھانا نہیں کھایا تھا۔“ اس کو کہنے سے تھلے نشین پر اجنبی سے لگنے ہوئے شیشا شیشا زنا سوئی ڈرا تھا۔

”جس وقت یاد آ گیا تمہیں کس سی باتیں تمہیں گئے کرتی خلور۔“ اس کے سر پر کڑے ڈارٹ پتھر لگا ہوں سے اس کے بے ہوش وجود کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

”کیا کہ اپنے دشمن کو درخت پر چڑھنا نہیں سکتا ہے تم لوہوں میں دشمن تھے۔“ اس نے اور میں گے تم نے میرے دہرے پر اقبالیہ کیا۔ میں کرنا چاہے غلہ میں وہ سما آئین دار سوئی میں صاف میں رہا ہوا ہونے سے نہیں بھرتے۔ گڈا کی موت کے ساتھ وہ کو گیا ہے۔ تمہارا نام کلیئر کر دینے کا کاروبار نہ میرا نکل تھا نہ آج ہے۔ میں نے تمہیں صرف استعمال کیا ہے کہ وہ صرف تم اس جیل کو توڑنے میں میری مدد کر سکتے تھے۔ اور وہ تم نے کرنی۔ تمہیں کس بہت کر

کہہ کر ڈارٹ نے ذرا کی طرف چلا گیا۔ وہ جب باہر گیا تو کہہ دے۔ ایک میں خلور کی قسم راقم اور اس طرح رکھا تھا اس کا آئینہ سپورٹ میں لگی۔ وہ نے کہا تھا۔ اپنی چھوڑ گیا تھا۔ ایک نظر اس نے ہنسنے میں بے سواد کرے خلور۔ ڈارٹ اور پھر وہی ایک افسانہ پھر کلاس پڑھ رہی تھی تو اسے کہتے ہوئے کھانا پھر کھل گیا۔

”ڈارٹ باہر سے بند کرنا وہ ہاتھ نہیں بھولا تھا۔“

”جیڑی سے نہ بند کرنا۔“ ڈارٹ نے اسے باہر کھل گیا۔ اور اب پھر وہ پاہر کی اس جوتہ رشت میں ”کہہ جیڑی سزا کہ اپنی کپ دکھا کر چھانکے میچوں میں ہاتھ ڈالنے تھا۔“

”یہ ایک شکائے ڈارٹ نے چلا جا رہا تھا۔“

ڈارٹ اب آڈو تھا۔

ڈرگ جیتنے بھی تھے سب منسوب قابل سے وہ

تیرے ہاتھوں کے نکلنے سے جان کر دیکھے گا کون؟
 ہوش کے شبانہ سوچنے میں یہ سب سچی کھیل میں
 دیکھتا ہے خبر سو رہی تھی گوردہ بھی سولی کی طرح جھٹکتی
 سا آگاہیہ ٹانگہ جھلے ہنسا ہوا ہر تکتی کو دیکھ رہا تھا جو
 بے پستی سے لڑھ لڑھ کر کٹ رہی تھی۔ جب تک
 وہ ان کا چہرہ کر سکتا تھا اس نے کہا "ابن حبیب یہ یقین
 ہو گا کہ ان دن کی پہنچ سے کھل چکے ہیں تو ہاشم احمید تکتی
 سے اس صوفے آ کر بیٹھ گیا تھا۔

"سب کیا ہو گا ہاشم؟" وہ تو کھل کھل کر کہنے لگا۔
 "سعدی کی تصویر سے ملتا جلتا کچھ گوردہ غلوہ کی
 اصلی تصویر پر نہیں کوئی ہے۔ اور ان مسک
 لوگوں کی تلاش شروع کر چکی ہے۔ ہمارے کوئی بھی
 لگے ہیں۔ جیل کو ہم نے مقب کر کے اس میں قابو
 سنان بھر دیا ہے۔ گوردہ سب سسٹن اسٹور سے زیاں
 کچھ نہیں ہے۔ اگر ہم ان کو نہ بھی پکڑ سکے سب بھی
 کوئی ثبوت نہیں ہے کہ سعدی کو ہم نے قید کر کے
 رکھا تھا۔"

"ثبوت؟" اس نے بے یقینی سے ہاشم کو دیکھا۔
 "ثبوت کی چیز اس کے ہے؟ سعدی بھونکنے کے ساتھ ہی
 گھر چل کر گئے گا اور سب کھٹا جائے گا۔"

"ان کے تمام خبر ہاشم شینت کر رہے ہیں میری ہانکا
 سے کہ سعدی کھل پڑتی جائے گی۔ ہمیں حکم ہو جائے
 گا۔"

"وہ ای میل کر سکتا ہے گوردہ چلو کھل تم بیکر بھی پوڑ
 تو ان کو سب بتا چکا ہو گا۔ ہمارے اس کو اس لیے لپہ
 میں رکھا تھا کہ ہمارے راز دہ کو لے گا اور سب۔۔۔ ان
 شدید بریکنج تھی ہاشم نے انھیں سے ایرو اتھارٹی۔
 "سب کے خیال میں اسے لڑا عرصہ اس لیے مفید
 رکھا کیونکہ میں اس کے منہ کھولنے سے ڈرتا تھا۔ میں
 سے۔۔۔" لپہ اتھا؟

"نہا ہے" ہمیں ہی نقصان ہو گا اس کا منہ کھلنے
 سے۔"
 "میں نے اس کو گولیاں ماری ہوئیں مگر میں نے تب
 میں نے اس کو گولیاں ماری ہوئیں مگر میں نے تب

بھی ہر بار شہر سے کہا تھا کہ سعدی کو نہیں لیں گے۔
 می! اس کے منہ کھولنے میں ہمارا کوئی نقصان نہیں
 ہے۔" صوفے کی پشت پر ہانڈ پھیلائے "میں اس
 پیشا تھا۔

"تو پھر؟ ہم نے کیوں اسے لڑا عرصہ خاموش
 کرانے رکھا؟"

"کیونکہ میں گوردہ اپنی جیل کو شہرے میں ڈالے گا۔
 مجھے اس کی قتل کی فکر تھی۔ میں نہیں چاہتا کہ ان
 لوگوں کے ساتھ مزید کچھ ہوا ہو۔ لیکن اگر وہ لے گا تو
 ظاہر ہے مجھے ان سب کو "تکس" کرنا پڑے گا۔ سب
 لوگوں کو پتے کے گانٹنے لوگ ہمارے نشانے آجائیں
 گئے۔" ہمیں ہمیں نقصان نہیں ہو سکتا تھی۔ وہ اس
 وقت Vulnerable ہے۔"

جو اہر تکتی ہانک ساکت ہی ہو کر کتے کتے تھی۔
 "ایک قاتل ہونے کی جست سے جس میں بڑا نہیں
 ہے کہ اگر ہمارے قاتل کے راز کھول دے تو شہر
 میں منہ دکھانے کے قاتل نہیں رہو گے؟" اس کی
 کواں میں اس کا ہاتھ اٹھو لڑا اور قابو تھا۔

"میں نے حیرت بھری مسکراہٹ سے
 کہا "میں نے حیرت بھری مسکراہٹ سے
 میں کو دیکھا۔" وہ مجھ پر اترام لگے گا کہ لڑا کیا ہوا اس پر
 یقین کر سکتی؟

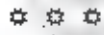
"It would be his word
 against mine!"

وہ کون ہے؟ ہج کو تک سب کتے لڑا ایک گاڑی کو
 قاتل کہنے لڑا گوردہ اس کے اپنے سینے قاتل نے اس
 کے ہارے میں اعتراض جرم میں کہا تھا کہ وہ منشیات
 کی خرید و فروخت میں ملوث تھا۔ ایسے شخص کی کیا
 کیڑھیشی ہو گی ہے؟ گوردہ میں کیا ہوں؟ شہر کے باڈر
 دکھا میں سے ایک۔۔۔ آگے لپہ کا کتہو لڑا۔۔۔

Philanthropist۔۔۔ جس کو بھی کسی گمنام
 کس میں مطلوب نہیں فرار دیا گیا۔ میں وائٹ ہار
 پازرنت آئی ہوں میری ایک کیڑھیشی ہے۔ میرے
 منگٹے یہ اس کی بہت کا کون یقین کرے گا؟ فرق اس
 سے نہیں پڑتا کہ کیا کہا جا رہا ہے۔ فرق میں سے پڑتا ہے

کہ کون کہہ رہا ہے۔ گوٹ سے بھریدہ گرد بھالنے ہوئے اس نے بے یازاری سے کہا قتل جواہرات دھیرے سے کریں۔ نیکی سانس کا دلہا غنودہ سن تھا۔
 ”نہی اس سے تمہیں پڑنا کہ کپ کے کون سے راز کس کے پاس ہیں۔ فری اس سے پڑنا ہے کہ آپ کے محرم راز کی گنج بھٹی کہا ہے۔“ وہ خود سے بولی تھی۔
 ایک سکون سا تھا جو اس کے ہونے خود کو اپنی اپنیٹ میں لیتا تھا۔

”جن اس کی قبلی تو اس کا چین کرے گی ہاشم! پھر کیا ہوگا؟“
 ”پھر؟“ وہ گوٹ کا چین بھر کرتے ہوئے اٹھا اور سنجیدگی سے مہا کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”پھر ہاشم سب سنبھل لے گا۔ اور ڈیر تک دم کی طرف بھاگے گا۔ جواہرات بھی اپنے گھر سے میں جانے کے لیے اٹھ گئی۔ ایک طویل سرد اور سستی فیزولت اپنے اختتام کو پہنچی تھی۔“



صرف اس حد تک تاک سجدہ اور چشم ز لے غذا کتا آسان ہے مٹا تھا کو اگلی فجر۔ دھند صاحب تھی۔ بالکل ندامت صفر پہلے ہی مٹا تھے اور آسان بالکل صاف تھا ابھی گھر میں چھ ساتھیوں میں بولی تھی۔ ایسے میں نے گھر میں چین رضائی میں پٹی آنکھیں سوئی بے خبر سو رہی تھی۔
 بلتھے پہلے کتے کچھ گھر سے تھے اور بولتی تھی پر پہلے تھے۔ ایک سینڈل کی بونٹ کی ٹھنڈی اس کے کندھے پر چبکے سے آگلی اور اس نے اپنی کسی سونڈ کے ذریعے اپنے منہ کے بل کو پکڑا اور پھر اس پر گھونکی ایک دو تین۔
 حنا سے خبر سوئی رہی۔ ساری دنیا سوئی رہی۔
 ”اے کوڑا لپٹ کر لینے والے۔ اٹھو اور خبردار کرو۔“

بلتھا ایک جھکے سے حنا کی آنکھیں کھلیں۔ اس نے کوڑا تو دھروں کھلا۔ پھر اس پاس ہاتھ پارہ مواصلات کا کردہ سن گیا۔ کیا وہ اللہ سے آگلی تھی؟

پانچ اللہ مہنگانے تھے اس نے گھر سے اٹھ کر اللہ کے ہونے میں ابھی چار منٹ رہے تھے پھر وہ کس چیز سے آگلی؟
 لڑائی کی کواڑ سے ہنکڑوں میں ابھی دس منٹ تھے۔
 پہلی لڑائی تو ابھی ہوئی ہی نہیں تھی۔
 ”تو راتے رہ کر ہی بولنا ہوتا کرو۔“

حنا میں نہ آئی۔ کوئی کواڑ اس کو سنائی ہی تھی۔
 بھولی ہوئی سورا اللہ تو وہ اس کو جانے میں بھی باوند آئی۔ آج چہرے میں یاد آئی تھی وہ خلق کی خاموشی سے اس کے بل کو جھڑے سے لیتی رہی۔

”سب غریب اس اللہ کی جس نے ہمیں بارہ سے کے بعد دہی کر کے اٹھایا۔ اور اس کی طرف ہر پڑتا ہے۔“ وہ اللہ کا نام لینے سے لے کر اللہ کا نام لیتی ہوئی کو پھر سے ہونے لگیں کہ وہ اس سے ایک چھانکے سے لڑا۔

حنا پھر وہ وہیں چلی رہی۔ کبھی کبھی آج آنکھیں کھولنے کے وقت کہیں نہیں پڑتی۔
 ”درد واری تھا کیا؟“

”اور اپنے گھونٹوں کو پاک صاف رکھو اور ہر قسم کی گندگی سے اپنے کپ کلاں کو۔“

وہ صر جھک کر بستر سے اٹھی اور جب اس کے کپ کلاں کو دیکھی تو کئی کھول کر دیکھ کر کہنے لگی تو دل پہ وہ سری گھر بھی جھکے سے ٹوٹ گئی۔ کوئی ٹھیک کرنا ہر گھل اور چلے نماز اٹھانے لگی۔ پھر مری سلوا ابلدی سے اللہاری کی طرف بیٹھی۔ اس دن لڑائی سے وہ نئے سونڈوں کے جوڑے مل کر گئے تھے۔ اب وہ ان لوگوں میں سے نہیں رہی تھی پھر پھر وہ کسی کے گھر جاتے ہوئے پہلی وقت نہیں گئے تاکہ کہ اللہاری میں سنبھل کر رکھ لیتے ہیں۔ نیا ہوا سب سے پہلے لہار میں پھنسا ہوا ہے۔ اس نے بل برش کبے چھٹی گورہ تھی۔ لیا ہاں پستا۔ سلیتے سے وہ بے چہرے کے گرد لپٹا اور جاتے نماز آگلی ہوئی۔ اللہ ابھر کہہ کر جیسے ہی اس نے کہا کیا دل پہ لگی تھی کہ ابھی ٹوٹ گئی۔ گھر کے کھولنے پر لگنے کو تیار نہ تھی۔ وہ اس کے کان میں بولنے لگی۔ اس کو چھپنے دن کے کام دار

کولے گی۔ ذہن میں رکھنا کہ یہ ساری رکعت ہے اور کئی ایسے میں پیشنا ہے یا نہیں؟ پیشنا؟ یا کما شام کا چہرہ دکھانے کی نگرانی سے طلعہ نکل چکا تھا۔
 آمیزہ زخمی لوگ آجاتے تھے اور اس سے ہی بد کیا ہوگی گوئی؟ احوذ باللہ مجھ سے کرو تیا ہے بلانی نماز سکون سے پڑھی گی۔

سلام بگیر کر جب اس نے دعا کے لیے اٹھ اٹھائے تو مجھ میں نہیں کیا کہ کیا انگہ دل میں کوئی عجیب سی خوشی بھری تھی۔ ہار ہار لوہر ٹوہر دھرتی۔ وہ کیسے اٹھ گئی؟ اور اتھ۔ یہ اٹھ جانے میں کتنا مزہ تھا کتنا سکون تھا۔ اس اندھیرے میں اپنی اندھیر تمہاری کے ہارے میں اس اور اے کسے باغیوں کا کتنا اچھا لگا ہوا تھا۔

(اور اللہ۔ اور اللہ۔ سب تعریف آپ کے لیے ہی ہے۔ آپ نے مجھے جو عیسیٰ رسول خدا میں جبرہ اٹھی۔ اور اللہ۔) اندھیرگی میں پہلی دفعہ حسین پوسف کی کچھ میں کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہارے ہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ان کو کھڑکی اور کھٹوں بنائیں سب سے اراہ غریب تھیں۔ کیلئے رحمت فرمائیے سے سیکھے آفری مسائیل میں۔ وہ فرمائیے رہے تھے۔ نماز نماز نماز۔ اور یہ کیفیت یہ وہی۔ چمکے ہوئے سیکھے جو کھجور کھجور اٹھائے۔

ہر شخص اپنے کلمے کو اپنے احوال کے بدلے میں دین ہے۔

سوائے خدا تم باوجود اولوں کے جو جنوں میں ہوں گے اور وہ جس کے بجز ہوں گے کہ کیا پڑھنے کی جس میں چشم میں۔ (چشم ہائے) کیسے گئے۔

نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے۔ (سورہ البقرہ) جاتے نماز نہ کر کے اور اٹھی اور کھڑکی میں آکھڑی ہوئی۔ چٹ کھلی کر سو ہو اور اس نے اندھیر گئے دیان دیوں ایک خوب صورت کھلی نظر آ رہی تھی سب سے گھر

سے قصر کا دار پسیا سطر میں نظر آتا گھر سے وہ بھلو کھانا بھی نہیں تھا۔
 (کیا پڑھنے کی کھلی جس میں ہم میں ہی کیسے گئے نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے۔ نہ تھے ہم نماز پڑھنے والے۔)

اس نے آنکھیں بند کر کے سو ہو اور کھوسوں کرنا چاہا۔ کج۔ اسے بچو بمنزل کیا تھا۔ حسین کے خیال میں وہ اب بھی اللہ سے وہی محبت نہیں کرتی تھی جیسے کرتی چاہیے۔ لیکن اب اللہ تعالیٰ سے ایک تعلق ہو گیا۔ حضور بنانا چاہتی تھی۔ اللہ کے سامنے اس کا امیر بننا ٹھیک ہو جائے۔ اللہ اس کی تعریف کرے۔ اس کے دل میں۔ سب سے پہلی تمنا کی رہی تھی۔ اور وہ تو اللہ کو پسند ہے۔ بھری نماز۔ اس کو اس نماز سے محبت ہو گئی تھی۔ کج نہ بے اطلاق محبت اور اولیٰ محبت میں فرق سمجھ میں آ گیا تھا۔

تعمیری ہوا میں کھڑی حسین نے کج۔ ہاں کج اس نے ہاتھ کا دوار کول سے چلنے دیا تھا۔ مرض عشق کی جس برف نے اس کے دل کو مہا دیا تھا۔ کھڑکی پہلی کون۔ لے کسے بھلا دیا تھا کج حسین پوسف اولو ہو گئی تھی۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گھر اس نے اس سانس کے گھبر سے اپنا دل ضرور چھڑایا تھا۔
 بلکہ کمال وہی تک جانتی آسمان۔ رک۔ ہوا قمار اور زمین۔ ہتے ہتے ہتے سمندر میں ٹوٹے اشراروں پہ چلا دیا تھا۔



بگہ اب سنبھلے گی ہے جہاں بھی بیل چلا رک۔ آسمان بھی ہر دلت ہماری تھی گل گل بنے۔ جو دن کزاتھا گھر کیا ہاں صبح صبح سٹروا سٹروا کے قلبی سا جھلکا آسودہ آسمان پہ چکا تھا کہ سارے شہر نے ہل کر اگلا لایا۔

کوئی تھوڑا سا شہر نہ ہی ہو گا۔ اس اور مجھے ہو گئی کار سٹروا کشاں مرکزی بیٹے دم شہرے رنگ میں آراستہ کھلی دیا تھا۔ کھلی ہو اور کبیر بدے کھڑکی کے گسے سے بٹے تھے اور وہ خوب پورے

تک اکابر طلب؟

”فارس! میرے بل سہی جیسے ہی ہیں میرا لڑکا برائے نام میں نے خریدے ہوئے ہیں۔ مجھے ایسے لاکھ لگتے ہیں۔ میرا لڑکا کیا تم نے آج کر دیا تھا؟“ اس نے پانچواں اقلتے ہوئے نشتر سے پوچھا۔

”آج طلبہ بھائی کھڑے ہیں؟“ ”میرے بھائی نے تمہاری خوشخبری میں رابطہ لیا تھا تب ہی تمہارے بھائی کا یہی کلمہ تھا۔“

”میں پانچویں سال کی عمر سے بل والی کر رہی ہوں۔ فارس! پاکستان کی ہر جہتی لڑکی بل والی کہتی ہے۔ آج آج کے سچے۔“ ”وہ سچے تو وہ سچے رہی تھی۔ جیسا کہ تمہارا لڑکا آج اس وقت تک وہ بھی آج سے آج تک۔“

”تمہارا مطلب ہے تم سات۔ آٹھ سال سے مجھے دھوکا دے رہے ہو؟“ ”وہ تو اس کی کیا سزا ہو گی؟“

”میں نے کوئی دھوکا نہیں دیا۔ تم نے سب کچھ ہی اس بارے میں بتا دیا۔ تمہاری باتیں سب کچھ ہی۔“

”یہ تمہارے کرنا ہی تھی یہی ہمارا؟“ ”میں کو کھڑا چکا تھا۔“

”لف فارس! میرا کچھ بھی تمہاری نہیں ہے۔ صرف لڑا سا کلمہ ہے۔“ ”تمہاری لڑکی میں سہا نا تھا کھڑا ہوا۔“

”میں ڈھریا لی۔ آپ نے مجھے اتنے سال رخصت میں رکھا۔ میں تب کا ہر ظلم محافل کر سکتا ہوں۔“ ”میں نے آپ نے تو میرا دل توڑا ہے۔ کیسے لو؟ میں نے آپ مجھے میرے آٹھ سال؟ کچھ نہ کہ مجھے لگ رہا ہے کہ مجھے کب سے کب سے تمہاری محبت نہیں رہی۔“

”وہ تمہاری گھنٹا لانا بھی تک مجھ سے کہہ رہا تھا۔“ ”میرے گھنٹا تو ڈھریا ہی سے اس کے کلمہ۔“

”کتنا پورا لانا تھا ہے۔ تمہاری۔“ ”وہ ابھی جو آپ میں کچھ جھگڑا کرتے تھے۔“ ”اس کا اچھا سا کلمہ ہے۔“

”تمہاری باتیں سب کچھ ہی تھیں۔“ ”وہ ابھی جو آپ میں کچھ جھگڑا کرتے تھے۔“

”اس نے کل کل۔“

کمرے کو دشن کر رہی تھی۔ شہری بڑے رنگ نیل کے کنارے فارس بچھا تھا اور ساتھ اسٹائل پونجی ٹیوڈ کو آئیٹن میں دو کچھ کپڑے پش کر لی اور کو کچھ رہا تھا۔ چوہا میں طرف جھکائے، اہل کے سولہ میں پش چلائے ہوئے تھی۔

”سب گھر ملنے ہیں۔ میں سے پہلے کہ سب سمجھیں۔“ ”میرا فنی ہمارا کچھ ہے۔“

فارس نے بے پروا انداز میں جھکا۔ ”فی الحال وہ مجھے اپنے گھر والے کم اور سسرال والے لڑکا لگ رہے ہیں۔“

”یہ لگا سا اس دی اور چوہا جھکائے بل پش کرتی رہی۔“

”یہ سب مجھے تمہاری سب سے خوب صورت بہن کہا کرتی ہے۔“

”تمہارے بل۔“ ”اس نے ہاتھ پھاڑ کر فری سے اس کی چند کھنڈی تھیں اگلیوں میں اٹھائیں۔“ ”میر نے جو وہی آٹھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور منکر لئی۔“

”ہاں میرے ہاتھ کے کرنا مجھ سے کو پسند ہے۔“ ”میں میں کے کرنا نہیں۔ مجھے من کار کلمہ پسند ہے۔“

”رنگ؟“ ”میرے ایک دم جھگڑ کر پش رکھ دیا۔“

”ہاں۔ من کار لڑکی کر۔“ ”میر نے بے اختیار خود لگا لگا دیا۔“ ”میں میں کہہ رہا تھا۔“ ”میر نے لور سیم کے بل جی برائے ہیں مگر تمہارا کلمہ بہت مختلف بہت خوب صورت ہے۔“

”میر نے لور سیم کے بل جی برائے ہیں مگر تمہارا کلمہ بہت مختلف بہت خوب صورت ہے۔“ ”میر نے لور سیم کے بل جی برائے ہیں مگر تمہارا کلمہ بہت مختلف بہت خوب صورت ہے۔“

”میر نے لور سیم کے بل جی برائے ہیں مگر تمہارا کلمہ بہت مختلف بہت خوب صورت ہے۔“

”میر نے لور سیم کے بل جی برائے ہیں مگر تمہارا کلمہ بہت مختلف بہت خوب صورت ہے۔“

”میر نے لور سیم کے بل جی برائے ہیں مگر تمہارا کلمہ بہت مختلف بہت خوب صورت ہے۔“

”میر نے لور سیم کے بل جی برائے ہیں مگر تمہارا کلمہ بہت مختلف بہت خوب صورت ہے۔“

ہوا بہت بچنے کے لیے ہموں اور خود اس بار ہی حلی کے لیے دم میں آگیا جو دم اور اس کے لیے عورت نے بیٹھ کیا تھا۔ اس نے لیپ لپ لگا اور اس پر ایک مخلوق نمودار ہوئی۔

جو چین نے دیکھا تو اس نے سہی کو بھیجا تھا۔ اس میں جی پی ایس ڈی کے ساتھ اسکرین پر وہ جی پی ایس ایکٹو مشکل سے باقاعدہ کل رت سے پہلے تک وہ اس بلڈ سے تھکا جہاں ہارڈن جیو کا ہوش تھا مگر کب تک۔ وہ اس ہوش سے کئی کوس دور۔ ایک پارک میں آکر کہہ گا تھا اور وہی تکھا ایک وقت۔

سہی کے پاس آکر وہ چین تھا اور وہ لہجے لہجوں سے اس پارک میں تھکا بیٹھا تھا کیا جیو چین اس کے پاس تھا؟ وہ ایک دم بہت پریشان ہو گیا تھا۔ جھپٹے آٹھ ماہ سے اس کو معلوم تھا کہ سہی کی سہی کئی ہے۔ مگر پہلی دفعہ اس نے سہی کی باورداشت کو ہی سمجھا۔ اس نے سچ میں دم کو کل کی ہو ٹھکانا اس نے سر دھول ہاتھوں میں کر لیا۔

جھپٹے آٹھ ماہ کی خون تھکا بہت کے بعد پہلی دفعہ وہ صرف اپنے اور دم کے بارے میں سوچنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا تھا زندگی پر اس کا بھی حق ہے۔ اور کم از کم کچھ درگے لیے دم ساری دیا ہے کہ کچھ صرف اس کی بائیں نئے اس کو دیتا ہے۔ مگر وہ غلط تھا۔ اس کا زندگی کوئی حق نہیں تھا۔ اس کو صرف اپنا کام کرنا چاہیے تھا۔ اسے اپنے بھائی اور سہی کا انتقام لینا تھا اور سہی کو سہی کو دیکھ کر اپنے خاندان تک پہنچانا تھا۔ اسے اپنا نہیں سوچنا تھا۔ وہ تو سنوں غلط سے دم کا خون نہیں کھ کرنا چاہیے تھا۔

اب وہ پھر سے اپنے پیچھے اور بیٹھ گیا۔ اس میں سمٹ آیا تھا اور کمرے میں اور پھر کمرے کے ایک کمرے پر تھا۔

”ہی تو اب اٹھیک ہو؟ چھ ماہ کا کل تمام ہوش میں سب ختم ہو گیا؟“

”میں نے آپ کو کل کی تھی ڈیڑھ گھنٹہ غلط خیرین تھی مگر تمام کارڈر کل اور تباہ ہوا تھا۔ اور اس کے

”میں اس معاملے کو اتنی جلدی نہیں سمجھ کر کے والا ڈائیس اگر اس بارے میں بات کرنا ہوں۔ میں کا تو واقعی بدل لوٹ گیا تھا۔ خدا سے مجھے میں کہہ جاؤں کل گیا اور پھر مجھے وہ دم سے پھوٹے سوا کل سے کل تک کی۔ کئی دن فرما دیا تھا کیا تھا اور اس کی کواد من کر چکی تھی۔“

”تو فارس قادی کا کیا کڑی نہیں ہے۔ اسید ہے۔ سب بگ نہیں ہو رہا ہو گا۔ کیونکہ مجھے کپ سے بہت خاص بات کر لی ہے۔“

”آج سہی بیوی سے اس خون میں بہت مت کیجئے گا۔“ وہ اندر دم سے خفا مجھے میں شکست کرنے والے فارس قادی سے پہلے مختلف اور پیچیدہ لگ رہا تھا۔ تیار سے مجھے عمر کے لیے مجھ میں کئی پھر رات والا اپنا وہ باو کیا تو اس میں تھے وہاں ہی۔

”میرے دم سے کل گیا تھا میں تھا۔“

”وہ مجھے بہت عمر سے دم کی عزت میں اس کی کرنا ہوں۔ آپ سے توقع کرنا ہوں کہ کبھی کریں گی۔ اب جتنے گیا بات تھی؟“ وہ اور کمرے تک اندر میں رات والا بھلا چکا کہ وہ بھلا تھا۔ وہ چہرے خاموش رہی۔

”سہی اور غلوں کی مثل تو ڈر کر فرماؤ گئے ہیں۔ میں نے رات میں کب کی بہت کلا کریں۔ مگر آپ کا خون تک تھا۔“ وہ مجھے مجھے بوجھ گیا۔

”کیا؟“ وہ ایک دم سسٹیز رہ گیا۔ پھر بجا اختیار پڑھائی سٹی۔ ہوشوں میں تھی وہ تھی۔ مجھ میں نہیں آتا کہ جنیٹا کو کیسے کچھ کرے۔

”ہاں تم نے کہا تھا۔ یہ کہ وہ نہیں اب تک میں دم میں نہایت اب معلوم نہیں ڈھونڈ کر چھپا لیا ہے۔ با واقعی وہ دونوں ملنا چاہتے ہیں۔“

فارس نے کچھ کہنے کا خون رکھ دیا اور سب دو الٹیں کمرے میں گہرا پہل خاموش تھا۔



مگر اب اس اگر اس نے دم کو سب کے سوالوں کے

کوئی دبا ہوا کے وقت انگلی کی طرح لور اور ہواک
 رہے تھے۔ کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ کھد کسی کو ڈھونڈ
 رہے تھے۔

”تھک ہے“ انھیں کھلی دیکھو اور مجھے رو پوت
 دیجئے رات میں اس نے ہی اسطرلاب سے فون نہ لیا۔
 فون فونائی لینڈ میں مہائی ہونے کا ذرا ایش مند ایک
 بری ہو جانے وقت اس کا تیل کا سا تھی تھک اس نے
 اسے سری لنگا میں مہائی ہونے کی پیشکش کی تھی۔
 (دائرہ ضعیف سے اس وقت میں تک سفارش کروانا آج نام
 کے بغیر لور اور کو محکوم کے بغیر بہت آسان تھا)
 اور بدلے میں ”مروہوت“ نامی تھی۔ کب وہ کچھ جیسے
 سے اسی ہوئی میں کام کر رہا تھا اس کی رسائی میں
 کے نیچے ہی چل چل تک آؤ تھی مگر میں تک اس کی
 آنکھیں جالی میں فغانی کو فریب سے دیا کرتا تھا۔
 کب اس نے ایک لور فریلا۔ ”مہلت! تم
 ہینٹل میں نائٹ بیو۔“ تھے کل رات ۱۲ کے گئے۔
 تھارے سامنے وہ لائن تک میں رات کو کچھ میں کوئی
 کیا ہے؟ آج۔ اگر کوئی حرکت نظر آئے کوئی کھد
 رفت ہو تو مجھے خبر کرنا۔“

وہ ایک ایک کر کے ہاتھ بھدواری تھی اور غیر ملکی
 جیلوں کے قریب موجود سینڈ سٹون کو فون کر رہا تھا۔
 وہ اس کی چاندی پٹیر جیلوں کے بارے میں جانتا تھا۔
 اگر وہ وہاں مہو رہی فون جیلوں میں سے کسی میں
 نہیں لائے تھے تو ”تھینا“ انھیں کوا بھی تک نہیں
 پکڑ سکا تھا۔ لیکن اگر وہ آزاد تھے تو مسجدی نے فون
 کیا نہیں تھا؟ اور صے علاوہ کسی لور کو بھی تو فون کر
 سکا تھا۔ ”کسی مشکل میں تھا۔“

آٹھ ہونے کو صوف خانہ فون نے مسجدی کو صوف کو
 کھو تھا مگر فون خانہ نے اسے کل رات کھو تھا۔
 لور کب اس کو ڈھونڈنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔
 مگر اس سے پہلے سے ایک کا لور کرنا تھا۔
 ایسے چھو سے ہانے ہوتے ہاتھ پہلے کچھ
 ڈاکو متش لے کر کسی سے ہاتھ کیے ہیں مگر سے ہا ہا
 گیا۔ جس کا فون کو فون لاک کر رہا تھا تو دوسرا اس کے
 پیچھے ہا ہا کرنا۔

تھوکی منہ ہے تھوکی ہاتھوں میں لگ رہے ہو؟
 ”میں تھک ہوں۔ تھارے ڈاکو کے پاس جا رہا
 ہوں۔ ڈونر کے ڈاکو متش لے کر۔“ پوت ڈرا سا
 متکر کر فون لوی اٹھا کر فون لور گاڑی کے اندر
 بیٹھا۔ یہ وہ پہلے تھوکی کر کے تھے زمردی ضویوت
 نہیں تو صرف وہی جانے گا مگر اسنی جلدی کیا تھی
 اسے؟ اسے گاڑی باہر نکالنے کو کہ کر اس نے سوجھا مگر
 خریدے تھوکی ہاتھوں میں لگ رہے تھے۔

اس لور خریدہ شرم میں نہیں اک سامت ایسی ہے
 جس میں ہر بات کہنے نہیں ہوتی کب تک نہیں ہوتا
 ڈاکو کا نام لے اپنی کر سی سے اٹھ کر فون میں سے
 اس کا استقبال کیا۔ جنزیرہ ہجور اسویٹ نے پھر سے یہ
 سلجھ لور ہلا مارا ت تھارے ”وہ سنہری گھڑی
 آنکھوں کو ڈاکو کا نام لے جانے سے کہی یہ بیٹھا لور
 ناگنہ ہاتھ جلی سائل اپنے سامنے رکھی۔“

”مجھے خوش ہے کہ کب سے جلا کر ملاقات ہو رہی
 ہے۔ سنا تھا کب کے بارے میں۔“ وہ خوش ہوا
 سے بولے تھے اس کے لیے کئی آواز کرنا چاہتا کر
 اس نے انکار کر دیا۔

”جو بھی نہیں ہا تھی سنی ہیں۔ کب نے وہ سب
 درست ہیں۔“ وہ مگر کھوے کر رہا تھا۔
 ”میں اچھی بھی سنی ہیں۔“ ”خیر۔“ وہ جلد دعا پ آ
 گئے۔ ”مرا ہے ہرے میں بہت لاپرواہی برتی ہیں۔“
 انیس سے پہلے ڈاکو ہاتھ کو دیا تھا ہے تھا۔ خیر
 وہ کہہ رہی تھی کہ کب سے کب سے کب سے کب سے کب سے
 ہیں گھلے سے کولے ہیں لیسٹس؟ ”تھک گئے
 ہوئے اس وقت نے ہر روز کس کے لیے ہاتھ جو جلا کر
 فون نے ڈاکو اس کی طرف نہیں پہنچا۔“

”میں اپنے بھلت خود کیا کرنا اور۔“ کیا کب کو
 گری نہیں لگ رہی؟ ”تھوکی ہونے کو کب سے ہوا
 لور گھڑی کھول دی تھی لیسٹس اگر مہلت ڈاکو کا نام لے
 قدمے حیرت سے اسے کھل پھر سر جھک کر تھک
 اندر سے گری۔“

ڈاکٹر کا نام ہے۔ ڈاکٹر ۶۶

”کوئی دوسرا نہیں ہے۔ میں نے دوسرے جموں ہوا تھا کہ میرے پاس ڈاکٹر ہے“
 کرنے میں ایک ششور سا سا ناچا گیا اس لیے یہ اسی بے مری سے ہوا۔

”میں نہیں جانتا کہ سر جرنی کی اولاد تھی۔ ڈاکٹر ڈاکٹر ڈاکٹر کی سر جرنی نہیں کریں گے“

ڈاکٹر ڈاکٹر کے چہرے سے پتہ شاگ سا ابرو۔
 ”جانی صاحب! ان کی جان کو خلیو ہے۔ انہوں نے سر جرنی نہ کر لی تو وہ جان سے جائیں گی۔“
 ”میں کو سبے حد اللہ کی دعا کرتا ہوں کہ وہ ایسا ہو سکیں۔“

ڈاکٹر ڈاکٹر کے اس کوئی بھائی یا اس کا بھائی نہیں کیا ہوا۔ پھر گرنجکا کرانی شرت کو دکھاتے ہوئے بھرا کہ برف کا جسم بن گئے۔

”ان کی شرت۔۔۔ میں دل کے مقام پر۔۔۔ سرخ خط لکھ دینی کا ایک سرخ لیز جو کوئی سے ہوا ہوا جن کے دل پر نشان لے ہوئے۔“

”بس نہ شرتوں کو بنل نہیں دیکھا جا ہے۔ ماہو بنا چلے ہیں۔ جو تکہ بنل چلنے کے بعدوں مختلف لوگوں سے لائی گئی ہیں۔ جیسے میرا بے دوست جو میری حمایت میں اس وقت کو ہے۔ بجا ہے۔ اور اس کی کن کا نشانہ میں آپ کے لیے ہے۔ نئے نئے نشانہ فلان کی طرف توجہ منت پوجھتا اور وہ کوئی چلا دے گا۔“

ڈاکٹر ڈاکٹر کے گفن تھا کہ یہ بیٹی سے اس کو ویکسٹن نہ کہنا کہ بیٹا نہ سکین سا لے جا رہا تھا۔
 ساتھ ہی منت میں کہہ چکا تھا۔

”اس فریم کو دیکھیں۔ اس کے اشارے۔ ڈاکٹر ڈاکٹر کے لیے ٹھکانا کرنا اور یہ گے فریم کو دیکھا میں میں ان کا کوئی سر بیکٹ کوڑوں تھا۔ ایک سرخ لیز اور ایسا نہیں ہوئی پھر آیا تھا گلی سے بنا کوڑا کے ایک گینا تھا کہ جرنی ہوا۔ ان کوڑا کی نپٹے کی جگہ پہ کیجست ہوئی۔ فریم کا شیوہ پتلا چہرہ ہو گیا۔ ڈاکٹر ڈاکٹر کا رنگ سفید بنے گا۔“

”یہ کیلڈا ہے۔ قمارس مائی ۶۶“

”لوہ سولی یہ نہ سر مل گئی۔ اگر نہ ہوتی تو وہ ان کی کوئی تسمارے کو چلائے گا اس لیے میں نے کوئی کھیل جی نامہ آگے تھیں مارے تو آواز تھی مصوم و شہ زانو نے خیر ہم زر کی بات کر رہے تھے۔ اور اگر تکرار کران کے چہرے اپنا پڑتوں نظریں جلائے چاہتا تھا کہ کہنے لگے۔“
 ”تھے بیٹے بے کار اور نے میری جوتی کو بچھین دیا ہے کہ میں نے سولے ہوا ہے؟ اس کا روبرو نہ ہو چکا ہے۔ وہ فرود فرود“

”تو کھو گئے تھیں۔ تمام کس ڈاکٹر کے پاس کھوے۔“
 ”مگر۔۔۔“
 ”تو کھلا ہوا اشرا۔۔۔“

اس کے کو بھلا اور دوسرے ہاتھ مار کر سبکی ساری چیزیں پھیلا دیں۔ سب کچھ لاشوں کی ہو گیا۔
 ”انسان ایک شخص ہے۔ یہ بھی شگ نہیں کرتا۔“
 ہوتا ہے اس کا ڈاکٹر۔“
 ”تھیں نہ جاننا ہاتھ رگے کھج کر دنا فریاد۔“
 ”تھیں نہ جاننا میری بے کسی کو تاجر کیا اس کو لینا بل مارنے سے۔“
 ”مرف اس کے کہ تسمارے میری کی پوری جیلی کو انہوں نے باہر پھینکا کر لو؟ تسمارے میری کا پارٹ تو اگڑا ام لایا کر لو؟ تھیں کیا لگا۔“
 ”میں میری گرفتاری سے بچھ دیکھتے ہیں اس کو اجاگت سے بلا کر وہاں تک سے چھوٹ کر ان کے گے کہ اس کا کافی کل ہو چکا ہے۔ اور پھر میرے کہیں کے بار دھار نہ تھیں کے لے کر اسے میرے میں نور لپے ڈونر کے دو مہان کسی کو نہ پنے۔ اور میں ہلتا کرھا ہوں وہ یہ نہیں سمجھتا گا کہ یہ سارا ڈونر تو لوگ مجھے نکل میں رکھنے کے لیے رہا ہے۔ ہو تاکہ وہ میرا نہیں نہ لے لے۔“

”ساتھ ہی دوسرے سیر ہاتھ مارلے۔ ڈاکٹر ڈاکٹر نے لوہوں ہاتھ اٹھایا۔ اس کے ساتھ

”ایک منٹ بھی نہیں لگا مجھے گنے میں کہ اس کے ڈاکٹر کو کھرا رڈ خرید چکے ہیں۔ آخر ہمارا ملک سے وہی اس کے سب بیکل بیڑے کرتے ہیں یا اس کی پہنٹی کا تو پلاسلطہ رابطہ روتا ہے۔ تسمارے ساتھ۔“
 ”وہ نہیں کریں۔“
 ”بیشا ایک گلی ناگہا پ ناگہا پ تھیل اور پھر اسی بدنام انداز میں ہوا۔“
 ”میرے دوست کی کن

تھامس نے اُپر ہی ہے۔ مجھ سے جھوٹ من پوچھا۔
 "جی ہاں۔ کارڈ آؤڈ نے کہا کہ تم نے کہا تھا تم سے؟"
 ڈاکٹر تھامس نے چہ گہرے سانس لیے۔ روشنی کا
 سرخ دھماکا تک ٹھٹھپ پڑا ہوا تھا۔ سب قندہ کھٹے
 لگے۔

"سزا کا بار بار نے کہا تھا کہ میں اس کی ادا چاہتا ہوں۔"
 کسی طرح اس کا گم نہ ملتا ہو جائے گا اور اس کو وہاں
 مر رہی کہ کوئی پڑے گی۔ اس سب میں تک گروہ
 تھامس کے ہمیں کو وقت نہیں دے پائے گی اور وہ اپنی
 مرضی کے وکیل کو تھامس کے ساتھ جوڑ دیں گے۔ مگر
 میں نے دیکھا۔ میں برا کوئی نہیں ہوں۔ میں
 نے لیا نہیں کیا۔"

"مجھے پتا ہے تم نے کہا نہیں کیا۔" دودھ شتی سے
 اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "علاحدہ گروہ سے ڈاکٹر
 نے بھی اس سے کہا کہ گروہ ضائع ہو گیا ہے مگر
 چونکہ وہ جس پر مشتمل گم ہے اس پر عمل اختیار کرتی
 ہے سو ضائع ہو صرف کوئی ڈاکٹر اس کے پاس آئی ہوگی
 جن کے پاس تم نے اسے سمجھا ہو گا۔"

"تمہیں کیسے پتا اس کا گروہ ضائع نہیں ہوا؟"
 "کیونکہ جس لوگوں میں جاتا ہوں۔ اس کا عضو
 کبھی وہ جھٹکت نہیں ہو سکتا۔ اسے دوسرے عزیز
 تمہیں اس کی فریب ایسے ضائع نہیں ہو سکتی۔"
 ڈاکٹر تھامس نے کئی سانس لے کر اپنی سر کو
 تھموا۔ "سعدی یوسف۔ تک کورس۔ اس کا گروہ
 ٹھیک ہے۔ وہ پانچ گھنٹے پہلے چھ ماں اور ماں
 جانے کا اٹھتا ہے۔"

"اور یقیناً تم نے دوسری دو ایسی جگہ سے کیونکہ وہ
 زور دیا کرتے تھے۔"
 "مجھے چند جھوٹی علاقہ میں اپنی تھیں تاکہ اسے
 محسوس ہو کہ وہ باہر ہے۔ کیونکہ مجھے اپنی ہفتے بہت
 عزیز ہے۔ میں نے سمجھا تھا کہ وہ سزا کا وارڈ گالے
 رکھا ہے۔"

"ظاہر ہے تم یہ جان کہ تمہیں تھامس سے
 کہہ لیا۔ بڑے کیسے ملنے؟ تمہیں اپنی نظر میں اچھا
 بھی تو جانا تھا جس لیے تم نے دوسرے تھامس میں

پتلا۔"

"کئی ایم سواری۔ پلہ اس میں کو میرے لیے سے
 ہلا۔ میں دوسرے محلہ ٹانگ لیل گا میں اسے سب
 چکا تھا۔"

تھامس نے کھڑکی کی طرف رخ کر کے ہاتھ سے
 اشارہ کیا۔ اگلے ہی لمحے سرخ ٹیڈر لائٹ ڈاکٹر تھامس کی
 شرٹ سے غائب ہو گئی۔ انہوں نے سکون کا سانس
 لیا۔ ٹیڈر لائٹ کھٹے۔ اپنا بند پیر پھا۔

"تم دوسرے کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔ ابھی کچھ حیرت
 نہیں۔ صرف اتنا کہو کہ تم کوئی نئی دو استعمال کرتا
 چاہتے ہو جس سے شاید اس کا نغزنا ناگاہ گم کام
 کرنے لگے۔ کوئی بھی وجہ کہہ لیا۔ تم کو تو اس میں
 ماہر ہو۔" ڈاکٹر تھامس کو حیرت کا لمحہ لگا۔

"مجھے اسے پتا ہے۔ سب میں اس سے مزید نہیں
 چھپا سکتا۔ میں برا کوئی نہیں ہوں۔ میں نے پچھلے دوسرے
 کو تھامس سے پتلا ہے۔"

"نہیں تم اسے کچھ نہیں بتاؤ گے جس چیز کا میں
 انتظار کرتا ہوں اس میں ابھی ڈر اور قندہ ہے۔ سب تک
 زمر کو نہیں معلوم ہو سکتا ہے۔"

"تھامس قازمی، تم مجھے کچھ نہیں کرنے والے!
 پہلے تم مجھے اپنے اساتذہ سے کہنا ہی ڈراؤ۔" وہ بھی
 تھامس سے کہنے لگے کہ کوئی نہ۔ "تم مجھے سب اپنے
 اساتذہ سے نہیں چلا سکتے۔" لیڈر لائٹ ہنٹ بھی تھی
 اور ان کا گروہ اچھا بہل ہوا تھا۔

تھامس نے اپنے قصور میں انداز میں سر کو تھموا اور
 قائل گھولی ایک کھنڈہ نکل کر ان کے سامنے رکھا۔

"مجھے تمہیں اپنے اساتذہ سے چلانے کے لیے
 اساتذہ میں کی ضرورت ہے، یہ بھی نہیں ہے۔ یہ کھوسہ
 پھیلے۔ یہ کارڈ کاڑھ ہے۔ تم نے ایک افغان لوگوں کا
 علاج کیا تھا جس کا نام ابو فرید حیان تھا۔" ڈاکٹر تھامس
 نے تھمکا لگاتے ہوئے آجھ سے اس لہٹ کو کھلا۔
 "ہاں میں نے کہا تھا۔ وہ دوسرے چھپ چکا ہے۔ کس لیے
 آیا تھا۔"

"اور یہ تمہاری چند تصویروں میں اس مرضی کے
 ساتھ۔" اس نے ایک پرٹ پکٹ نکال کر ڈاکٹر کے

”نہ کاردار کو تھوڑا سا گناہ نہ ذمہ کر۔ میں وہی کرتی ہوں جو تم کو کہے۔ لیکن۔ اس سے قبل میں چاہتا ہوں کہ تم میری بات کا چین کو گونگے تندرستی میں نہ کرنا کہ میں نے ذمہ کو تفصیل میں پہنچایا بھی تو میں قتل نہیں کہہ رہا۔ فارسی غازی۔ میں۔ برا توئی نہیں ہوں۔“ اس کی آنکھوں میں جھانک کر وہ کہہ رہے تھے۔

”شاہد! فارسی آہستہ سے سوچا ہو کر بیٹھا۔ بہت آہستہ سے ایک دم سے آسمان پہ کوئی مارا لڑنا تھا۔ شاہد وہ چاند تھا۔ بہت سے چکر لگے ہوئے تھے۔ سدا ابد لے تھے۔

جب وہ گاڑی میں آکر بیٹھا تو اکیشن میں چابی حملے میں اسے کھلی رہ گئی۔ اس کے ہاتھ کے اوپر سوئیٹر کی آکشن پہ ہاتھ خون کے چند دھبے لگے تھے۔ بھر کے لیے اس نے سوچا کہ ذمہ کو تھوڑے مگر جس سے اپنا نہیں سوچتا تھا۔ ابھی نہیں۔ کئی میں سر ہاتے ہوئے اس نے خود کو غصہ کرتا چلا چکر گاڑی چلائی۔

سڑک پہ لگا ہوا ٹرک کو دیکھے بھرتے کو ذہن سے جھٹکا اور اپنے پرائیویٹ نمبر سے اہوار کو کھل ملاتے ہوئے کار ایک طرف نہ روکی۔

”آج کل میں حد سہی ہونے فارسی غازی کی کل سانا کس سے بہت اچھی ہوں اور کون کون سی ٹنگ۔“

”کب کے پاس رہا ہے؟“

”ابھی کے پاس رہا ہے۔“

”کب کے پاس رہا ہے؟“

”ابھی کے پاس رہا ہے۔“

”ابھی کے پاس رہا ہے۔“

ملنے کے۔ وہ دن میں اس مریض کا جانچنے کرنے نظر آ رہے تھے۔ مریض کا نام سرخ دکھائی دیتا تھا۔ کبھی راوی بھی نہ لڑتی۔ مگر وہ اہل اول ہاتھ پہ بھی جتنے لڑتے تھے۔

”تو یہ کہ یہ انجان ہوشو لیب تک طور غم کا بار بار کر اس کر کے رائیں جا چکا ہے۔ اور اس کا نام ابو فریہ نہیں ہے۔ یہ ایک لڑکا ہے۔ میں نے اس کو یہ چلیہ اپنانے کے لیے کہا تھا۔ تاکہ یہ سہل پڑے۔ لیکن غصہ اور میں ابو فریہ کی طرح لگے۔ یہ ہے اصل فریہ۔“ اس نے ایک اور تصور رکھ کر ان کے سامنے ڈالی۔ وہ ایک دم اعلیٰ ہوئے ہر عواصے کو جان کی تھی۔

”پھر یہ راکٹر قائم کر کے ابو فریہ حسان ایک انسانی ہوشو ہے۔ اور یہ خود کئی خطے میں حکومت کو مطلوب ہے۔ وہ شہت گرد ہے۔ وہ ہا تمہارے پاس کبھی نہیں آیا۔ لیکن اگر کئی تمہارے ریکارڈ کی ہے۔ سٹوڈیو لہرسٹ لڑائی۔“ اور یہ تصور دیکھے ان تو سامنے کیا۔ تو اسے لگے گا کہ تم نے ایک انجان حکمت پسند کا علاج کیا ہے۔“

”آج مشق میں نے کسی دہشت گرد کا علاج نہیں کیا۔“

”نہر ہاٹ کمنڈر کسٹن۔“

”کب کے پاس رہا ہے؟“

”ابھی کے پاس رہا ہے۔“

”ابھی کے پاس رہا ہے۔“

”ابھی کے پاس رہا ہے۔“

”ابھی کے پاس رہا ہے۔“

Downloaded From
Paksociety.com

عمیرہ احمد



کب حیات کی کمالی تماشے کے نیوٹروٹس میں چھپی ہوئی ہے۔
2- ایک خوب صورت انٹرنل سٹریٹ ایسٹریٹ اور سٹارڈ کو بچا کر لیا ہے۔ سالار نے اسے اس کے والد کا وارث ٹکڑے کر کے لیا ہے۔ وہ بالکل ویسے ہی
ہو گیا ہے۔ اسے شادی سے نکل چکی اور جو اسے اس کے والد کا وارث لے کر لے گیا ہے۔ اسے شادی کو کھلے
طرز سے قبول کیا۔

9- اسے ہیڈ کارڈ کے ایک کمرے میں چار اشخاص کرشمہ بڑھانے کے ایک پروڈیوسر کے کام کر رہے ہیں۔ ان میں
ایک شخص بلکہ اس کی پوری ٹیم کے تمام بیویوں کی معاملات اور رانی زندگی کی تمام تر عملی معلومات حاصل ہیں اور ان میں
اس میں سے کسی ایسے ہی شخص کی ضرورت ہے جس کی زبان پر وہ اس شخص پر اتنے دل لگیں۔ لیکن اس شخص سمیت اس
کی عملی کے نہایت شگاف رہنا اسے اب تک کوئی مشکل نہ تھی۔ لیکن اس کے آخری چند منٹ میں اس شخص اس عملی
کی کسی لڑکی کی ماسٹیج کے حوالے سے کوئی سوال کیا ہے۔

10- وہ ان واقعات سے تعلق میں تھی۔ لیکن ان واقعات کے بغیر سو نہیں پڑھی تھی۔ وہ اپنے باپ سے اس ایک سوال

Downloaded From Paksociety.com

کہنے آئی تھی کہ اس نے اس کی قبیل کو کھلی مار ڈالنا۔

6۔ اسپہانگ بیگ کے ہاتھ سے سناٹے کے ناخصل میں تیرہ سال اور نو سال لڑنے کے بعد عیسوی و آٹھ سو میں ہیں۔ تیرہ سالہ ہنسی نے نو حرفوں کے لفظ کا ایک صریح غلط بنایا۔ اس کے بعد نو سال ایک خود اعتماد بننے کے لیے کہا اور حرفوں کے لفظ کی درست اسپہانگ بنا دیا۔ ایک انسانی لفظ کے درست بننے پر وہ سناٹا۔ جب تک سناٹا سے لفظ بنانے کی صورت میں تیرہ سال بچی ہوا اور لفظ میں انسانی لفظ بن کر اس خرد و حکیم عظیمین اور ذہن بچے کے چہرے پر پریشانی کی جگہ کھلی کھنکھو کہ اس کے والدین یا درہاں کے دیگر مسلمان بے یقین ہوئے مگر اس کی یہ کیفیت تو کہ اس کی سات سالہ بہن سکراری۔

8۔ وہ باقی بھی کہ وہ دنیا فتح کر رہی ہے نہ گھر بھر بھی اس نے اس کتب کے پتے اب میں بند کیا کر دی اور زیم شدہ وہاں کا پرت نکلیں کہ وہ گھر اب کے ساتھ قائل میں رہ کر دیا۔

7۔ وہ دونوں ایک اور شخص کے پاس سے تھے۔ لڑکی نے اسے ذر تک کی آفری مگر سوتے انکار کر دیا اور سکرینہ پہنچا۔ لڑکی نے پھر وہ اس کی آفری اس نے اس بھی انکار کر دیا۔ لڑکی اس سے سناٹا ہو رہی تھی وہ اسے رات ساتھ کرانے کے پاس سے گئی کہ وہ گھر سے اب کے ساتھ لگاؤ نہیں کرنا۔

4۔ وہ اپنے شہر سے ناراض ہو کر اسے چھوڑ آئی ہے۔ ایک بوزی صورت کے سوال و جواب نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے اب وہ خدا ہے اس الزام سے غیر مطمئن اور غول نظر آتی ہے۔

ستروں قسری

Championship word کے لئے کیے۔ کسی روٹ کی طرح ہمارے خلاف اس کو لکھتے ہوئے ہوں جسے وہ ان حروف کو فلا میں کسی لکھا دیتے ہوئے پڑھ رہا تھا اسے اس منافیے کا ملاحظہ تھا جسے اس نے ہمارے اس طرح ادا کیا تھا اور نہ ہی ہر لفظ کو سوچ سوچ کر پڑھے کرنا تھا ہوں جسے ٹاپ لہلہ رہا اور۔

An unknown place (اگرچہ نامعلوم مقام) اس لفظ کے صحیح کہنے ہی ایسی ہی قرار سے اس

کا مطلب بتلانا۔ پھر اس کی نظریں pronouncer پر ٹپکن۔ pronouncer کے منہ سے نکلی۔ "ورسٹ" کی تو آواز ہل میں گونج آنے والی نالیوں کی آواز میں تم ہو گئی تھی۔ ہل میں اب حاضرین کو والدین اور بچے اپنی اپنی سیٹوں سے نمایاں بناتے ہوئے کھڑے ہو رہے تھے۔ 92nd اسپورٹنگ ہل کے نئے قاع کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے جو اسٹیج پر فٹس لائنس اور پی وی کیسوں کی چاکر پڑھ کر بننے والی روٹیوں میں ساکت کھڑا تھا۔ دم سلو سے گلے اس کی نول آنکھیں کھڑکتا تھا۔ بھول گئی تھیں۔ ہوں جیسے نہ آئی تک اس شاک سے نکل نہ پایا ہو کہ بدینہ شاک سے سب حسین سکندر تھا اور بہ حسین سکندر ہی ہو سکا تھا۔

تالیوں کی ہوا کو بدلتی گون گون گون گون کی خور کو بننے والی روٹیوں میں ہاں لو ہاں بننے کے خور کو بنانا۔ اپنے اصحاب اور حواس براہ کھرو وقت میں چھوڑنے کی کوشش کی اور پھر جو سلا جملہ اس کے سامنے گھما جاگ نے حاضرین تک پہنچا یا تھا اس نے ان نالیوں کی گونج میں ایک بلند ڈگلف ہنسنے کی آواز کو بھی مثال کہا تھا۔

"اے اے اے گاڑ۔" وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں بول سکا۔ حاضرین کی ہنسی نے جیسے اسے کچھ اور نروس کیا۔ پھر نارم۔ پھر خوش اور پھر اس نے سر جھکا کر حاضرین کی نالیوں کا جواب دیا۔ پھر ایک قدم آگے بڑھا کر جھوٹی اس رفتار کا پھر حاضرین سے کچھ آگے بیٹھے ہوئے تھے لیکن اب کھڑے نمایاں ہمارے تھے پھر اس نے پلٹ کر اس طرف دیکھا تھا جہاں اس کے ماں باپ اور دیکھ بیٹھے تھے وہ بھی اب سب کے سامنے کھڑے اس کے لیے نمایاں ہمارے تھے۔

حسین سکندر نے فریاد کیا تھا اور اس کی طرف دیکھا تھا اور اس کے سامنے ہی وہ سیاہ ٹائٹ بھی گئی جو اس سے پہلے اس پر اس کو تو کسی کبہ ہوئے تھے۔ نمایاں بھائی اور آسمانی اماں سے آکر گیا تھا۔ پھر اس سے الگ ہوتے ہوئے اس نے اسی تیزی سے اماں کے گالوں پر بیٹھے ہوئے آنسوؤں ہاں ٹھولتے دگڑے پھر لہن ہاں ٹھول گامتی شرت پر دگڑتے ہوئے کھسالا سے پلٹ گیا۔ "I make you proud Did" (اگرچہ آپ کو مجھ پر فخر ہوا۔) اس نے بے بسی کی طرح لب سے پوچھا۔

Very proud "جست فخر اس نے اسے چھپتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھیں چمکیں۔ مسکراہٹ کھری ہوئی۔ پھر وہ دیکھنے کی طرف کیا دونوں ہنسیاں پھیلائے ہوئے اس نے باز ہو میں بند کرتے ہوئے دیکھنے کے پھیلائے ہوئے ہاتھوں پر ہائی ٹائی کیا۔ اپنے گلے میں اٹکا ٹمبر کا ڈانڈا کر اس نے دیکھنے کے گلے میں ڈانڈا۔ پھر جھک کر اسے خور ڈانڈا اٹھایا۔ وہ کھنگھانے والی۔ حسین نے اسے شیٹے آٹا اور اسی طرح جھانکنا ہوا ایسے شیٹے کے درمیان چلا گیا جہاں بیڑاں اب اس سے چھوٹا چہت کرنے کے لیے ہتھکڑا تھا۔

آخری لفظ کتنا مشکل تھا؟ ہڈائی کھلتے کے بعد میزبان نے چٹوٹے ہی اس سے پوچھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے پلے سب ٹائٹ سے ہاتھ ملاتے ان کی مبارک بادیں وصول کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچا تھا۔ ہل میں موجود

سب لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ آئینہ اور نظیر الہامات کی تفسیر صحیحہ کی ضرورت ہے۔
 "آخری لفظ آواز سے آواز کا تعلق" "حصن" نے پورے عالمی سطح پر اس کا کمال میں ترقی کو نبھا۔
 "تو پھر مشکل کیا تھا؟" "میزبان" نے بھی پورا پورا اہمیت دیا۔
 "اس سے پہلے ہی پتہ چلے جاتے والے سارے الفاظ" "حصن" نے بعد میں جب تک سے ترقی کو کمال میں
 پہلے سے زیادہ پورا تفسیر دیا۔

۴۱
 "کیوں کہ میں ہر لفظ بھول گیا تھا۔ بس تمہیں کا کہا، ہر لفظ کے لیے کہ میں اس آخری لفظ تھا جو میں
 آج تک نہیں سیکھا تھا، تاکہ میں یاد کرنے کے لیے کہہ سکتا تھا۔"
 وہ روانی سے کہتا تھا کہ میں نے اس بات پر یقین کیا تھا کہ میں نے اس بات کی خاطر جو ابلیشوں میں رہا ہوں
 سبھی کی یاد دہانی ہوئے محفوظ اور ہے۔ "لیکن اس کی بات پر یقین نہیں کر رہا ہے۔" "ہاں میں بھی ہوں
 صرف رتبہ بھی جو یہ جانتی تھی کہ وہ حرف ب حرف ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اسے آخری لفظ کے علاوہ اس سارے
 لفظ بھولے تھے اور اس کے آثار اس کے کہتے تھے کہ میں نے اس کے لیے اس کی یاد دہانی کی تھی کہ وہ ایک بار پھر اپنا لفظ کہے گا
 پھر اپنی کری پر بھی وہ اپنی انگلیوں کی پوروں پر اس کے لیے اس کی یاد دہانی کی تھی کہ وہ ایک بار پھر اپنا لفظ کہے گا
 "تو پھر آخری لفظ آواز آواز کا تعلق" "میزبان" نے پھر یہ لفظ۔

ایک بار آواز اپنے سینے پر رکھے اور اسے یاد کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے "حصن" نے بڑے خوب انداز
 میں کہا۔ "کیونکہ میں اور میری بہن weissnichtwo (نامعلوم مقام) سے گئے ہیں۔" "ہاں ایک بار پھر
 نہیں اور تمہیں سے گئے تھا تھا۔" "ہاں میں گئی اسکرین پر گھاس لگنے شراہتی ہوئی رتبہ ابھری تھی جس کے
 اطراف میں بیٹھے تھے اور سارا بھی اس کی بات پر نہیں بڑے تھے۔
 "حصن نے دو کہا تھا، ہاں گھاس لگنے کے لیے ان دونوں لفظوں کو بھولے تھے۔ ان دونوں کے لیے لفظ
 باقاعدگی سے کر رہے تھے کہ یہ ان کی یاد دہانی کی تھی کہ وہ ایک بار پھر اپنا لفظ کہے گا۔"

رتبہ اور "حصن" یہ سمجھتے تھے کہ وہ دونوں کسی نامعلوم تصور دہانی دینا سے کہنے تھے۔ جو صرف ان دونوں کو
 تھی ان دونوں کو نظر آتی تھی کسی دوسرے کو نہیں۔ ان دونوں (اگرچہ)۔ "تو پھر یہ ان دونوں کا دہانی
 خیال تھا۔ یہ سمجھتے تھے کہ ہتھیار میں ہاں جاتے رہنے ان دونوں کی تھی لہذا اس کا نام تھا اور یہ کہیں ممکن تھا کہ "حصن
 سکندر اپنی اس لہذا اس کا نام تھا اور یہ کہیں ممکن تھا کہ "حصن سکندر اپنی اس لہذا اس کا نام تھا اور یہ کہیں ممکن تھا کہ "حصن
 رتبہ خوب انداز میں اپنے اس بار پھر یہی تھی جو اس کی طرح weissnichtwo سے کہا اور اس
 لفظ کو اپنی آج تک نہیں سیکھا تھا۔ "pronouncer کے منہ سے اس کا ایک لفظ کہنے ہی
 وہ جان گئی تھی کہ وہ جس میں شب اس سال "حصن سکندر کے نام ہونے والی ہے بلکہ اس طرح جس طرح وہ سمجھتے
 وہ سال میں اور جہاں کے نام رہی تھی۔ ان دونوں نے بھی "حصن کی طرح پورے بار شریک ہو کر اس کی تہنیں شب
 کو اپنے نام کر لیا تھا۔"

spelling Bee کی وہ ایک نیا نام ہے۔ اسے گھر میں رتبہ کے لیے اشارت کی تھی۔ اس کا دہانی سیکھنے
 کی صلاحیت (linguistic skills) کو بہتر کرنے کے لیے۔ نئے لفظ سیکھنا۔ ان کے لیے کہہ سکتا تھا
 درست لفظ کے ساتھ پورا لفظ سیکھنا۔ ان کا مقصد اور پھر یہی تھی کہ ان کا استعمال۔ وہ ایک نیا نام
 بڑھتے ان کے لیے ایک نیا نام نہیں دہانی کا ایک حصہ تھی گئی اور اس رو میں تا سیدہ لگتا تھا کہ ان چاروں میں
 کا (خوب لفظ) vocabulary اپنی عمر کے بچوں سے بہت زیادہ اور بہت زیادہ تھا۔ مقابلوں میں حصہ لینے کا

خبال بھی باتیں سمجھنے نہ آتا، گھر اپنی vocabulary کی وجہ سے پہلے ہی اپنے اسکول میں لاپرواہی نہ ہونے۔
 حمین کی گفتگو کے دوران جو وہ اپنی بنیادی ریکٹس کی دو تین کے خوالے سے گزرتا تھا، کبھی بار بار بار بار اور
 سالار کو ہال میں گئی پہلی اسکرین پر دکھاتا تھا۔ کیونکہ اس چیمپئن کے والدین تھے جو اس وقت سینئر ایجنٹ تھے۔
 ان کے پاس جیسے دو سرے منابے میں حصہ لینے والے بچوں کے والدین کو دیکھنا تھا۔ ان سے انکسٹریشن
 تھے۔ وہ مبارکبادوں وصول کر رہے تھے۔ بے حد پر سکون انداز میں رزمی مسکراہٹوں کے ساتھ۔ ہوں جیسے
 یہ سب کچھ معمول کی بات ہو، عوام بات ہو۔ اور واقعی یہ سب ان کے لیے عام سی بات تھی۔ ان کی ملاقاتی اولاد
 نے ان کے لیے سب 'عام سی بات' ہی کو دیا تھا۔

زندگی میں اب تک ان سب کی وجہ سے ان بدقول کی زندگی میں ایسے سمن سے غم کے لمحات آئے تھے۔ ایسے
 لمحات جن کی یادیں کدھ ساری عمر میں زکھ سکتے تھے۔

”ہی اگلے سال میں حصہ لیا۔“ ان کے دو مہینے نہیں ہوئی رہیں لے اپنے گلے میں لگے، حمین کے
 کارڈ کو لایا تھے۔ سرگوشیوں میں اللہ کو اطلاع دی۔ اللہ نے اسے تمنا کیے تھی کہ اسے کبھی یاد رکھی ہو۔

ایجنٹ پر لب حمین کو زانیہ دی جا رہی تھی۔ تھیں ٹیٹھوں، فٹیس لائٹس کی چکا چوند اور بیوڈک کی گونج
 میں۔ حاضرین ایک بار پھر کھڑے ہو کر نابالغ بچاتے ہوئے رگروہ رہے تھے اور وہاں سے کئی گلو میٹروڈز
 راکشٹن کے ایک وفد نے قوامی علاقے کے ایک گھر میں بیٹھے جبریل اور علیہ کی دیوی پر اس پر گرام کی لائیو کو رینج
 دیکھنے ہوئے اسی خوبی اور خوشی کا حصہ بنے ہوئے تھے جو اسکرین پر انیس اس ہال میں نظر آ رہا تھا۔ علیہ قصوروی
 رہ پیلے اپنے نمبٹ کی تباری غم کے بچے تھی جس کی وجہ سے وہ اللہ اور سالار کے ساتھ نہیں جاسکتی تھی بلکہ
 جبریل اس کے لیے پیچھے رک گیا تھا۔ وہ نمبٹ کی بنیادی کرنے ہوئے بھی بار بار اپنے کمرے سے نکل گئی وہی
 لائیو میں آگئی وہی پر صرف حمین سے پوچھا جانے والا لفظ سننے۔ وہ اور جبریل مرگاتھی انداز میں بیک وقت اس
 لفظ کے بچے کرتے اس سے پہلے کہ حمین اس کے بچے کرنا پھر رہے تھے۔ جیسی سے لے کر بھولے بھالی کی، انہیں دیکھنے
 جو اس لفظ کے رد عمل میں آئی اور پھر وہ اس کو شش کرتے ہوئے دیکھنے اس لفظ کو spell کرنے کے لیے کہ
 لہذا ہر صحیح آخری حرف پر ان دونوں کے سنبول سے بیک وقت ماسٹ خارج ہونا پڑا جیسے جان میں جان آگئی ہو
 لہذا اس کے بعد حنائیہ ایک بار پھر اپنی لائیو سے غائب ہو جاتی۔

اور اب جبکہ اس خبری زانیہ کا ان کے گھر ہی آئے کافی عرصہ ہو گیا تھا تو وہ بدقول بے حد خوش تھے۔ ان سب
 کے دو مہینے مقابلہ ہوا تھا۔ حسد اور رنجیت نہیں، یہ خاصیت ان چاروں میں اپنی نہیں تھی۔

نی وہی دیکھنے ہوئے تھی کی تو از سنا لی وہی۔ جبریل اس وقت اپنے لیے ملک نہ ملک بنانے میں مصروف تھا۔
 حنائیہ اس کے دووازے کی طرف چلنے کے بجائے خود دووازے پر چلی گئی۔ کی ہول سے اس نے باہر تھانکا۔
 وہاں حنائیہ سالار ایک کھڑا تھا۔ حنائیہ چہرہ حنائیہ کے لیے وہیں کھڑی رہی۔ انہیں کاٹھانہ۔ وہ اس کاٹھان میں فلیو
 تھا۔ ان کا حنائیہ تھا۔ اس کے والدین ان کے عملی فریڈ تھے۔ جبریل گھر نہ ہو، اور دو زبان بھی نہ کھولنی سب
 اس کے ماں باپ کی ان سب کے لیے آکھیلے گھر رہنے کی صورت میں بدابا تھیں، مگر اس وقت اس کی کچھ
 میں نہیں کیا کہ وہ دو زبان کھولے، بانہ کھولے وہاں ہر کی ہول پر نظر میں حنائیہ کیوں کھڑا تھا جیسے اس سوراخ میں
 سے بیوڈک پارا ہو کر اسے اندر سے کھا جا رہا تھا اور دیکھنے والا کون تھا یہ بھی۔

”باپ گھر ہے؟“ وہ جبریل تھا جو ایک ہی وہاں آ گیا تھا۔ وہ ہڑبڑا کر پتلی پھر اس نے کہا۔
 ”ہر کہ“ وہ حنائیہ کی ہال ایک دوسرے کو دیکھنے رہے۔ بے مقصد اور کسی بھی وقت وہ سنوں یا جاننے
 والوں کو گھر نہیں دیکھتے تھے بلکہ ان کے لیے ان سب کے دل میں ہمدردی تھی۔

۳۳ چھ ماہ کے لئے مثلاً اسے بھی ٹیسٹ کا کچھ پوچھا ہو۔ جبریل نے کہے پھر کہہ دو اور کھول دیا۔ اور توں باقی اپنی چیز کی جیبوں میں ڈالے اور ایک لٹے دو انہیں کھلنے پر اپنے امریکن لب و لہجے میں بحث کی طرح جھٹکنا نہیں اسلام علیکم کہنا سے بحث ہی کی طرح جھٹکنا سمجھے۔

۳۴ مبارک ہو۔ ۳۳ برکتے وہیں کھڑے کھڑے جبریل کے پیچھے جھانکنی حجاب کو دیکھنے ہوئے کہا۔
 ۳۵ صنفیک ہو۔ ”جبریل نے بھی لڑائی حق مختصر جواب دیا۔ وہ بات کرنے ہوئے دوڑاڑے کے سامنے سے ہٹ گئے۔ اور ایک ایسی طرح جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کہ اندر آیا۔

۳۶ ”تم نے ٹیسٹ کی تیاری کر لی؟“ ”ہاں میں اس سے پوچھنے لیتے نہیں رہ سکی۔“
 ۳۷ ”نہیں۔“ ”تو چلنے ہوئے لڑائی میں آگے بڑھ کر ایک بار پھر ایسی ہی دو گرام کی لائیو کورنگ کو دیکھ کر اٹھا۔ ”کہوں گا؟“
 ۳۸ ”جس ایسی ہی۔“ ۳۹ ”اس نے حجاب کی طرف کھٹے نیشیل دی اسکو بریک کو دیکھنے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔
 ۴۰ ”دیکھ جاؤ۔“ ”حجاب نے سامنے اپنی طرح کھڑے دیکھ کر کہا۔ جبریل تب تک لڑائی کے ایک طرف سر جوڑ کر ایسا ہی دیکھا اور اسے نام نہیں مصروف ہو گیا تھا۔

۴۱ ”جبریل کا ہتھیاری کی کوپا ہے کہ نہیں ہو؟“ ”جبریل کو فریڈ میں سے دھڑکاتے ہوئے اچانک خیال کیا۔
 ۴۲ ”صبراً خیال ہے۔“ ”جبریل نے جواباً ”کان سے بھی اڑانے والے انداز میں کہا۔ ۳۳ ”نہیں میں یہاں؟“
 ۴۳ جبریل دنگ کی بوٹی کا ڈولہ رکھتے ہوئے لہجہ کھلا اسے پچھلے ہفتے کا خیال آیا تھا جب ایک کی می رات سے
 ۴۴ ”جوڑنے ہوئے وہیں آئی تھیں اور انہوں نے حکایت کی تھی کہ وہ تباہی بفرگے سے لگا تھا اور اتفاقاً ۳۳ سے
 ۴۵ ”جوڑنے لگیں تو انہیں ہتھیار چھو کر تھائی نہیں۔ تب ہی ان لوگوں کے گھر گئی تھیں گے کہ انہیں ہتھیار
 انہیں نہیں اور نہیں تو وہیں الٹ جائے گا۔

۴۶ ”جی گھر پر نہیں ہیں۔“ ”جبریل نے جبریل کے ذہنی طور پر انداز کو جاننا لیا تھا۔
 ۴۷ ”کہاں ہیں جی؟“ ”جبریل نے بھی اپنی پوچھ نہ کرنا اگر جبریل کہہ نہ ہو گا۔ ”نہیں نہ کہیں ان سب کو پتا تھا کہ وہ
 بعض دفعہ ان سے جھوٹ بولا تھا اور بڑے اطمینان سے بولا تھا اور یہ عادت اسے پہلے نہیں تھی۔ ایک سال
 پہلے جب اس کا باب زندہ تھا۔

۴۸ ”نہیں دوست سے کہیں گئی ہیں۔“ ”میل اور ایک بھی ان کے سامنے ہیں۔“ ۳۳ ”جبریل کو تباہی پائی پر اب
 کورنگ ختم ہو کر کھڑے ہیں رہے۔
 ۴۹ ”تم سامنے نہیں گئے؟“ ”حجاب نے اس سے پوچھا۔

۵۰ ”دیکھئے ٹیسٹ کی تیاری کر لی تھی۔“ ۳۳ ”تم نے تڑکی۔ تڑکی کہا۔ حجاب اسے دیکھ کر بھی حجاب ریموٹ ہاتھ میں
 لیے اس کا معائنہ اس طرح کرتے اور اس کے شیوں کو چھوئے میں مصروف تھا جسے زمین کی شیں دیکھ کر ریموٹ
 دیکھا۔ حجاب کی طرف منہ نہ ہوتے ہوئے بھی اسے اندازہ تھا اس کی بات ہی اسے دیکھ رہی ہوگی۔

۵۱ ”چلو پھر ٹیسٹ کی تیاری کرتے ہیں۔“ ”حجاب نے جواباً ۳۳ سے کہا۔ اسے رات ہی تیار ہوئی تھی کہ ایک برکتے
 ٹیسٹ کی تیاری نہیں کی تھی۔ اس کا مطلب تھا ایک بار پھر ٹیسٹ میں برا اسکو رہنے والا تھا۔

۵۲ ”تو سب راتیں کب آئیں گے؟“ ”جبریل نے اس کی آڑ کو کھمٹ طور پر تھکا انداز کرتے ہوئے بات تبدیل کرنے کی
 کوشش کی۔ ”ٹیسٹ کی تیاری اس کی زندگی کا مسئلہ نہیں تھا اس کی زندگی کے مسائل دیکھو اور سہ۔
 ”راہیں آ رہے ہوں گے۔“ ”حجاب نے اسے بتایا اور اسے دیکھنے لگی۔ اسے پتا تھا حجاب بے مقصد ہے یعنی

سوال کرنا ہے گا کہ وہاں بیٹھا ہے تب تک حجاب تک وہاں سے بھی بے زار نہیں ہو جاتا۔ اسے ایک پر
 تڑکی تباہی۔ پچھلے ایک سال سے بوسہ ہی آتا تھا۔ وہ پہلے ایسا نہیں تھا۔ اس کی تلاش کے سب سے ستر جن

اسٹوڈنٹس میں سے ایک تھا۔ ایک سال میں وہ اوسط سے بھی کم پو گیا تھا۔
 ”میں اپنی مٹی کے ساتھ نہیں گئے؟“ مہدی نے اس سے کہا۔ اس نے ایک لمحہ عمل جبریل کی ٹک ٹک سے کسی آفر
 دیا کی گئی۔

”ہاں میں جاسکتا تھا مگر میں جس میں گیا۔ میں کوئی جہم کھیل سکتا ہوں۔“ اس نے ایک ہی جملے میں جواب
 اور سوال کہا۔ غائب ہو گیا۔

”تیس۔“ مہدی نے کہا۔ جبریل نے جواب دیا ہے ہوتے اس کے ہاتھ سے وہ دعوت لے لیا تھا۔
 ”اس وقت ہمارے گھر میں کوئی گیمز نہیں کھیلتا۔ کافی دور ہو چکی ہے۔“

جبریل نے اس کے فریب صوبے پر بیٹھے ہوئے اسے اپنے گھر کے قوانین زری سے بتائے اور روز گیمز نہیں
 کھیل سکتے تھے۔ وہ رات کو بھی گیمز نہیں کھیل سکتے تھے۔ عام طور پر وہ اس وقت تک نوز کے کچے ہوتے مگر
 آج جین کے اس مناجلے میں شرکت کی وجہ سے ڈسٹ لٹ ہو گیا تھا۔

”مگر میں تو ایک آؤٹ مائنڈ ہوں۔ اور مہمان بھی۔“ یہ کہنے کے چند لمحوں کے بعد جبریل سے کہا جو
 اس کی بڑی ہی سی این این کا رنگا رنگ بٹھا تھا۔

”تیس آہر کے نہیں ہو۔“ جبریل نے جواب دیا۔ ”تس کھانا اور کھیل نہیں سکا۔ وہ جیسے ان سے ہی سنا چاہتا
 تھا۔“

”میں ڈنر کھیل میٹ کر دوں۔ نہ سبب آئے ہوں گے۔“ مہدی نے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اب لاؤنج میں ہی
 ایک حصے میں گئی ہوئی ڈاننگ کھیل پر مہینس اور ٹیبل رکھنے لگی۔ یہ کہہ کر وہ دو کھونٹے سے اُتے اور جبریل
 کو دیکھتا رہا مگر جیسے اسے وہاں اپنی موجودگی بے مقصد نظر آتی تھی۔ جبریل نے لاؤنج میں ٹھوٹھا۔ غائب ہو گیا۔
 کھیل میٹ کرنے میں۔ یہ کہہ کر بھی وہاں سے جا بے پر تیار نہیں تھا۔ اس گھر میں زندگی تھی۔ سکون۔ جواب اس کے
 گھر میں نہیں تھا۔

کچھ روز بے مقصد ہی این این دیکھتے ہوئے وہ اٹھ کر مہتاب کے پاس آ گیا اور کچھ کے بغیر خردی کھیل میٹ کرنے
 میں اس کی مدد کرنے لگا۔ اٹھ کر نیوٹرو والی کھیل پر مہتاب نے مانتہ مہینس لگائے تھے اور اس کے لیے ٹوش کیا
 تھا۔ اس نے جیسے کے بغیر جان لیا تھا کہ وہ وہاں سے کھانا کھا کر جائے گا۔ اگر ان کے گھر کھانا کھا بیٹا تھا۔
 یا کھانا کھانا بھی نہ صرف آواز کھانے کی خواہش تھی۔ کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے کی ضرورت کے
 تحت اس کے لیے گھر میں کبولین کھانا ایک لہذا رہتا کر فریڈ کیا کرتی تھی۔ چارہ پورا دیکھ ہی کھانا بار بار گرم
 ہو کر کھا جا جا۔ ایسا جیسے سے نہیں تھا۔ ایک سال سے ہو گیا تھا۔ جب سے اس کا باپ ایک ہمارے میں ہلاک ہوا
 تھا۔

کبولین وکیل تھی ایک نامور اور بے حد مصروف وکیل۔ تین بچوں کی باپ کے پیشے آئی بیڈ کیم کھیل کرنا اور اس
 کے ساتھ ساتھ کیرئیر کو بھی سنبھالنا اس سے مشکل لگتا تھا۔ وہ نہ جہل بدل سکتی تھی نہ ہی اپنے کیرئیر کے اس
 ایجنڈے پر اپنا پورا فیشن۔ گھر میں رہنے والی ماں بیٹا اس کی خواہشات میں سے تھا بھی نہیں۔ شوہر کی حاضری موت
 ایک صدمہ تھی۔ وہ اور جہم چند روز سے آگے تھے اور ایک خالی چوڑا سنہ چند سال کی رفاقت کے بعد
 اچانک ایک دن پھر آگے ہو گیا تھا۔ وہ غائب ہو گیا۔ مستقبل کا دم غمغما ایک اور مسئلہ تھا۔ مہتاب کی مہتابی عورت نہیں
 تھی کہ صرف بچوں کو اپنا سامی اور زندگی کا مقصد دیکھتے ہوتے صرف نہیں کافی سمجھتی اور ان ہی کے سہارے
 اپنی زندگی گزارتی تھی۔ اسے اپنی زندگی میں کسی سامی کی تلاش اور ضرورت بھی تھی جو جہم کے کارکنس کے چھ
 ماہ بعد ایک کولیک کی شکل میں مل کر آتا تھا۔

زندگی بالکل نارمل تھی، لیکن کچھ مہینوں میں گئی تھی۔ حکم از کم کیریڈین کے لیے۔ اس کے دونوں
 بچوں میں سے چھ ماہ کے تھے اور ایک دوسرا ماہ کا تھا جب کار کے حادثے میں جھوٹے کی موت واقع ہوئی
 تھی۔ سب سے پہلے اور ایک سنبھل گئے تھے۔ وہ ابھی چھوٹے تھے اور جھوٹے کے ساتھ ان کی وہ اسٹریٹس نہیں تھی
 جیسی ایک کی تھی۔ وہ وہاں کے ساتھ عد سے زیادہ اچھے تھے۔

وہ لوگ جس suburb میں وہ رہتے تھے وہاں پندرہ بیس گھروں میں رہنے والے تھے۔ ہمارے ہی لوگ
 یہ وہاں تھے اور ان کا تعلق کے حامل تھے۔ یہ وہ سبھی فرنیچر سے تعلق رکھتے تھے جیسے سالار اور امار کا خاندان
 جو ایک کے بالکل سامنے رہتے تھے۔ ان کا نام مشورہ تھا۔ ایک کی پیدائش سے بھی پہلے سے جھوٹے
 نے وہ گھر نشوونما پر۔ اب تھا لیکن سالار اور اس کا خاندان نغز یا جو بحالی سال میں ملے وہاں آکر رہنا شروع ہوا
 تھا۔ سالار اور جھوٹے کو ناخوش فرم میں کچھ عرصہ کام کر چکے تھے اور ایک دوسرے کو بہت عرصے سے جاننے
 تھے۔ وہ دونوں خاندانوں میں میل ملاپ بندھنے کی وجہ سے سالار کے بھائی کا اسی اسکول انڈیشن بھی تھا۔ ایک کے
 عہدہ ایک کی کلاس میں تھی۔ ان دونوں کے درمیان ہونے والی دو بیٹی کا تعلق تھا۔ اگر اسے وہ سن لکھا جاسکتا
 تو وہ عہدہ بہت ناک تھا۔ یہ سچا الٹی تھی۔ یہ بہت نرم خور اور شائستہ تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ بہت سوچ
 سنبھل کر بات کرنے والی۔

ایک بھی یہ وہ باتیں نہیں تھا لیکن لا ابالی تھا۔ شرارتی بے خوف مزاج۔ دوستانہ عادات رکھنے والا ایک
 امریکن بچہ۔ وہ عہدہ کی طرف اس کی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے متوجہ ہوا تھا۔ اس نے دونوں میں اس کلاس
 میں آکر دھاگہ بٹائی تھی۔ وہ ان کی کلاس کی پہلی سب سے پہلے اور سب سے آگے والی دو عہدہ بٹائی تھی اور
 اپنی ہی عہدہ پر کھلا کر دو۔ سے پہلے جاسکتی تھی۔ ایک کو وہ دیکھتے تھے۔ لیکن تھی۔ اس لیے بھی کہ وہ کلاس کی
 دو سب سے پہلے کی طرح ہر وقت پہلے ہی نظر میں آتی تھی۔ یہ ہی ایک سے بہت کئی نظر آتی تھی۔
 اس کو ان کا وہ سنبھالنے کی کوشش ایک کی طرف سے ہوتی تھی اور ایک سال تک جاری رہی تھی۔ وہ عہدہ
 کے گھر میں آ جاتا تھا لیکن بہت کچھ دوسری عہدہ کی پہلی کے لوگ دوسرے عہدہ کے بھائی کی طرح اس
 سے بھی اچھے طریقے سے ملتے تھے لیکن یہاں وہ بے تکلفی سے بھی محسوس نہیں ہوتی کہ وہ عہدہ کو اپنی کئی فریڈ
 کہہ سکتا۔

یہی لوگ مسلم ہیں اور یہ وہی ہی رہتے ہیں۔ اس نے ایک بار اپنے باپ سے عہدہ اور اس کے
 والدین کے حوالے سے اپنے چوتھے سوالات کیے تھے اور اس کے باپ نے بڑے اچھے طریقے سے اسے سمجھایا
 تھا۔

زیر ہر سال گزرنے کے بعد سب کچھ ڈرامائی انداز میں بدلا تھا۔ اس کے باپ کی موت کے بعد عہدہ نے پہلی بار
 خود اس سے بات چیت کرنے کی کوشش کی تھی۔ جیسے نغز یا۔ وہ پہلے کے بعد پہلی بار اسکول گیا تھا اور اسکول
 جانے کے بارے میں کلاس میں کچھ بھی کام کے بغیر خالی چین کے ساتھ بیٹھا تھا۔ عہدہ اس کے تمام فریڈ اور کلاس
 فلور نے باری باری آکر اس کو پہلے سے ہی کوشش کی تھی اور پھر اپنے روز مو کے معاملات میں مصروف ہو گئے
 تھے لیکن ایک دن اسے کئی دن اسکول جانے ہونے لگی۔ دوسرے بچوں کی طرح معمول کی سرگرمیوں میں خود کو
 مصروف نہیں رکھ سکا تھا اور یہی وہ وقت تھا جب عہدہ اور اس کی دو بیٹی شروع ہوئی تھی۔ وہ کلاس پر دیکھیں اس
 کی بعد کرتے تھی۔ یہ وہی تھا اور عہدہ اس کو سنا تھا کہ وہ ہر دو تھی جو عہدہ اور اس کی پہلی کو یکسر ہا سے اتنی
 توجہ دینے پر مجبور کر رہی تھی اور اس ہر دو نے بڑے عجیب انداز میں اسے ان لوگوں کا تعلق کیا تھا۔

سالار کا خاندان یہ وہاں تھا۔ لیکن ایک بار کانا جانا تھا۔ اپنے اس پاس کے کن تمام گھروں

میں ہی جانا تھا چاہیں اس کے ہم عمر بچے تھے۔ جس جگہ رہنا تھا وہاں مختلف مذہب اور مختلف قومیتوں کے لوگ
 رہتے تھے ایک آدھ انڈین۔ چند چائینیز۔ انار کا عربی۔ ہندی۔ اور پھر مسلمان اور امامہ کا گھر۔ لورڈ ان
 سب گھروں میں وہ اگر کسی گھر کی طرف توجہ دیتا تو وہ یہ ہی آخری گھر تھا۔

ان کا گھر ریاستی گھر تھا جیسا بھی اس کے باپ کی زندگی میں اس کا اپنا گھر تھا اس کے کل باپ بے حد مصروف
 ہونے کے سبب جو دارم کہ پر نوچ رہتے تھے خاص طور پر اس کا باپ جو خود اکلوتا تھا۔ اور اب کی تو کین پوری کو خوش
 کے ہاں جو دارم کو بھی اندر نہیں دے سکتی تھی۔ وہ سبیل اور مارک کو زیادہ توجہ کا مستحق سمجھتی تھی کیونکہ لکھنؤ سے
 چھوٹے تھے اور اگر وہ ایسا سمجھتی تھی تو یہ فلا بھی نہیں تھا۔ لورڈ ایرک جیسے اپنے کھور سے بچنے ہوئے ایک
 سیارے کی طرح اس خانہ دان کے سیارے میں کیا تھا ان سے حاشا۔ ان کا حصہ نہ جانے کی خواہش میں۔

حصہ اور بریس کے ساتھ لارڈ اور سالار کی لہر پر ان کا بے حد پر جوش طرے سے استعمال کیا گیا تھا اور
 استعمال کرنے والوں میں ارک بھی تھا۔ کچھ ریر کے لیے وہاں ان کے ساتھ حصہ سے خوش کیا جا کر رہے۔

بھول گیا تھا کہ کہاں موجود ہے۔
 کھانے کی میز پر ان کے ساتھ کھانا کھانے لورڈ خوش پھیراں کستے ہوئے اور سبیل بچے پر بھی مارک کو بری خیال
 نہیں آیا تھا کہ نہ کیوں نہیں ہوگی۔ وہ بے حد بخوش تھی اور پیشہ کی طرح ان کے گھرنے پر اس نے معمول کے
 انداز میں خوش گوار کی جلیوں کا بیڑا بھی نہیں کیا تھا۔ اس نے اندر آتے ہی مارک کا پوچھا تھا اور ارک کے
 وہاں ہونے کی تصدیق ہونے پر پھر فنی بھی لورڈ اس نے لارڈ کے گھرنے کے لئے مارک کو ڈانٹنا شروع کر دیا تھا۔
 وہ سبیل اور مارک کو اس کے پاس چھوڑ کر کسی دوست کے ساتھ ڈنر بھی گئی اور وہ سبیل اور مارک کے ساتھ ہی گھر
 سے نکلیں آیا تھا اور اب جب کیوں نہیں دلیس فنی تو اس نے سبیل اور مارک کو گھر میں دتے ہوئے پڑیشن اور
 ارک کو دل سے طاقبیا تھا۔

ارک نے مال کی پرفٹ پینکار خاموشی سے سنی تھی۔ شرمندگی اگر اسے ہوتی تھی تو صرف اس بات کی کہ اس
 کا جھوٹ ان سب کے سامنے کھلا تھا جو اس نے ارک اور سبیل کے حوالے سے بولا تھا۔ کیوں کہ سخت مزاج
 نہیں تھی لیکن پچھلے کچھ عرصے سے اس کے لورڈ ایرک کے درمیان عجیب سی سرد مہر لگتی تھی وہ جانتی تھی۔
 ارک کی جھوٹ کی موت کی وجہ سے اسے میٹ تھا لیکن وہ اس بات سے بے زار ہو چکی تھی۔

وہ گیا وہ سبیل کا لڑکا تھا وہ چاہتی تھی وہ اپنی بیٹی اور لڑکیوں کو اس کے اور اگر کچھ ذمہ دار وہاں اپنے سر نہیں لے
 سکتا تو کم از کم مزید کوئی مسئلہ بھی پیدا نہ کرے۔ ارک کو اس سے تب تک وہ مدد ہی نہیں تھی جب تک اس نے
 کیوں لیکن کے سنے پارنر کو نہیں لکھا تھا۔ باپ کی موت سے بڑا صدمہ یہ تھا کہ کوئی اور اس کے باپ کی جگہ لینے
 والا تھا اس کے لورڈ کیوں لیکن کے درمیان سرد مہر اور کشیدگی کی شہادت ہو چکی تھی جسے کیوں لیکن بوجھ نہیں پہنچا
 تھی۔

ارک کے جانے کے کچھ روز بعد بھی وہاں خاموشی ہی رہی تھی نہ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں لیا تھا کہ وہ اس
 ساری صورت حال پر کس انداز میں لاکھڑا کرے۔ ارک کے ساتھ سب کو کھردری تھی لیکن اب لیکن کی سمجھ میں
 یہ بھی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے اپنے گھر سے دور کیسے رکھیں۔ خاص طور پر ایسی صورت حال میں جب کیوں لیکن کو
 اس سبیل بیٹی پر اعتراض بھی نہیں تھا لورڈ خود بھی کئی بار لڑ مہر جس کی صورت میں سبیل اور مارک کو ان کے پاس
 چھوڑ جاتی تھی۔

۱۹۴۱ء آج بھی تھا۔ پہلے بھی جھوٹ ہونے نہیں دیکھا میں نے اسے۔ پتا نہیں اب کیا ہو گیا ہے۔"
 نعل سے برن اٹھاتے ہوئے لارڈ نے جیسے تبصرہ کیا تھا۔

”جھڈ کی موت نے انہیں اکڑا دیا ہے۔ اسے سالار نے میز سے اٹھنے ہوئے اس کے منبر سے کے جواب میں کہا۔“

برن سنگ میں رکھتے ہوئے انہوں نے جب انہیں لٹھلی بڑی تھی۔ وہ دن بعد ساتھ ساتھ کلاپی حوا کے ہوا تھا۔ پہلے ہر شبنم ماہ کے بعد اس کا طبی معائنہ ہوا تھا۔ اب اس بار چھ ماہ کے بعد یہ دیکھا جاتا تھا کہ اس کے دلخ میں موجود ٹیو مرس حالت میں تھا۔ پونے لاکھ ہونے لگا تھا۔ اس کے دلخ میں کوئی اور تومر فر نہیں میں کیا تھا۔ ٹیو مرس نے کچھ اور میٹاز کو میٹاز کرنا نہیں شروع کر دیا تھا۔ CIS, TMT, BPT, LP, CBC, MRI اور کئی اور ٹیسٹس تھے جن کی رپورٹس لاکھ ساڑھے دو تھیں راتھی تھی۔ ہر ٹیسٹ رپورٹ اس کا سانس بخالی کر دیتی۔ کوئی معمولی سی بھی خراب رپورٹ اس سے بے جا مل کر پتی۔ زندگی جیسے پھر شبنم ماہ کے وارے میں موت کر آئی تھی۔ شبنم ماہ کے بعد وہ مرنے لگا۔ چیک اپ ہوا۔ اور پھر وہ شبنم ماہ کے لیے جبنے لگی اور جب جب مرنے لگی۔ چیک اپ کی تاریخیں غریب آنے لگیں۔ انہوں نے یہ جو اس میں بھی اضافہ ہوئے لگا۔

اور یہ سب کچھ شبنم ماہ سے ہوا تھا اور شبنم ماہ سے تب تک تھا۔ اس کا آپوزیشن کا سبب دیکھا ہوا تھا۔ میں نے اس کے بعد اس کی ذہنی صلاحیتوں پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ چھوٹے موٹے اثرات آتے تھے لیکن وہ اپنے نہیں سمجھتے کہ انہیں نفلٹس ملا حق ہونی لیکن اس کے ہاں جو دماغ باقی تھا وہ زندگی بھر کی ہے۔

اور اب سالار کی زبان سے جھڈ کی موت کا ذکر سن کر اور اس کی موت نے اس کے سینے کو جیسے سناڑ کا تھا۔ وہ ایک بار پھر اسی طرح ٹھہر ہو گئی تھی۔ چند گھنٹے پہلے ہونے والی غریب ایک دم جیسے اس کے دلخ سے ٹھہر ہو گئی تھی۔ وہ چیک اپ جو وہ دن بعد ہونے والا تھا۔ اگر وہ ٹھیک رہتا تو پھر اس کا چیک اپ شبنم کے جانے چھ ماہ کے بعد ہوا۔ سالار کی ٹیسٹس جیسے اس کی اپنی زندگی کی معاویہ میں سے جھڈ ہونے والی تھی۔

لیکن میں سنگ کے سامنے کھڑے اس نے لاؤنچ میں بیٹھے سالار کو دیکھا۔ اس کے گرد بیٹھے اس سے خوش گویوں میں مصروف اپنے بچوں کو دیکھا۔

وہ خوش قسمت تھی کہ وہ اب بھی لان کی زندگی میں تھا۔ جتنا جا کا۔ پتا مسکرانا۔ خوش باش، بہت مند۔ کم از کم کوئی اب اسے دیکھ کر یہ انداز میں لگا مسکاتا تھا کہ اسے کوئی بیماری تھی اور اب اسے بیماری تھی۔ صرف اپنی سرجری کے بعد صحت باہمی اور علاج کے دوران میں بیمار لگا تھا۔ سرجری کے لیے سر کے بل صاف کر دینے کی وجہ سے بھی اور اس کے بعد ہونے والے علاج کی وجہ سے بھی۔

شباہی کے چہرے پر ایک دم حیرتوں ہی آگئی تھیں۔ بہت کم وقت میں اس کا وزن بہت زیادہ کم ہوا تھا۔ وہ شاید اس کا نتیجہ تھی۔ جو سات ماہوں تک کے بعد ایک چھوٹے بڑے انڈیکس کو دکھانا ہوا تھا۔ وہ سرجری کے بعد وہیں ہی پاکستان لگا جاتی تھی۔ لیکن انہیں لگی۔ وہ اسے وہاں اس طرح کا کیلیجنگ لگانے کے لیے چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ وہ کام چھوڑ کر کھر پڑے کر اہم کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اور یہ نتیجہ اس کے پاس تھا۔ سرجری کے ایک ہفتے بعد وہ وہاں STI کے پروجیکٹس لیے جھاٹا تھا۔ اور صرف چھ گھنٹے میں رہی تھی۔

تعمیراتی۔ عمارت۔ دیکھ بھال۔ ان فنکاروں کو سالار سکندر نے بے سختی کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ تھی الحضور اپنی بڑے داری خود تھا۔ یہ تھا جیسے ساری عمر انہوں نے کی کوشش کرنا تھا۔ وہ پھر بھی اسے غما چھوڑ دینے پر تیار نہیں تھی۔ جو سات ماہ کے بعد وہ پھر صحت مند ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اس کے خیال آگ آئے تھے۔ اس کا وزن بڑھ گیا تھا۔ اس کے چہرے سے وہ حیرتوں کا عتاب ہو گئی تھی۔ جو انہیں رات تھی۔ انہوں کے گرد ملتے اور چہرے کی بیلا سٹ بھی مل گئی تھی۔ وہ اب وہاں سالار نظر آتا تھا جیسا اس کا ہی کی منتہیں سے پہلے تھا۔

کھتے تھے لیکن لڑ جا کر کھ گئے۔ کہنے والے۔ اٹھارہ اٹھارہ کھتے تھے تاکہ آرام کرنے کی صلاحیت رکھنے والے ہوں۔ یہ سب کچھ
 چھوٹی موٹی تکلیف کو تلے بغیر صہ جانے والا۔ لیکن وہ نیوٹراس کے اندر موجود تھا۔ ایک خاموش آتش
 فشاں کی طرح۔ اثرات کے بغیر حرکت کے بغیر۔ لیکن اپنا بھاری بھار وجود فرار کر کے ہونے لگا۔ جیسے ہرگز
 نظر نہ آتے۔ ہونے بھی ہو رہی ہے۔ کبھی بھی آسکے ہیں اور کبھی بھی آجاتی ہے۔

ڈاکٹر نے کہنے تھے اس کی صحت کی بحالی ناقابل تہیٰن اور تھکن اور شک ہے۔ اس کا شہر بھی مطمئن ہونے سے کچھ
 تھی۔ وہ اپنے کسی خدشے کو شرم نہیں کر سکتی تھی۔ اپنے کسی خوف کا گام نہیں کھوشت سکتی تھی۔ شہر میں خیر
 خیریت سے گزار جانے کے باوجود وہ کبھی بھی اپنی ذاتی کیفیت میں تھی۔ سالار نہیں تھا۔ اس نے اپنی زندگی اور
 بیماری دونوں کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ اس کے پاس سوچنے کے لیے وقت ہی نہیں تھا۔ وہ اس زندگی سے
 خوش اور مطمئن تھا۔ جو گزار رہا تھا۔ وہ خوش اور مطمئن نہیں تھی۔ اس کے پاس سوچنے کے لیے مست وقت تھا۔
 اس کا وہ مصروفیات میں گزارنا تھا۔ مگر اس کی رائے اب بھی سوچنا میں گزرتی تھی۔ اور وہ بے خواب
 راہیں تب بے خواب تھی۔ جب اس کے ساتھ نکل چکے اب کی تاریخیں قریب تھے۔ لیکن تھی۔ وہ لاکھ
 کوشش کے باوجود اپنے دل پر سے وہ تاریخیں جھٹک نہیں پاتی تھی۔ جیسے وقت یکدم الٹی تھی۔ اس کو اپنے لگا
 تھا۔ اسے یاد نہیں تھا کہ زندگی کے یہ نین سال اس نے سالار کی زندگی اور صحت کے علاوہ کسی اور چیز کے بارے
 میں اس قدر سوچتے ہوئے گزارے تھے۔ ساری ضروریات خواہشات یکدم کس عجب ہو گئی تھی۔ وہ جیسے
 بھول ہی گئی تھی کہ اس کو کیا پسند تھا کیا نہیں۔ سالار کے ساتھ گزارے ہوئے شادی کے شہر کے دس سالوں
 میں اس نے دنیا کی ہر نعمت چھلی تھی۔ ہر تماشہ دیکھی تھی۔ گلابی کارڈ سے پانچ سو چھانوے کے سفر تک۔
 سب کے سب زیورات سے لے کر پہننا تک۔ سب سے لے کر وہ بھی دنیا اس کے ساتھ گھومی تھی۔ کوئی ایسی چیز نہیں
 تھی جس کی مثال اس نے کی ہو اور سالار نے اسے نمنارہے دیا ہو۔ وہ اپنی زندگی کے ان دس سالوں پر پورا پوری
 کہانی لکھ سکتی تھی۔ لیکن ایسی زندگی گزارنے کے بعد بھی بلاناہم کو زندگی کی سب سے بدی قسمت زندگی ہی تھی

اس شخص نے "کی زندگی" وہ اس کے پاس تھا۔ وہ اپنی کوئی اور چیز نہ ہونے کے باوجود بھی وہ خوش رہ سکتی
 تھی۔ جس کوئی بھی سستی سکتی تھی۔ ہالی اور کچھ بھی نہ ہو کہ۔ کچھ کچھ سے زور دلت تھیں۔ انہیں کچھ بھی نہ
 ہونا صرف اس کا ساتھ اس کے ساتھ رہتا تو خوش رہ سکتی تھی۔ جیسے کہ تھے جس اتنا کافی تھا اور اب ایک بار پھر
 اس کے ساتھ نکل چکے اب کی تاریخیں قریب تھی۔ ایک بار اس کی نیوٹراس عجب ہونا شروع ہو گئی تھی۔
 لاکھوں میں حصص کی کسی بات پر رہتے ہوئے سالار کا چہرہ کھینچے ہوئے اس کی سر جڑی کے بعد وہ کی بار سے
 دیکھتا ہوا تھا۔ آٹھ گھنٹے کی سر جڑی کے بعد وہ کی بار سے نکلتا۔ پھر اگلی صبح چل جانے سے وہ دیا دیکھتا ہوا
 نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ بھول نہیں پاتی تھی۔ وہ تب بھی اس کے چہرے پر نظریں جمائے اسے دیکھتے ہوئے
 اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھے۔ کبھی بھی جب وہ ہوش میں تھا تھا۔ اس کے منورم بیٹے نے ہلنے لگے تھے۔
 آنکھیں کھولنے کی جھلک دیکھ رہا تھا۔

سالار۔ سالار۔ "وہ ہے اختیار اسے بکارنے تھی۔ ابھی۔ ایک بار۔ وہ بار۔ اس نے بالآخر
 آنکھیں کھول دیں تھیں۔ وہ سوئی ہوئی سرخ آنکھیں۔ وہ خودی میں تھا اور اس کنبہ سے لڑ رہا تھا۔ اس نے
 سالار کا چہرہ جھرا ایک بار پھر اس کا پاس بکارے ہوئے۔
 اس بار سالار نے اسے دیکھا تھا۔ کہانہ تھا ہی سوڑتے ہوئے لیکن ان آنکھوں میں اس کے لیے کوئی پہچان
 کوئی نام نہیں تھا۔ وہ صرف اسے دیکھ رہا تھا۔ پچانے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔

امامہ کو جس پر حکام کا غم کیا اور اپنی اسے چھوٹی نہیں بار بار غمہ ڈاکٹرز نے اس غم سے کا اظہار آپ بہن سے پہلے
 کیا تھا کہ اس کی بار بار اسٹنٹ جا سکتی ہے۔ آپ بہن کے غمگراں میں سے یہ ایک تھا۔ اس کے بارہواں شروع
 حد سے کا اظہار ہوتی تھی۔ ٹھیکہ دم بخود وہ مردانہ بیوں کے ساتھ ان آنکھوں کو دیکھتی تھی جو اسے
 ایک ایسی ہی طرح دیکھ رہی تھیں۔ پھر جیسے ان آنکھوں میں چمک آتی شروع ہوئی۔ جیسے اس کا گھس ابھرا شروع
 ہوا۔ اس کی ہلکیس اب ساکت نہیں تھیں۔ وہ جھنجھکنے لگی تھیں۔ سائوسٹ کا احساس دینے ہوئے۔ پھر اس کے
 ہاتھ کے نیچے موجود سالار کے ہاتھ میں حرکت ہوئی تھی۔ وہ اس کا نام اب بھی نہیں لے بار بار تھا۔ جن اس کے ہاتھ
 کا لمس شہادت کرنا تھا۔ تو عمل ظاہر کرنا تھا۔ ٹین سال گزارنے کے بعد بھی امامہ اس سرجری سے پہلے اور اس
 سرجری کے بعد کا ایک ایک لمحہ گزارا سکتی تھی۔ وہ سب کو کہ جسے اس کے ذہن پر اسٹنٹ نغزوں کی طرح نقش تھا۔

سالار کی زبان سے جو یہ سلا لفظ نکلا تھا، اس کا نام نہیں تھا۔ وہ "محمد اللہ" تھا اور امامہ کو پہلی بار محمد اللہ کا
 مطلب سمجھ میں آیا تھا۔ اس نے امامہ کا نام اگلے جملے میں لیا تھا اور امامہ کو لگا اس نے زندگی میں پہلی بار اپنا نام سنا
 ہو۔ زندگی میں پہلی بار اسے اپنا نام خوب صورت لگا تھا۔ اس نے پہلی جنینیاں مانگی تھی اور امامہ کو لگا دنیا میں سب
 سے بہتر چیزیں ہی تو ہے اور اس نے کلمہ پڑھا تھا۔ کوئی مرتے ہوئے تو کلمہ پڑھتا ہے۔ پھر زندہ ہو جانے پر اس نے
 کلمہ پڑھنے کو پہلی بار دیکھا تھا اور اس سب کے دوران سالار نے امامہ کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ وہ
 لمس۔ لمس نہیں تھا۔ جنت بھی جو ہاتھ میں تھی۔

"جب میں نہیں آنا یہاں؟" سالار نے بیکہر اسے غائب کیا۔ وہ ابھی بھی بچن کے سب سے ٹیکہ لگا کر وہیں
 کھڑی تھی۔ وہ ساری اس لیے خورہ پا جو بھی مانگی تھی۔ آسو بھی پتیا مانگی تھی۔
 "ہاں۔ میں آتی ہوں۔" اس نے ہلٹ کر سبک میں باقی برتن بھی رکھے۔ میں سب بائیں نو میٹروں سے بھی
 سن رہی ہوں۔" اس نے کہا تھا۔

"مجھے ڈاکٹر سلار ریکسہ جائے گی" "سپلنگلی نہیں۔" "حمین نے وہاں بیٹھے۔" وہ ایمان کا ہاتھ اور ٹیسہ
 اس سے پہلے ہی اس تک پہنچا چکی تھی۔ امامہ نے ٹوٹی زندگی گزارنے کے ہوتے ہلٹ کر دیکھا۔ وہ خود کو سنبھال چکی تھی
 لیکن حمین کی ہلٹ اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔
 "ہر ٹیسہ کیا کرے گی؟" اس نے صرف ریکسہ کا نام سنا تھا۔
 "مجھے بائیں تھی۔ زلفی رحمت کرنا لیں گی۔" ریکسہ نے اس بار خور امامہ کو منسوب کے بجائے مضمون کہا۔



عائشہ عابدین اپنے باپ کے انتقال کے سات ماہ بعد پیدا ہوئی تھی۔ جن جن جنوں میں سب سے چھوٹی تھی اور
 ننھا۔ ہنوں کی عمر میں زیادہ دفتر نہیں تھا۔ اس کے والدین نہ صرف خود ڈاکٹرز تھے بلکہ ڈاکٹرز کے ایک نامور
 خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عائشہ کی ماں نورین افندی اپنی بیٹی کو توڑے عرصے کے لیے پاکستان میں اپنی ماں
 کے پاس بھیج دیا تھا۔ وہ امریکہ میں میڈیسن جیسے ہو جنوں سے منسلک ہوئے تھے۔ وہ پیشوں کے ساتھ اس
 نوزائیدہ بچی کو شوہر کی اچانک موت کے بعد پیدا ہونے والے حالات میں سنبھال نہیں سکتی تھی۔ عائشہ اگلے
 پانچ سال پاکستان ہی میں رہی۔ حالانکہ نورین افندی اس کو سال چھ بیٹھو ہاں رکھنا چاہتی تھیں لیکن عائشہ کی
 ماں نورینا کو اس سے اپنی انیسٹ ہو گئی تھی۔ نورین بھی ان کے ساتھ اپنی خوش نورد مہنگن تھی کہ نورین خیال
 آئے پر بھی اسے رہا نہیں لے جا سکتا۔ وہ چھوٹی بچوں کے ساتھ امریکہ میں زندگی ایک فرخوردیک سرجن
 کے طور پر ویسے ہی اپنی شہر تھی۔ شوہر کی موت کے بعد کہ وہ چاہتی تھیں بھی تو عائشہ کو اپنے ساتھ لے جانے پر

بھی وہاں کی دور درسی کی ذمہ داری جس کا اٹھانہ تھی۔

پانچ سال کے بعد پانچ ماہ کا عرصہ گزرا۔ عائدہ کو امریکہ لے کر آیا گیا۔ لیکن عائدہ کو وہاں چل نہ لگا۔ وہ اپنی بو لہو لہو ہنسی بہنے لگی۔ اس میں کسی کو نہ لورین اپنی بہن مصروف تھی اور عائدہ کے لیے کسی کے پاس وقت نہیں تھا۔ وہ سال کی نہ کسی طرح وہاں گزارا ہی تھی۔ لیکن سات سال کی عمر میں لورین کو ایک بار پھر - اس کی خدیجہ سے راہیں پاکستان بھیجا پڑا لیکن اس بار لورین کو اس کے رہن مسن کے حوالے سے فکر ہونے لگی تھی۔ وہ اور ان کی دونوں بہنیاں اور تو سے سے زیادہ سسرال لورین کا امریکہ میں مقیم تھے اور وہاں کو بھی مستقل طور پر امریکہ میں ہی رہنا کرنا چاہتی تھی۔ یہی تھیں۔ یہی تھیں پاکستان میں اب ان کے صرف والدین رہ گئے تھے۔ وہاں پاکستان چھوڑ کر اپنے بیٹوں باہنوں کے پاس امریکہ آئے پھر تار میں تھے۔

سات سال کی عمر میں اسے وہاں پاکستان بھیجے کے پڑا جو اس بار لورین سے ملنے میں وہاں امریکہ ملانی رہیں۔ ان کی کو خوش تھی عائدہ اور اس کی بہنوں نے یہاں اور رات میں لگا ڈیو اہو جائے۔ ان کی کو خوش کامیاب ثابت ہوئی تھی۔ عائدہ اور اس کی دونوں بہنیں اب ایک دوسرے کے لڑاں فریب ہونے لگی تھیں اور عائدہ کو اب امریکہ لٹا اجنبی نہیں لگتا تھا۔ عائدہ اس کو شہر میں لگتا تھا۔

دس سال کی عمر میں عائدہ ایک بار پھر امریکہ آئی تھی اور اس بار اسے وہاں رہنے میں پہلے سے مسئلے پیش نہیں آئے تھے۔ لیکن اب ایک نیا مسئلہ پیش تھا۔ وہ اسکول میں جا کر پریشان ہونے لگی تھی۔ وہ پاکستان میں بھی لگا پھر کوشش میں رہتی تھی۔ لیکن وہاں اس کے احوال میں فرق تھا۔ لورین اسکول کے حوالے سے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ مسئلہ ان کی جڑی دونوں بہنوں کو پیش نہیں آیا تھا۔ وہ عائدہ کی طرح کلاس میں جھولی جھولی باتوں پر پریشان نہیں ہوتی تھی۔ نہ ہی نرغم ہوتی تھی۔ عائدہ کو اسکول اچھا نہیں لگتا تھا۔ لورین کے پاس ایک راستہ یہ تھا کہ وہ اپنے وہاں کسی اساتذہ اسکول بھیجیں۔ وہ اس راستے کو مستقل نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس عمر میں اسے اپنی ماں سے ملنے چاہتی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ کچھ عرصہ یہاں رہنے کے بعد خود ہی ٹھیک ہوگا شروع ہو جائے گا۔ ایک سال بعد بھی جب عائدہ بصر ہونے کے بجائے لڑاں پریشان ہونا شروع ہوئی اور اس کے گریڈ اور خراب ہونے لگے تو لورین کو اسے ایک بار پھر پاکستان بھیجنا پڑا تھا۔ وہ اب سے اور لڑکے کے بعد وہاں چلوانا چاہتی تھی۔ یہی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس وقت تک کچھ کچھ دار ہو جائے گی اور وہاں چلے گی۔ کو فری سے کچھ کے لیے۔

نہو سال کی عمر میں عائدہ ایک بار پھر امریکہ رہنے ہونے کے لیے آئی تھی۔ لیکن اس بار وہاں اپنے لیے ایک نیا مسئلہ درپور رہی تھی۔ امریکہ اسے اسلامی ملک نہیں لگتا تھا۔ وہاں کی مخصوص آغوش اس کے لیے پریشان کن تھی۔ وہاں لباس اور زبان کے معاملے میں رد و ارتکاب والی آزادی اسے ہولانے لگی تھی۔ لیکن ان میں سب سے بڑا پہنچ اس کے لیے تھا کہ وہاں خاندان میں بھی اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتی تھی۔ اس لیے اس نے پاکستان میں لیا شروع کیا تھا اور جس سے لورین خوش نہیں تھی۔

اس بار لورین نے پالا ٹرکھٹے ٹیکہ دیا۔ یہ تھی۔ لیکن اب عائدہ کو امریکہ میں اب کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ پاکستان میں ہی رہنا چاہتی تھی اور وہاں پیش آنے والے تمام چھوٹے بڑے مسائل کے ساتھ خوش تھی۔ انہوں نے عائدہ کو ایک بار پھر امریکہ سے واپس پاکستان بھیج دیا تھا۔ یہ عائدہ کا عزم تھا کہ عائدہ اسے اپنی زندگی کا نکلنے کے طریقے سے ایک اسلامی ملک میں گزارا ہے۔ ایک نو عمر کے طور پر امریکہ کی زندگی سے متاثر ہونے اور وہاں رہائش کا عائدہ رخصت کے بعد عائدہ علی بن ایک مسکون چچی زندگی کا خواب لے کر ایک بار پھر پاکستان چلی گئی۔ یہاں وہ اپنے جیسے لوگوں کے درمیان زندگی گزارتی۔

عائشہ کے تانا تالی نے اسے کھڑکت میں پڑھانے کے بعد نورا نے باہر نکلا اور اس کی پوری شہس کی
 تھی۔ عائشہ کو انہوں نے گھر میں ایک ایسے مولوی سے قرآن پاک پڑھا لیا تھا جو کسی کم عمر رکھنے والا کوئی روایتی
 مولوی نہیں تھا سو ایک ایسے ادارے کے طلبہ کو قرآن اور حدیث کی تربیت سے تعلق تھا۔ خود عائشہ کے تانا تالی ہی دین
 اور دنیا کی بہت سمجھ رکھتے تھے سو انہوں نے تعلیم پانچ تھے۔ نئے نئے طلبہ کے شرفیوں اور اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے کے باوجود وہ
 دینی اور اخلاقی فنون کے حساب سے قدر امت پسند تھے لیکن یہ نفاذ امت پر ہی دین کے ان ماحول میں نہیں تھی
 جو انہوں نے عائشہ کو دیا تھا۔

عائشہ عابدین ایک ایسے ماحول میں جنم لیں کی سمجھ بوجھ اور اس میں گہری دلچسپی کے ساتھ یہ اہلی تھی
 جہاں پر حرام اور حلال کی گمراہیوں سے ڈرانے کے بجائے دلیل اور منطق سے اصلاحی اور دینی سمجھائی جاتی تھی۔
 شاید یہ سب وہ سمجھی کہ عائشہ اپنے مذہب سے بے بعد جذباتی نگاہ رکھتی تھی۔

وہ اپنے وقت نماز پڑھنے کی پڑھتی تھی۔ چلب بھی پڑھتی تھی۔ روزے بھی رکھتی تھی۔ اپنے تانا تالی کے
 ساتھ حج بھی کر چکی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ فنون لطیفہ کی ہر صنف میں بھی پختہ رہتی تھی۔ یہ سب سیکھ
 پانچ تھی۔ اسکول میں پورے لباس کے ساتھ پرائی کے مقابلوں میں بھی حصہ لیتی تھی۔ ہر ذمہ نام کرتی تھی جس
 میں اسے دلچسپی ہوتی اور جس کی اسے اپنے تانا تالی سے اعزاز ملتی تھی۔

امریکی صحافتی کا حصہ نہ بننے کے باوجود نوریں کو یہ تسلیم کرنے میں تیار نہیں تھا کہ ان کی بیٹی کی تربیت صرف
 اچھی اہلی تھی اور اس کا سہرا اپنے والدین کو صرف وہی نہیں دیتی تھی۔ ان کے خاندان اور سسرال کے کلاس
 لوگ دیکھتے تھے جو عائشہ سے بھی کم نہ تھے۔

نوریں نے اپنی بیٹی دونوں نظریوں کو بھی بڑی توجہ اور محنت سے پالا تھا۔ انہوں نے انہیں امریکہ میں رہنے
 ہونے اپنے پچھراؤ مذہب سے جتنا قریب رکھنے کی کوشش کر سکتی تھیں اتنا رکھا تھا۔ مگر ان کا زندگی گزارنے کا
 انداز بہت آزاد تھا۔ اور نوریں کو اس لیے بھی دلیل اور حقائق میں لگا تھا کہ ان کی پیشہ جہاں سہولتوں سے بھی
 آگے نہیں چھو جس طرح ان کے لیے بھی پریشانی اور بحث تھی۔ نوریں کے اطمینان کے لیے ان کا ہی کافی تھا کہ وہ نہ صرف
 تعلیمی لحاظ سے بہت اچھی تھیں بلکہ امریکہ میں اپنے پڑھنے والی ہو سکتی یا کبھی ان کی فیصلہ ان کی زبان فرما
 دیا اور دیکھ کر نہ ہوتی تھیں۔

لیکن انہیں ان دونوں میں اور عائشہ کی تربیت میں تب فرق سمجھ میں آیا جب عائشہ امریکہ ان کے پاس رہنے
 کے لیے آئی اور وہاں کھین رہنے آئی۔

انہیں یہ احساس ہوا کہ وہ اپنی بیٹی کی ہاں ہیں۔ عائشہ ان کے آگے جیسے بھرتی تھی۔ ان کے پاس بیٹی رہتی تھی۔
 ان کی باتیں توجہ سے سنتی۔ ان کے لیے کھانے پانی اور اس سب کے بدلے میں اسے نوریں سے کچھ بھی نہیں
 چاہیے ہوتا تھا۔ وہ سب بخانا کرتی تھی اور یہ سب اس نے ان ہی والدین سے سکھا تھا جو نوریں کے گھر باپ
 تھے۔

نوریں نے یہاں نہ آپ کی اس حوالے سے بے حد احسان مند اور ممنون تھیں کہ انہوں نے اس کی بیٹی کی صرف
 تربیت ہی اچھی نہیں کی تھی بلکہ اسے بہت اچھے اور اعلیٰ سے تعلیم دلوا کر پنے کے نوریں کی خواہش تھی کہ
 عائشہ ڈاکٹر بنی کیونکہ ان کی بیٹی دونوں پیشوں میں سے کسی کو مینجمنٹ میں چھوڑی نہیں تھی اور نہ ہی وہ ڈاکٹر بننا
 چاہتی تھیں۔ عائشہ کو بھی مینجمنٹ میں بہت لڑائی لڑنی تھی اور شاید ان کی خواہش یہ ہوتی توں مینجمنٹ
 کے بجائے آرکیٹیکٹ بنا چاہتی لیکن نوریں کی خواہش کو مقدم سمجھنے ہونے اس نے زندگی کے بہت سارے
 مفاد بدل دیے تھے۔ شاید کسی نا اچھی ماں کی وہ تعلق بھی یاد کرنا چاہتی تھی جو بار بار امریکہ جا کر بھی وہاں
 رہا اور جھگڑتا رہا۔

ہونے اور پھر وہیں آنے پر فدا ہونے کی باتوں کے دل میں پیدا کر رہی تھی۔
 نورین اس لیے بھی اس سے میل جول رکھنا چاہتی تھیں کیونکہ ان کا ذہل تھا اگر عائشہ کو وہ یاد بھی ہو سکتا تھا
 پڑا تو اس کے پاس ایک چھٹی ہوئی جہاز ہوگی جو اسے لوگوں کے مسئلے میں ہوں گے۔ مزید نکل دھالنے کا
 وہ خواب تو نورین نے اس کے لیے دیکھا تھا وہ عائدین کی زندگی کا سب سے سہاگن خواب ثابت ہوا تھا۔



وہ اعلیٰ سطح پر ان کے روزانے پر کھڑا تھا۔ بچوں کو اسکول گئے ابھی صرف گھنٹہ ہی ہوا تھا اور امام نے نماز پڑھی
 سے کپڑے نکال کر چند منٹ کیلے ڈرائیو میں ڈالے تھے۔ اسے آج کی طرح صاف کرنا تھا اور تیل بچنے پر اس کے
 بارے میں سوچتے ہوئے نقلی معنی نورین نے اربک کو سامنے کھڑا کیا تھا۔
 امام نے وہ روزانہ کھل دیا تھا لیکن وہ روزانے سے بھی نہیں تھی۔ اربک نے ہونہ کی طرح اپنے مخصوص انداز
 میں سلام کیا تھا جو اس نے سن ہی سے سیکھا تھا۔ امام نے سلام کا جواب دیا لیکن وہ پھر بھی وہیں کھڑی رہی تھی۔
 رات کو وہ گئے اور اس پر نظریں جمائے۔

”تیس گھنٹے کو نہیں کسی کی پوری کہنے والا کرنا۔
 ”ہم اسکول نہیں گئے؟“ امام نے اس کا سوال کیل کر کے ہوئے جو اب اس سے پوچھا۔
 ”تو سردار اصل ۱۰ بجے چلے گئے کوئی جواب دہ نہیں ہے کی کو شش کی پھر وہی جواب دیا جو وہ سمجھ رہی تھی۔
 ”دیکھیں؟“

”بھری طبیعت خواب ہے۔“ اربک نے نظریں ملانے شروع کرنا۔
 ”طبیعت کو کہا ہوا؟“ وہ نہ جانتے ہوئے بھی یکدم نرم پڑی۔
 ”مجھے لگتا ہے مجھے کبھی سے۔“ امام نے بے حد اطمینان کے ساتھ کہا۔
 ”تو کچھ نہیں لگتا ہے؟“ امام نے پوچھا۔

”فاد کا سبب۔“ اس نے ہلکا خراشے جو اس پر قابو پایا۔ ”جو بھی منہ میں آئے لالہ بنے ہوئے۔ سوچتے نہیں کہا
 کہتا ہے اور کیا نہیں۔ ایسے ہونے کبھی۔“
 وہ اسے ذرا تھنی ہوئی نظر آئی۔ اربک نے اس کی طرف سے امام سے بھروئی کی نونہ تھی جو پہلے ملتی رہی تھی۔
 ”تپ کو کبھی سے جانتے نہیں تھے؟“ امام نے ہلکا خراشے کہا۔

وہ اس کی شکل پر کبھی نہ تھی۔ اس کی شکل بے حد معصوم تھی۔ چاکلیٹ براؤن چمکدار ریشمی بال جو کتنی
 کیے بغیر بکھرے ہوئے تھے اور ایڈورٹنگ کی آنکھیں جو پہلے شرارت سے چمکتی رہتی تھیں۔ سب ان میں ایک بھون
 بھری آوازیں تھی۔

امام سے کوئی جواب نہیں بنا پڑا تھا۔ جو لب و لہجہ سننے تھی لیکن گیارہ سال کے اس بچے کو کہا جو اسے جی جی
 پہلے ہی زندگی کے سنی سیکھ نہیں پاتا تھا۔
 خاموشی سے اس نے راستہ چھوڑا اور اپنے ان کی ڈوریاں گھر کے گروہ سے ہونے دوں ان کھٹا چھوڑ کر اندر چلی گئی۔
 اربک نے اندر گئے ہوئے چھوڑا اور نہ کیا۔ گھر کی نکالی۔ لوں جیسے وہ اس کا اپنا گھر تھا چھوڑ بھی لاؤں نہیں آگیا تھا۔

امام لیکن کاؤنٹر پر کھنگنا کاہت سا سا لیا پھلائے کھڑی تھی وہ اپنے کام میں مصروف رہی کاؤنٹر پر بے
 مثل فون سے کسی صورت کی تلاوت ہو رہی تھی جو وہ کام کرتے ہوئے سن رہی تھی۔ اربک نے بھی تلاوت نہیں آکر
 پکڑنے میں رہا نہ ہونے والی آہات کی آواز سننے۔ چہ گھوں کے لیے اس کی سمجھ میں نہیں تھا۔ وہ کھڑا ہے۔ چند

جائے بات کرنے نہ کرے۔

اس نے جبریل کو کئی بار تلاوت کرتے سنا تھا اور وہ جب بھی تلاوت کر رہا ہوتا تو کئی اور بات نہیں کرنا تھا اس کے آس پاس کوئی اور اونچی فواز میں بات بھی نہیں کرنا تھا اگر کبھی کبھی اس نے سنا تو اس نے جبریل کی تلاوت کے بعد وہ سن لے کر کہا کرتا تھا۔ اس کی یہ مشکل امام نے انسان کی یہ اس نے سنا تو اس نے جبریل کی تلاوت نہ نہ کہی۔

”ہاں۔“

”ہمسہن جا رہی ہے۔“

”امام اس بار مسکرائی۔“

”میں بھی سیکھنا چاہتا ہوں۔“ فرعون۔ ”اب رک نے جیسے اس سنا لی دینے والی چیز کے لیے بلا آخر موزوں لفظ تلاش کیا۔ امام خامنہ فرمادی۔“

”میں سیکھ سکتا ہوں کیا؟“

اس نے امام کو خامنہ فرمادی کہ سوال کیا اور جب سوال امام نے سوجا بھی کبھی اس کے سوال بھی مشکل میں ڈال دیتے ہیں۔ اسے غلط فہمی تھی کہ اسے مشکل میں ڈالنے والے سارے سوال صرف حدیث کے پاس ہی تھے۔

”جو کچھ ہو تو سب کچھ سیکھا جا سکتا ہے۔“ اس نے اپنے جواب کو حتی الحدود مناسب کر کے پیش کیا۔

”تو سب سیکھا سکتی ہیں؟“ اس کا سوال اس سے بھی زیادہ گھمباز بننا والا تھا۔

”نہیں، میں نہیں سیکھا سکتی۔“ امام نے درود کو انداز میں کہا۔ وہ مطلب سمجھا تھا نہایت نہیں۔

”جبریل سیکھا سکتا ہے؟“ اس نے منابہل محل پیش کیا۔

”وہ سنت مصروف ہے؟“ اس کا سوال ختم کرنا ہے اس سوال۔ ”امام نے جیسے بنا نا پیش کیا۔“

”میں انتظار کر سکتا ہوں۔“ اب رک کے پاس بھی منابہل محل تھا۔

امام نے اس بار اس گفتگو سے بچنے کے لیے ایک کینٹ کھول کر کچھ زعفران یا شہد کیا اب رک نے اس موضوع گفتگو میں اس کی حد مہذبھی محسوس کرتے ہوئے موضوع تبدیل کرنے کی کوشش کا آغاز کیا۔

”حدیث اپنے بیحد مہذب کیوں نہیں لے گیا ہے؟“ اب رک نے فرعون کے درمیان رکھی میز پر چڑی حدیث کی

اسپیلنگ کی ڈرائی کی طرف متوجہ تھا۔ امام نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

”تو اس کے کچھ دست دعو ہیں بہت گھبرے۔ ان ہی کو دکھانے کے لیے رکھی ہے۔“ اس نے اشدائی کی

تو کئی سے ایک انداز نکالنے ہوئے جواب دیا۔

”اب رہا رہی ہے۔“ اب رک نے خوشی کا اظہار کیا۔ ”امام از کم خوش ہو گئی دیکھنی کو شش کی۔“ میں ہلکا ہلکا ہوں

کیا؟“ اس نے اگلے جملے کو پھر سوال میں بدلا۔

وہ ایک سہلے میں اڑنے سے تڑو کر ڈالنے ڈالنے نہ کی۔ ”ہم پہلے ہی میں ہو۔“ خوش مزاجی سے کہے گئے اس جملے

میں ایسا کچھ نہیں تھا جو اب رک کو برا لگتا لیکن اسے برا لگنا تھا۔

”اب کو میرا میں تھا، تمہیں لگتا؟“ اب رک کے درمیان میں کھڑے کھڑے اس نے امام سے پوچھا۔

”جسوت بھول کر آنا تھا تمہیں لگتا۔“ اس بار اس کے جواب نے چند لمحوں کے لیے اب رک کو لاجواب کیا۔ اس

نے ہوش کانتے ہوئے امام کو دیکھا پھر اس ڈرائی کی توجہ سبائی سینیئر بڑی تھی۔

اسے انداز تھا کہ وہ جس جسوت کا ذکر کر رہی تھی اور اسے سب بھی پتا تھا کل رات ہونے والے واقعہ کے بعد

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریٹریوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

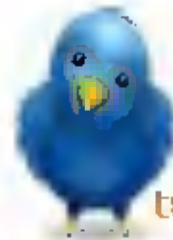
WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

اللہ اس سے یہ ضرور کہتی۔ دولت سے اچھی طرح چاہتا خاکم از کھانا تو اٹھ سے چکھتے ہوئے لہارے نے ایک پانی
 نظر اس پر ڈالی ٹریفکی شرت اور ٹیلی جیٹر کے ساتھ جو گرہ پینے پھرے باہر کے ساتھ سر جھکا کے وہ لوں یا تھر بیگز
 کی جیبوں میں ڈالے ایک جو گرہ کی توک سے فرش کو گرہتے ہوئے اٹھتا میں گہری سوچ میں تھا یا شرت علی میں۔
 امامہ کو یہ اختیار اس پر نہیں کیا۔

”ہاشما کیا ہے؟“ وہ پوچھے بغیر میں وہ سکی تھی۔ اس کے لئے لگی میں سر ہلایا۔ امامہ نے اس سے یہ نہیں پوچھا
 تھا کہ وہ ہاشما کے گاہکوں سے اس کے لیے کھانا مانگنے لگی تھی۔ اس کے گہم کی یہ افتادہ کہا کر رہی ہے۔
 ”آپ مجھے بیٹی بنا دیں۔“ وہ جانتی تھی کہ وہ اٹھا کھانا چاہتا تھا۔ ان کے گھر کی بیوی پر اٹھا کھانا کھا۔
 میں اس سے وہاں لگا کر رہا ہوں۔“ اس پر کہنے کے درمیان بینگر برٹانی کے برائے میں ہے سر شیکلیٹ کو اٹھائے ہوئے
 اسے دوا در لگانے کی پیش کش کی تو جیسے اپنے اور امامہ کے درمیان ملاقات کے شروع میں ہی اسے خدائی تھی کہ
 قسم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”وہ نہیں سنتا گاؤ۔“ امامہ نے اسے دیا۔

”کیوں؟“ اس نے الجھ کر پوچھا۔ ”آپ کو فراموش ہے صحن پر؟“

وہ اس کی بات پر چکھ میں کام کرتے کرتے ہی۔ وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکی کہ اگر وہ اپنے بچوں کے
 سر شیکلیٹس، ٹرافیاں اور دوا در لگانے کو اپنے گھر کی بیوی اور لڑکیوں پر لگائی تو اس کے گھر میں کوئی جگہ خالی نہ پھنی۔ اللہ خدائی
 نے اسے اس ہی قابل اولاد دی تھی۔

”صحن کے کیا آپ کو پسند نہیں ہے۔“ اس نے پریشانی سے کہا۔
 ”کیوں؟“ وہ تجسس ہوا۔

”یہ اپنے کارناموں کی نشانیوں کو چھوڑتے دوا در لگانے پر لگا دیکھیں گے کہتے جانتے ہوئے نوان کے دماغوں کو
 ساتھ اس کے لیے لے آئیں گے۔“ امامہ نے کہا۔ ”اسے سالار کی بات یاد آئی تھی۔ جو اس نے پہلی بار جبریل کے
 کسی سر شیکلیٹ کو دیا اور لگانے کی اس کی کوشش کے جواب میں لگی تھی۔“

”کوئی تھی بھی بیٹی انجور منٹو والا دن ہو۔ جو میں گھنٹے کے بعد ماضی میں جاتا ہے اور ماضی کے حشر اور بے پنیے
 والے لوگ بھی مستقبل کے بارے میں سوچتے۔“ اس نے سالار کی بات سن کر دہرائی تھی پتا نہیں
 اسے کہ کسی بچہ میں تو کیا نہیں۔ لیکن اس نے مزید کسی سوال کے نشیروہ سر شیکلیٹ اسے میز پر رکھ دیا تھا۔
 ”بس سالار کہہ گئے پسند نہیں کر میں؟“ وہ اس کے کلمے کے سوال پر بڑی طرح سے پوچھی۔

”بس جب میں بہت پسند کرتے ہیں پھر میں تمہیں پسند نہیں کر لگی۔“ اس نے بڑے حق سے جیسے
 لے سمجھا۔

”آپ مجھے الجھنا پت کر سکتی ہیں؟“ اس کا سوال تھا اچانک تھا کہ وہ اٹھا بھول کر اس کی جھل دیکھنے لگی۔ وہ بے حد
 سنجیدہ تھا۔ چند لمحوں کے لیے اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ کہ وہ کیا کہے پھر وہ ہنس پڑی تھی۔ اس کے اس کی تھی
 اچھی نہیں لگی۔

”اس کے ہنسی کی وہں سلام بن رہی ہیں۔ ایک جملی ہے۔“

”پلیز؟“ اس پر کہنے کے لیے اس کی بات کٹ کر مجھے ہلکے کبر کر اس کی منت کی تھی۔
 ”ہنسی کی تم سے بہت یاد کرتی ہیں اس کے ساتھ کبھی کبھی تمہیں کسی اور سے کو نہیں دیکھی اور تمہیں اس
 کے ہوتے ہوئے کسی اور سے کہاں جملے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔“ امامہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی
 تھی۔

”میں کہتا ہوں ایک بوائے فریڈ ہے۔ وہ جلد ہی ان سے شادی بھی کر لیں گی۔ کہا آپ سب مجھے اڑھتہ کر سکتی ہیں؟“ اس نے مجھ سے اس مسئلے کا بھی حل نکال لیا۔
 ”تو تم کیوں چاہتے ہو ہمارے پاس آنا؟“ وہ پوچھنے لگا۔ میں نے وہ سکل دیکھ کر ہنسنے لگا۔

بنت مختصر جملے میں اپنے کارفرمائی مسئلے پر اکتفا کیا۔ کس تلاش میں کہیں کہاں پھوڑا تھا۔ امداد کا حل اور کھلا کھینچ کر دیکھا نہیں ایسی ہوتی ہے جن کو کوئی حل نہیں ہوتا۔ چاہے عقل کی ہر گنجی ہنگاموں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے میں کاٹ لیں۔
 ”تم اپنی ٹی کی کو چھوڑ کر ہمارے پاس آنا چاہتے ہو۔ بہ نوا بھی بات نہیں ہے۔“ امداد نے جیسے ہنسی بولی۔
 ”میں نے تم کو خوش کی تھی۔“

”میں نے تم کو کہا ہے۔ تم ان کا بوائے فریڈ ہے۔“ اس نے کہا۔ اس کا جواب اس جذباتی حربہ کا جواب تھا۔

”وہ شادی کر لیں۔ بوائے فریڈ کے ساتھ رہنے لگیں۔ کچھ بھی ہو۔ تم ان کے بیٹے ہو گے۔ تم سے ان کی محبت کم نہیں ہوگی۔“ وہ جھپٹیں اور ہنسارے دونوں بن بھائیوں کو اپنی زندگی سے نکال نہیں سکتیں۔ اس نے کھینچ لیا۔ وہ کالت کر کے اس کی ہاتھ پوسی کھینچے اور بھانپا۔

”میں مختصر سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اس کے دل کے بیٹے نے امداد کا رخ جیسے سمجھا دیا تھا۔ وہ اگلے ہی لمحے بولی ہی نہیں تھی۔ وہ ان دونوں سے الگ ہونا چاہتا تھا۔ وہ ان کو پسند کرنا تھا لیکن وہ اس طرح اس انداز میں ان کے خاندان کا حصہ بننے کا سوچ سکتا تھا۔ اس کا انداز تھا۔ تم نہیں تھیں۔
 ”یہ بھی نہیں ہو سکتا۔“ اس نے بولا۔ اس سے کہا۔

”میں نے تم سے کہا ہے۔ تم سے کہا۔“ اس نے بولا۔ اس سے کہا۔

”تم نے کہا ہے۔ تم نے کہا ہے۔“ اس نے بولا۔ اس سے کہا۔

”میں نے کہا ہے۔ تم نے کہا ہے۔“ اس نے بولا۔ اس سے کہا۔

”میں نے کہا ہے۔ تم نے کہا ہے۔“ اس نے بولا۔ اس سے کہا۔

”میں نے کہا ہے۔ تم نے کہا ہے۔“ اس نے بولا۔ اس سے کہا۔

”میں نے کہا ہے۔ تم نے کہا ہے۔“ اس نے بولا۔ اس سے کہا۔

”میں نے کہا ہے۔ تم نے کہا ہے۔“ اس نے بولا۔ اس سے کہا۔

”میں نے کہا ہے۔ تم نے کہا ہے۔“ اس نے بولا۔ اس سے کہا۔

”میں نے کہا ہے۔ تم نے کہا ہے۔“ اس نے بولا۔ اس سے کہا۔

کوڑا رہتے تھے۔

”تم کیا کر سکتے ہو میرے لیے؟“ اس نے سیدہ سنجیدگی سے ایرک سے پوچھا۔
”سب کچھ۔“ اسے سہی خواہ بلا جس کی بات سے توقع نہ تھی۔

”ارک کے پھر اسکول چلنا قاعدگی سے۔ دل لگا کر دھوم اٹھانا کوئی کہہ رہا تھا۔ عتابہ کسی ایسے لڑکے کو تو کبھی پسند کر سکتی جو باقاعدگی سے اسکول نہ جاتا ہو۔ اپنی ماں کی بات نہ مانتا ہو۔ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی پروا نہ کرنا ہو۔ جو اسٹڈیڈ کو سنجیدگی سے لیتا تھا۔ نہ ہو۔ اور پھر سمجھتا ہوں۔“

ایرک کا چہرہ مسخ ہو گیا۔ نامار نے جیسے دیکھنا نہیں اس کی ہنسی کی پہلی محبت کا تازہ پتھر کر دیا تھا۔ وہاں یکدم خاموشی چھا گئی تھی۔ نامار اب بھی کچن میں کام میں مصروف تھی۔ ایرک کا ناشہ تیار کر کے اس نے شکل پر رکھ دیا تھا۔ وہ سردی خاموشی رہا پھر اس نے نامار سے کہا۔
”میں اپنے قب کو ٹھنک کر لوں گا۔“

”یہ بہت اچھا ہو گا اگر تم۔“ لیکن اس کے ساتھ ہمیں ایک لڑوہ بھی کرنا ہے۔“
”کیا؟“ وہ اٹھا۔

”جب تک تم اپنی اسکول پاس کر کے یونیورسٹی میں نہیں ملے جاتے تم عتابہ سے اس طرح کی کوئی بات نہیں کر سکتے۔ میں نہیں چاہتی کہ تم سے مکمل طور پر قطع ہو جائے۔“
”میں وعدہ کرتا ہوں۔ میں بارہا ہی کروں گا۔“

ایرک نے بھی اسی سنجیدگی سے نامار سے کہا تھا جس سنجیدگی سے وہ اس سے بات کر رہی تھی۔ وہ اپنا چہرہ پور کاٹا پکڑے کر سی رہی تھی۔ اٹھا کھانے کی جاری میں تھا۔

”مگر جب تک تم یونیورسٹی میں نہیں پہنچ جاتے ہم وہ بارہا اس بارہا شہر بات نہیں کریں گے۔ محبت۔ شادی۔ عتابہ۔“ نامار نے جیسے ان ضمنی چیزوں کے گرد وہ زندان لگاتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ وہ سہیل کی طرح بات بھی مانتا گیا تھا۔

نامار کا خیال تھا۔ اس نے حقائق کو سیدہ یاد رہا تھا۔ تمہارا عرصہ مزید مگر جہلے نہ رہا ہے۔ باپ کی موت کو قبول جانے کے بعد ٹھیک ہو جانا۔ اس سے عتابہ اور اس سے منقطع ہونے والی ساری گفتگو قبول جانا۔ اس نے ایرک کی اس بات پر حیرت کو ایک امر بکن پہنچنے کی بجائے گفتگو سے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ اسے اعزاز نہیں تھا۔ ایرک ایک نام امر بکن بچہ نہیں تھا۔

حسن سعد کا باپ اس بات پر بیٹہ فخر کرتا تھا کہ اس کا بیٹا آج کے زمانے میں پاکستان کے سب سے انٹلکٹو میڈیم اور کوالٹی ٹیچن لراہوں میں پڑھنے کے باوجود ایک جاہل اور پکا مسلمان تھا۔ وہ بھی رہتا تھا۔ اپنی ہنر کی نما، سوجھ میں پڑھتا تھا۔ حج کر رہا تھا۔ سعدت اپنے شرف سے حاصل کر چکا تھا۔ لڑکھلا سے کوئٹہ میں پڑھا تھا۔ کسی ایسی سرگرمی میں ملوث نہیں تھا جو ”گرام“ تھی اور میں باپ کا فریاد ہوا تھا۔ سلطان کوئلہ لڑا رات کو رات کہنے والی سعدت سعدی اور اس کے ساتھ ساتھ بڑھائی میں شریع سے لب تک اس نے ایرک کا رشتہ حاصل کی تھی۔ صرف سعدی نہیں بلکہ ان کی دونوں چھوٹی بیٹیاں بھی جو بڑے بھائی کی طرح تھیں۔ ان کے ساتھ ہونے کے ساتھ ساتھ پوزیشن ہولڈر نہیں۔

سعد اور اس کی چھوٹی ماں بات بچھتا فخر کرنے وہ کم تھا اور یہ فخر وہ بلا لڑکوں تک پہنچاتے بھی تھے۔ ان کے ساتھ احباب میں نیاں نر لوگ بھی کی طرح کٹھن رہتا اور مذہبی تھے لیکن کم لوگ ایسے تھے جن کے بچے ان کے بچوں کی طرح لائق خالق ہوتے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہہ سکا کہ اللہ تعالیٰ کے اتنے فریاد ہوا رہا ہے۔

READING Section

باندھا تھا۔ ان کا گھر لڑکے کے سوشل سرکل میں ایک کوئی نہ مل سکا تھا۔ ان کا خاندان بھی مل گیا۔ مگر جس کا گھر اور خلی سب بٹا جاتا ہے۔ لیکن یہ صرف اس کی دل کا خاتمہ ان تھا۔ اس کو خلی بھی کھو گیا۔ خلیوں سے وفاق خاتمہ اور حسن معاہدہ کے باب کو پسند نہیں کرتا تھا۔

سعد نے ایک منشا میرا اور اچھے خاندان میں شاہی کی تھی۔ لیکن اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کو ایک اچھی اور تکیہ مسلمان عورت بنانے کے لیے تو یہ کچھ کہا تھا۔ وہ اس کے خاندان سے یہ شدید نہیں تھا۔ اگر شادی کے پہلے ہی سال احسن بدلتا:۔ مگر اب تو اس کی بیوی کے ال باپ اپنی بیٹی کی علیحدگی کرنا چاہتے تھے۔ کئی بار احسن کی پیدائش کے بعد بھی معاملات اس حد تک جا رہے کہ طلاق ہو جاتی تھی۔ لیکن سعد لڑائی کے گروہوں کا شور مٹا رہا تھا۔ انہیں گنہگار نہ تھا۔ سعد اپنی بیوی کو ایک باجواب فرماں بردار عورت سے فریب لہر رہتا تھا۔ سعد نے بیوی کو اپنی بیوی بنانا چاہا تھا۔ ضروریہ اس کا یہ مطالبہ تھا جو وہ سب کا نام استعمال کرتے ہوئے کرتا تھا۔

سعد اس کے علاوہ کوئی خرابی نہیں تھی کہ وہ اپنی بیوی کو اس طرح سے دھانسنے کے لیے ہر حرب استعمال کرتا تھا۔ کالم گونج سے لے کر ادا کشتی تک لڑائی میں باپ کے گھر جانے پر ہندی لگانے سے لے کر شیش بندوق کرنا تک۔ لڑائیوں کے بعد جب بھی ان مسائل پر آتے تھے تو سعد اپنے ہر ہتھیار سے لے کر قوائد اسلام سے لے کر آداب و شوہر خاں بیوی کو اپنے طریقے اختیار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسلامی طریقے پر لڑنا چاہتا تھا۔ کیا بیوی کا خاندان اپنی بیٹی کو بے راہ اور لڑنا چاہتا تھا۔ اس کی بیوی کے سبکدوشی کے پاس ہر لڑائیوں کے باوجود سعد کے فریاد و مدد اور ذہنی حوالوں کا جواب نہیں تھا۔ وہ وہ خن خیالی رہے تھے۔ لیکن اس کے پاس صرف چند ہی تعلیم تھی۔ ان کے پاس دین کا علم ہی تھا۔ وہ سعد کے فرقہ و جدت کے حوالوں کا سابقہ رہسب ہی اسے پتا ہے۔ سعد کی بیوی اس سے غم نہیں کھاتی تھی۔ لڑائیوں کے ختم ہونے کے بعد اسے کچھ اور روایت کے ساتھ گزارنے کا کہنے اور سعد کی کچھ لڑائیوں پر اس کے ختم ہونے کے ساتھ اسے کچھ اور روایت کے ساتھ گزارنے اور پتے پرنے کے ساتھ ساتھ سعد کو لانا ہے گا۔

رفتہ رفتہ کے ساتھ سعد نہیں دلا تھا۔ اس کی بیوی بدلتی رہتی تھی۔ اس نے اپنی طور پر یہ بلن لیا تھا کہ وہ شاہی سے پہلے رافقی اسلام سے لڑ رہی تھی۔ لیکن اس کی تعلیمات وہی تھیں جو سعد اس کے کانوں میں ڈالتا تھا۔ اسے رافقی ہی کرنا چاہیے جو اس کا شوہر کہتا تھا۔ اس کا یہ وہی ضد تھا۔ اس کی فرماں برداری۔ ایک ایسی ہی آگیا تھا جب دونوں میاں بیوی سوچ کے حساب سے ایک جج ہو گئے تھے۔ اس کی بیوی بھی سعد کی طرح لوگوں پر اپنے فتنے پھینک رہی تھی۔ وہ دونوں کے بارے میں اپنے فتنوں کا کھلا اظہار کرتی تھی۔ وہ کسی کی لڑائی میں لڑنے کو بھارت نہیں کر پاتی تھی جو اسے غیر اسلامی لگتی۔ ان کا خیال تھا اسلام میں اس کا گھر تھا کہ جو علم ان کے پاس ہے۔ وہ دونوں تک پہنچا نہیں۔ جو خلاف اسلام کام وہ روک سکتے ہیں۔ اسے یہ کہہ میں جسے برا کہہ سکتے ہیں۔ اسے یہ کہہ میں سب کے سامنے اس طرح مسلمان کریں کہ اگلا شرم سے اپنی بیوی ہو جائے۔ اسلام میں ”حکم“ کے علاوہ ”حکمت“ نام کی بھی ایک چیز ہے۔ یہ وہ اس سے مراد ہے۔ وہ میاں بیوی اس بات پر شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ نے انہیں یہ توفیق عطا کی کہ وہ لوگوں کو صحیح صحیح گمراہی سے لڑا رہے تھے۔ راہداریت کی طرف راغب کرتے تھے۔

ان دونوں کی باتوں کی زندگی میں اگر کسی بات پر ان کا بھی بائیس ہو اٹھانوں صرف ایک ایک بات تھی۔ ان دونوں میں بیوی کے پیر و مہمان کسی لڑائی پر زندگی میں بھی اتنا نہیں ہوا تھا۔ مگر سعد کی بیوی پر اس بیوی کے شوہر کو باگوار کرنے کی بھی صرف خاموش رہا۔ کسی کو بھی نہ سمجھا۔ اس کی بیوی نے لڑائیوں کے خلاف رائے کرنے کا بیچوں بیچوں کے ابتدائی سالوں میں صحت بہی طرح حکمت بھی تھی۔ اس کے اور سعد کے درمیان اسے مل کر رہا ہے۔

کے باوجود اس لذت مند بھی ہم آہنگی کے باوجود محبت نہیں تھی لیکن اسے بعد اکتالیس جنرلوں کی طرح وہ اس کے بغیر بھی اڑنے نہ چلا تے تھے۔ اگر ایک دم سرے سے محبت نہ ہوتے تو ان کے لیے ساتھ رہنا مشکل رہتا۔

وہ دونوں مہاں بیوی اپنے خاندان اور حلقہ دو مہاں میں پسند نہیں کیے جاتے تھے۔ حالانکہ وہ دونوں کا خیال تھا کہ وہ دونوں بے حد خوش و خندان اور سب کی ضرورت میں ان کی کام آسنے والے تھے لیکن کہیں نہ کہیں اسلام کے اس گمراہ تصور نے خود وہ سولہ پر ٹھونستا چاہتے تھے تو لوگوں کے لیے ان کو کسی نہ کسی حد تک ناقابلِ ہدایت بنا دیا۔ خاندان وہ اس پاپسندیدگی سے بے لطف نہیں تھے۔ لیکن ان کا خیال تھا کہ انہیں نہیں نہیں تھا وہ جن کی بہت مہیا بنانے والے ہیں اور اگر اس کی وجہ سے لوگ ان سے کٹتے ہیں تو اللہ انہیں اس کا اجر دے گا۔

احسن سعد نے ایک ایسے گھر میں پرورش پائی تھی جہاں پر اس کے ماں باپ نے اسے لوگوں کو اسی سکول پر رکھنا سکھا دیا تھا۔ جن پر وہ خود سولہ کو پرکھتے تھے۔ اس نے ماں باپ کے درمیان ہر طرح کا جھگڑا جن میں ہی وہ کچھ لیا تھا اور اس نے سمجھا تھا کہ تو ہر دور بیوی کا تعلق ایسا ہی ہونا ہے کہ وہ ناچا ہے۔ حاکم لار حکومت کانہ بر نزار اور کنٹرول۔ کنٹریل لار سکولوں کا۔ عزت اور احترام کا نہیں۔ پیار اور محبت کا بھی نہیں۔

سولہ کی ساری عزت لار عزت اس کے گھر کی عورت کے گھوڑا اور حمل سے ملتی ہے اس کے اپنے عمل اور گھوڑا سے نہیں۔ ایک امریکن جنٹلمن لار وہاں سے اعلیٰ تعلیم یافتہ باپ نے احسن سعد کی جو پہلا سبق پڑھا باغیا

احسن سعد کو کچھ چیزیں یاد پائیں تھیں۔ ناپسندیدگی ایک چھوٹا لفظ تھا۔ کتنا زبان مہیا تھا کہ اسے کچھ جنرلوں سے نفرت تھی لار ان جنرلوں کی نفرت میں لڑنا عورت اور امریکہ سر فرسٹ تھے۔ باپ کی طرح وہ با

میں تمام اشتہار اور گناہ کو بچانے اور ان کو فرار دیتا تھا۔ وہ ایک بے حد لیل اسکول میں کو کچھ لیکن میں اسے لڑ کر رہا تھا لیکن وہاں اپنے ساتھ پڑھنے والی ہر اس لڑکی کو "گڑا" سمجھتا تھا جو خواب میں نہیں تھی۔ ماں باپ کی طرح وہ بھی یہی سمجھتا تھا کہ وہ سب لڑکیاں لڑکوں کو رعونت سمجھتی ہیں۔ جان بوجھ کر اپنی طرف راغب کرتی ہیں۔

اس کی اپنی دونوں بیٹیاں اس کے بڑے تھیں۔ کو ایک لیکن سے نہیں پڑھیں تھیں مگر احسن سعد کو شروع سے ہی ایسے اسکول میں پڑھا جا رہا تھا جہاں کو ایک لیکن میں جہاں ہر قسم کی لڑکیوں سے پڑھا تھا اور باپ کو اسے مثال بنا کر پیش کرنے کے لیے ایک اور مثال مل گئی تھی۔ اس کا بنا کو ایک لیکن میں پڑھنے کے باوجود گمراہ فریڈ کے مفہوم سے بھی واقف نہیں تھا۔ یہ اس منافقت کی ایک اور جھلک تھی جو سعد کے اپنے امور مذہب اور مذہب کی حدود کو نافذ کرنے کے حوالے سے تھی۔

احسن سعد اور اس کی والدہ بیٹھنے کی زندگی سلامتی طور پر جتنی محدود کی جا سکتی تھی سعد اور اس کی بیوی نے کر رہی تھی۔ ان کی زندگی کی واحد "فریح" پڑھنا تھا۔ واحد "موشی" بیٹھے گریڈ لیا تھا۔ واحد "لڑچکی" مذہب کا کتابیں پڑھنا تھا۔ واحد مفہوم "آخرت میں سر زندگی" تھی۔ واحد "ایلی" والدین کی خدمت تھا۔ لار اس سب میں "دین" ایک فنٹ کے طور پر سمجھتی تھی۔ یاد ہے وہ پڑھنے پڑھانے کی طرف متوجہ تھی وہ سب ظاہری تھی۔

وہ ایک پرفیکٹ dysfunctional بیٹی تھی جس میں ماں باپ نے اپنے خواب اور راجی لکھنے سے پیدا ہونے والے نقائص اور خامیوں کو مذہب کے کھیل سے لے ڈھک کر اپنے آپ کو پاک کر لیا تھا۔ تاکہ کوئی ان کی عبادتوں معلم سے آگے بچہ کر ان سے متاثر نہ کر سکے۔ ان کی ساری بشری کمزوریاں اور خامیاں نماز اور نفل لار

۱۰ سری عبادتوں میں پھب جائیں۔ سب سے خوف ناک بات یہ تھی کہ اس گھر میں رہنے والے کسی فرد کو یہ احساس ہی نہیں تھا کہ ان میں بہت سے فٹافٹ تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو پر لکھا سمجھتا تھا۔

۱۱ سری سہیل ایک دن نالہ بولے۔ اللہ سے فریب۔

۱۲ سری اصحن سہیل بھی اپنے آپ کو کامل سمجھتا تھا۔ سب بڑائیوں سے بہتر۔ سب اچھائیوں کا منبع۔ اس پر اپنے باپ کی صحت اور گوارا کی گہری پھب تھی جو اس سے عشق کر آتا تو تنگ رہا اس کی واحد فریاد اولاد تھی۔ اصحن سہیل نے باپ سے مست کچھ دریافت کیا تھا۔ اس کا ردی و صورت و اہانت اور طر ج عادات۔ لیکن جو سب سے بڑی چیز اصحن سہیل نے باپ سے لی تھی وہ ممانعت تھی۔ اس کی پچائیز رکھے ہوئے تھی۔ اسے ماؤرن عورت اور امریکہ سے فخر تھی وہ انہیں گناہ اور برائی کی بڑ سمجھتا تھا۔ اور وہ ایک ماؤرن عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا جس کے پاس امریکن شہوت تھی وہ۔ اور وہ امریکہ میں اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کا باپ ٹھیک کرتا تھا اصحن جس چیز کی بھی تمنا کرنا تھا وہ اسے مل جاتی تھی۔ بہ بد فہم لہجے میں بھی اسے ملنے والی تھیں۔ اس کی خوش قسمتی ایک بار خاندان کی یہ خوش قسمتی میں بدلنے والی تھی۔

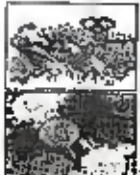
"تم نہیں جانتے کہ ایک بڑی کھلی جسمیں بات سمجھتی ہیں۔"

۱۳ سری ایک لوہے کے لیے اور تینوں پر خاصوشی چھائی تھی کہ ان ابا ای غیر متوقع جملہ تھا جو حسین نے کہا سنا کاتے ہوئے اپنے تہ سالہ بڑے بھائی کے گوش گزار کیا تھا۔ اللہ سالار عنایت کرے کہ جس نے ایک طرف حسین کو دیکھا پھر چرچل کو دیکھا تھا وہ شرمندگی نہیں غصہ تھا جو حسین کے ان بے لگام ہنسیوں پر اکثر آجاتا تھا۔

"دیکھو جی بھائی کو تینوں جسمیں بات سمجھتی ہیں۔ کس قدر اللہ کے اس کی بات ہے۔"

We Deal In All kind of Vegetable, Flower & Herbs Seed.

سکائی سیدز SKUS Seeds



Contact No.
04236422358
03159291880
03324111426

ہمارے ہیں ہر قسم کے سوئی پھولوں، پھولوں اور میٹھیوں کے اسکائی سیدز اور ایمپورٹڈ F1 اسکائی سیدز۔

تک اور غیر ملکی اسکائی سیدز کی گوارا میں بہترین کی اسکائی سیدز اور ایمپورٹڈ اسکائی سیدز

کے پکوانے والے اسکائی سیدز
کے پکوانے والے اسکائی سیدز
کے پکوانے والے اسکائی سیدز

www.skysaeds.pk پر اپنے کو اس کے پاکستانی اسکائی سیدز کے ساتھ
Place Order من کما تم کما کے اسکائی سیدز کے اسکائی سیدز کے اسکائی سیدز کے اسکائی سیدز کے
Cash on Delivery اسکائی سیدز کے اسکائی سیدز کے اسکائی سیدز کے اسکائی سیدز کے

89, Vegetable Market Allama Iqbal Town Million Road Lahore
F: 03114614614, WhatsApp: 9999999999, Email: skysaeds@skysaeds.com

اس نے ماں باپ کی نظروں کی سرواکی شکل نہ ہی جبریل کے سرخ ہونے پر سے کی۔ اس نے اپنے نمبر سے کے بعد اعلیٰ بات جاری رکھتے ہوئے لڑکیوں کی نظروں میں اپنے شیفٹس پر انٹروس کا اظہار بھی اسی سانس میں کیا تھا۔

”تم خاموش نہیں رہ سکتے؟“ جبریل نے اس واقعہ کو سخت سنجیدگی سے روکنے کی کوشش کی۔ ماں باپ کی من جبری کاٹھا کرتے ہوئے اس نے اسے شٹ اپ کرنے کے بجائے ان دو لفظوں کو تکرار کر کے بلا واسطہ اسے ٹوکا۔

”Oh one more twister“
 حمین نے یوں مٹا کر کہا جیسے اس نے اسے کوئی بڑی مشکل لفظ کہہ دیا تھا جس سے دو واقف ہی نہیں تھا۔
 ”حمین۔“ اس بار اس نے اسے تنبیہ کی کہ وہ سچ جبریل صرف رانی اس پارٹی کو بھٹکانے کے بھیجی تھی۔ جو حمین نے اپنے کلاس فیلوز سے کوئی کہی۔

”میں غلط نہیں کہہ رہا کی۔“ حمین نے اس کی تنبیہ کو جیسے ہوا میں اڑا با اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”میری جاننے والی ہر لڑکی کا جبریل پر کڑھ ہے۔“

جبریل نے اس بار ہاتھ میں پکڑا ہوا کاتنا پلٹ میں رکھ دیا پر جیسے اس کے صبر کے پیمانے کے لیور ہو جانے کی نشانی تھی۔

”یہاں تک کہ میری گول فریڈز بھی۔“
 ”فریڈز؟“ اس بار نے ٹوکا۔

”جو بھی ہو۔“ اس نے اسی انداز میں بات جاری رکھی۔ ”حمین لیو آ رہو گلی۔“

حمین نے اس بار جبریل کو رشک بھری نظروں سے دیکھا۔ اس نے اپنی اپنے انچا کو شش کے باوجود اپنی ہنس پر کابو نہیں پاسکا۔ اسے حمین کی گفتگو سے زیادہ جبریل کے رد عمل پر فحش آ رہی تھی جس کی اب کان کی ٹوئیں تک سرخ ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ وہاں کے ہنسنے پر وہ اور جبریل ہوا تھا۔

”ہر تہہ شمار کیا خیال ہے تمہارا؟“ جبریل نے جبریل سے پوچھا۔ ”میں نے ۹۹ سالہ زونے صورت حال کو سنبھالنے کی کوشش کی اس نے بڑی سنجیدگی سے حمین سے یوں سوال کیا جیسے یہ کوئی بڑا فلسفیانہ سوال تھا۔

”میں اس بار سے میں پہلے ہی سوچ چکا ہوں۔“ حمین نے اپنے کانٹے کی نوک پر اس کے درمیان پھینکنے ہوئے سارا کے فلسفیانہ سوال کا اسی فلسفیانہ انداز میں جواب دینے کی کوشش کی۔

”اس کی صحت ہی پر مبنی ہیں۔ لڑکیوں میں لڑکوں کو پسند نہیں کرنا۔ جو صحت پر مبنی ہے اور JB بالکل بات نہیں کرتا۔“

”اور؟“ سارا نے سارا کا ایک ٹکڑا کھاتے ہوئے کہہ لائے کی ز فیصیحی۔
 ”اور لڑکیاں ان لڑکیوں کو پسند کرتی ہیں جو پسند ہے رہتے ہیں اور JB شہ بہات بھی ہے۔“

اس نے اپنے ہمائی کا تجربہ کرنا شروع کر دیا تھا۔
 ”اور لڑکیوں کو لڑکے کے ہاتھ ملنے ہیں جو ان کی کبھی نہ ختم ہونے والی باتیں سن سکتے ہوں اور JB سب کی باتیں سننا ہے خواہ وہ کتنی ہی باتیں ہوں۔“

اس بار سارا کو بھی ہنس آئی جو اس نے گھا صاف کر کے چھائی۔ ”مٹا۔ اور ر نیمہ چپ کھانا کھاتے ہوئے حمین کے چہلے شیفٹس پھر جبریل کے آواز سے بچنے کی بڑا ہمائی تھا۔ سب چھوٹا ہمائی تھا اور وہ سمجھ نہیں پار ہی تھیں کہ وہ اس قابل اعتراض گفتگو میں حصہ کیسے لیں۔

”میرے لڑکیوں میں لڑکوں کو پسند کرتی ہیں جو لڑکیوں کو پسند کرتی ہیں۔“ حمین اسی طرح روانی سے کہتے ہوئے اس بار انکا ہمارے میں اور JB کے درمیان موازنہ کیا جائے تو ہم دونوں ہر لحاظ سے یکساں لڑکیوں ہیں۔“

اس نے بات بھر گھرائی اس بار بالآخر جبریل نے اسے ٹوکا۔

”تھیں یہاں ہے، حسین! لڑکیاں بن لڑکیاں کو پسند کرتی ہیں جو ابلت نہیں ہوتے۔“ اس کا اشارہ حسین کی سمجھ گیا تھا۔

”ہاں یہ اسی صورت ممکن ہے اگر لڑکیاں خردا نہیں ہوں۔“

”پاپا! اس بار عناب نے سارا روٹکا رکھا تھا۔ اور اس نے حسین کے نصیحت پر احتجاج کیا تھا۔“

”ہم ان دونوں لڑکیوں کے بارے میں کیا کہیں گے؟“ سارا نے بے حد سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔

”تھیں نہیں بابا! آپ ہی کو لڑکیوں کی صف سے کیوں نکال رہے ہیں۔“ حسین نے سوال کا جواب گولیا کیا اور بے حد مصحوبیت سے سارا سے پوچھا ”اوسارت نہیں تھا سپر اسارت تھا۔ ہو سہارا اور موقع شاکس تھا۔ بہت کتنا پڑ لٹا، سنیانا اس عمر میں بھی چاہتا تھا۔“

”حسین! اس کردہ۔“ امام نے اسے اس بار اپنی فہمی پر تھاپا ہانے ہوئے اس سے کہا۔ اس کی دفاعی سمجھ میں نہیں تھا تھا وہ اسے ڈانٹنے باس کی باتوں پر ہے۔

وہ جو بھی کہہ رہا تھا۔ لڑکیاں نہیں تھا۔ جبریل نے سو سال کی عمر میں بھی اپنے لڑکا ٹھہر کر بڑے بڑا لٹا تھا۔ حسین کی طرح زیادہ ہلا ہلا نہیں تھا۔ حسین ٹھیک کہہ رہا تھا کہ لڑکیاں اسے بات سمجھتی تھیں۔ چونکہ ابلت حسین نے لڑکیوں کے اسے پسند کرنے کی وجوہات میں نہیں گنوائی تھی یہ اس کی خوب صورت قوت تھی۔ جو اب آہستہ آہستہ ہماری شہادت ہوتے گئی تھی۔ اس کی آنکھیں سارا کی آنکھیں تھیں۔ بڑی سیاہ اور بے حد گہری۔ وہ اسی کی طرح بے حد متعمل مزاج تھا۔ حسین کی طرح بے مزہ ہو گئے کی بات میں تھی اسے اسے ارادہ اگر لڑکیوں میں نہیں تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ دو سب کے لیے ایک ”پولی“ تھا۔ حسین کی شخصیت ”معتاد طبعی“ تھی۔

حسین کو اپنے چارم کا پتا تھا اور اس کا پتہ وقت پر استعمال کرنا جانتا تھا۔ جبریل اپنی کشش سے بے خبر تھا اور اسے اس کشش کو استعمال کرنے میں دلچسپی تھی بھی نہیں۔ لیکن دنیا میں اگر کوئی خاصوشی اور متعمل مزاجی کے اس پاز میں شکاف ڈال کر اسے بڑھ کر سٹا تھا تو حسین تھا۔ JB کو تک کہ اس کی زندگی کا دلچسپ اور پسندیدہ ترین کام تھا۔ وہ اسے بھائی کہتا ایک سال پہلے جموں لڑ گیا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا JB کہتا کوئی تھا بھائی کہتا کوئی نہیں تھا اور حسین کی زندگی کی تزئینات میں سے ایک سبب تھی کہ وہ ہر چیز میں سے کوئی نہیں لے گا تھا۔

”پاپا! وہ میں باہر سے گھل جیت کر آؤں گی تو میں بھی ہائے سارے کلاس ٹیچر کو لڑاؤں گی۔“

رہنے کے اس گفتگو میں ختم لے ہوئے سارا کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس کا ذہن چمکی شام سے اس ایک ترائی کے حصول میں اٹکا ہوا تھا جو اس گھر میں نین پار آچکی تھی بلکہ اصل طور پر اسے جو بھی بار بار لانے کی ذمہ داری اس کے کندھے پر خود بخود آئی تھی۔ وہ جبریل کے بعد اس گھر کی سب سے زیادہ ارادہ رکھنے والی اور زیادہ ذمہ دار تھی۔ جبریل کی طرح خود ہر کام کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لینے کی کوشش کرتی تھی۔ اور پھر پوری لگن اور نین دہی سے اس کام کو کرتے ہیں مصروف ہو جاتی تھی۔ وہ ان چیزوں کی طرح غیر معمولی ذہین نہیں تھی لیکن اب بڑا بڑھ سالہ جتنی بھی نہیں رہتی تھی جو گرتی نہ ہوتے ہوئے بھی لڑائی ہی نہ پاتی۔

اس کے ساتھ ساتھ ان چیزوں نے بھی کمزوریاں رکھنے والی وہ خیرہ کوڑھیں ہانے کے لیے بہت محنت کی تھی۔ اور سب سے زیادہ کارنامہ انجام دینے کے لیے بے لب بھی حوالہ نہیں لے سکتا تھا۔ جسٹس لیبل کے اس مقابلے کو جب تک جو بھی بار ترائی اس گھر میں لانے کا۔ اس ساری بلا ٹرولٹ کا فوس بننے کا جو اس نے اپنے من بھائیوں کو ان فوٹوٹ کے بعد لکھ کر بھی لکھی۔

رہنے سارا زندگی میں کوئی بڑا کام کرنا چاہتی تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کی قسمت میں ”صرف“

بڑے کام تھے ہیں۔

(بانی آسمان ان سواواتھ)

تہذیب و تمدن

دو سراخانے شیخہ بلور و صاحب دار بھی تھے شیخوں کی
 ہن سے جان جاتی تھی۔ ہن سے پھرنے منت کھٹ
 سے بلال عرف بلور غیب عرف مولیٰ جزواں تھے جو
 محل کے گھوڑے زمانہ نرگھالے بننے کے لیے دوڑاتے
 تھے۔ بلال عرف قائل اہل بیت میں قائل قبول خبر لے کر
 پہنچ چکے تھے۔ بیٹ صاحب کا آخری نمونہ شیخ عرف
 قندہ قندہ ان دونوں سے چار سال چھوٹا غلام بیٹرک کا
 اس وقت غلام گول گول آنکھیں اور سے گول گول
 چشمہ لگائے فرما کر پھلتا تھا قندہ آنکھوں میں
 بھروسہ ملتا جاتا تھا کہ ہونے کی وجہ سے بڑے بھائی کا
 منظور نظر بھی تھا بلو اور مولیٰ بھی بھر کر اس سے خار
 کھاتے تھے۔ کیونکہ وہ دونوں کو جلال بھائی سے زیادہ
 ڈانٹ اسی کی وجہ سے پڑتی تھی۔ لیکن یہ بھی کھاتا کہ
 بعض اوقات ہن کے غائب سے بچانا بھی ہوتی تھا اس
 لیے اس کے ساتھ بنائے رکھنے میں ہی رغبت تھی۔
 جلال بھائی پورہ سہل کے تھے جب اچانک سہل کا
 دورہ پڑنے سے والد کا انتقال ہو گیا۔ ہن کے انتقال سے
 بعد رہی اپنی والد اور بھائیوں کا سہارا بنے بزرگ کا
 اتھنن جیسے بچھے دیا اور پھر اپنے والد کی کپڑے کی
 دکان منبھال دی۔ کمر لڑو حالات بڑی مشکل سے گزار
 کرنے والے تھے۔ لکن نے ہن کو کمر داری میں بھی
 تقریباً ماہ کر دیا تھا۔ جلال بھائی خود تو فرما رہے تھے
 لیکن بھائیوں کو معلوم نہ تھا کہ جلال کا خیال تھا کہ یہ
 دو تہوں پر لگ کر گھروار میں ہن کا ہاتھ طاقس گے مگر
 کی وجہ ہن کو بھائیوں سے خار ملائی تھی۔ جس کی وجہ سے
 اکثر وقت بھی پڑتی تھی۔ لیکن بھائی بھی اپنے نام کے
 ایک ہی تھے۔ جس دن قاضی نگر تھے ہن دونوں کو

”با اللہ نو ہزار جہر کریم ہے۔ ہم پر رحم فرما“
 بلور صاحبت خشم و خضوع سے پڑا کواڑ بندھائیں کر رہا
 تھا۔
 ”با اللہ! ہمیں ایسی بھائی عطا فرما جو بڑے بھائی کو
 ہم سے علیحدہ کر دے (آمین)۔“ بچے کو رس میں شیخ
 اور مولیٰ پر دعوت پڑے۔
 ”با اللہ! ہماری بھائی کو ہم سے جدا کر دے۔“
 اب بچے سے کہیں کے بجائے مولیٰ کی جھینپائی ہوئی
 کواڑ لگتی۔
 ”لوئے غیبت! تو بھائی کی فرمائش کر رہا ہے یا
 فرعون کے دلہ کے جلاو گروں کی جو بھائیوں میں قندہ
 ڈال رہے؟“
 ”با اللہ! تو بھائی کی نگر کی بھائی بھیج۔“ بلور وہاں
 شروع ہو گیا۔
 ”بھائی! بھائی جن کی شانہ میں شہرہ بلاؤ فلا
 گا۔“ شیخ دعا بھولی بھولی کر پھر عطا کر دیا۔ رخن اور انکی
 ایک آنکھ نہ بھائی۔ اس نے بھی دعا چھوڑ چھانا چاہا
 مبارک بچھے سوڑا اور مولیٰ سے کہنے لگا۔
 ”بار مولیٰ! پہلے اس لڑکے کے سرے کے پھول
 جا کے ساڑھ آئیں۔“ اور لڑا صاحب (شیخ) خلو
 بھاپے بھی کر پھا کہ کسے جا چکے تھے۔
 * * *
 اندرون شہر لاہور کے رہنے والے قاضی بیٹ
 صاحب کے چاری بیٹے تھے۔ سب سے بڑے جلال
 بیٹ جنہیں وہ تنہا مشہور طور پر جلاوڑ کہتے تھے
 کیونکہ ایک تو وہ ہن سے تقریباً ”بارہ سال بڑے تھے

آکر جلا بھائی سارے کام ان سے کروائے نور بکین میں
 کوئی نہ کوئی خاص کھانا بناتے عام دنوں میں تو کام دہلا
 سے روحو کر کام کروا لیا جاتا کیونکہ وہ بھی چھٹیوں کے
 گھر دراز نہیں آتی تھی۔ پکڑے آؤنگے مشین میں
 اوزار کے اوزار دھو لیے جاتے۔ کھانا بھی کام دہلا کی
 خشتی کر کے نور بھی بازار سے آجاتا۔ کین چھٹی
 والے دن بھائی خود تو کام کرتے ہی ساتھ ان تینوں کو

دکان پر تھمیت لیتے تھے۔ دو سال پہلے ان کی وفات
 کے بعد اب اس گھر میں عورت ہی چیز بنی ہوئی ہے۔
 ایسے میں ان سب کو اس کامل بھائی کی شادی میں نظر
 آتا جس کے فی الحال اور در تک کوئی امکانات نہیں
 تھے



اوزار کا دن منانوں ان سب کی شامت کا بھی اوزار کو



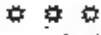
READING
 Section

نہی تھی۔ ایسے اور کتنے ہیں میں تو کن تھیلا میں
 زبردست اتفاق تھا۔

میں اور بیچو دن کے بارے میں بے بسی مشکل سے
 فریادوں کو رکھ سکے۔ خود دماغ کو کھڑے دہرے دور ہے
 نے بلورانیوں کا رنگ سرسبز کر دیا تھا۔ قہر سے دوڑتے
 لودھیوں کو کہہ کر کی صفائیوں سے محبت ملی تو یوں کانٹے
 دیکھا نصیب ہوا۔ جلال بھائی جو نہیں تھا کہ انہی صہل
 بہن اچھا ہاتھ تھے اب پتھر کو لایا جانے کے بعد
 کف سوزے سا لہانے میں مصروف تھے اور ان کی
 بیوی انہیں جا رہی تھی۔

"بھائی ہے جو کوئی کام انہوں کی طرح کر لیں۔"
 "بھائی اصل میں انہوں کے بھانے باجیوں کی
 طرح کتنا چور ہے ہیں۔" میں بیچو کے کان میں کھسا۔
 بیچو کی گھر کی شوخ ہو گئی۔ بھائی نے جلالی نظروں
 سے بیچو کو دیکھا تو فوراً مہارت ناک ہو گئے۔

"کب اگر دستک ہوگی ہو تو بھیل پر ہر ننگی دیا
 بھی میں نکالوں۔" بھائی کی دھماکا ستلی دی۔ دونوں نے
 فوراً ہر تڑپ بھیل پر کھسے۔ بیچو نے کندے اور سڑے
 ہاتھ صاف کیے اور اسی لمحے بھائی کی نظر اس پر پڑا۔
 "ہٹا ہٹا لے! انوکھی کے سر اور تھمے کیل صاف پڑے
 نہیں ملتا ہے کھکے ہاتھ صاف کرنے کے لیے یا پھل
 سے صحت سے بے احتیاطی میں خارش ہو جائے گی۔" کوز
 اس کا انتہائی دور ہے کی بے عزتی پر بیچو کانٹے رنگ کر دیا
 سے لگ گیا۔ جبکہ بلورانیوں سے ملنے والے خطابات
 پہلے پہل ہونے لگے تھے۔



رات میں تینوں کو بھائی نے سخت الفاظ میں تنبیہ
 کی تھی کہ وہ پڑھائی پر توجہ دے اور نہ پڑھائی چھوڑا کر
 دو گھنٹہ پڑھائیں گا اور نہ جتنا وہ سرتوڑے بیٹھے تھے
 کہ اب کیا کیا جائے۔
 "ارے یہ پڑھاؤ نہ پڑھیں کسی دن کام آئے گا۔ اس کا
 دل جو بیسے بھی پڑھاؤ۔ بہن تندرستیوں میں۔" اس

پات پر بیچو نے تھلا کر دونوں کو گھور اور احتجاجاً ہوا کہ
 آؤت کر لے لگ۔ لیکن میں نے اسے زبردستی بلو کی گھو
 میں ہی گر لیا۔

"کب بار بچھے لکھا گیا کا انہیں چاہیے۔" ہونے
 اسے بچھو چکیا۔

"مجھے بھی آپ کی گود میں آئے کا کوئی شرف
 نہیں۔" وہ جھوٹے شہانہ اڑا۔

"ارے اچھ بھئی میں اپنا سڑا پلے بھائی جان کا کوئی
 عمل سوچو، قسم سے لڑکی طرز ہو گئی ہے لڑکیوں
 والے کام کرنے کر تے میرا لڑا بہا لکھ دینے لے کو
 دل کر کے ہار۔" ہوا کے آتے ہی ہونے لگے۔

"تو لور گیا بھائی جان لور تو شکاری کرنے کے لیے ہمار
 نہیں اور ہماری بھئی ہت لور تو گونگ نکالیں گے۔ بیچو
 بیچو کچھ ایسا سوچو کہ وہ شکاری کر کے الگ ہو جائیں اور
 پھر ہم زندگی بھر لے کریں۔" لکھنی ہمارا سا نہیں
 میں ہی پھر رہا تھا۔

"لکھنی برور ان آپ کی من ہی شرابھینوں کی
 وجہ سے کب کو لائن بنی ہے لور اس مرتبہ میں آپ
 کی کسی سازش کا قصہ نہیں بنوں گا۔" بیچو نے کندے
 پادام میں ہی ہت شد میں لے بیٹھیں۔

"ہتتا دل آپ کا سازشوں جس چٹکے لکھ پر بھائی
 میں چلائے تو کج فرسٹ آئے۔" منہ پھٹ بیچو سے
 اس میں ایسی بات کی تو جسے کسی لڑکا دونوں میں کئی لحاظ کے
 لکھنیوں سمیت بیچو پر حملہ آور ہو چکے تھے۔

"لو کے اب اگر مجھے مزہ مارا تو میں بھائی جان کے
 پاس جا کر کپ کی شکایت کر دیاں گا۔" بیچو اپنا بھوکا کرا
 ہوا ہوا رنگ دے رہا تھا۔ جس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔
 کشن اپنی اپنی جگہ کے لور چڑھ لڑائی مار کر بیٹھ گئے۔
 بیچو نے لکھنی کی ہاتھ اس میں لپکا۔

"اب کو ذمہ دے۔" ہوا بیچو نے سسٹے ایک بیچو
 کو سموتے "فرسٹ پات لور یوں کی خواہش کر دی۔
 دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہتھیار



خانہِ قلم رشتے میں ان کی مدد پرے کی تالیں تھیں۔
 وہ یہ تھیں اور ہائی میجر ان کی اکوڑاں تھیں۔
 احمد علی شہر میں ڈاکیٹر تھا انہوں نے شوہر کی وفات
 کے بعد بیٹے و کام اور بن کر اپنے پر اٹھا اور خود کو
 والے پر چڑھا جس شخص ہو سکے اس طرح ان کی کرد
 اس پر وہی تھی۔ بیچ کی سہولت سے کھرا حساب ہائی میجر
 پر پڑی تھی۔ وہ دن کی وقت کے بعد بھی کھار تالی
 ان کی مزاج پر ہی کے لیے نشہ لاتی تھیں۔ یہ تھ
 ان کی تالی تھی جس کو ان کی طرف سے ایک پاجامے اور
 بھی اور غیر میں کئی سہولت سے تھے تالی جب نشہ
 لائیں تو چھوٹا سا اچھے خاصے کپڑے لٹل کر جاتی
 تھیں۔ سوجھ بوجھ میں ان کے مسئلے کا حل نکال سکتی
 تھیں۔ چنانچہ بھو میجر ان کے گھر چلے گیا تاکہ
 گوشت دینے کے لیے ہائی میجر اور ان کے تعلق
 دیگر سہولت آسانی کی جائیں۔ چنانچہ ان کی تالی
 تیاراں اور دودھ سے جاری تھیں۔ فریانی کا گوشت
 بنے اہتمام سے فروٹ ہسپتال گیا تھا اس
 کے کوپر چھوٹا کی دو چار تالی بھی تھیں اور
 جب بلو اور سولی پوری تالی کے ساتھ ان کے گھر کے
 سامنے کھڑے تھے۔ سڑکیوں کا دروازہ کھلا تھا اور
 دروازہ بند تھا۔ بیڑھاں چلا گئے تالی اور دودھ سے
 دروازہ دھڑا دھڑا۔ دروازہ کھلے ہی دروازہ کھل گیا
 نہ جتنا بلو کر کے گرتے تھے۔
 ”ہلہ لہلہ“ تھیں تالی جان! ”دور دور سے سلام
 جھاڑا گیا۔
 ”وہ تھیں سلام! جیتے رہو۔ جیتے رہو۔“ سے ہاتھ
 پھیر کر ہنسنے لگی جو تھیں بھری ہنسنے سے رہا گیا تھا
 تھوڑا کیا اس لیے جیتے بھی تالی کو رو کر کہا۔
 ”ہو ڈھلے ہو! کچھ اور کراہت کیسے بھلی گئی؟“
 تالی نے احمد علی اور سولی کی خاص تالی ”تھوڑی تھوڑی“

یو تھی تھیں۔

”تالی سہولت جان نے فریانی کا گوشت بہا ہے“
 صوفے پر بیٹھے ہوئے ہسپتال ان کے ہاتھ میں تھا
 وہ گوشت کی سہولت دیکھ کر تالی کی روگ عزالت
 پھر اس تھیں۔
 ”ہاں! یہ گوشت بلو سے تو ذکر لائے ہو جو تالی
 میں بہا ہے۔ وہ چار چوڑی کے لئے بھی لگا ہے۔“
 دروازہ کھل گیا اور تالی نے دروازہ کھل گیا اور تالی نے
 رات لٹل کر چوڑا کھول دیا۔

لٹلے میں سوجھ بوجھ لٹلے اور آتھیں اور
 ان تالی کی پاجامے میں مزہ تھیں۔ ”ہوئے تالی
 ہاں! تالی“ کے آواز میں اور تالی سے ہو گئے
 ”تالی سلام“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی سلام“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ فریانی سے کہا گیا تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔

”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔

”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔

”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔
 ”تالی“ تھیں تالی سے سلام کیا گیا۔

کرنے پرے یکن کا پتہ ٹھیک کیا۔ سڑکیوں کی
 رنگ کو رنگ کیا، ہاتھ دھو کر نیک کیا اور اسی
 طرح اور خدا جیوشنہ بنوانے تو کمر میں کی پنجم کرتے
 کس پر کس کرتے تھے اور اسی طرح کے چھوٹے
 موٹے کھیل بہنے تھی کو کون کا گریڈ کر دیا۔ (ڈاکٹر بھائی
 جان اتنی پھل سے کام کرتے دیکھ لیتے تو اسے
 منہ کے بے ہوش ہو جیتے) ابھی وہ اگلا قدم
 اٹھانے کا سوچ ہی رہے تھے کہ بھائی جان کے
 ایک نیشنل کے ہوش بٹا دیا۔

بھائی جان کو ابھی خاصی چھ مہینے تھے۔ انا
 فریکوہر ہو گیا تھا۔ ان تینوں کی تو بات نہیں ہر حرام ہو
 تھی۔ وہ تینوں کن کی پٹی سے لگ کر پٹھ کے تھے
 گھر کا نظام الگ اور ہم پر ہم ہو گیا۔ اب کن تینوں کو
 بھائی جان کی سنت سے قدر ہوئی تھی نہ تینوں لڑکا
 جگر کا ہنسا مسکرا تا تک۔ جھلی تھے تھے۔ اس مشکل
 وقت میں تھی گھر آگئی اور گھر کا نظام ابھی مریم کی مدد
 سے سنبھالا تو انہیں کچھ حوصلہ ملا جو ہونے والے کن
 سنبھالی تو مشکل ٹھکانے آگئی کہ یہ سب بھائی جان نے
 کس قدر اچھے طریقے سے سنبھال رکھا تھا۔ تقریباً
 پندرہ دن بعد طبیعت سنبھال چکی تھی۔ اس تمام عرصے
 میں مریم باپنی نے گھر بننے اور تھے طریقے سے سنبھالا
 تھا۔

اس وقت وہ تینوں اور تھی اپتل میں بھائی جان
 کے کمرے میں تھے جب نرس نے اظہار دئی کہ کچ
 شام تک انہیں پورا راج کر دیا جائے گا۔
 مجھے تو اب احساس ہوا ہے کہ ہمارے بھائی بھاری
 باہی ہی نہیں ملیں گی۔ (سوئے ہوئے بھائی جان
 نے ہت سے آنکھیں کھول دیں) مگر اس کی گویا
 اظہار میں رکھے تھے ہی میں آ رہی تھی۔

”بے شک جانا بھائی نے ہم سے اسپتال کی طرح
 کام کر دیا اور خود تانہوں کی طرح ہمارے لیے کھانے
 پکانے اور چھوٹی کی طرح کپڑے دھوئے اور استری ہم
 سے کر دئی تھی۔ ہمارا خیال رکھا ہماری کوئی کیا نہیں
 تھی مگر انہوں نے کیا بن کر رکھا (اسملا ولا قوت)

ہونے نذر سے چھری بار اتر پڑا اور آنکھیں کھول دیں
 تو۔ زبان کو ایک کٹی ہوائی مسکراتے ہوئے انہیں دیکھ
 رہے تھے۔ بیچ کو موع مل گیا۔

”بھائی پلیز کب لب ہوا ہی لے آئیں اور نہ بہ تو
 مجھے سڑے توں اور گنتے اٹھے۔ کھلا کھلا کہا رہیں
 گے۔“ کن وہ لڑکی تو آنکھیں کھل چکی اس کی کن
 زبانیں سن کر۔

”اور تھو پلیر کب بھائی مریم کو ہماری بھاری بھاری
 ہم کن کو بہت خوش رہیں گے کب کو بھی کہیں نہیں
 جانے دیں گے۔“ بیچ تھان کے کھٹے کو لڑا لڑے سے
 پلائے ہوئے گلڈ ٹھنڈت کو بھی بلانے دیا تھا۔
 ”کے تھے کم بہت اے لیزر اکھنڈا چھوڑے گا تو
 کچھ کڑوں کی بنا پلائے میں جانا اب تو بے گا کیا؟“
 بیچ نے فٹ سے ٹھنڈا چھوڑ دیا۔

اب تینوں بھائی بہت اہمیت ہاتھ جوڑے بھائی جان
 کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ بھائی جان نے تھی کی
 طرف دیکھا تو انہوں نے سر ہلا کر تانہ کی۔ بھائی جان
 نے ہاں کہنے کی دیر تھی کہ تینوں نے کہا بند کر کے
 بہت اہمیت بھگڑا ڈالا۔

تھی کو اس بات کی خوشی تھی کہ ”مٹھے“ نے کن
 کی لالچ رکھ لی ہے۔ بیچ کو اس بات کی خوشی تھی کہ لب
 اسے گھر کا کام نہیں کرنا پڑے گا جبکہ باپ اور مولی اس
 بات پر خوش تھے کہ وہ اب گنوارے نہیں مریں گے
 جہاں بھائی کی ایک ”کی جی ہاں“ نے کن کے گھر میں
 خوشیوں تکبیدی تھیں۔



سوروف کی شخصیت	
اول	فرحنا چاز
دیکھ اپ	روز بیوی پارا
خود کو سنی	سوی رضا

قوجین اظفر



اس کا نام میں مارا تھا۔
اور شاید اس کی زندگی کی مختصر ترین کہانی یہی تھی
کہ وہ صرف ہم کی نہیں، گہرا تھی۔ بالی ونگ کی
آنکھوں کا اندازہ نہیں تھی۔ یہی تھی وہاں البتہ اور
بہت کچھ تھی، یعنی کسی کی آنکھ کا دل تو کسی کی آنکھ کا
منکر کسی کے نیوں کا تنکا بھی تو کسی کی آنکھ اور۔
خود اس کے ذہن میں کبھی گھسا نہیں بھولے بیٹھے

Downloaded From
Paksociety.com

READING
Section

خیال کیا تاکہ اس کا نام میں نہ رکھے جیسے میں علی ہو تاکہ کتنا اچھا ہو گیا پھر آشوب چشم اس نے اسے آنسو بہائے جسے کہ اب اگر کسی مدعا ہوتے اس کا دل گرز جاتا زوالت تک خوشی کے آنسو نکل رہتے۔ اور یوں اس نے کین جانی کو بھی بس نینوں سے بہ گئے کی عادت ہی بڑھی تھی۔ دل اپنی رفتار سے دھڑکنے پر چہرے پر ایک شکن نہ آئی آنکھیں نہ بہائے چلی جائیں۔

شعور کی سیر چہاں طے کرتے کرتے چہیسواں کن لگا تھا۔ اور گزرتے ہوئے کن چہیسواں سالہا میں اس کے اندر بس باقی ہی نہ رہی تھی جس کی کہ اس نے خود پر دم کھتا چھوڑ کر خود سے لڑنا شروع کر دیا تھا۔ اور اس لڑائی میں اس کی عقل و شعور کے مہم نقل ایک نہیں کئی ایک ذہن صاف آرائے۔ حالات قسمت، تاعزت اللہ اور سب سے پیارے اس کا اپنا دل۔ سو بہت حساس تھا۔

کہیں بچی۔
شاید اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس نے جب آٹھ گھنٹے قبل سے اب تک حالات و واقعات کبھی اس کے ذہن میں رہے۔ یہ انہی کے وقت میں کا چل رہا اور کبھی عرصے بعد ایک ڈنگ ملوٹے میں باب کا دیشا سے منہ مولا جیل اس سے رہا۔ خیر معمولی حالات کا تو یہی نقطہ تھا۔ تھا۔ جملہ سے اس کے دور پر خوش گاہا۔ ایک اور یہ دل وہ تھا جن کی سیاسی بائٹ ہوئی ہے۔ جس پر لگ جائے اسے اپنے ساتھ لبر تک لے کر جاتی ہے۔ کیا وجہ تھی کہ نقطہ چھل کی لگی لگے میں یہ وہی لگا کے لیے جاتی بھری جڑا میں اسی راہ تھی کہ کوئی بہن نہ بہا۔

خالہ بھئی جو شتم پیشہ کر کو رہیں بھائیوں۔ پھر پھر نے کاپیوں پر لیں بچا کے اس دور میں کیسی مسخرد تھیں۔ سو فرنگیوں کی پکار بھی لگا کے ہم نکلا۔ انہی نے ایکے میں تو لگا کے بہت سے لے لیے ہیں۔

کیسے مہل لقی قسمت کے جھول پڑے، جیسے بول کر مرنا کیا نہ کرنا کہ صدق اس خطبے کی محنتی کو رکھنا ہی بڑا۔ اب اتنی ہی بات تھی اس کی خوش نصیبی میں کبھی کبھی کہ میں باپ کی لڑائی میں تو یہی اس کا نام رکھ گئے تھے۔ نہ شاید یہ میں رکھا جاتا۔ اگر کسی کو رکھنے کا خیال آجائے تو۔ تو اسے گھوڑی۔ ٹکڑوں۔ کم بخت۔ ایسا ہی کچھ ہوگا۔ با پھر شاید۔ شاید۔ اللہ معلیٰ اللہ بچائی و فریاد۔

جس عمر میں اس نے آٹھ گزرتا اور چائے پینا شروع کیا۔ اس عمر میں عام حالات میں لڑائی شروع منڈائی رہتی ہیں۔ کہ کہ نہ لگا اور بیات بہت پر پڑوس میں بھانڈا کی ضروری کام ہوتے ہیں اور اس کی ضروری باتیں۔ مگر وہ تمام حالات کی پیدوار تھی ہی نہیں۔ تو جس عمر میں اس نے چائے پینا شروع کی۔ آبا اس وقت اس پر بیاتیں لگنا تھا۔

۳۲ وہی سبک با پچھ خوش خدا کرے۔ تجھے رب وا واسطہ۔

وہ پڑا چار سا بیڑہ تھا۔ خوف خدا سے خود تو لاپتا تھا مگر اپنے خوف سے اپنی زندگی کو کبھی ہلا بھی نہیں سکا۔ پھر اگر لگا تو وہی بہت۔
موتوں نے کہا کیا ہے بچی۔ یہ ہمیں سے کام نہیں لکھے کی تو پڑے ہو کر لوگوں نے لکھے ہی ہائیں سنائی ہیں کہ یہ لکھی لڑکی سمجھا تب ہی کچھ نہیں سکھایا۔ اس کا اللہ خدا نہیں لود۔ یہ خدا معمولی پڑوس ہی کیا گیا۔ عمر چار سالگی نے اتنی چل دی وہ صوفی شریعہ کر دیا کہ جگے کی کچھ عمر میں گھر آئیں اسے پوری خانہ میں بچھنے دیکھا تو کئی کو لکھا۔ "باقی" سنائی ہوئی رہیں ہوئیں۔ پھر لکھی کو شرم نہ تھی۔

موتوں کا کیا ہے۔ بس چلے لکھی پر بھی ہمیں نہ لیں اسے خود ہے۔ تو بچے آرہے سے ہاتھ جھاڑ کر تک جاتی۔ لیکن میں لڑا کی جگہ نہ تھی۔ شروع شروع میں اس کا ہاتھ چل جاتا۔ کبھی گھر میں بچھنے پڑ جاتا۔ تو وہ پڑا سبک سبک کر دلی۔ تباہ کر دیتا تو

جلدی چل دی چاہے کہ جو شہینہ تھی۔ سب جاتے کہ بے
 تکی کو ہوا کھاس کا خیال آ گیا۔
 ”تو اتنی تارا۔ آجا تو وہی چنگ لے آجک آ رہا
 رات۔“

اس صوفی۔۔۔ آفرات نے دفعتاً حیرت نہ ہوئی۔
 جب سے اس نے سمجھواری کے سن میں مذہم رکھ کر
 پورے گھر کا نظام اپنے نازک کندھوں پر اٹھایا تھا اور
 جب سے تکی کو کھڑے پتھر اور شوگر کے آسنے نام میں
 بگڑا تھا سب سے اس پر ذرا کی تدارک کما جاتی تھی۔
 درخت کھانا پتھر میں شروع سے اچھا تھا لیکن پختہ
 میں جب تکی نے اس کے گالوں پر جھلک دکھلائی
 گلہبوں کی حسب دیکھی تھی۔ تب سے فرنج میں تکی
 لگا رہے لگا تھا وہ نہ ہوس پھل اور تنگ مید جات
 کی گھر میں کمی میں تھی لیکن ٹینٹوں کے دل میں
 ضرور کسی شے کی شدید کمی ہوا شاید اس نے کام
 خدا زہی تھا۔

تو بات کیا ہو رہی تھی کہ لستے خراب حالات
 میں ملنے والی ایک لی لی کے خواہوں میں بھی اس دن
 سے آجک شہزادے نے نگاہ ساروں سے اپنے بھائی بھائی
 سا لگا تھا لیکن بھائی بن نہیں سکا۔ تو پھر وہ اکثر
 پر مزاج اور بدسلوکی سا لگا اسے تنہا کے من لجات میں
 مہو ہونے لگا جب وہ صحن سے چار ہو کر سبز
 گرتی اور دروازہ شراوت سے دور جا گرتی ہوتی۔ تب
 بے خود ہو کر لی لی بھائی میں بند آنکھوں اور مسکراتے
 لبوں کے ساتھ وہ سوچتی اور سوچتی ہی چل جاتی۔ کوئی
 محبت سے اس کے دل سے لگا رہا ہے اور اس عمل میں
 اپنی زہی ہے کہ اس کی ممانعت سے آنکھیں بند ہوئی
 جاتی ہیں۔ کوئی آہنگی سے اس کی ہتھیوں کو اپنی
 پیردوں میں لے کر لگا ہے اور دن بھر کی صحن انز
 جاتی ہے۔ کوئی بے حد دھڑکتے سے اس کے ساتھ لے
 لی لی کے سفید اردو تھوے۔

اولی ہوا۔۔۔ پھر شہینہ۔۔۔ اور پھر پھر شہینہ
 اپنے آپ سے یوں شہزادے کی لگائی کب تیر کی راتوں

مروم لگا آپس بٹھا کر بار کرنا چلی اور تک پھو تھیں
 بار بار کر ملی بھلا تا رہتا لیکن کب تک۔ اس کی
 پھو تھیں عین بار کے زہر مریم تو تکی کے سلگنے دل
 میں شہینہ کو لکھنے کا نام کرتے تھیں۔

اس نے اپنے وہم لیا کو دکھانے پھر زہر۔ پھر
 تکی کو دیکھا پھر زہر اور سب لڑنے اور تھی ماہر ہو گئی تھی کہ
 لعل تو پتھر جلتا ہی نہ۔ اور اگر مل ہی جا تو پیچھے آٹھے
 کو خدی پتھر سے رگڑ کر پھوڑا لائی۔ تو شو کی دیر کی
 چلن اور پھر سب سب ہو جاتا۔



اس کی کوئی سہیلی نہ تھی کہ اس سے دکھ سکھ ہنٹ
 لینی۔ تکی کا بھی صرف ایک ہی بیٹا تھا جو عمر میں اس
 سے چھ سال بڑا تھا۔ میرنگ تک اس نے پرائیوٹ
 تعلیم حاصل کر لی تھی۔ اور بس اتنی ہی پڑھ تھی۔ تکی
 کے نزدیک۔ کوئی بڑی ایب بار مل ہی تھائی تھی۔ جو
 ہمیشہ غم خوار اور دور ہوا سماج کی طرح اس کی
 ساتھ رہی تھی۔ کم سے کم کسی لگا میں تو انہیں سل
 تک۔ اس کے بعد اس کی اس قدر مدھی پھیل گئی
 میں مٹاس کا ایک دن خود بخود کھانا ایک دن چاہا تک
 بیوی اور وار گزارا۔ جیسے جہز کہ ہی ٹونٹان والی
 راست میں ایک گھر کی کل جاتی ہے۔

وہ ایسا ہی ایک دن تھا۔ جاؤ اپنے حوٹ پر قتلہ
 و حوٹ تھلندی سے کوٹھے حن تک رہنے کے بعد
 وہیں پہلی لوگ رہی تھی اور اور میں کوٹھے حن سے
 ہی واپس کے لیے اٹھ جاتی۔ اس نے چرتی سے
 چار پارچوں کھینچیں اور کینوں سے بھری پرانے لکے
 درمیان میں رکھی۔ پھر تکی کو لگا لگا دی۔ تکی جو
 اندر گرتے میں اپنی اگلی ٹونٹا فریٹ اپنے پھوٹے
 کے سارے غم و غور سے راز داری سے کوئی ہنٹ
 کر لی و ضللی میں کھنکھنی جاری تھی۔ اٹھ کر ملے کے
 ساتھ ہی و حوٹ میں رہی چاہتی ہے آہنی۔ ساتھ
 ساتھ کینوں سے بھی کھنکھنی ہو گیا۔ وہ اندر

میں آواز جاتی ہے۔ یہاں تک کہ چنانچہ اور پھر خواب میں
مخبر وہی ایک منکر ہے۔ ہونا جس نے اس کا دل موایا
تھا۔ لوگ کیا تھا۔

اس روز جاڑے کی سردی دھوپ میں ہوا سے
اڑنے لگا۔ صرف ہی اور وہی آنکھوں نے اس کے بل پر
اس انداز میں شب خزان ہارا تھا کہ وہ منہ کھولے بس
ریختی ہو گئی تھی۔



پہلی مشکل سے نکلی کے بلانے پر ڈرتے
جھبکے ہوئے اگر اس نے ایک کیو اٹھایا تھا اور
ابھی وہ منگ سے ہاتھوں میں سنبھل بھی نہ سکی تھی کہ
وہ آنسو سے لڑھکا اور زمین پر گر گیا۔ اور نکلی کا ہاتھ ملد
ایک ساتھ اٹھانے سے پہلے تو اس کے سر کے پس میں
خراگئے۔

”انسب“ ڈوری چہٹ گئی تھی۔ اس کے منہ
سے ”ہی“ نکلی تو حلقہ لے ڈرا کی ڈرا لگا ہوا میں مزے
بھر کے اسے نکھلا۔

وہ لٹن پر بھی تھی اور یہ چنگ پر بیٹھ کر اس کی
طرف جھکا تھا۔ وہیں بس وہیں ہوا اور بات چیش نکلی
جس نے اس کی تھیں اچھا کر رہیں کپا کیں طر پر
اس کا بولہاں اچھا کر طوای کپا کسے۔ زمین
گزارے کے لیے یہ ایک اچھی مصوبیت تھی۔ کسی
خواب میں دیکھا تو جس جہانت میں اور پھر بے اتنا
خاموش تھکوں سے بے حد آہستی اور احتیاط کے
ساتھ مسکرا رہے تھی اس کی دماغی اور اسی دنیا میں
زندگی کی تھی تھی۔

ہاں تو بات کیا ہو رہی تھی کسی کسی میں کہ بڑا تھی اور
اسی دنیا میں زندگی کی تھی تھی۔ زندگی کو لوگ چال کے
پیلے سے ہوتی تو تیشہ میں رہے ظاہر تو بات ہوتی
ہے تو بات کی جاتی ہے۔

رہے ہیں۔
”نیکل بھی۔“ حلا تک وہ تیشوں کی ماں میں
تھیں لیکن ایک حد تک تھیں اور ان کی ماں تھی۔

اسی نے نکلی بات کرتے کرتے ابھر آئیں اور
بولنے بولنے میں گارا کے سر پر ہی کن پتھیں اتنی
جلدی گئے تو یہ ایک کہ اسے ہاتھ میں پکڑی کالی کا رتہ
(ورق) پٹینے کی صلت نہ ملی اور علم کی ساری ساری
زندگی بھر کے لیے اس کی نظر پر پوسٹی گئی تھی کہ
پورے کھنڈر ایک ہی نام اسی حلوہ و جھگے ساتھ
بکھرے ہوئے تھے۔

”حلوہ حلوہ حلوہ“ نکلی نے آنکھیں بند کر
پتھ لے اس کھنڈر کو پھر وحشت لہا ہوتی ہی بکرا اور کھا
پھر اس کے بعد تو کھنڈر کے پورے لے آئے
ہاتھوں لیکن سیدھی پلاسٹک کی سخت چیلوں پر نکلی
نے اسے رکھ لیا۔ اور اس وقت تک نہ چھوڑا جب
تک خود حلوہ نے کمرے میں آکر نکلی کا ہاتھ میں
پکڑ لیا۔ ورنہ میں ممکن تھا کہ مجھ سے مار کھا کھا کر
پٹنے والی تھیں بکرا اتنی چہرہ نہ نکلی لیکن پھولے کی
ڈانڈ پر قدم رکھتی نکلی کو اتنی سخت کرتے کرتے غش
ضوہر آجھا کہ اس رات میں گارے نکلی آنکھوں
دیکھے گئے خواب کو خود آسوں کس کسوں میں چھلایا۔

”کچھ خواب شرمندہ نہیں ہونے کے لیے نہیں
دیکھے جلتے تو صرف خواب ہوتے ہیں اور خواب ہی
رہتے ہیں کیوں کہ وہ زندگی نہیں ہوتے۔ خطا تو یہی
کرتے کا بہانہ ہوتے ہیں۔“ اور یہ کسی زندگی تھی
جس میں اسے کسی بلانے تک کو برا شے کی اجازت
میں چھو کہ یہ بلانے پلا خواب کسی اور کی تھیں
اجازت لے گئے تھے۔ میں گارا کے خنڈا سے ساری
رنگ لوتے رہے تھی اس کی دماغ میں وہاں کوئی
کھٹا نہ تھا۔



حلوہ کو بھی حلوہ کی خبر مل گئی تھی اور نکلی کو بھی
لیکن نکلی نے پتا نہیں کس انداز میں کیا کہ کرا میں

نکلی کی چہرہ سنبھل۔ فقط چہرہ سنبھل میں رہا پ
تھیں کہ میں گارا کے میں گارا کی طرح چنگ

مطلوب کیا تھا کہ بجائے اس سے پوچھنے کے کہ وہ کونسا ہی
 اسے یہی طرح نظر آرا کرتے تھے۔

کلی کی جھڑکیوں اور پتھروں میں اضافہ ہو چکا اور
 اس کے خرابوں کے جل بچے مغربے پر غم آگھوں کی
 سلیں سے جنس پر مبنی رہی۔ وہ خود اس کا وعدہ
 اس کی بنا اور عزت گیس مزید دو سال پور نہیں جیتے تک
 عمارت بھری ٹھکانوں سے کھان کن ہوتے ہوئے لوہ
 ہے سے ہونگے۔ دو سال پور نہیں جیتے پھر گھر کے
 آگن میں عمارت کی نئی ٹولہ پور نہیں۔ نہ قدم رکھا۔ کسی کی
 دنیا کھو رہی تو کسی کی پائل اور برکت۔ وہ مری میں کھرا
 اور لوہہ چلی اس کی آگھیں اس میں کھل موند اور راکھ
 کا اجبر فرما رہی۔ اس نے کسی مشین کی طرح اس
 شادی پور اس کی پتھروں میں حصہ لیا تھا اور مشین بھی
 وہ جو آؤ رہی پتھروں کی ہوتی کسی سے حد متقی یا نیک
 سے منگے واسوں قاتل کر سکی میں حکومت (محل)
 کر کے خریدی گئی ہو۔

اس مشین کی کیا کو اپنی ہوتی ہے معلوم ہے یا۔
 وارنٹی اور بھرتی سمیت۔ چونکہ وہی ہے نہ جھٹکی
 ہے نہ جھٹکی ہے نہ گرم ہوتی ہے نہ خراب ہے۔ جسے
 وہ کبھی خود نکلنے سے فرقی نہیں پڑتا اور پتھروں میں کھرا
 جی جو ایک ایسی مشین بن چکی تھی جو گھر کا لیوڈ آؤ
 جانے کے بعد بھی کام کرتی رہتی ہے سو وہ بھی کرتی
 رہی۔ کئی رہی۔ کام میں جتی رہی اس وقت بھی
 جب وہ مھنتی کے پھر مھنتی کے باعث تباہی اور
 دہرے مسابیل کا لیوڈ آؤ گیا۔

اس نے انہوں ہی وہ دے کر ایک ایک کے
 ہاتھوں تک پہنچائی ہسزے جیسے آٹارے لٹالے اور
 اپنے ہاتھوں سے لوبھاری ہی لارو دھکی ہوئی رضائیں
 ڈالیں کہ تالی کے مشورے اور خود ہر شادی ہم جاؤں
 کے موسم میں رکھی گئی تھی۔ تمام شہتوں کو فون کے
 ہسزوں تک رہنمائی کر کے آٹس ہون میں لے سے
 سے ہن رکھ کر سٹا۔ سارے کھولیں اس کی
 مھنتی مھنت سے گمانش بھر گئی اور سب تک حصہ جی

کی راحت لے کر گرم ہسزوں میں تھکے پتھروں سے
 دیا میں نہ چہ لورہ کچھ اس کی خاموش مھنت کو مھنتی خیز
 اشاروں سے اگرت کر کے تھکے کھولوں میں ہانکے
 شبہ اس نے اپنی سارکت تھکی آگھوں میں خیر کا
 شہرہ و صورت پھرا پھر نام رہی۔ تھک کر تھکتی چلی
 مھنت ہے نہ ہم پتھروں کے میں جو عرصہ دراز سے اس
 کے ہن سے منسوب تھک رہی تھکتا چاہو پائی پر چھوٹی
 سے کر گئی۔ کھلی۔ کھلی کہ وہ لاکھ بن جاتی پر
 مھنتی میں تھی۔ جی ہر انسان ہی نا!

شادی کے بعد کے دن گزرتے ہی دس دن کے
 جو چلے اور نئی ٹولہ ماسوں کے چاؤ پورے ہوئے۔
 دس دن تک ہم نے ہسزوں کی خلتے شہر قدم رکھا اور جیسے ہن
 مارا کی زندگی میں ایک ہی آٹس آگھ۔ اسے لکھا
 جیسے کئی خود کو اپنی ہسزوں میں تھکے لوہے سے ہونے
 اس پر تھکے اور نے جانے کہ توک کو اپنا جی جھن
 تھی۔ اسی طرح جن کی ہسزوں میں ہسزوں ہانکے کو
 اپنا جی اور جن سے نون فرض جیسے گئی تھی۔

ہن لکھا تو پہلے ہی قسمت مھلت اور کالی کے
 ہاتھوں مار کھائی ہوئی تھی۔ اس صورت حل سے
 کھرائی نہیں تو خود کیا کرتی۔ وہ لے خلت میں بند ہوئی
 چلی گئی اور نئی ہسزوں یعنی شادی جیسے ہی لے ہوئی تھی۔
 ہانکے ہی ہانکے سے باہر آئی اور تھک گئی ہانکے ہی
 اپنے دانے مھلتا فیات اور عرصہ سے خلوڈ کر جانے تو
 پھر اسے دیکھیں انہوں لکھنے کے لیے ہر لورہ مھنت سے کچھ
 کرنا پڑتا ہے جس نے اسے جانا ہوتا ہے۔ چاہے وہ
 انسان ہو یا کوئی مشین ہمیں کی خرابی اور ہر نظر مھنت میں
 رکھتے کو صرف اس کا تھکتی کا رہی کچھ سٹک ہے اور
 وہاں جھل لیل مھلت میں دیکھیں لاسٹک ہے۔

جس دن سے شادی کا جی ہانکے ہوئے کی خرابی۔
 پورے کھوں بلکہ انڈس ہوس میں بھی اس کی کھرا
 کئی ہی اور ہی تھکے شادی لے انڈس ہانکے کھار
 کے حل پر تھکتے کا دھاتھ وارہی حصہ دے جاتی ہن

رات سو کے چلو چھٹے کرنے لگی۔ شلہو کچھ اور
چوڑی ہوئی اور میں نڈا کچھ اور سڑک چوڑی برابر

گفتہ گئی سرورہ بھی وہاں تھا تو بھی ہاتھوں میں
دو دو ہاتھ لٹو کنواری کے جوڑے چنگوں نے شلہو کو
اپنے ہی گھر میں تراشایا کر رکھ دیا سب تو مکی بھی اس
کے اوٹھو ملوں سے گھرانے لگی تھی۔

”مومہ بی بی جیسا برکہ گھر میں مروتو ہے اور تو کم
بخت جب دیکھو تو عمر پر ہاتھ دھرے ہائے ہائے گئی
کمرے سے نکل آئی ہے۔“ میں تڑا مٹی تو بھی سر
جھکا گئی اور میری سے اپنے کام میں بخت جانی اور بھی
جو آئی ہوئی تو بوجھا کر دے آسانس و جی اس نے کب
سوچا تھا کہ زندگی میں ایسے ایسے مواقع پر بھی بختا ہے
گا ہر انسان بدلوں ہے۔ وہی تو نہیں جانتا کہ اسے
زندگی میں کب کب اور کئی کئی بختا ہے اور کس
کس بخت کو دیتا ہے۔

یہ شلہو خوش باری۔ ”تبا نے چونک کر انہیں
دیکھا۔ زندگی میں وہی ہار مکی نے میں نڈا جیسا۔
ایسا اس کی لڑکے کے لیے اور خاص کر اپنی بیٹی ہوسو کے
لیے اپنا تھا۔

”ایک تو دنیا سے لڑکھانم کرنے لگی ہے۔ بچہ پیدا
کرے کہ لود اور سے۔ فاضل ہنستہ میں بختا کے
کی تو سب کے ساتھ ساتھ اپنا اور کپتے جسم کا بھی
دلغ خواب کہنے لگی۔“

”مومہ صرف غریب۔ ات کہا سے حل اس
کا کہ لودہ میں بھی میں نڈا کو لکھ کر لڑا نہیں
کیا اپنی سیدھی مکی کو اس کر دی تھی۔“

”حسد و اہتد سے اس کو بھی اور ہم سب کو بھی۔“
نیم تارک کہنے میں صرف بختی آگ کی پیش ہوتی
وہ لگی اور تبا کے کہل میں ایک سیدہ سے ہاتھ سوچ۔
”پیش سب سیدہ سے تو جب تک لگی ہے سب تو نے
خوشین مارا تاہین حرام کیا تھا۔“



کوئی لودہ زندگی میں اس طرح حواوت ہونے کے اپنے
وقت پر تو وہ بڑا محسوس لڑا اور سخت لگا ہے مگر وہ میں
وہی لودہ ہمارے لیے مبارک ثابت ہوئے اور ہمارے
زندگی بھر اس کے کا اپنی یادداشت لوز اشکوں سے
قرضی اکوتے رہتے ہیں۔ میں تبار کی زندگی میں بھی
ایسا ہی ایک لودہ ایک رات نہ۔ جالے لودہ لوس کی
ایک گھری رات میں اچانک ہی وارن ہو ا تھا اور پھر اس
کے بعد اس کی زندگی بدل گیا۔

اس رات جب سہرے ہی گھرے کا لہا ہوا
نے عرض کا سینہ تو حاتپ رکھا تھا اور وہ لکھ کر ہا سو فرو
تھی۔ جس کا گھر بخت پر ہونے کی وجہ سے بے ہر
سزا اور کم طوعہ سا بننے سے ڈھکا ہوا تھا۔

گھر میں میں سلوان بھولوں میں جھلتے کمرے کو
ٹھنڈا کرتا تھا اور سونوں کی بج بڑے جھڑی میں
سور اخلی سے بھری ٹھنوں میں سے گھیس سے بھی
بھی بھی کوئی ٹھنڈی رہنے پانی کی وہاں اس کا کتور جسم

ہرگز نہ دین کے ساتھ شلہو کی نہ صرف جسمانی
بلکہ ذہنی حالت بھی اتر ہوتی تھی۔ سب سے اندر ہی اندر
کچھ رانی اور پھر بھی تو ایک دم پریشگر کی باہر اچا
سارا گرم لہر سا سندولے پر ڈال دیتی اور اس گرم لہر
کی پیش سے جھلنے والی اکثر وہ شرمین تارا ہوتی۔ اس
کا جھکا ہوا سر اور سر کے لب سوئے شلہو کا دل چلانے
کے لودہ کوئی کام نہیں کرتے تھے وہاں سے بھی اس
قدر چ جاتی کہ بس نہ چلا کہ کس طرح والد پڑا کر
تسے گھر سے باہر گئے۔

جہاں چھا نہیں ہوا سب نے اس نے لوں کے کلن میں
پھونکے لپا ہے کہ میں تارا اپنے جلد سے۔ ”انہیں
بنت عمل کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ جا والے جن جن
پر تھا اور مکی سب سے درمیان میں لپا نہیں تھی پھر
بھی آتش رانی میں سب کی لڑکیوں کی جی اس نے اپنے
اصحاب پر محسوس کی تھی۔

”اگرے فتح دور بھا لاش جاتے میری طرف سے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

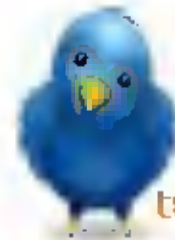
WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ہم جانتی جس کی لٹنڈک کو محسوس کرنا اس کا اندازہ ہے
پورے خلتے میں چمٹے کے پاس کھڑا ہو کے بھی
نگھینا کرتی تھی۔

شورے! اہم ابھی تک اپنے کمرے میں نہیں تھیں
اور۔۔۔ سنت دہی سے کھڑائی کی طرح چاہنا تک کی
تخت چیل کو لیٹن پر محسوس نہیں تھی شہلو سے
لیکن میں بدبو کے کے بغیر وہ نہیں سکی پھر جواب کا انتظار
کیے بغیر خود بخود۔

چھا چلو۔۔۔ اب جانے سے پہلے ذرا الٹے پہنائی کو
گر مہلوہ وہ وہ جاؤ۔۔۔ میں ابھی تو ہی ہوں۔۔۔ میں تیار
نے کسی سانس بھر کر ہی لڑی بیدار کولہا کے گرد
کچھ نور لیٹا اور تیار دستانے کو ستر اور شل سے لہی
پہندی شہلو کے کو میں بار کر کے ان سر کی طرف جانے
ہوئے شہلو کے دیکھا پھر وہ وہ کا گلاس لے کر دیکھ
وے گرد وہ سے ایڈر گئی۔۔۔ سناٹے ہی بستر شہ
درا حاضر چھ کا تھا۔

شورے! تم ابھی تک جاگ رہی ہو۔۔۔ جاؤ بھی سو
جاؤ۔۔۔ اس نے بے حد محسوس کے سے انداز میں وہ
پہن کے جن میں اور دہی کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ کمرے
میں آتش دہن کی وجہ سے پر لطف سی حدت تھی۔

وہ بس اتنی ہی دیر تھی جسکی دیر میں حلوہ نے وہ
ختم کیا اور میں اس لئے جب وہ حلوہ سے دیکھا کا گلاس
لینے لڑا کی لڑا تھی پیچھے سے شہلو نے اس کی کمرے
میں خود وہ اندھا جڑ سے گولا چھوٹے سے کمرے میں
رکھ کے جو سے سارے بڑے اور وہ وہ۔۔۔ کے دور میں
میں ہی ہلے ہونے کی وجہ سے نہیں تیار کولہا وہ کا سا
لگا اور وہ ہلے۔۔۔ بجا انتظار بستر حلوہ کے لہی۔۔۔

ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ شہلو نے یہاں لینے لیلیا پہ ہاتھ
رکھا۔۔۔ جسے اس نے پتا نہیں کتاب یا کتاب کا شبا اور پیر
مترقی۔۔۔ چھوٹا کھتا۔

پتا کیا ہے وہ خود قولیہ سبب۔۔۔ میں تیار اسم
کے پیچھے ہی اور حلوہ صاف کر کھڑا ہوں
تو کیا کہہ رہی ہے کیا یہ سبب۔۔۔
میں نے کیا کہا ہے۔۔۔ جو وہ کہا ہے وہ ہی کہہ رہی

ہر لہ جانے اور وہ۔۔۔ میں لٹ گئی۔۔۔ ہائے لہا کہ کو کج
لو۔۔۔ میں لڑا کی آنکھیں لہا اس سے سر سے پیر
تک حمر کر کتپ گئی۔ ایک سے میں ایک چنگنہ کھڑا
ہو گیا۔

میں تیار نے زبانی میں جڑے جڑے الزام سے
تھے سنا کہ کھلی تھی لیکن وہ تخت میں سٹن میں
کی پروا ہی سے اور اس کے خلیہ سے بھی بڑا تھا۔
اور یہ میں تو کسی کو نہیں تھلنے کیا نہ تھی اور نہ حلوہ
کہ میں ہاکی ہا کے خلیہ میں بچھو لانا چاہتی تھی۔
کچھ کہا چاہتی تھی لیکن پھر بڑے لہی سے چہرے
میں تو اٹھ کے سوا کچھ بھی نہیں لگا اور ان کو اٹھ
پر بھی شہلو کے روٹنے قابل کہ ہے۔۔۔ چہ۔۔۔ تب ہی
حلوہ کی وہ کھائی ہوئی حوا گئی۔۔۔ وہوش میں لہا اور اس کی
ایک اور دار حوا نے شہلو کی لہی بڑے کر دی۔

پتو اس بڑے کر شہلو میں تیار کسی کے ابھی حمر اللہ
شہم کر لہی۔۔۔ میں لفظ ہل کے۔۔۔ خوب تیار سب ایک
کو از بھی تھی۔۔۔ کمرے میں رہتے ہوئے کمرے کے
کچے کسی نے پیر دیکھ کر تو از کو حشر دہی۔

شہلو میں تا کہ کسی طرح سنا سوں کی چھپ چھپا رہی
بہر حال یہی حلوہ لہی بھی پیچھے کی غرا۔۔۔ کھڑا ہوا ہی نہیں
تیار کہہ رہی تھی۔

حلوہ کی زبانی ذرا سا خوف کھا لے۔۔۔ تم نے
میں کی بھی حلوہ میں لہی کی طرح بچھلے گئے
لے کسی سیم کی چلو پلو کر رہی ہے۔۔۔ تو۔۔۔ تو اس
میں انداز میں وہ لہو لہا لہا میں لہی ہے جس
تھا شل بھل ہل کو سمیٹ کر ہر لہا گیا اور پیچھے
اس کا کتب سے کو میں گراں گئی لہی۔۔۔

دقت کا وار بہت ناگوار ہے جب کسی کے مشہور
کتا ہے تو میرا سنا اس آگہ اور لہی میں لہی ہے
وہ جو بڑے لہا لہا ہے۔ کمرے کی اور لہی میں
لہی کا میں نہیں لہا کہوں ہی لہا کہ اس کے چہرے
پر بھی دقت اور حلات کا سب سے اور وار تھا چہ

جھانچاں چھانچاں برس رہا تھا۔ حلقہ لہلہ کے چپے نکل کر محسن میں داخل ہو گیا۔
 فرخزاد نے فرخزاد کی فرخزاد میں رہا تھا۔
 انا گل ہلے گل میں بھر سہاں میں شہو ہلے گل
 کسی پردہ کی ہانہ وداہ کھل کر سے اندر سے
 میں کھوئی۔

سات گھنٹے سات گھنٹے سات صدیوں کی ہانہ
 میں گزرتے تھے۔ گویا ہماری لوہے کے ڈھلے کو
 قہار سے پھاٹل کے درمیان تھے ہوتے رہے پر ہل
 کر گزرتے ہوں گھر بھر بھی من سات گھنٹوں کے
 لذت ناک انتظار کا انجام کھل راحت نہیں ہوں
 حلقہ بے شک پہن گیا لیکن اس کی کئی کئی ہل اپنی
 اولاد کی کھل ہانہ ہانہ سے رخصت ہوئی۔

و گاؤں کی دست پر لئی دانی تھی۔ بے حد غریب کار۔
 جس کی انگلیوں پر پورے ہڈی کے ڈھانچے کا حساب رہتا
 تھا۔ جس سے جس طوقی رنگت میں گزارنے لپٹے
 اور بے چہرے پر پورے لہڑے پہاڑ کی جگہ کو محسوس
 کرتے اس کے گرد و دوارہ ہل اس رنگت کو کسی کے
 ہاتھ سے لے لی تو نہ تھی اور نہ میں آرا۔ اسے
 دیکھ کر ڈھلے فرخزاد سے ہی ہل کر رہ گئی۔

”ابھی تو اس کا حکم نہیں ہوا۔“
 ہر گزوں کو لگے کہ انارکالی ملک۔ چینی کر۔ ”تواری
 لڑکی کے منہ سے لکھی کھل ڈلی ہنٹ کسی انہولی کے
 ہونے کی لہڑی تھی۔“

”رب خیر کھاسی۔“ زانی میں نے نہیں سے لڑا
 خود کو قہلی دی تھی اور پوجا کھل کھلی میں شراور
 میں کو بھی چھاتے لے لیا تھا۔ ہر طرف کھلی نور کیا
 لے لے کھانہ میں آرا اس طرح پوری رات مصلیٰ پر
 چنبی لے لے جے ہوتے چہرے کی ساری تکلیف
 بھلائے اس صورت کی تکلیف کس جہانے کی دھانچتی
 رہی۔

جیسے جسے شہدہ کی کراہی ہو مٹی کتنی۔ میں آرا کی
 کھلی بند ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ ایک وقت میں
 لہلی کو خود اندر کر اسے گلے سے لگا کر قہلی ہنٹ ہی نور

ہونے ہی والا ہے۔ لیکن۔ کون سا وقت کس کے لیے
 کیا کرنا ہے۔ یہ فیصلہ کر لے والے ہم کون ہوتے
 ہیں بلکہ یہ کیا سب ہی فیصلے کرنے کے لیے غویک
 جانے کے لیے کوئی گویا اور سونے کو کھلے جانے
 کے لیے ہانہ ہانہ لوہے۔ اللہ جو سب سے حکیم
 بھی ہے اور پانچر ہو گیا۔

”خود تو ہے۔ تم کو یہ جہل۔“ تجھے تو میں ابھی ستی
 کھائی ہوں۔“ خلی کر کے میں وہ جانے والے سب
 سے آسان شکار پر شہدہ کی تکلیف پڑی تھی۔ اس کا
 ذلیل و خوار جو زمین پر ایک ایک قدم احسان و حشر کے رکھتا
 تھا اس وقت میں ہی کھل کے ساتھ آتش و ان کی طرف
 لگا۔ اس نے کھنچ کر ایک سستی کھڑی اس میں سے
 نکال کر اور لوہے میں مارا کی طرف لگا۔

کھڑی مٹی اور ہماری تھی۔ گرم تھی۔ انکا وہی
 رہتی ہوئی۔ اس کے دن پورے ہونے والے تھے
 و خود پر بے حساب چھل غریب و آزادانہ اور اس پر غریب کے
 اٹھان کی چھٹی چھٹی۔ قدم بھر دو جب وہ زمین آرا
 تک چلی۔ میں کراہی طرح ڈر کر اور اسے جا لگی
 اور ٹھیک ہی سے شہدہ کے دو ہنٹ ہنٹ کی ایسی نور
 وار کائی ہوئی لہڑی کہ اس کی کراہی کھلی۔ ذرا سا
 جبکہ کر اس نے خود کو سنبھانا چاہا۔ اس سے میں کرا
 نے بھی اس کی تکلیف اور بے بسی کو محسوس کیا۔
 ذرا سا آگے کی طرف چلی اور شہدہ کے ہاتھ سے کھڑی
 چھوٹ کر سیدھی اس کے گلے سے جا لگی۔

”ہائے اللہ۔“ تکلیف سے میں کرا تھپ سی
 گئی۔ چہرے پر جیسے کسی نے جلا انکا ڈال دیا تھا۔
 اس نے وہ پھری ہوتے ہوئے پورے شہدہ کا کھل بنا کر
 منہ پر رکھا اور زمین پر گرتی شہدہ کو نہ کھل۔ اس کھوں کا
 فیصلہ تھا اور ڈھکے بھر کھیل۔

”انہی لہلہ۔“ انہی لہلہ۔“ کر کے کا وہ داندہ حجاز
 سے کھلا اور کوسے چہرے پر چاند کا گولہ بنا کر رہ گئی۔

میں آرا آرا ہوئی اندر آئی۔
 بھر حال کی حالت خراب ہو گئی۔ کب جانیں میں
 زانی کو بلانی ہوں یا بل نہ شہدہ ہو چکے تھے۔ سب

یہ اجنبی منتر اس گھر کے افراد نے ہی نہیں دوسرا ہزار
 نے بھی پہلی بار ہی دیکھا تھا۔ مگر کئی لوگوں کے بعد وہاں
 نے گھر میں چھائی خاموشی توڑ کر سب سے پہلے
 تکی کو تونڈی۔

"سینکد ہاری نو سینکد۔" ساتھ ہی کسی نئے فرشتے
 نے معصوم باریک گلاز میں دو گردنی کو لپکا ہوا تھا۔
 سینکد تکی سب گریہ کر رہی تھی۔ میں تارے جاتے نماز
 پہنچے۔ ماہ نے کرسی سے اٹھ کر دو دروازے کو دیکھا۔
 تھا بھی کھینکھار ہوا اٹھ کر بے سے کلا کلاس
 ہی کو اس خوش خیال منتر کا انتظار تھا جب تکی سینکد
 آنکھوں اور مسکراتے لبوں سے بچے کو لے کر گھر
 بے بہرہ ہوئی اور مبارک سلامت کا شور مچائی
 صحت۔

شور تو بجا مگر مبارک سلامت کا نہیں۔ تکی کے
 چین کے ناپا پڑا۔ جلد کے حواس چھوٹے اور نین
 تار کے ساتھ سے جاتے لانا۔



پورے۔۔۔ تپ کی پہنچی کو کہا ہوا بہن۔۔۔ وہ بھی تکل
 کے چالوں کی کھینچ بھی نہیں تھی کہ جواوا سا
 ایک سوال اس عورت کے لبوں پر ابل جوفت پہلے
 میں تار کو کسی رہنے کے سلسلے میں دیکھنے تھی تھی۔
 "صوبہ۔۔۔" تکی نے تکی میں پہلی بار ہی
 گڑبھائی تھی با شاید اس ہی طرح سے کہ پاس
 پہنچی نین تار کو خود اٹھ کر فرائی مدد کو اتارنا۔

تھکاری اور تھی کر کے دھونے دے رہی تھی۔ تو۔۔۔
 مڑ گیا اور تھوڑی سی راکھ مہ۔۔۔ ڈانگی۔۔۔ وہ لڑائی سے
 مسکرائی۔۔۔ چھاپلا چھوڑا اور آتا سا ہوا۔
 "تھکاری میں سے راکھ گھر کی پہنچن راکھ کا جانا بہت
 نہیں ہوگی۔" اتفاقاً تو کچھ دور سے مگر حضور میں تھی تھاکہ
 اس میں اس کی ہلست رہتی ہے ہر چین میں تھا۔
 "وہ صرف راکھ نہیں تھی اس میں ایک جانا کوئلہ
 بھی تھا۔" اس کے لیے تھی بے رحمی پر عورت صرف
 جبری۔۔۔ جبری۔۔۔ جبری۔۔۔ جبری۔۔۔ جبری۔۔۔

تھی۔
 "تو کوئی دانا لگاؤ۔" ایسے تو نشان پر جاتے گا لو۔
 نہرا! جو صحت پر اگلے گا۔ "تو کئی ہمدون ہانے
 تکی کے جاتے تھی کوئی تار مہ سا ہوا اور اس تار مہ کی
 کو لڑائی کر رہی تھی کہ وہ سوخ گل کا لکھ کیے بلیر
 پوچھ بیٹھیں بلکہ ہر لڑا راست تھی۔

"جن جن لوگوں کا آب نے کہا تھا انہیں کلا دیکھے
 گلہ ذرا تھمر جائیں۔ گھر میں خوشی ہوئی ہے اور
 اچھی۔"

"وہ اب کہاں آئیں گے۔" عورت کچھ زیادہ ہی
 منہ بہت تھی تھی (بات تو ایک ہی ہے۔)
 "بلکہ وہ تو اب شاید اسے پہچانے سے ہی ہٹا کر
 کر دیں۔" تکی نے گھر کی نین تار کو تلاش کیا مگر وہ
 دوسری طرف بچھ چکی تھی۔



چھوٹا گھر میں سوگ۔۔۔ پہلے بھارت کی اپنی بڑی بھول
 بڑی۔۔۔ آج مہے گل دو سرانہ ہی کا نام ہے بلکہ بہن
 تھا کہ تھی لہجہ کی گفتگو میں نے زیادہ دن آتھیں تم
 نہیں رہتے ہیں۔

یوں بھی جی جلی جاتے تو ہتھ کے والے باہر کر کے
 دوتے ہیں۔۔۔ جو عورت تو شہ جولا کو دوسری تھکریں
 ستانے تھی۔ گھر کا نام بھیوں کی دیکھ جلی اور سوگی
 زبہ داری کے علاوہ بھی یہاں ایسی کوئی کہانی تھی تو
 نہیں۔۔۔ یہاں کہ گھر کے کام سے لے کر تھی کی زبہ
 رانی تک نین گرا سب ہی کچھ سینکد رہی تھی۔
 اس کے چہرے کا فخر گرا تھا جس کی سب کو بڑا
 تھی سوائے خود اس کے۔۔۔ نتیجہ۔۔۔ وہ مہ بڑا گیا۔ گرا
 ہو گیا اور جو ہوا باک تھنے لگا۔۔۔ سب یوں تھاکہ جب
 مسکرا کر تھی کو بھارتی تو صرف تھی تھاکہ رانہ تھی سلا
 گھر نظر میں آئے۔

"جن ہا۔۔۔ سینکد! بہت برا کر تھی شاہد۔" ن
 برکت سے میں سلائی تھیں رکھے اس پر اپنی آنکھیں
 گارے چکی ہوئی تھی۔ اس کی ہی خواہش ہے ہند بھر

پہلے تباہے اسے سلائی مشین میں موڑ لگا کر دی تھی اور اس نے ہنر بھر میں کئی ایک کپڑے کٹی لٹھا کئے یہی ہٹا لے تھے۔

”کتنے نوجوان ہیں۔ نہیں مجھے نہیں اب اس کا گھر ہلانے کی فکر لگ گئی ہے۔ کون آئے گا اسے پناہ ہے۔ میں بیٹے ہونے مند کے ساتھ۔“ عین چوتھائی گندی رگت میں کھنٹی کوزے کے کپڑے جب ایک چوڑائی ہوا ہے وہ سچھیا ہی کپڑے میں لگ جاتا تو لاکھوں کی لطف تھی۔ فوجی رہی تھی۔ وردازے کے باہر آکر کے حاد سے نظر بھر کر اس کی طرف سے کھا اس سے اس کا چہرہ معمول سے زیادہ بگڑا ہوا دکھائی دیا تو اس نے نظر جھکی۔

”سب تو کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔ اس کے ہوتے میں حاد کے لیے دوسری زندگی کی ہمت بھی نہیں کر سکتی۔ سب مجھے ہی برا بھلا کہیں گے۔“ مائی سکتی کے الفاظ میں ہمدردی سے زیادہ دلچسپی تھا۔ سب تکی حاد تازہ دماغی ہوا۔

”اس کے ہوتے میرے لیے کوئی دوسری پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے لعل؟“

”ہاں۔۔۔“ لعل نے جی رہ گئی۔
 ”کیا کہہ رہا ہے تو۔ جملہ ہوا ہے کیا۔“
 ”تھک کہہ رہا ہے بالکل نہ۔“ مائی بھی فوراً مٹنے والے جھکے سے سنبھلے اور بات کو آگے بڑھایا۔

”حیدر کو پہلے دو سڑی ہوئی مل جلتے۔ اچھی سے اچھی لیکن اگر اس کی بیٹی کو کوئی کٹھ بیٹی مل گئی تو بالکل اس کا دل بھی ریا ہی ہوگا۔ جیسا اپنی زمین گرا گیا ہوا ہے۔“ جنگ کی تیار کی کے لیے سوچ رہی تھی مائی۔
 ”مائی کے اس طے پر وہیں ڈھے گی۔ رہی سکی کسر حاد نے پوری کر دی۔“

”مائی بیٹی کو زمین تارا بننے سے بچانے کے لیے مجھے زمین تارا کو ہی اپنا ہونگا۔“ اس نے گہرے کانٹہ بھرا دماغ پر پورا کھل دیا۔ سانس ہی لٹھا ہوا گونگن بھرے زمین تارا کے گونگن رہی حاد نے حاد کا نظر بھر

کر لے دیکھا۔ رہی زمین تارا جو کچھ وہ پہلے عجیب سی لگتی تھی۔ اب کھل اور خوب صورت لگ رہی تھی۔

”یہ کبھی مت سمجھتا کہ تم سے سلوئی منگوا کے گوند کا کوئی کفارہ ہے جسے میں نے زمین کی بھر لیا کرتے رہنے کا سوچ کر تم سے سلوئی کی۔“ مائی نے حاد کے زرد رنگہ گھٹ اس کا چہرہ چھانے سے تھرا تھا لیکن حاد کو اس کے چہرے کی ہر اچھی بھی نہیں۔

”تو بدلے سے اس احسن کتہ تو لہجہ جا کوا پنے سب سے نکال کر تم نے کیا ہے۔ مجھ پر۔“ حاد مائی یا حاد سے متا تھا۔ مین تارا کا سر تھک کر لگا۔

”وہ کتنی ٹھکانے اس کے تو اس سے محبت نہیں کی تھی۔ میں تو میں تو۔“ وہ جھجک گئی۔ جس گھر میں جس طبقے کے سامنے ساری زندگی اس نے قیام کیا۔ کب لور ایسے جیسے لفظ ادا کیے تھے اس کے سامنے اپنی بیٹی بات۔

”میں تو کیا میں تو۔“ حاد اسے آگے بڑھایا تھا۔ اسے بولتا تھا۔

”میں تو اسے صرف بھلا چاہتی تھی وہ ساری زمین تارا نے۔“ حاد چپ کا چپ رہ گیا۔ اچھی وہ لور بھول کر کسی سے اس کی بیٹی کی لہجہ تو نہیں گئی۔
 ”شہزادہ شکر۔“ اس نے زمین تارا کے ہاتھ کی پستان پر لگا دیا۔

”مائی نے حسین اپنا ہی نہیں۔ کئی کہہ رہا صرف تم ہی کر سکتی تھیں۔“ وہ سلائی بھری محبت سے مسترا دیا۔ عین تارا کا دل سلو ہو گیا۔ عین تارا کا دل کچھ عین گرا رہی تھی۔ اس کے عین خوشی سے کب نہ یہ شخص اس نے محبت کے بارے کو گانگ میں چھاپا تھا۔



Downloaded From
paksociety.com

تمثیلہ زاہد

مقامی

”فیصل برائی نیری شادی کر رہے ہیں۔“
وہ جو خواب فرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی
کسمکرا گئی۔

”خانی ابھی نیند لاسنیا ہیں کروا صبح صبح نہیں
بیرے کانوں میں شور مچو تک رہی ۱۶“ حالت
کوئی نہ اور رہی تھی۔

”تمہاری نیند کئی لمبے میں اتنی ابھی خبر نہ رہی
ہوں اور موضوعہ کو دن کے ایک بیچ نیند کی چڑی

پاکستان کی سب سے بڑی
259 مارچ 2016

READING
Section

مصروف ہے پر اہم از میں کندھے اچکے ہوئے ہنسی
 تھی۔
 "کس قدر مغلوبت میں آئی ہے۔" اس کے
 اہم از میں ہنس تھا۔

"اس میں مغلوبت ہی کی کیا بات ہے کج کل پر
 شخص ہی اپنا فائدہ دیکھتا ہے۔ بات کروے پلیم کی
 طرح کڑی ضرورت ہے لیکن کئی حقیقت ہے۔ کئی ای
 ہے، عورت میں سنی کے ساتھ انہیں اپنا مستقبل بھی
 محفوظ نظر آتا ہوگا۔ چیز بھی نہیں دینا پڑوگا۔ تن کی
 سفید پوش کھلی ہے۔ اس سے اچھا شہ انہیں کہیں
 ملے گا۔" وہ چلوڑے کی گری اپنے منہ میں رکھ کر
 بولی۔

"میں کائنات کی عمری کیا ہے۔ کہتے ہیں اس سے ستر
 ایشیاں مل سکتا تھا۔ خوب صورت ہے تم عمر بھی۔
 اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بجائے شادی کے چکر میں
 گم ہو گئی ہے۔"

"کج کل کی کام کے بھینچ ہو رہے تھے وہ دونوں
 ساتھ ہی بے خبر دیکھتے جا رہے تھے۔ انہیں نہ جانتی تھی کہ وہ
 لے کر اس کا خراب ہے لیکن لے کر لے کر مسائل کی
 وجہ سے وہ اپنا خوب پر انہیں کر سکتی۔ کج کل کی طرح
 خانہ کون کے سارے لڑکے اپنی آنکھوں میں اس کے
 لیے پسندیدگی کے جذبات رکھتے تھے۔ کائنات کے
 کشور بھی نے کسی کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ دی اور
 اسے بدادندہ کا طلاق یافتہ مرد۔ دونوں میں کوئی جوڑو
 تھا۔ نہ عمر نہ عقل۔ بس ایک دولت کی چوڑو تھا۔
 کھڑے فیصل بھائی قصور ہی میں اسے زہر لگا رہے
 تھے۔

"میں کروں گی کائنات سے بہت۔" حاتمہ نے ہنسی
 دل میں محسوس کیا۔
 اور پھر اگلے ہی روز وہ نوش کے مہلے گھر سے بگ
 قابیلے پر موجود ملی ای کے گھر جا پہنچی۔ اس کے مہلے
 میں کئی سوگھانے لے پھیل چار گھر تھے۔
 "تو کیا حالت ہے۔" اس کے گھر سے عمر داخل
 ہوئے ہوئے بولی۔

ہے۔" ہر آئے ہونٹ سیکڑے ہوئے بولی۔ "ریسے
 لب فیصل بھائی کو شادی کے ہم پر تو یہ کرسی چاہیے۔
 شادی کا بندھن انہیں اس میں آگے دو لوں۔ انہیں
 خوب چھوٹی تین کے بعد اگلے بھائی کی دل میں لائی ہیں
 اور نیچے وہی صنف لڑائی، جھگڑے اور بھڑکتی۔"
 حاتمہ نے لب بھائی کا ہنر لایا ہے ہوئے بولی۔

"قلب کی بار تھی سو لکھو لکھو والا ہے۔" ہر اپنے
 مخصوص راز دارانہ مہم سے بولی۔
 "تو کیسے؟" اس کا اہم از راز دار تھا۔

"وہ ایسے کہ فیصل بھائی کا اپنا گھر ہے۔ اس بار
 انہوں نے ہنسی کی مشکل کسوں کر دی۔ جاتی ہو لڑکی
 کون ہے؟"

"سنو کی لڑکیوں کو ہنڈ لگا کر گی۔ جب اپنی ملی کی
 جی کائنات۔"

"نہیں۔ نہیں۔ کیا ج میں۔ لیکن کیسے فیصل
 بھائی اور کائنات میں خاصا آج کا لڑکس ہے۔" اس نے
 جی کی اپنے کہوں کو ہنڈ لگایے تھے۔ کائنات جیسی
 متفوق سوچ رکھنے والی لڑکی سے اپنی تو تھی۔
 "نہ ایسے جب وہ پالے باہر بھائی کی شادی میں
 فیصل بھائی کائنات کو دیکھتے ہی روناٹے ہو گئے۔ لب تو
 جٹ مگن ہے نہ یاد کا چکر چل رہا ہے۔"

"کیسے کائنات پڑھا تو نہیں ہو گی۔ وہ دن کیسے
 گئی؟" اسے حیرت کا شدید جھکاؤ تھا۔ لب بھائی
 یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہ تھا۔

"پالی نہیں، مصلحت مند کو۔ چھکارنے کی اسے
 ویسے ہی عادت ہے۔ خانہ کون میں اس بار بھی چھکارا
 مارا ہے۔ سنا ہے فیصل بھائی اس کے عشق میں لیے
 بھولے ہوئے کہ اپنی جائیداد کو تک کائنات کے ہم کرنے
 کو تیار ہیں۔"

"کیا ملی ای راضی ہیں؟" حاتمہ کا اہم از راز دارانہ
 تھا۔

"تو اور کیا۔ جب میاں پوری راضی تو کیا کرے گا
 تھی۔" ہر اپنی مٹھی میں بند چلوڑے کھاتے ہوئے

”معلوم نہیں۔“ وہ اپنے ہاتھوں کو بھرتے نہاٹنے میں مصروف ہو گئی۔ جب سے اس وقت تک اس کا سب سے اہم کام کر رہی ہو۔

”تم خوش نہیں کائنات تو انکار کرو۔ جاتی ہو فیصل بھائی طلسمی یا نہ مروج ہو۔ وہ دار اپنی بد مزاجی کی وجہ سے اپنی بیویوں کو چھوڑ چکے ہیں۔ کائنات ہے لب کی ہار وہ اس شادی کو بھاپا میں گے۔ میں اپنی زندگی کا جو جلتے پتھر تھمے لھلھ رہی ہو۔“

”صاف تو کسی چیز کی بھی نہیں۔ اور نہ ہی زندگی میں ایک بار بڑا ہر لڑکی کو کسی ہار جیت کے لھلھ کے پتھر ملتا ہی بڑا ہے۔“ وہ اپنے ہاتھوں کو بڑاٹش لگی تھی اور اپنی معمولی سی کت میں جاکر رکھ رہی تھی۔

”جانتے ہیں کہ روشن چہرے کی طرف نہ کھانسی اسی دکھ“ تکلیف لوار ایک دے غبار کی تھوت کا اندازہ ہو رہا تھا۔ سب کچھ کتنے کائنات کے دیکھنے گل اور آنکھوں کی کمی حاصل سے محسوس کر رہی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کو کوشش لگنے کے بعد کئی عرصے سے ہی کھانا پکانا دیکھ رہی تھی۔ اسے اب زندگی کی سختیوں جھیلنے کی عادت بڑھ چکی تھی۔ وہ اس وقت اسے کسی مضبوطی پر اس کی طرح کھڑے کھڑے ہی جوتے پہنے اور پرے ہٹا کر بیٹھے۔ جیسی تھی۔

”تم تو توئی اپنی ہی سے میں بہت کرتی ہوں۔“ اس نے کائنات کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھرے سے رکھ کر کہا۔

”نہیں۔“ وہ تیزی سے اپنا ہاتھ سزا کر گئی

”کبھی جانتے تھے؟“ پاشن نہاٹتے ہوئے اس کا ہونہار سکون تھا۔ وہ اس کے بدلے تیار پر بھی نہ چوکی تھی۔ شاید اس کی سرشت میں چوٹا کاسٹے کی عادت تھی۔

”تم تو ایسے نر رہی ہو جیسے کچھ خبر ہی نہیں۔“ دنا اس کے برابر میں بیٹھ گئی اور اپنا پرس کندھے سے اتار کر۔ رکھ دیا۔

”تجھے اللہ تم نہیں ہوتا۔“ کائنات اس کی طرف نظر اٹھائے بغیر بولی۔

”تو بڑا فیصل کرتے ہوئے کچھ تو حاصل سے کام لیتیں۔“

”فیصل بھائی پور نہ۔“ وہ ہنسی لگائی۔

”ہاں۔۔۔ ابھی بات طے نہیں ہوئی۔ طے ہونے کے بعد میں نے سوا چھیس خبر لیا کی۔“ وہ اپنے مخصوص نرم اور جھکے ہوئے لبوں سے۔

”مستور کیا خبر لیا کی؟“ خبریں نوخاندان میں موزنہ سنی روز سے گردش کر رہی ہیں۔ اس کا انداز مستحکم نظر تھا۔

”کبھی خبر؟“ قائل کرتے ہاتھ۔ لمحہ بھر کور کے

تھے۔

”نہی کہ فیصل بھائی ہمارے عشق میں دیوانے ہو گئے ہیں۔“ ہنسی میں طنز تھا۔

”میرے عشق میں تو اور بھی لوگ دیوانے ہیں۔“ کائنات نے ایک معنی خیز نظر جاہ زالی تو اسے ایسا لگا جیسے اس کھل کے بھر کے لیے قسم لیا ہو۔

”کھانا تم اس ہٹنے سے خوش ہو؟“ دنا کی نظروں اس کے کپکپاتے ہاتھوں پر لگی تھیں جسے اس نے

زری سے تمام لیا تھا۔

”مجھ سے زیادہ لگن خوش ہیں۔“ اس نے مختصراً کہہ کر اپنا ہاتھ چھڑا دیا۔

”بھئی تم خوش نہیں۔“ دنا سے نظروں ہی نظروں میں کھڑی رہی گئی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

نصیحتیں

شیراز احمد

ہوئی۔

”مصلح“ دونوں نے کمرے کے دواخانے کی جانب ایک ساتھ مرکز و کھلتے لگائی اسی چالنے کی شے کے قتلے سے جا کر نکلا کرتے ہوئے اندر داخل ہو رہی تھیں۔
”تمہارے لیے سوسے قتل کر لائی ہوں۔ کل ہی

چیز نہ ملنے کا غم نہ ہونا تو شاید میں اور اسامیر کرسکتی ہوں شاید۔ مجھ سے سوائے گئی محبت کے اور کسی کو چھو نہ ملنا غلط نہ مل دو دست سے پرچین نہ تھی آرا کشیں، شیش جیچ محمد اور میں نہ کھڑی ہوئی فر شاید ذرا اسامیر کرسکتی۔ اگر وہ مندر پر صحت نہ ہو پاتے۔“

بنائے خد، اب مصلحی تو ہے نہیں یہ سوئی کا معلقہ بنا کر لائی ہوں۔ لوگ کھلے منہ بیٹھا کر لوں، شام کھانڈ کل مصلحی کا لپا لے کر خود آؤں گی۔ شہساری اسی کا بھی اپنے ہاتھوں سے خود منہ بیٹھا کر لوں گی۔ ”وہ خوشی سے نکل ہو کر سوئی کا معلقہ پیچے پھر کراس کے منہ میں ڈالتے ہوئے پڑیں۔ ”تائی ائی کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی تو وہ پھر بولیں۔

اس کا مزہ بیٹھنا ممل ہو گیا۔ وہ اپنے سر پر ہوتے پھول کو کھینچتی ہوئی وہی دواخانے کی جانب پڑھی۔ من ہوتے دماغ نور مصلحی جسم سے اس کی خوشی چھین لی تھی۔
”دعا بیٹہ، کہ ہر چل رہیں تو کو تو سہی سہی نے پڑائی، تائی۔ یہ کھلے جانے۔“ تائی ائی نے اتنے جلد سے دیکھ کر پکارا۔

”وہ تازہ جھلسے خوشی میں مصلحی کا سبب تو بتایا ہی نہیں۔ لعل سے تا اس نے رشتہ بیٹھا تھا۔ اسی دن کا پھر جواب دینے کے لیے فون کیا تھا اور میں نے ہی کر دی ہے۔ بس اب لٹھ جلد اس فرض سے مجھے بیکدوش کر دے گا۔ پھر لعل کہہ رہا تھا کہ ہم سب شادی کے بعد عمرے پر جائیں گے۔ چنانچہ یہ ہے۔ ہماری سفید پوشی کا احساس ہے اس کو۔ شادی کے سارے انتظامات فاتحہ اسٹار ہوٹل میں خود ہی کر لے گا۔ جلی نصیب والی اپنی ہے میری کا کٹنٹ۔“ وہ پیار سے کاکٹ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بول رہی تھیں پھر جوتے پر مٹی بڑا بار بیٹھے کی خاطر عذرت کر کے ٹھہر گئیں۔

”جس چلتی ہوں تائی ائی، مجھ کے سے کاشف مصلحی کا فون گئے والا ہے۔ امی نے گھروا لیں جلد ہی آئے گا کاکٹ۔ مصلحی کا نام لینے ہوئے اس کی زبان لڑکھرائی۔ جمل نظروں سے فائزین کو نئے جاری تھی۔ سرری طرح چکر ادا تھا وہ جلد اس ماحول سے برآگنا تھا اتنی تھی۔ لیکن فون میں نے لائن توڑ لی تھی۔ ”پتلا آجھی پلن ہے، میری طرف سے پوچھنا کٹنٹ۔ یہاں تک تو ہے۔ جب سے وہاں شادی کی ہے نہا ہی نہیں۔ چلو خیر ہے۔ اسی سے کتا مصلحی نے کر آؤں گی۔“ وہ اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اندر بیٹھا مندر پر سنی کا پتہ پتہ جیچ کراس کے خود کو بیٹھو رہا تھا۔

”مبارک ہو کاکٹنٹ۔ کوڑی کی بیسکٹ بنے جاری ہو۔ ویسے صوف کرنا لعل مصلحی میں سوائے دولت مند ہونے کے۔ کوئی اور خوشی نہیں نظر میں آتی۔ کھن، چیز نہ دینے کی خاطر یہ کس اندر مندر پر صحت ہو نم لوگ۔ ذرا اسامیر کرسکتی ہو۔“

مندر پر صحت۔ کون۔
لعل با پھر میں۔
میرا دل مجھ سے سوال کر رہا تھا۔ ایسا سوال جس کا جواب میرے لب کہنے سے گزرا ہے۔ مجھے میرے پاس میرے سوال کا جواب نہیں۔ کہا توپ مجھے جواب دے سکتے ہیں۔

”ذرا اسامیر۔“ کاکٹنٹ نے اس کی ہات کٹ کر عجیب انداز میں قہقہہ لگایا۔ ”تک لگتی ہو۔ ذرا اسامیر کرسکتی ہاں اپنے مشن میں ہاں کٹنٹ کا لکارتہ سنتی تے شاید ذرا اسامیر کرسکتی اگر کٹنٹ کہہ گھروا لیا کو





اجنبی شام،

دھند چھائی ہے پھیلوں پر
 اُڑ رہے ہیں پرند ٹیلوں پر
 سب کا رخ ہے نشیبوں کی طرف
 بیٹیوں کی طرف، بڑوں کی طرف
 اپنے گلوں کو لے کر چرواہے
 سردی بیٹیوں میں جا چھپنے
 دلِ ناکام میں کہاں جاؤں؟
 اجنبی شام میں کہاں جاؤں؟
 یوں الجبا

ہر قدم پر نت نئے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں لوگ
 دیکھنے ہی دیکھتے کتے بہل جاتے ہیں لوگ

کس لیے کیسے کسی گم گشتہ جنت کی تلاش
 جب کہ مٹی کے کھونڈوں پہل جاتے ہیں لوگ

اپنے ملے ملے میرٹھو ٹھلے آہستہ خرام
 جانے کس منزل کی جانب آج کل جاتے ہیں لوگ

شع کی مانند اہل انجن سے بے نیاز
 اکثر اپنی آگ میں پوپ جاپ بل جاتے ہیں لوگ

شاعران کی دوستی کا اب بھی دم بھرتے ہیں آپ
 محو کریں کہا کر کہہ سکتے ہیں سلسل جاتے ہیں لوگ

حمایت ملی شاعر

ہم چراغِ یقین جلاتے رہے
وقت کو راستہ دکھاتے رہے

زندگی کتنی محنت تھی مگر
ہم تیرے ساتھ مسکراتے رہے

ہم تیری ماہ سے پھرے ہی نہیں
آستائے ہمیں بلانے رہے

جو تیرے عشق کی امانت تھی
دل سے اب وہ گئے بھی جانتے رہے

زندگی اتنی دل فریب نہ تھی
تم مگر مجھ کو یاد آتے رہے

جانے کس دامن میں عمر بھر قابل
صغیر آرزو سجاتے رہے
قابلِ اجبری

آسماں بھی لرگنڈر، مگر سفر کبھی بھی نہیں
اب زماں ہو یا مکان، پیش و پشہر کبھی بھی نہیں

سوچے تو زندگی کی داستاں بھی ہے یہی
دیکھیے تو حاصلِ یہ قصہ شرور کبھی بھی نہیں

لفظِ دل سے کٹ چکے دل و دوسے ناکا ہونے
کتنی پر لطف ہیں تقریریں اثر کبھی بھی نہیں

وقتِ آزاد م بخور ہے باخیاں کہہ مشق
ہیز تو کتنے لگاؤ لے ٹمرا کچھ بھی نہیں

عشق، حیرت، سرخروئی، زندگی، شرمندگی
جو ہے پہلی بار ہے بارِ دیگر کبھی بھی نہیں

آدمی کی سبے کراں آزادوں پر بندشیں
سرمدیں، قویں، علاقے، شہر، گھر کبھی بھی نہیں
مہوشام



رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،
 سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ تم خیر اور مساکین کو کھانا
 کھاؤ اور ہر شخص غلو مشغول نہ ہو اسے سلام کرو۔
 (بخاری)

یہ صحابہؓ نے آپ صبح کی سیر کرنے لیا
 کہنا تو نہیں۔ البتہ آپ صبح کی سیر کرنے لیا
 میں اپنے مسکرتے کو سیر کرنے لے بیچ دبا کرتا گا؟
 نورا، انار، کراچی

عظیم ماں

خاص اہل بیت مشہور عالم سائنس دان حبیب بھڑخا،
 وہ اسکول سے آیا اور ایک سرسبز لڑکا اپنی والدہ کو دیکر
 اتارنے دیا ہے کہ اپنی مٹی کو دے دو۔
 مٹی کے کھول کر دیکھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے
 پھر اس نے یہ کلام پڑھ لیا:
 "مہیا اور انا ایک جنس ہے، یہاں اسکول اس کہنے
 بہت جڑوا ہے اور انا ہے اچھا ستون میں کہ اسے پڑھا
 سکے، سو آپ اسے خود ہی پڑھا لیں۔"
 سابقہ بد حبیب خاص اس انڈین ایک سائنس دان
 کے طور پر مشہور عالم ہو گیا تھا اور والدہ وفات پا چکی تھی۔
 وہ اپنے مائنان کے بارے کا خیال تھا کہ وہ نہ رہا
 تھا کہ اسے وہی خط ملا اس پر کھٹا تھا۔

فی وحی ہینزلہ
 ابیس کے چند جیلے جب اس کے پاس آئے تو دیکھا
 کہ وہ فی وحی کے مائے بیضا گھوڑی، ہاتھ، جیلوں نے
 نظروں کا اگھا کر کے ہنسنے لگا تھا۔
 کیا باسٹ سب جاکر اس کے پاس نے شیطان سرگرمیوں
 سے کٹا رکھی انصاف کر رہی ہے، کہیں آپ کی صحت نو
 نہیں ہو رہی ہے؟
 میں نے کہا ابیس نے ہنسنے لگا اور بولا:
 "تو میں نے اپنے مائے بیضا کو فی وحی سے نہیں ہے،
 آج کل میں نے اپنا مائے بیضا کو فی وحی سے نہیں ہے،
 وہ ہے؟"
 خدا نامہ۔ انصاف نامہ کراچی

ریح الثانی

ریح الثانی اسلامی سال کا چھٹا مہینہ ہے۔ اسے
 ریح اللہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔
 ریح اللہ کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ سے
 بیان کی گئی ہے کہ جب اس مہینے کا نام رکھا جائے
 تو اللہ تعالیٰ ریح یعنی موسم بہانے کے فریضے کو اپنا بنا
 دے گا۔ ۲۲ م ریح اللہ ریح الثانی مکہ و باکبا
 ایک وجہ سے بیان کی جاتی ہے کہ اسلام سے قبل
 کی عرب نامور جن اہل عرب ریح اللہ اور
 ریح الثانی دعویٰ کرتے تھے کہ وہ اپنے مائے بیضا میں قبام

آپ کا بیٹا انسان ہی نہیں وہ بیٹا ناکھ ہے۔ چاہے
 مڑوا اسکول میں نہیں لکھ سکے؟
 اس دن اہل بیت نے زاری کی تھی۔
 "خاص اور انا ایک جنس ہے، یہاں ناکھ بچے ہمارے
 ایک عظیم مائے بیضا سے ہوا کہ اس سے جڑوا مائے بیضا
 بنا دیا۔"

اشتر و لہ

موسلموں سے ایک اخبار نویس اشتر و لہ نے
 خدا دوسرے بہت سے سوالات پوچھے کہ جہاں سے

کو نہ ملے، چنانچہ پہلے ہی سے کہہ کر وہ صحیح الفاظ کا مفہود سرے
 کو در صحیح اثنان کہا جاسکتا تھا۔

واصف ضیال

محبوب کی جفا کسی کسی عیب کو ترک و فحاشی پر مجبور
 نہیں کرتی۔ وہ اصل دنیا پر کئی ہے، یہ وہ دنیا ہی کے لیے۔
 ادا میں جس فاضل کی فضا کے لیے اپنی ذات کی فضا تک
 جی گوارا کرتے ہیں۔ وہی عیب ہے۔
 فال اثنان کہیں۔ لاہور

صحبت مند فریڈ جاہے کا وارنہ
 ایک صحبت مند فریڈ جاہے کا وارنہ سے مل گیا
 آپ نے خوں سے پاک صحبت مند فریڈ جاہے کے
 پایا، تاکہ اس سے مراد مراد۔
 دریں سے نہیں اپنے فکر و احوال اور عقول و احوال سے
 ناواقف اور غفلت کو روک لیں، نہیں لکھا اور نہیں اپنے سے
 زیادہ مرید ہے، اپنے ہر حد نہیں کہا اور نہ کسی کے نقصان
 پر نہیں غرضی مانی؟

(عراقین کا اسلام)
 ماہنامہ انصاری، سید آباد

وانس فرنگ

۱۔ ہرگز نہ دل کے فتنے سے چشمہ نشہ نہ ہو۔
 (دکن نوائے نین)
 ۲۔ ماسر وہ شخص ہو نہ ہے، جو چھوٹی چھوٹی غلطیاں
 میں نہ کرنا، بڑی بڑی گناہ ہے۔
 (دعوتِ سائل برنگ)
 ۳۔ غفلت کی طرف نہ کوئی چھوڑیں، مبرا طے نہیں جاتا۔
 (توشیحین)
 ۴۔ زندگی کا مفہود نہرت نہیں، بلکہ کھیل و تفریح
 ہے۔
 ۵۔ پہلے غلطی نہ کرنے میں مزا اس لیے کہنا ہے کہ
 ہمیں حزم ہونا ہے، اور اگر اب نہیں دینا
 پڑے گا۔
 (لاہور ڈائری)
 ۶۔ طے محمد انامب، فضل آباد

کاسٹل

میری دنیا کا کاش تک محدود ہے
 فضا کا
 ایک ایسا بزم ہے
 جس کا فرنگ
 اپنے فہرہ جیلا ہے
 اور میری زمین خواہش پر
 اپنا ماہی لکھتا ہے۔

مغرور

اگر طرف نہ ہو تو خطا انسان کو مغرور بنا دیتی ہے۔
 (واصف علی واصف)
 ماہنامہ۔ لاہور

کنجوس

اسکاج کے گولی کی کنجوس مشہور ہے۔ لیکن کیا کے
 ایک ذہنی آزمائش کے پروگرام میں سوال کیا گیا۔
 ایک اسکاج بولا کہ اس کے ایک گرتے میں منہ
 ہے۔ صحیح جواب تو یہی تھا کہ گلتی ہے فرد دیکھتا ہے
 کہ اس کی جھکی ہوئی ہے۔ بتائیے اس صحبت حال
 میں اسکاج شوہر سب سے پہلے کام کیا کرتے گا۔ وہ
 پولیس کو قتل کرنے کا باہر وہ ذہن کرنے والی کو طلب
 کرنے کا با...

۱۔ کتاب اور سب سے پہلے ہرنی کے بیبر کو قتل
 کرنے کا
 ۲۔ کس مفہود کے لیے اس کا بیباک سے گواہ
 ۳۔ صحیح کا نام نہ صرف بلکہ غلط کر کے لکھے؟
 ۴۔ عجیب مح ہے لیکن آپ کو، بات جسے معلوم
 ہوگی؟
 ۵۔ میں خود ایک اسکاج ہوں؟
 شاہنہ عنوان۔ کراچی

(سعد اللہ شاہ)
ڈپٹی فرمان بکراچی

شرم تو نہیں آتی،

شہان کی ایک سرگرمی پر ایک خوبصورت خانم جا
وہی تھی، ایک ایرانی نوجوان نے اس کا ہاتھ اڑھ کر
دیا۔ خانم کو بہت غصہ آیا اور وہ تکیے پر گر پڑی۔
وہ شرم تو نہیں آئی، ایک ایسی دلکش اور چمکی
بولے میں کہنا کہ اگر گرتی ہے اعداء آفاکر ہون کی
یہی ہے اور میں کا شہلی قرن ہیر... سہادرہ ہیر
کے علاوہ گراں میں رہتی ہے۔
خوبصورتی مشکلی بکراچی

امریکہ،

بڑا مصنف مزاح ہے بہ امریکہ
بڑے مزے سے کہتا ہے کہ ہمارے ہاں ہر تہہ ہے
کسی کو ہلکے کرنے کے لیے وہ تہہ ہے ہر تہہ
کسی کو ان سے بچنے کے لیے ہر تہہ ہے
افغان زین بکراچی

آنسو،

میں کسی طرح کا بھی ہر
ہر انسان کے آنسو ایک جیسے ہی ہوتے ہیں
(دعوت علی واصف)
صہا ارشد، حیدر آباد

لا جواب،

بیب بھی لیتا ہوں پڑھنے کے لیے کوئی کتاب
نہیں آجاتی ہے فی الحقیقت مجھے خانہ خراب
خوبصورتی ہلکے نہ سببیں میں ہی ہر روز
نہیں لستے میں نہیں اس کا منہ کھلے خراب
پر شہزادہ کی اکرم بکراچی

بکراچی،

جب آپ کسی انسان کا خراج پر کھتا یا جو
سے شہدہ ہیں، آپ اس کے شہدہ سے اس کا
الفاظ، انہی کی ادب ہی سب جان بلگی ہو گے۔
لہذا یہ زمین، تجربہ ملکہ

سورج کے دو کھلے،

کسی کام میں مہربان آدمی سے شہدہ نہ کرو، خواہ
ہو گا کہ ایسی شخصیت ہو، جس کے شہدہ نہ کرو
خواہ وہ کتنا ہی کم عاقل ہو، نہ خوف نہ دے خواہ
اس کی خبر نہ ہو، جس کی عقل اعتبار ہی کیوں نہ ہو
یہاں اور ہوش اور ہوش کروہی سے نصیحت نہ کرنا
تہہ جہاں سے وہ تہہ نہیں ہوتا ہے۔
افغان زین بکراچی

تو کبھی،

تو کبھی ازلہ کا ہے آواز لگے۔ جیسا
جیسا کہی دھونڈ لیتا ہے
میں اس کے لیے کتاب میں رکھ دو۔ اسٹان بک
نہیں دھونڈ پاتے گا
ابراہیم، شفقت علی

وجہ،

وہ کیونکہ اس کا دل کے بارے میں تبادلہ
ہے، ایک لڑکا۔
تہہ گاڑاں کی بیٹیوں پر ہوش کے گدھا ہے
ہی باکپڑے کے...
ہوش کے... دوسرے کیونکہ نے خواب دیا۔
ہوش کے گدھا پڑھتا ہی ہر صاف نہیں ہوتے۔
شاہین بکراچی۔ ادنیٰ ناؤن

شانِ قدرت،

اللہ تعالیٰ کا اہمیت کا دیتا ہے ہر شے، ہر جنت
کی ہر وہ سب کچھ دکھا کر آدمی سے کہتا ہے اب جنت
تیرا ہر وہ سب کچھ دکھا ہے ہی کون
داہرہ بول۔ گوئی

علاقہ دہلی

تیسرا ٹیپ

کسے ڈار کسے

شاعری کی دنیا میں جن لوگوں نے اپنی زندگی بھر صرف شاعری ہی کی ہے وہ جانتے ہیں کہ شاعری تو نہیں شاعری بلکہ شاعر ہونا ہے۔ شاعر ہونے کے لیے شاعر بننا پڑتا ہے۔ شاعر بننے کے لیے شاعر بننا پڑتا ہے۔ شاعر بننے کے لیے شاعر بننا پڑتا ہے۔

ابک ہی شاعر ہونا چاہیے

کبھی شاعر ہے کہ اب نری سوئے
خود کرنے سے یاد آئی ہے

سوچنا ہوں کہ اس کی یاد آئے
اب کے مات بھر جاتی ہے

اس دنیا آشنا کی فرقت ہی
خواہشیں حیرتوں سے آتی ہے

کوئی اس گھر کی دیکھ بھال کرے
وہذاک ہمیں فرشتہ جاتی ہے

شعبہ عربیہ

کسے ڈار کسے

اسلام کی دنیا ایک عجیب دنیا ہوتی ہے۔ دنیا کی دیگر ممالک کی قدر سے آزاد اور عیب شاعر ہونے سے اس میں رنگ بھر دے تو عیب مراد ہی دوسری کی کیفیت ہوتی ہے۔ انہی میں شامل ناہارہ بلوچ شاہ غفر ہیں۔ انہی میں شامل ناہارہ بلوچ شاہ غفر ہیں۔ انہی میں شامل ناہارہ بلوچ شاہ غفر ہیں۔

دن کی عظمت و عظمت وہاں ہے کبھی انشا خدا ہوتی ہے
میرے عیب و شک کا یہ بھی کہ کیا ہی حسین لفظوں سے
نمایا ہے۔ غالب کی شاعری کا فن انکار دیا ہے۔

بات کرتی تھی مشکل کبھی بالی تو نہ تھی ا
جیسی اب سے تیری شکل کبھی بالی تو نہ تھی
سے گیا ہمیں کے کوئی آئے تیرا میرا وفادار
بے قرار کی ہے لے دل کبھی بالی تو نہ تھی

چشمِ خال میری دُشمنِ معنی ہمیشہ سیک
جیسی اپنے ہر کجی خال بھی ایسی تو نہ تھی

اس کی آنکھوں سے دنیا جلتے کیا کیا جاوے
کہ تھکتی میری مائل بھی ایسی تو نہ تھی

کسے دھانڈے کس کے ہے تجھے جھکا با
تاب تھم جی سے کال بھی ایسی تو نہ تھی

پلٹے کر بان کوئی زلف میں نیلے ہے جڑا
آئی آواز سننا کس بھی ایسی تو نہ تھی

کسے عیب سے تو ہمیں ہے نظر سے پرہیز
تو تیری عود شامی کبھی ایسی تو نہ تھی

دانشجوہرہ

کسے ڈار کسے

آج کل کی کہا جیسی ادھار کئی دھنڈی زلفی میں
انہی میں نصرت نہیں کہ تھم کر انسان خود سے ملے
ادھار کبھی جب ایسا کہ تھم کر انسان سست شد
وہ جاتا ہے۔ ایسے ہی بدبابت کو سب سے فہم الہی

حاشا

بہنوں کا اپنا نامہ

لاہور

مارچ 2016 کے شمارے کا ایک نمونہ

اس جگہ تک کے ساتھ ہی لاہور میں

پہلے شہر سے ہے

اس سے پہلے ہی کہہ دیا کہ کمال ہے

اس کے ساتھ ہی کہہ دیا کہ کمال ہے

کمال ہے

اس کے ساتھ ہی کہہ دیا کہ کمال ہے

اس کے ساتھ ہی کہہ دیا کہ کمال ہے

اس کے ساتھ ہی کہہ دیا کہ کمال ہے

اس کے ساتھ ہی کہہ دیا کہ کمال ہے

کمال ہے

اس کے ساتھ ہی کہہ دیا کہ کمال ہے

اس کے ساتھ ہی کہہ دیا کہ کمال ہے

اس کے ساتھ ہی کہہ دیا کہ کمال ہے

اس کے ساتھ ہی کہہ دیا کہ کمال ہے



پہلے ہی کہہ دیا کہ کمال ہے

پہلے ہی کہہ دیا کہ کمال ہے

مارچ 2016

نے خصوصیت انگلی میں خرید گیا ہے۔

بھیڑ میں خود سے ملنے کا گمان

گمان کی بھڑ میں ملے پاؤں پلے ہوئے

خود کو کاغذ کر دیا ہوں

خاموشی سے مرگ کے کنارے پلے ہوئے

گولہ خود سے لگا ہوا ہے

اور سودا کرتے ہوئے

جب لگا میں پلے ہوں تو

پہاڑی آنکھیں بری ہوں

تک سے ڈاری سے



بری ڈاری میں تحریر حق نفوی کی یہ عزت
جس کی خصوصیت یاد کر دینے والی ہے سب سب
فارسین ہوں گے لیے۔

سال مست پوچھو حق کرنے کا

عمر بچنے کی شوق کرنے کا

وہ جنت کی امتیاز کے دن

ہائے موسم وہ خود سے ڈرنے کا

اب آسے آجینے لڑتے ہے

کن بچے شوق کھنا سونے کا

عمر بچ کے غائب سے مشکل

ایک لکھ سوال کرنے کا

تک سے ڈاری سے

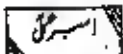


کچھ جڑے ہوئے ہونے کے بعد بھی ادھر سے
وہ جاتے ہیں بنگران کے ادھر سے ہونے میں بھی
بہت بات ہے۔ جیسے یہ عزت ادھر سے پنڈول
کے ساتھ لڑی ہے۔

خداوند یہ زمانہ شوق سے ہم پر ہنسے لیکن
محنت کو خدا نے کبھی دل نہ تھے ہمارے بھی

معتہ ابھی جمنا ہے آگے نہیں گیا
میں آپ وہ جناب سے آگے نہیں گیا

حکمت نثری سے



اُغلا ب کے لیے بہت سی تکریم فرمائی ہوئے
کسی ایک کو چنے ہوئے شوق سے کسی پر عزت پانے
حکمت سے معاہدت کرتی تھی تو دل ہا ہا کا آپ سب
تیار ہیں کسی تکریم کی ہلے

سیر منڈی بھی تم قسبہ انبیا سے
بہت سہولت کے لیے پھر بھی بہت اہم ہے

خود پنے سے اپنی بات کہہ کر نہیں دینا
بھی آپ نے دلا دیا، ہم ہی تم گناہ سے

قرآن کے ذریعہ اعلان کیا کہ تم بھی
اور زمانے کی نظر میں ہم بہت ہی اہم ہے

کبھی جانا تو بھی آجڑے دیاروں میں
حکمت ہے کہ فعلی خزاں مقصد پھر سے

میرا اعتبار کروا دے تو باکدار کئی ہو یا
ایسا نہ ہو تو اسید پہ فعلی بہت اہم ہے

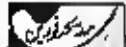
وہی نام ہی ہیں اور ہی عام ہی خواہش ہی
یہ دے ہی کبھی ہا ہا کا کہ ہم اشکبار پھر سے

محنت ہونے کا سبب محنت شروع کیے
لیکن میں پہلے باب سے آگے نہیں گیا

میں مسافری ہیں گناہی سوار کا
پاؤں ابھی وہ کتب سے آگے نہیں گیا

طریق حکم کے واسطے میں نے کیا سوال
وہ مختصر جواب سے آگے نہیں گیا

حکمت نثری سے



سیری نثری میں تحریر شمار بارہ بکری کی یہ عزت
ان لوگوں کے نام محنت میں کہ نہیں داماں کر دی

انہی ہی ذات میں تو جانا ہی تھا اولیٰ سے بھی
میرا آنکھوں سے دیکھے ہیں خود کہیے لظاف سے بھی

کوئی پیش دسترت کے طلب گاروں سے کہ دینا
کہ گروہ کے نجان ہی راہوں کے پہلے علم کے لیے بھی

محنت سے اگلی دہائی بہت حضرت ناسخ
مگر اکثر سینے خوب جلتے ہیں گناہ سے بھی

ول و حال تھے یہ عدتے رہے انہوں نے دل
کے انکھوں کو پھر کے وہ وہ پھر پھر سے بھی

سچہ میں کا تھی ارباب محنت کا یہ آجانی
کہ دل کے ٹوٹے ہی ٹوٹ جلتے ہیں ہمارے بھی

وہ کہیں جانیں بھلا جن کے لیے فرود ہی ہے دنیا
کہ اسی فرود ہی میں آباد ہیں پھر ہم کے ملنے بھی





سینہ لویا سماں دل وہ مگر نہیں جو پھر آ بار ہوئے
 پچھتاڑے مستورے بیسی آجائے کے
 گزرا ہوا چہرہ
 تم نے ہی مانگا تھا، اس نے ہی مانگا تھا
 رشید ہو کر آیا ہوا، مانا ہو کر آیا ہوا
 گزرا ہوا چہرہ
 اسٹینس کے سب جھوٹ سج بھی جھوٹ
 شرط اتنی ہے کہ وہ پوٹے تو بھی
 مانگے کوئی
 سات مردوں کا پھندا وہ یا نہیں ہے نام
 پر شرطیں، رنگ دھنگ کا نہیں ہے نام
 جنگل جنگل میں دھنکے فالے سب موسم
 اود ہوا کا سبز و پیشہ خیرے نام
 سدا ناولی دغا
 بہت فرسودہ گئے ہیں مجھے اب جان کے لئے
 گل و گلزار کی بائیں، الپ و درخت کے قلعے
 جلا جھٹکی و تخت سے کسی کا پتہ نہیں ہے
 ستون کو سناٹا ہوا، بن کھڑا ہونے کے لئے
 آئندہ عابدہ خدیجہ
 بر باد ہوں گا جائزہ لینے کے واسطے
 دہرا چھتے رہا حال میرا کبھی بھی
 فرسوخ شہر
 آنسو بہا بہا کر بھی ہونے نہیں کم
 کتنی امیر بڑی ہیں آنکھیں عربیہ کی
 فاقہ سہیل
 زمیں پر راس کے ستارے ٹکا کر تے ہیں
 مزارا الی عجب کا آسمان ہے

خوب ترغیب
 کمنارہ دوسرا دیا کا بیسے
 وہ مانتی ہے مگر غم نہیں ہے
 ناولی نفل میں
 ایدھا نفل دیا گیا، بزرگی
 تم میری سانس گدی دیکھ لو نا
 جینو عوی
 میرا وعدہ ہر کم سے کم
 کہیں ریت پر کسی قلعہ سا
 تو تینے تو ہی بنا کروں
 تو سائے تو ہی بنا کروں
 پاکیزہ آسمی
 جیسا کہ دس برسے شال نغلاب راہ
 میں حرف بول بھر گئی ایک کتاب سا
 شائستہ اکبر
 کل دیکھا تھا اک آدمی انا سڑکی و محل میں
 تم تھا پتے آپ میں، پتے غم تو بھول میں
 افراسادنی
 غنٹا بھر گئی ہر نو دما مانگی نہیں جاتی
 زلف کی بے نیالی سے ہوا مانگی نہیں جاتی
 برائی بے نیالی سے بائیں بنیں کہ نہیں
 بولا جس سے لیکن ہوا مانگی نہیں جاتی
 حوش خان بیٹو
 تم نے کب اس کو جانا عورت
 تم نے کب فون نہ مانے دل کے
 گزرا شاہ
 ہر حقیقت فریب گئی ہے
 صیب کوئی اہل ہا کھو بیٹھے

مرا، اقرار
ان تہنوں کی گونج غنی جو گونجی رہی
اک دل کا شوق تھا جو نہا تک نہیں گیا
ذوالِ اشقیٰ تھیں
عزت کی طبیعت میں جب گلہاں کی تھی ہے
کہ باقرار کے غفلوں کو بخشے نہیں تھیں
مدد کو دین تک

کراچی
= جب غائبوں ہیں غیری دیکھو میں غمناک
نہ ہوا کہ میری ہی پہنچ نہ ہوا کہ غیبی آغوش ہم
توئی تھی پہلو کیل چہرے میں دل کی جھلک
وہی گورہ نفس ہے وہی نفس گل کا نام

کراچی
شاہین خاں
اُس سے پھر ڈاکو آکھوں کا مستعد پھر
دل کے آناں میں نہا بستہ ہو کا عالم
دشمال دریاں

کراچی
شود کرتی ہے جب بھی خاموشی
بھیر میں جا کہ بھڑ جاتا ہوں
مذاں نامہ واقعی نامہ
اُس کو دیکھے سال ہوتے ہیں
سارے خواب خیال بھولے ہیں
حرم چہر برسات کا آیا
سارے درد بحال بھولے ہیں

کراچی
لوہی حقیقت
شیر اب بھی نہانے کو زندگی حقیقت
جہت وہ بھی مزیدی ہے بھول اور بھی فرودگشتا
مادری

کراچی
نہ چھوڑے جب باغفت، ہیں اک خواب پریشان تھا
نہ دل کو راہ پر لائے، نہ دل کا مدد ساجھے
محمدین فریب
تو لطف ویر لکین، نہ قرار شرحِ احم سے
کہ ہیں دل بھرا دیکھے بھی بھول تک نہ پہنچے
سید نسبت نہ ہوا

کراچی
قسم تمہاری بہت تم آٹھا چکا ہوں
فلک تھا دھوا صبر و لکھیب آ جاؤ

کراچی
گر باظاہر
میں عاشقی نہیں مسکرت
میں کہاں کہاں سے گزر گیا

کراچی
مجھے کافی سسٹیز
میری صبر کو دانا تو غیر ممکن ہے
میر حیات کی لنگار کون دے سکے
فصل آتش و آہیں بہت بلند ہیں
بہتے وقت کی دفن اور کون دے سکے

کراچی
فریادِ سخن
کہ سفر ایسے ہوتے ہیں میں میں
پاؤں نہیں دل جھٹکتے ہیں

کراچی
سابقہ شہزاد
کب نظر میں آئے گی یہ داغ برونہ کی پورا
خون کے دھجے دھلیں گے تپتی برساتوں کے بعد
دل کو پا کر حکمت دل سے بہت ہی نہ دی
کچھ کھلے سیکھو مجھ کو کہتے تانا توں کے بعد

کراچی
صبرِ اسلم ہفت شوق تھیں
بتے بہت پہلے دندے کے خم ودد عشق کے
میں بہت ہے میر جبین میریاں واقعہ کو کہہ
ان سے جو کچھ ملے گئے ہیں جاں وعدہ کیے
ان کی وہ تھی وہ بات سب بالوں کے بعد
انہی

کراچی
اب جتر نہیں فرمت کے وہ دلجات ہیں
لے آؤی جلتے کہاں میر مر حالات ہمیں
یکے اتنے ہوتے تھی کا تھا انہی کے وارث
دو عقرا اب تو نہیں فکر ہے دن رات ہمیں

کراچی
سید عابد
تمہارے بعد وہ لے بھی یاد آئے
تو اپنی آپ کو دیکھا آندے گئے ہم بھی
ہیں ایک وقت کے ویسے ہی ہستے تو تھا
کہاں گئی محبت، کہاں گئے ہم بھی



مارچ 2016

کیسے سوچیں اور لکھیں

پاکستان
سوسائٹی
شعاع

مارچ 2016
شعاع

To Download visit
paksociety.com

"مہینہ مارچ کا موسم" سائبرنگز کا مکمل ماہنامہ
 "مہینہ ماگھی ہے گواہ" زردانہ کوٹلی کا مکمل ماہنامہ
 "کھانے پینے کی مشق" اہلیہوں کی خوشیاں کا مکمل ماہنامہ
 "رہنما" رشتہ داروں کا مطالعہ اور دل "انگلی جی" خاں، "جب تھو سے تھو لڑا ہے" فاروقی کا ماہنامہ
 "نیریز" نوجوانوں کا مطالعہ اور دل "زینت" "زینت" "زینت"
 "ماہی" کریم آباد "بیاد مانیہ"
 "ڈاکٹر" ڈاکٹر علی رضا، "اسٹار" ڈاکٹر علی رضا، "اسٹار" ڈاکٹر علی رضا
 "اسٹار" ڈاکٹر علی رضا، "اسٹار" ڈاکٹر علی رضا

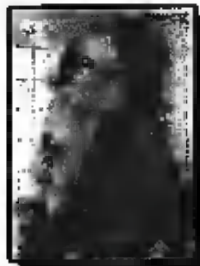
شعاع کا شمارہ 2016 کا شمارہ آج ہی خریدیں

READING
Section

یہ بہت اچھا لکھلکھ میں پڑھ رہی تھی ہے کہ مجرم نواز نے اور
 سیدہ کا قتل کیلئے وہاں میں کتار ہوگا۔
 سیدہ وہاں سے پاس آئی کہ اب اس کا لہجہ کبھی ہے اپنا
 اڈریس بھجوا رہی مگر کب کراؤ تو یہ بھجوا رہی۔

صاحبہ عبد المجاہد - میری خاص سندھ

جس میں نے ہوش سنبھالا تو اسے پتہ چلا کہ وہ اس کو لیا تو
 یہ کہ میری والدہ کو مطالعہ کا بہت شغف ہے۔
 "عہد است" نے حکم اخلاص پر مجبور کیا۔ میں کہہ دیتے
 تھی، ریاض کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے بہترین اتفاق
 میں شاکر اور عثمانیہ حکم اعلیٰ اور عرب میں مسلح حملوں کے
 ساتھ ہونے والے واقعات اور حالات سے روشتیاں
 کر لیا، میں نے اپنا اہم قلم کلاس کی پریزنٹیشن کے
 لیے جب کہ میں عہد کے نابل کی ملا سکی پر غور کیا تو مجھے
 "عہد است" کے مطالعہ سے بہت متاثر کیا "عہد است" کے
 ساتھ دہرا ہونے اور میں نے اپنی پریزنٹیشن میں
 عہد است کے رٹرنس کے لیے تو مجھے سن پڑی اور اس
 کے لیے میں خواہشیں ڈاؤنٹ کی پوری کوششیں کیں۔
 خودی کا رولہ مطالعہ میں ہے اس وقت سے خوب صورت
 باتوں کی تصویر پر پتھر کے لیے، لکھ پڑھ جاتی ہے اور دل
 سے آواز آتی ہے کہ اب بھی میری تصویر میں اس کا عہد بن
 سکتی ہے تو دلچ رکھتا ہے۔ NO -



تاریخ 2019



عہد بھانے کے لیے پتا
 خواہشیں ڈاؤنٹ 37، 10 اردو بازار کراچی۔
 Email: info@shahawaspencil.com

عشق ملک سے لیا اور

کب توگ جس طرح اچھے معیار کا لوبہ ہم کتنی گھر
 بچی لڑکے اور خواہشیں کبھی بچاؤ ہے، ہر نہایت ہی تھل
 تھل سے ہم میں لے لائی تو کئی کے کی پہلوئیں میں کامیابی
 اور زندگی میں شمولیت سے ملتی ہے۔

میں اب کی کہہ دل سے مخلصانہ ہوں "کب نے میری
 حیرت کی کہ شکر "پدرش" کو قتل و شامت بچھلے ہر
 زندگی بھر کا ساتھ ہے۔

مجھے بالکل بے بسی تھا کہ کھانی چھینے کے ساتھ ساتھ
 سولہ مہینے غل ملتا ہے۔

ج - جی اسی جتنی "عہد است" میں کب کی کھانسی کے لیے جگہ
 ہیں سولہ اور خواہشیں ڈاؤنٹ نے ہمیشہ کے لیے لکھنے والوں کی
 حوصلہ افزائی کی ہے۔ ابراہیم کو کہہ سنے ہم ضرور شامل
 کرتے ہیں۔ فردوسی کے کتبے میں میری لکھن جہاں
 نواز نے لکھا اور سیدہ "عہد است" نام شامل ہے۔ میں نے

نئی شہزادی سے صحیح مصلحت میں مستفید ہونے کے بعد
 میں نے "کب" کا پتہ پتی خانہ میں قدم رکھا اور پتہ
 آجیٹ سے خود کو بھرا ہر پتہ کر لیا۔ موسم کے بگڑنے
 سے بھی زہان کو چھین دیا اور پتہ پتہ "کب" کی طرف
 بھی نمودار کے تو ہم شروع سے متعلقہ ہیں۔
 "عہد است" اس کی جگہ کا جو کہیں میں ادھر کا تعلق ہے وہ
 بہت حیران کن ہے لیکن مجھے انیسویں صدی کے گورنر کو
 دیکھ کے ہونا ہے جو وہاں ہے لیکن اس کی زندگی بہت
 زرخیز ہے۔ اور یہ گھر میں بیکار نہیں دکھائی دیتی ہے۔ اس
 جگہ سے میں نے پتہ پتہ اپنے اندر ہی ادھر "عہد است" کی شہزادی
 اور نے فرنگی کی تصویر اسے ملنا اتفاقاً میں بیان کی ہے کہ
 سیدہ لکھنا "عہد است" ہے۔

عہد است اور "عہد است" حیات تو اسی کب حیات کی طرح
 ہے "عہد است" کے بعد چھینے کی طوائف ہوا اس سے پاک
 دیکھ کا جو نظریں عہد است ہوتے ہیں کیا ہے وہاں سے

معاشرے میں رائج ہوئے تھے۔ مشکل ہے لیکن اگر یہاں
ہو جائے تو یہ ہم مسلمانوں کی بہت ہی اچھی سنت اور سنتی

ہے۔
پانی تمام کمانوں تک نہیں۔ یکساہت لاکھار محسوس
ہوتی ہیں۔ چاہے کھیل باہت کھیلے توپ کے رسالے میں
ایک عمل بتا رہا ہے۔ "تو ستریں تھاس نظریہ کو
میں اپنے کون کے اختیار پیش کر گئی۔"

یہ سب سنا آپ نے بہت اچھا لگا لگا ہے۔ اور وہ بھی
توپ کی ایک خاک ہے۔ یہی توپ کی شکل محسوس
ہوئی کہ صرف وہ کمانوں پر نہیں کیا ہے آپ نے کمانوں
میں یکساہت رکھی ہے۔ ہم مشتق نہیں کیونکہ یہ سچ
میں جو نسل نے جسے اور ان کے سرور و عبادت الکل تکلف
نہیں کھلی نائل اور ثروت بھی نہ صرف موضوع کے لفظ
سے بلکہ انداز میں کے لحاظ سے بھی لکھتے تھے۔

توپ کے معاملے کے حوالہ سے کسی فوری کی جائے کہ
یہ اس نسل نے کبھی ٹوپ صورتی سے کہ عزت کا تقابلاً اور
مستعد بنایا ہے اور ایک اہم موضوع کو پیش کیا وہ کمال داد
ہے۔ اس نسل نے آپ کی صورت نگاہ سنی ہے شرط ہے کہ
کسی پر۔ مشکل تو ذکر افزہ ہوئی ہے۔

ایمان چاہیے۔

ایمان چاہیے۔ تاکہ وہاں خان چاہیے۔
میں آپ کے تخیل و رسائل کی نور اور پرانی خاموش

تاریکی میں گھر لپ چلی اور لکھ دی ہوں مجھے پتا نہیں تھا کہ
خدا لکھتے ہوئے مجھے اتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر
میں سنوں کی عقیدہ ایک فن کے تجربے الگ کہ خوش نہ
ہوں تو ہمارا خدا تبار نہیں کریں گے۔ یہ مجھے کسی کہہ
نہیں کوئی کیا بھی کہے کیونکہ میرے پاس ہے۔ ساتھ ہیں۔
یہ کہ کسی طرح عمل کی یہ نسل ہی تبار تھی۔ یہی
عمل میں تو آپ نے ہمیں سکھو بھی بتلایا۔ جب کہ
سودھ کر سنی ہے تو ہم کھلا سکے۔

یہ سب سنا آپ کے اچھے ہیں ہم بھی توپ کے ساتھ
ہیں۔ توپ اپنی سنوں کی عقیدہ اور سنوں کی روانہ کریں
اور آئندہ خط لکھیں تو کسی کو بھی پہلے سے متاثر نہ سنی
ہوتی ہے کہ صرف ایک کمان پر نہیں بلکہ پورے پورے
ہرے میں پائی رہائے لکھیں۔

رخصت نہیں دینا کہ اپنی

نہیں دے (حیرت) کے اسے میں چھو بہت اچھا لگا اور
کمان کی تصویر بہت ہی کئی سب سے پہلے اس کی صورت کو
لاش کر جلا لگا۔ "محل" کی بات اور لکھتے شروع کمان تو ہم
نہ ہو۔ "مرکت جنان" کی خوش نصیب کا کمان مجھے بہت
چھو لگا۔ "آپ حیات" "مستشرق آرتوب" بھی اتنے چل رہے
ہیں۔ "مرآتہ رخصت" "کامل" (صہبہ زوری ہادی) میں
دادی کا کمان کمال کا نیا ہے۔ نائل کو بڑھتے وقت چوست ہے
سکھ رہت ہی رہی ہے اور نسل نے بھی لکھے تھے۔ اور میری
اور میری گزرتی سنا کلمہ صوفیہ لکھتے "فرحت توپ کی
طرف سے فپ کو توپ کے لواہت کے رطلوں سنا۔
تجربہ یاری رخصت آپ کو کمان پندر لگا۔ بس دادی
تحت و معلول ہو گئی۔ مزید برآں وہاں رہائے۔ ہمیں بہت
رہیں گے۔ سونا! صوفی اور فرحت کو ہوا سلام بھی
پہنچاویں۔

عین احمد۔

عین احمد۔ دادی خلیج سکھ
مراوی بہت اچھا لگا خاص طور پہ قول کی آنکھیں۔
سب سے پہلے "محل" رسالہ سنا اور سے پوچھا ہے کہ
کون سے پاس اتنی کم عمر میں ایسا لکھ کر اس سے کیا مجھے
بہت رسالے پڑھنے ہوئے "فرح" 200 میں ہونے والے
ہیں۔ اور کہ اتنے رسالوں پیدا کر مجھے کسی کمانی کے خاص
کردار میں اپنی راسخ جنگ لکھ کر لئی ہے تو وہ سواہت کے
"محل" کی "عین" ہے۔ اپنی سواہت تک میرا بہتیم
پہنچا رہے گا کہ پلڑوں میں کمانی میں کوئی عیب نہ ہو تو نہ
ہو۔ ایک کمان میں کمانی ہے اور یہی کمانی میں
ایک کمان کی عیب نہ کمانی ہے۔ کہ وہ کسی طرح ایک
دوسرے کی مدد کر رہے ہیں۔ اس لیے اس کمانی کا ایہام
ہو ہی لگا ہوا ہے۔

توپ کے کی دوسری "آپ حیات" میں ہے
صہبہ حق توپ سے لکھ گیا ہے۔ نائل بہت کہ نائل میں
استعمال کیے گئے اور نائل کے الفاظ کا مطلب اگر آپ
ساتھ ہی لکھ دیں تو سب کو سمجھ میں آسانی ہوگی۔
ایک امرات "محل" میں سواہت جس طرح ہوتی
ہوتی ہیں کے ذریعہ تو ہمیں کو نکل جائے تو کمان
ہیں اسی طرح اگر وہ اس نائل کے دو ماباں لکھے نصت کو

نہو قہا کا حکم لہذا کہلہ۔ نہیں کہن مضمی صرف مکران
 کہلہ نہ شی "چرخ" ہاوم کہلانی اس نے ساری
 ڈھی لبہ کہ رہی ہے کہ جمہوری اس کا اگلا حصہ جلد
 نکلیں۔

رج۔ سید عبد الجبار اوم کا د سراجہ نکلیں۔ یہ ہارنہ ہے
 دیگر قدر میں کی بھی فرما رہی ہے۔ لبہ جمہور و مضمی ہے
 کہ وہ ہاوم کا د سراجہ نکلیں ہیں! لبہ کے گے کوئی شی
 خور نے کر آئی ہیں۔

طرہ کل۔ فاضل قیاد

کن کہلہ نہ شی کے بعد ہم نے سب سے پہلے اصل
 دہانہ سن کہ اس کی پھر نے نمازی اہمیت کا احساس بہت
 اچھے طریقے سے دلایا۔ سبھی اہل اہل نوبہ ہی وہاں ہی
 دعائی کہوں شک مرج کوئے واسلے ڈنٹے کے ساتھ
 اور ایک نماز بھی جموں میں ہونہ سعدی یوسف کے ہاتھوں
 نقل میں ہوا جیسے خاصہ۔ نموا احمد جی ہم آپ سے مانا
 چاہتے ہیں اور حدیث احمدی پختیز میں بھی ملاد کو صحت
 میں دلچسپی۔ مشنر کتب "امت العزیز اشی جلدی
 مال کا اختتام۔ وجہ؟ ہانی سلسلے اور افسانے بہت اچھے
 تھے۔

2۔ ملیں طرہ لبہ سے ایک ہاتھ قاضی اہل دعائی شک
 مرج کا کہ کہلانی ہی کا ساتھ ڈنٹا ہوا ہے۔ اور طرہ دہری اور
 تمام کا وہین سے نماز میں ہے کہ بیماری شاہی کو بخش
 رہے۔ لب لہو کیا کہیں۔ نموہ سے برہانہ لب کی ملاقات
 خواہم برا بھلا میں ہو جاتی ہے یہ کالی نس؟
 امت العزیز شہزاد کا ٹیل فطری انداز میں اختتام پذیر

ہو رہے اگر زیادہ طویل کر یا یا نونہ پھی شہم ہو جاتی۔

اہل مکتب۔ کراچی

میں لبہ کی نوبہ ایک بہت ہی اہم بات کی طرف دلانا
 چاہتی ہوں۔ رہا بہت ہے کہ کچھ راستہ راستے ہو کر میں سبز
 مرگ و نزع کے عالم میں راستے بسوا۔ یہو شہزاد سے اظہار
 محبت کو دانی ہیں۔ یعنی جیسے ہی اظہار نہ کہنے رہ مرے
 دم کو یاد اور یوں ان کے تئیں محبت سرخ ہو گئی۔ اہل تو
 یہ تاخر کم کی محبت کو ہوسٹ کہنا ہی نہایت خطرناک بات
 ہے۔ پھر یہ تاخر کم کی محبت کا مرے دم اظہار کو مانا۔ ایک
 مسلمان کا مرے وقت کہہ چھتا کہنا ضروری ہے اور

حضرات کے ہاے میں بات نہیں جو اظہار کا لہو کی طرہ
 پر مسجد میں لاکھا پتھر لٹیں بدستے ہوں تو بہت اہم
 ہوگا۔

خط فنی لہا ہو گیا۔ جسکی آندہ ریاض کا یا اہل "وٹ
 جتوں" آواز سے ہی بہترین گنہا ہے۔

آخر میں ایک قاری میں "فرحت عباس خلیج صحت"
 کے سوال کا جواب دیا جوا ہوں گی۔ کوئی ہاتھ کی اپنی اصل
 کے برتن میں گرم کیا کریں کہ کھلا نہیں ہوا۔ صرف
 سلوڈ کا برتن ہی اپنی گرم کرنے سے کلا ہوا ہے میرے
 خیال سے) و اگر کب سلوڈ کے برتن میں پانی گرم کئی ہیں
 تو اس کو صاف کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ یہ ہے کہ
 لب اس میں ایک لہو ایک لہی لیں۔ (نونا کو کلمہ لیں۔ یہ
 میرا ذاتی تجربہ ہے) دانی اور کوئی طریقہ مجھے نہیں پتا
 اوسر۔

ایجاب لب اجازت دیکھا وٹ نونا ہونگی ہے اسی
 لیے غلطیاں بھی زیادہ ہو رہی ہیں۔

رج۔ جین لب کا خط طویل نو ہے مگر ایسا بھی ہے
 خصوصاً یہ جو لب نے لکھا کہ خط بے شک متلخ نہ ہو
 مفرد نو اپنے خیالات لب تک پہنچانا ہے۔ ہم لب کے
 خیالات ہی پڑھنا چاہتے ہیں۔

ظاہریا کا فطرتی دن اور رات سے نہیں ہوا بہت
 سادہ وہ شہزاد میں رہنے واسلے دن کے ایجاب میں بھی
 جڑی ہندی غلطیاں کر جھٹتے ہیں۔ اور غلطی نوبہ بھی اہل
 تو کم کی حسرت میں شامل ہے۔ انسان غلطی کرنا ہے معلوم
 ہوا ہے مگر غلطی پڑا جانا اہلہ شیطان کی طرف سے

نمو اور حدیث وہ تک لب کے بنیاد بنا رہے ہیں۔

حدیث کے مال میں جہاں اگر بڑی انداز کا استعمال ہوا
 ہے وہاں نہ رہے بھی ساتھ ہونا ہے۔

سید علیہ۔ معلوم شہر

میری دوست ثبوت دائرہ حدیثہ احمد "نمو احمد"
 سادہ و صاف فرحت اشیاں "طاعت" جیسو نماز وہ نہیں نمو
 گی اور مکر سادہ ہیں۔ حدیثہ ہاومس کو نہ ہو۔ لب
 حیات میں میں بھی نہیں بھول پاروں گی اور جس کہانی نے
 خط لکھنے و بچوہ کہا وہ ہے "محل" ہر فط شہزاد
 انزلیک "مہر" ہوسٹ ہاومس الفاظ میں ہیں کہ کس کہے

بر کہا کیا باپدار اب قاریں کو کھلا پتہ نہ کرنا شروع ہو گئی ہے۔ فاروق زمر کی لوگ جو تکست ابھی تک سے منظر پر کہا کہ قاریں بھی اپریل تک، اس لائن کو توڑ دہ کہہ کر سناٹے میں لگیا اور پورے پہلے بدلت بھی جب سیدی یوسف نے سیدی یوسف کو گویا فرمایا۔ اب بجز سیدی کے ساتھ کہہ برامت کیجئے گا۔ اور اب پتہ نہ کرتے ہیں رشتہ اخلاقی کی توڑ پھوٹ ان آئینی سے پاؤں لگ کر تیسے ایک کے مٹا دیا کہہ کر توں کہا نقصانہ ہو گا اس مٹانے کا جس لڑکی کو منجھرتے ہمارا کیا قصا یہ سارے کی بوی ہی ہوگی۔ با پھر وہ لڑکی ہی ہو آئینہ سنی اور وہ سے جب سے میں نے رشتہ اخلاقی کو ہڑت سے کیسے بھی دھرا کر اس کی طرح رشتہ کو توڑ گئے تگ ہے۔

ج۔ ہاں! آج شعری سے زور نے کیا ضرورت نہیں ہے اس کے کہ جس طرح جسم روح کے بطور بن جانا ہو ہے وہی طرح روح جسم کے بطور بن کر نفس نہیں بن سکتی اس لیے کہ روح ایک غیر مادی چیز ہے اور وہی نہیں ہے جسم میں مٹا دیا کہ وہ روح ہے! کھلا شعری لڑکی ہے ابھی کے چھوٹے کیا راز ہے اور سارا تو اس لیے اور ہے کہ وہ ضرور اھصل کا الگ ہے نہ کوڑنے کی کہا ضرورت ہے۔ وہ ہے بھی بھوت کو دھسی ہو گیا ہے سب کا باریاں ہے۔ آج تک نہ کوئی کھوس ٹیوت سناٹے نہیں کیا۔

کی جان نرو اور شاہی شہہ ہے نہ ستم کم عمری میں ان کی سٹھکی ہو گئی گی۔

گزیار اپنے سے۔ جاڑی نہ کڑک صاحب

میسے چڑھیں وہیں لیزز میں سے میں لیزر شامل ہو سکے۔ پر بھی نہیں سو جا کر آتھہ نہیں کھتہ کئی بار دکھا ہے ہمیں آئینہ رفت نے ڈرتے جو ہار سے ہم بے کار بن کر بیٹھے اور ہارا بیگے لیزر میں سے تو کوئی سٹائیل ہی نہیں ہوا غلہ کیا ہی میں نے ستمبر 2015 میں "گزیار کی شہر" کے عنوان سے پھر ۹ سالہ سماں بیچا تھا۔ لیکن جواب نہ توڑا دے۔

ج۔ گزیرا! اب نے ہمیں اتنے ڈھیر سارے خط لکھے اور صرف میں خط نہ لکھتا ہوں۔ جبکہ پہلے تو خط لکھتا ہی نہیں

مصنفین ہے۔ ایک حدت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی اس حال میں مرتے کہ لا الہ الا اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے شکوت رہتا ہو ضرور جنت میں داخل ہوگا ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ سنی کو شوخ بننے جب وہ پڑا نہ کیجئے گئے تو لا الہ الا اللہ بار گزرا اور جب مرتے تو قدرت نے جب بھی ملا لا اللہ کی تلقین کر۔ کہا مسلمان ہونے کے ساتھ ہمیں یہ زیبا رہتا ہے کہ ہم ایسی فعلہ کن گھڑی میں جب دھم سے سارے فرہ حشر کی مسائل نڈا ہیں اس رشتہ انکی را بہائت تو ان میں لگے رہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ مرتے کے بعد کس قدر رشاد کھاتوں کا سامنا کرنا ہے۔ فرہیں منکر کھیر کے سوا اللہ کے جوابت رہا۔ حشر میں تمام مسلمانوں کا میدان میں جمع ہوتا۔ حساب کتاب روح سورج کا سوا اثیر سے پر ہوتا۔ علی صرف کا ا حقاں کہی کسی مشکلات کا سامنا ہونے والا ہے اور ہم اپنی مخصوص نیکیوں کو کیا نکھار رہے ہیں۔ اگر کوئی ان تمام سے متاثر ہو کر محبت کو ہی مقصد حیات سمجھ لے تو لکھتے زوال اور پھانسی دلائی دھن کے لیے کہ گھر ہے۔

ج۔ اگر کوئی پتہ کر ہی گزری ہو تو ضرورت ہے۔ حشر ام لوکس اب کی کوئی بھی پتہ ہرگز ہم پر گزری نہیں گزری۔ آپ نے جو نکھار دیا ہے بہت سی کتابیں محض تعبیراتی اور اسلامی ہولی ہیں ان کا حقیقت سے کچھ واسطہ نہیں ہوتا۔ اور چنگ آئینا حقیقت سے زیادہ خیالوں کی دنیا میں رہا کرتا ہے آپ ہی کیے ایسی کتابیں ہم میں ہیں۔ اگر نہ کہ جہن حقیقت کی جانب آپ نے اشارہ کیا ہے۔ وہ آئی ہو ہی ازاد بنے والی ہیں کہ مرتے وقت انسان کو دیا کو بھلا رہتی ہیں۔ کیفیت مسلمان

ہم لوہہ تمام رائز ہو ایسی کتابیں لکھتی ہیں نہ بھی ہانی ہوں پر دھیرا دھیرا رہتی ہیں اور انکی ہی سوت کی سنائی ہیں کہ ملی روایت میں رفت و رخصت پروردگار کے سوا کوئی نہ ہے۔ آتھہ اس ضمن میں مزید احتیاط بریں گے۔

باسمیں قصہ۔ مجزا نوال

گر ہمدردی نے سارا کو مارا تو آوارہ سب کے کا احتجاج صرف عربوں خان کو ہی نہیں کرنا آواز نہیں بھی گرا آتا ہے ہم سب تادی نہیں دیتے ہی ہی مراسم کی۔ شکل میں

ہوئے کہ آپ کی محبت کے ساتھ ساتھ محبت کے بھی اصل
 سے مختلف ہو گئے۔ یقین کریں کہ ہمیں بھی آپ کی محبت
 میں ہیں لیکن مسئلہ یہ ہے اسے ساتھ ساتھ مخلوق کے اندر
 سے کس کا کیا حال نظر کریں اور کس بات کریں۔ ہوا ہوا ایک
 اٹھان دو کا ہے۔ ہمارے لیے۔
 اللہ کے لیے آپ کے لیے مشورہ ہے کہ آپ مزید
 کچھ لکھ کر بجزائیں۔

ساروہ خرم سے۔ کوش تجیب اللہ ہوئی اور

خط لکھنے کی اہمیت ہے اور ایک یہ کہ آپ لکھتے ہیں
 ایک سوال پر چھٹا تھا کہ کیا ایک سید لڑکی کی شادی کسی
 غیر سید لڑکے سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بلا کا جواب کسی بھی
 ذات سے متعلق رکھتا ہو مگر سید نہ ہو۔ کیا فرق میں اس
 کا کیا فرق ہے؟ حدیث میں۔ بلکہ بلکہ فرق نہ ہو
 کی حدیث میں مذکور ہے بلکہ یہ جو جگہ میں شدت سے
 انظار کرنا چاہیے۔

دوسری وجہ نموا اور کانٹیل (حامل) ہے۔ نموا کی گواہی
 فرد بہت مشکل لکھنے بہت سخت ہے۔

راج : بیاری ماہہ آپ اس کا توئی کسی مفتی صاحب
 سے لیں۔ یہ آپ کو دلالت کے ساتھ ہی تو ہے۔
 ہمارے ہاں علم کے مطابق جہاں تک ہم نے فرق نہ
 حدیث کا مطالعہ کیا ہے۔ فرق ایک میں اس کی محبت
 نہیں کی گئی ہے۔ نہ ہی کوئی ایسی حدیث ہماری نظر سے
 گزری ہے۔ جس میں سید لڑکی کا نکاح غیر سید سے کرنے
 سے منع کیا گیا ہو۔ اسلام میں رشتہ کرنے کا معیار تقویٰ
 ہے۔ بلکہ یہ نیز مذکورہ فرق مثال آگاہی والا مسلمان
 سب سے بہتر ہے۔

لویا شکر۔ لاہور

فروری کا شمار ہاتھ میں آنے ہی حیرت کا بیٹا ہے کہ
 سب سے پہلی بار کسی اور میں ہے کیا؟ اس میں کوئی
 تنگ نہیں کہ بالکل سب سے خراب صورت تک رہی
 تھی۔ لیکن پھر بھی کچھ اور حوا ما تھا۔ صورت بہتر ہوئی
 ہمارے عمل کوئی ہے کیا؟ کن گنہ دو تھی۔ نعل کو بیٹھا
 دیا۔ اب وہ خان سے ملاقات ابھی رہی اور سید نہیں تھی
 اس ملاقات کی تاہم سب سے پہلے رشتہ ختم اسرار
 سے ہماری گواہی نے اپنے ہم عمر میں کہا۔ بلکہ اگر اب مستحق

میں ہی لکھتے گئے۔ اور اگر شہ نصیب کی کہانی صرف خوش
 نصیب کی کہانی ہے۔ ہر وہ سب سے فوری کہانی ہے۔ ساتھ ساتھ کہ
 یہ خیال دکان میں ہر وہ سب سے لکھنا ہوا۔

خوش بیکار نہ اس کا ہی علم کیلئے کیا گیا
 جو کچھ ملا تھا اس کی خوشی کہیں نہیں ہوتی
 رائیڈ رخصت کا بھی اس کا ہوا تھا۔ شہر انہوں نے ختم
 کی رہا سب سے گھڑے کے گئے۔ یہ بھی کہ گیا۔ اصل میں شہ
 فب کو اپنی اپنی دلی سبیلی باتوں کی اگر آپ صاحب کے

ساتھ کچھ برات ہوئے ہیں۔ اب یہ کہو چاہتا تھا۔ سب سے
 سزا کو فرحت آگے کے بیٹا تھا۔ اس میں ہر وہ اور ان
 دکان کو لودر بھی نہ کریں۔ بلکہ میں کہتے تھے کہ آپ
 جنات میں سارا لودر لہرے جس طرح اپنے بچھلایا کی
 برکت کی ہے کاش سب میں آپ ایسی برکت کریں۔ اور
 اصل پر جو کچھ بننے والا عمل ہو سکتا ہے کیا؟ پہلے تو نموا
 احمد سے ایک گزارش ہے کہ وہ فرق پاک کی تفسیر لکھیں
 بلکہ آپ اس پر سوچیں۔ شہرا ہمارے کہہ پھر آنے کی خوشی
 میں ہم نے بھی چاہتے ہیں۔ اولیٰ بلکہ کہانی کا آخری ختم
 چاہ کر لیں۔ لودر سہی کے لیے ہم لودر ہے۔

راج : لویا سب سے پہلے تو آپ کی کہانی کی تفسیر کریں
 کے بہت صحت مندی میں بھی لکھائی ہے۔ پھر آپ
 نے صحت مندی کو لکھا ہے۔ یہ بھی قابل غور ہے۔

لب کہنے کے سوال کا جواب کہ تو اس کی خوشی کہیں
 نہ ہوئی تو اس کا سہرا سارا جواب ہے کہ انسان شہادی طور
 پر انکار اور راج ہوا ہے۔ صحت کہ لوگ ہیں جو شکر کرتے ہیں
 اور اللہ کی رضا میں رہتے ہیں۔

سہی کے لیے ہم لودر نہ کریں۔ یہ قابل غور ہے
 لیکن اس نے اپنے دل میں اس کا ہے لودر اپنی جان دہان
 کی حفاظت کے لیے اپنے دل میں اس کا ہے۔

انہوں نے لکھا ہے کہ لویا سب سے پہلی بار کسی اور میں ہے کیا؟ اس میں کوئی
 تنگ نہیں کہ بالکل سب سے خراب صورت تک رہی تھی۔ لیکن پھر بھی کچھ اور حوا ما تھا۔ صورت بہتر ہوئی ہمارے عمل کوئی ہے کیا؟ کن گنہ دو تھی۔ نعل کو بیٹھا دیا۔ اب وہ خان سے ملاقات ابھی رہی اور سید نہیں تھی اس ملاقات کی تاہم سب سے پہلے رشتہ ختم اسرار سے ہماری گواہی نے اپنے ہم عمر میں کہا۔ بلکہ اگر اب مستحق

انہوں نے لکھا ہے کہ لویا سب سے پہلی بار کسی اور میں ہے کیا؟ اس میں کوئی تنگ نہیں کہ بالکل سب سے خراب صورت تک رہی تھی۔ لیکن پھر بھی کچھ اور حوا ما تھا۔ صورت بہتر ہوئی ہمارے عمل کوئی ہے کیا؟ کن گنہ دو تھی۔ نعل کو بیٹھا دیا۔ اب وہ خان سے ملاقات ابھی رہی اور سید نہیں تھی اس ملاقات کی تاہم سب سے پہلے رشتہ ختم اسرار سے ہماری گواہی نے اپنے ہم عمر میں کہا۔ بلکہ اگر اب مستحق

لویا شکر۔ لاہور

فرحت اشتیاقی ناما ایک راحت جیسی اثرات بڑے
 باری پروردہ مستحق ہیں۔ جو اب بھرے سے بھی

جس کا کھینچنا۔ ہم نے یہ سوچ کر صبر کر لیا کہ لہجہ کی باریکی
 ہو سکتی ہے مگر یہ تو قافیہ نہیں کہ شری سعید کو کیا ہوا ہے، اس قدر کہ
 اور دروغ جنہاں شہساز لانا دل کو خراب کرنے کی خاطر کہیں
 خاموشی ہے۔ کب کب ہرگز سے کہیں یہ کوئی بات نہ ہو گی۔

راج : قریباً اپنی سعید کی تحریر میں بھی اتنی ہی پختہ
 ہیں جتنی کب کو اور ہزار جب ان سے لیا ہے، یہ بات ہوئی
 ہے ہم ان سے یہ کہی گئے ہیں کہ اپنی صلاح جنہاں کو خراب نہ

کر رہیں، کچھ لکھیں، لیکن غم دور اور انہیں نصرت تو لینے
 دے۔ پہلے والدہ کی بیماری پھر ان کی وفات۔ اب ان کے
 والد صاحب بیمار ہیں۔ ایک حادثے میں بچے کی بائیک
 فریکسچر ہو گئی۔

اسو سے لے کر نائل، علیا و حامی، سوری، مفسور، کازم
 شروع کر کے ہیں۔
 کتبہ عمارتیں کہہ کر ضابطی انیسویں ایڈیشن میں رکھے
 اور ہر سکول اور کراچی پبلشنگ ہاؤس میں رکھے۔

میرا بہت سارا شکر۔ راج صاحب! راج صاحب!
 ہم کب سے کہتے ہی تھا کہ انہوں نے ہوں لیکن آپ کے
 اس میں نکاح چھوڑ دے (خوشخبر) سے منہ لکھی ہوئی
 کہنے کب کب سے ہماری کڑوی کر انہیں باؤضالی باپ
 مستقل مرنے ہی ہم تو ایسے ہی۔

اب حیات "واقعی لا جواب ہے اور جہنم واقعی
 میں سزا کی ہی کافی لگتا ہے۔ میرا عہدہ کا نال شروع کریں
 کیونکہ ہم نے اپنی رائے کب کے کہتے رہی "طہنت
 انعام کی ہے۔ ذمہ داری اور جہنم میں سوئی آجھی رائے
 کے لیے جو قرین و اہانت بھی ہیں، یہاں کسی جہنم کہ
 آسانی سے جہنم پہنچتی ہیں۔
 آپ کے نام اور اس کے لیے ڈیڑھ سو روپے ہیں۔

اللہ نب کو اپنی زبان میں رکھے۔ (آمین)
 راج : تو وہ بے چاری میرا اس طرح ڈنڈا ہے اس طرح
 کے کاموں میں۔ اگر انہیں اپنے راز کی حفاظت خود کے
 تو کون ہے جو طہنت پیشہ دینے کی ہمت کرے۔ گاہ چلیں
 جناب! خوش ہو جائیں اور بے چاری بٹھا پھوڑیں۔ مبارک
 ہیں۔

سازگار حضرت کراچی

سب سے پہلے بات کرنا ہی "عمل" کی۔ من مع
 کعبہ میرا "میرا" نے اپنی خوب صورتی سے اس
 آیت کی تشریح سعید کے ذریعے کرنا ہی ہے۔ مگر مجھے
 پریشانوں کے ساتھ میرا کمال کی نذر محسوس ہوئی۔

تیار کر کے تھوڑا کو مثنوی سے "کتاب خوب صورت جملہ
 ہے۔ واقعی صورت کا "عمل" اس کا "مگر" ہی ہے۔ خود
 ۱۰ ڈاکٹر ہوا یا ماہی و ان۔ "اب حیات" صاحب اور
 بہت ہی خوب صورت سے لے کر گنگے پورہ رہی ہیں۔ کب
 کے تمام افسانے ہی عجیب و غریب سے نئے نئے کرم عبادی

نئے "مروضی حیات" بہت ہی خوب صورت نعتوں سے
 نکل رہا ہوا افسانہ تھا۔ "قبیلہ" بھی خوب صورت کہانی
 تھی۔

"صبر و شہدائی اور دادی" ناول کا ہم بڑھ کر لگا کر یہ
 مزاج ناول ہو گا مگر یہ ذرا سے سنجیدہ و مہرمت خوب صورت
 ناول تھا۔

"جن بڑے ہیں" بڑھ کر لگا کر شاید لاطینی سے پہلے
 رشتہ کا ہم شروع ہو گیا۔ اتنی بچی بھگی مزاج سے میرا
 تحریر نہ بھی اسے کہتے ہو موصوفت پر لکھنے والی رات لڑکے
 حکم سے "زیارت" یعنی۔ پہلے تو اس میں بدل گیا بھی
 بازی لے لکھی۔ مجھے اہل و رضا کا "یہ" "انداز" اس
 انداز تحریر سے بھی زیادہ پسند کیا۔ جت اور پت کو پھلور
 مرکزی کر لے کر اہل ایک اور نائل لکھیں۔

"دوست جنہاں" بہت ہی خوب صورت افسانہ ہے۔
 خوش نصیب ناکر اور کئی اور چھپے۔ لگتا ہے یہ نائل بھی
 کامیابوں کے ذہن پر چھنے کے لیے پوری طرح تیار
 ہے۔

راج : جاؤی نماز اس سے پہلے کب کے چھوڑ بھی چھوڑا
 موصول ہونے سے، ہم نے بڑھ ضرور لےئے تھے۔ اب ایک
 پتہ کو ملتا ہے ہوسکتے خطا ملتا ہے ہونے کی کئی ہزار پتہ
 ہوئی ہیں مگر کبھی کبھی سے سفر نہ کیے لیتے ہیں۔ شمارہ
 پسند کرنے کا شکریہ۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کراچی

"دوست جنہاں" آمد ریاضی کا یہ نائل بہت اچھا ہے۔

اور جنس سے بھر پور ہے۔ دوسرے کی استوری کافی ڈرامے تک ہے۔ حیارہ کا اسٹوٹنگ کرنا بہت ہی انٹریٹنگ ہے۔ متفرق کارکردگی سے زیادہ ان کے لوگ خوش نصیب اور کنبہ کا کردار، کچھ خاص دل کو نہیں بھابھا دیتی، وہی راجہ جی استوری محسوس ہوتی۔ ”کب حیات“ کی یہ سٹیڈیہ کہیں مستدر تک پر عمل رہا۔ اسٹ کے سلسلے بہت ہی بے دلی اور سرسری سے پڑے۔ عیب، ہارنی، پکڑی اور موضوع میں کوئی دیا جن نہیں تھا البتہ راجہ کی کارکردگی بہت زیادہ پسند آیا۔ اسٹور ”آخری سٹیڈ کا سٹوٹنگ سے انتظار رہے گا۔“

”جن مرد و سیما“ کو بھی جگلی سونے کی استوری ہی منوہ پسند آئی، اگر نیند میں مبتلا ہو کر فرماں آتی ہیں تو چھوڑ کر امریکہ نہ جاتے۔ اینڈ بڑھ کر پورے ٹائل کا کام ختم ہو گیا۔

فکلی کی محسوس ہوتی۔ ”مئل“ باب آج ہی سٹ رہا اور پورے ٹائرے کی جان بھی۔ پھر لوہا تو اس کی ٹوک جو کھٹ سٹ مزادتی ہے۔

افسانوں میں ”عام اور خاص“ بہت ہی متاثر کن غریب تھی بہت پسند آئی۔ ”غدا“ موضوع بہت ہی چٹن راجہ تھا بڑھ کر اچھا لگا۔ ”برینس بہت“ طرز تحریر بہت آرا کبیز تھی، قلم تعریف تحریر تھی۔ دلی کے مشکل سلیطے بھی اپنی مثال آپ تھے لیکن راجہ کچھ خاص دل کو نہیں بھرتے۔ تیز رفتاری میں فرحت اشتیاق سے بھر لکھواتیں۔ ”مرد و سیما“ کے ٹائرے کا سٹوٹنگ سے انتظار رہے گا۔

راج : چاہی صورت سب سے پہلے ہی کی سٹوری کی مبارکباد۔ بیکر نے سب کی طرف سے تشکیریں پوری تھی کہ کئی مانتب ہوئیں۔ چلو شکر کہ نب انیس نو سی۔ خبر حاضری کی راجہ بھی معلوم ہوئی۔ اپنی مصوفیت میں سے ہمارے لیے وقت نکالنا اس کا شکر ہے۔

اردم شہابی کھو کھوے۔ کنوی پاک شدہ

میں فوج جس وجہ سے قلم اٹھانے پر مجبور ہوئی ہوں وہا سے ہوا اپنی 1999ء کا تازہ خزانہ میں پانچ سٹ۔ یہ مجھے اچھا راجہ نہیں سے مل گیا، حسیرو احمد اس نام نے مجھے چونکا دیا، ”میں ہیں“ سمجھیں، ان ہی کے نام سے فوج عمرے احمد قلم اٹھانے کی طالت پیدا کی ہے۔ جب میں نے 1999ء دلا ایل ڈی جاننا ٹائل لکھ کر شائع کرنے کا سوچا ہوا جنون پکارا جاگ، اٹھائو انتظار کب جب یہ اب عقرب اب

لوگوں کے رہیں، کبھی عمر۔ میں نرم شہابی بھی آئے۔ راجہ ہے، مس دعا ہے گا۔
راج : چاہی اہم اظہار خیالی نب کے خاتر کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ (آمین) آپ کی تحریروں کے پتھروں کو تک کھانسی سے اندازہ ہو آئے کہ بہت اچھا لکھ سکتی ہیں۔ اپنی کھلی پورے اکتھکے بھواتیں۔ اچھی تحریروں کا ہم سے پتہ ضرور کون ہو سکتا ہے۔

میرا نام اور

ہمارا آج ہی ملائی ہوں، بول بولے رہی ہوں۔ دیکھی میں ساگ ایل نہیں، ان لکھ سفید ہو جائے گی۔ نب کو گنا تازوں کو مجھے رسالے پڑھنے کا کتنا جنون تھا۔ کبھی چوری چھپے کنگریں میں چھپا کر پڑھنے کے برائے پڑھنا بھی ہرانت کو بہت بر سب کے سوسلے کے بعد پڑھتی تھی، سارا لکھی کا ہرانت کہ کر دیا، میں ہوش کی دنیا میں، اجازت پھول کر دیا، اور کہ فتنہ کے سالانہ بھی پڑھو رہے ہیں۔ سب سے بڑھ کر پتھر اٹا انظار وہ بھی میں گولہ، ”ما کھن“ شعاع پڑھ لیا ہے۔ طرا تین بڑھ رہی ہوں اور بچوں کا کل دو سزا ہے۔ ایشاء اللہ سٹیج بھی اپنی تھی، پورے جن بولند تیار ہر مانتی میں خود ہوں، بارہ، نام لو، ہر شام کی گمانی جس میں آخری قسط ہے وہ رسالہ منکھوئے کا طریقہ بتا رہے۔

راج : جاری میرا اسلوبی طرزت کی کمانی ملنے کے سونے دشوار بہت تھے، ”کی سٹوٹنگ 2011ء میں شائع ہوئی تھی۔ شعاع کا یہ تیار، دوسرے پاس نہیں ہے۔ جنون کسی بھی چیز کا ہونا ہونا ہی لگا لگا، سب سے بہتر ہے۔ اچھی بات ہے کہ اب کا جنون خزانہ کے اور میں مائل نہیں ہوا اور آپ سٹے بھوں کو خود دھاتی ہیں۔ ہمیں بھی آپ کی کئی بات یاد نہیں، کبھی سب اندازہ صحت پائس کہ خط شائع ہو گا کہ نہیں۔ ہم کب کی ہر سٹے اور پھر سے آگاہ ہو گئے : کالی نہیں؟

لا راجہ تہا زبہ۔ چونویہ ضلع نصور

اتنی بہ سب سے چٹن راجہ اور نوہ طلب لڈل کی آکھیں نہیں پڑیں، کا کھر بھی تا کس اینڈ کول تھا۔ مصنفین کے سوسلے میں محنت سہارا ہوا، نوہ سٹ سے لکھو، اچھے سوا کب عمل کے لاد کے کم کریں، مگر سوسلے میں ضوہ ہائیل ہوں۔

خبریں و سیر

دو صفحہ کی

کی وجہ سے بہت خوش ہوں (اسما) جب کہ بی بی کی اراکارا میں تو ظلم میں جانے کے لیے۔ بے جھنڈا ہیں جسکی (جب سب بی بی کی پر کام کر رہے تھے) میں اس وقت ظلم میں مصروف تھی اور لب لباب سب ظلم کی طرف رخ کر رہے ہیں تو میں بی بی کی طرف واپس آ گئی ہوں (یہ اظہار ہے کہ مضمون؟) مجھے مہجوں کے خلاف چلنا پسند ہے۔



انکار

ہاہوں سعید کو ہمیشہ جھٹلے اپنی بھائی ظلم دشمن میں لیتا چلا تو وہاں نے ہی بھئی لیکن اب کہنے بڑا دشمن ہاؤس کی مصروفیات کی وجہ سے وہاں نے مصروفیت کہتی ہے (کہلا ہاں بھرتے وقت اب کے ہاں مصروفیت نہیں گئی۔) وہاں ہاؤس بارے میں کہتے ہیں کہ وہاں ہاؤس اپنی بڑا دشمن میں نہیں تھیں پیش کرنا چاہتے ہیں (جس کے اس وقت چاہتا ہاؤس ہی



تبدیلی

اب سے وقت میں جب بی بی کے لوگ ظلم کی طرف جا رہے ہیں وہیں کچھ ایسے فنکار بھی ہیں جو ظلم کے ساتھ ساتھ بی بی پر بھی آ رہے ہیں بیٹا بھی لانا میں ایک ہیں لڑا اور وہ کھوکھو بیٹا بیٹا اپنے سپر ہونڈ کھولنے کے ساتھ پاکستانی اپنی اور پائلڈ کھولنے میں کام کر رہی ہیں لیکن اب بھڑکا بیٹا بیٹا بی بی پر کہتے ہیں کہ جو ہر وہ گھٹانے آ رہی ہیں۔ وہ اکبر انہیں شہلی ہی چاہتے ہیں کہ تخت بننے والے اور اسے میں کام کر رہی ہیں۔ اور بھی نہیں متکرم میں بننے والے اس ڈرامے میں بیٹا سارا لائی کے روپ میں تا عمرین کو نظر آئیں گی یہ ایک اٹھکانی کارکنی ڈراما ہے جس میں دو سو سالہ ہونے والی کی عکاسی کرتے ہوئے برصغیر کے شہکی خاتواؤں کی شناخت اور زندگی کو دکھایا گیا ہے۔ بیٹا اس بارے میں کہتی ہیں کہ میں سلامت ہوں اور بی بی پر واپس آئے

ہوں گے۔ آپ اس لیے انہوں نے شان کی فلم اچھے نو میں حکم کرنے سے بھی معذرت کر لی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہی فلم "پولوائی پھر نہیں آئی" کا سیکوئل بھی بنا رہے ہیں جس کی کہانی واضح چھوڑ دی لکھ رہے ہیں (پھر تو آئیگا اور بھی لکھا ہوگا...) آپ کے ساتھ ساتھ انہوں نے "طیلس الریحان" لٹر کے اسکریٹ پر بھی کام کر رہے ہیں۔

خوش خبری

بچپن سے سننے آ رہے ہیں کہ وہ بیویوں سے معذرت کرتے ہیں "بچوں کو مار کر دیکھ دیکھنے پر کلمہ کیا جانا ہے لیکن سب۔ سب نئی تحقیق یہ بتا رہی ہے کہ چائے پینے سے ذیابیط معیوب ہوتی ہیں۔ (تمام چائے کے رسوائی بیویوں کو چیک کر لیں۔) انڈیا کے لیے کی بنی سبب دیگر شہریوں کے ٹوٹنے کے امکان کم ہو جاتے ہیں۔ ماہرین کہتے ہیں کہ بیویاں ٹوٹنے سے بچاؤ کی احتیاطی تدابیر میں چائے کو بھی شامل کر لیا جائے۔

ڈی جی ٹی سب چائے کے شوٹمن خواہیں اور حضرت بنا ہو کہ لوگ "ڈنگے کی چوٹ پر بے فکر ہو کے چائے پئیں" (خبال) سب تحقیق میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ مقدار ٹیڈر بال سے زیادہ ہے۔"

فائنل

یونورڈ سٹی آفیسر ایش کو لیبیا کے ماہرین نے تجربہ کر کے یہ دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ کیا وہ سولہ ہر دم ختم کر سکتے ہیں یا پھر پھر پھر کم ہو سکتا ہے۔ انہوں نے اپریل 1999ء میں کی گئی ایک ریسرچ میں بھی ثابت ہو گئی تھی کہ وہ سولہ کی تعداد کے ہم صورت مند رہ سکتے ہیں۔ یعنی وہ سولہ کی تعداد جو جسمانی صحت کا ایک نیا گراؤ تھا ہے۔ (جب ہی تو اسلام میں حقوق باظہار اور ضرورت مند کی حد پر نذر کیا گیا ہے) اس ریسرچ کے مطابق جب آپ کسی کی تعداد کو ہر تو آپ کو امریکی سکول بنا ہے۔ اور اگر وہ آپ کا کوئی قریبی عزیز ہو تو آپ زیادہ خوش اور مطمئن محسوس

کرتے ہیں تو آپ کے بلڈ پریشر کو بھی کم کر رہے اور آپ کو ایسی آواز سے بھی جانتے رہے۔
تجربہ اور مزہ ادر سے

☆ اس بار جاتے سلی کی خوشی پر وہ دم دھڑکا کچھ زیادہ ہی رہا۔ خیر اس میں خرابی کوئی نہیں ہے۔ پورپ والوں نے نہیں جو بھی دیا "انجائی دیا۔ اس لیے انجائی ہی ہو گا رہنے پہلے تو یہ تھا کہ لوگ عمر کا ایک سلی کم ہونے پر بھی ہو جاتے تھے سب تو یہ کلمہ ہے 'جانے رلی جی' کا نام کیا کریں۔

(ذیابیط غریب۔ عرواٹھ طارق سیل)
 ☆ رقت کج ہے رقت کجہ منجور ہے کن جسے پہلے انوس قعد کجہ کے بعد حسرت ہوگی۔ زندگی "آج کو" "جیوئے کر لے" کا ہے کج کلین 'صرف' فوج کا بن عرواٹھ منجور۔ خولوگ کن میں بندہ کر کر دے کج کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا تو کج میں بندہ کر سنبھلنے کے خواہش پختہ ہیں جن سے بڑا ہے رقت کجی نہیں ہوگی۔

(زمرو پابکت۔ جلیو جیو دی)
 ☆ پاکستان کے آئین کو لکھنے والے اور کارپوریٹ سولہ سے جنم لینے والے میڈیا کا طور و گیارہ تجربے کے طور پر افغانستان اور عراق پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے حملوں کے بعد جو چھ گھنٹہ اس وقت مغرب کے میڈیا ڈائریکٹرز اور تجزیہ نگاروں کی تقریر کا اصل اور صرف ایک ہی موضوع تھا "ملاہلین"۔ دنیا کا ہر علم جہالت مجرور ہے اس کے ساتھ رہنے کوئی بھی پاکستان میں میڈیا نے جس کو مضحک کرنا ہوا اسے طالبین کا خیر خواہ اور لکچر کہ کر پکارا جا سکتا ہے میڈیا کے ذریعے مشرک کے ہم لوگوں اور انشوروں اور تجزیہ نگاروں کو لکھ کر بتایا کہ اگر ہم امریکہ کا ساتھ نہ دے تو ہمارا الزام اور بن جائے۔ امریکہ ایسی کا ساتھ دینے کے بعد جو ہمہ جہتی ہے ایک نہیں کسی توڑ پھوس لانا چاہی ہے۔

(اور یا سنبھل جان سولہ رائے)

اپ کا باورچی خانہ

ام ہالہ

مسلمان ماہنامہ کی کہتے ہیں، کسی تو ایک ایک جان بشیرہ
 وہ کہتے ہیں کہ کھانے کی فہم تو کم آئی ہے البتہ
 ریٹوشنٹ خوب چلنے ہیں، میں شاہی کباب، نعل تو
 بھی ہذا تو بھی تھے کے سموتے تیار کر کے اکثر فرزند
 رکھتی ہوں، نمک کڑاھی دھکی، ڈھبھی کٹیچہ (بستے

ہوئے سہی نعل کباب تلنے کے لیے ایلے، یہ تلنے
 میں 20/15 منٹ کیلئے ہیں، وہ سری طرف نمکو
 بمکت نہرے میں سیٹ کیے، وہ سرے چلے یہ چلے
 چڑھائی۔ کباب قرانی ہونے تک نہرے سچ کھی،
 چلے تھکن کھی، کہنے ملا، اگلی سلام دعا کی کہہ، ہوا ہے
 میری نہرے حاضر ہو جائی ہے، اگر ہذا فرزند ہے تو
 فاضل اعلان لکھا، اجا ہوا ہذا ارکھا، 20 منٹ میں وہ
 بھی تیار۔ ان کے کھتے ہی مسلمان تو شرمندہ ہو جاتے
 ہیں کہ کھ بھی بہت اہتمام کرتی ہیں اور یہ منگوائے
 جاتے ہیں۔

اگر کھانے کا موقع ہوتی کباب کھانے میں کافی
 ہوں، ساتھ کمر کا پکا ہوا کھانا چاول ساہن ہو، کھی ہو،
 رائیہ، چینی مسلمان، ٹوکیو ستر، ٹوکیو، کھی، چینی میں
 میں اس ڈش کو فیکتہ ترقی ہوں، نہرے گرم کھانا جانا ہو،
 جیسے کھوتے دلی سویاں، طوطہ چلت و رفیو۔ سوزوں کی
 ترکیب لکھ رہی ہوں جو مستند کی جاتی ہیں۔

کھوتے دلی سویاں

- | | |
|-------------|--------------------|
| سویاں | 1 ایک پکٹ |
| لادہ | 1 ایک ڈاز |
| کھویا | 1 توہلا |
| چینی | 1 حسب پند |
| کھی | 3 کھانے کے پیچ |
| چھولی ملاچی | 3 عدد |
| لوک | 2 عدد |
| پڑاہ کی گری | 1 ایک کھانے کا پیچ |
| ترکیب | 7 |

کھی گرم کر کے الائی اور لوک کڑا تھیں، پھر سویاں

1 - کھانا پکاتے ہوئے آپ کون کون سا کھانا رکھتی
 ہیں، چہیزہ پائندہ غذا، آیت باکرواٹھائی کی صحت؟
 اس بات سے افکار نہیں کیا، اسکا کہ غذا آیت کے
 بغیر خدائے قاسم ہے، لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ ہے کہ
 جب ہم کوئی چیز سارے اولیٰ چٹتی اور خوب تزی
 (کھی) والی کھی ترکیب اگلتے ہیں تو وہ کھانا، مغزین
 غذا، تو کھلا سکتا ہے، غذا آیت سے بھر پور نہیں۔ پھر
 پائندہ رہتا ہے، غذا آیت کھوں وہ کھی؟ کباب میں لدا
 - کڑھی چاول، فورسے، پڑا تھیں، کھے، دوست اور
 سیکرولی، پائتا جیسے کھانے کھوں غذا آیت سے بھر پور
 کے جائیں گے؟ جب کھنے میں پھینے میں کم از کم ایک بار
 ہوں؟ لدا میں تو کھوں کی کہ، ہمارے ہاں پائندہ پائندہ
 رہتی جاتی ہے، غذا آیت کو کھی نہیں پوچھتا، اگر میں
 سارے چاول با، کھانے کھانے، ہر بار مل کھانے کے
 ساتھ ہوں، بغیر ترمز کے چٹتی رائیہ کے سامنے
 رکھ دیا تو اسے کون پڑھے گا؟ (2) میں میں صاحب!

2 - کھانے کا وقت ہے، مگر میں باہر جا چک، مہمان آگئے
 ہیں کسی ایسی ڈش کی ترکیب بتائیں جو فوری طور پر تیار
 کر کے مہمانوں کی ذمہ داری کر سکیں۔
 مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میں نے کھانا پکا
 ہڈی کے بعد سیکھا اور دو سویاں کو دیکھ کر سیکھا،
 میں نے غصہ نہ تھا کوئی طرح کہ کھاتی تھی کھانا پکا
 پکا نہیں آتا، تو بہتی کم عمری میں شادی ہو گئی تھی
 جیسے سیکھے (2) پھر فوراً کھانا اس وقت شروع کیا، جب بچان
 طلبہ ہو، اور لب عرصہ چار سال سے بیکار تھی ہوں اور
 اپنے میاں صاحب کے دل پہ راج کر رہی ہوں۔
 (آہم)

کباب آتے ہیں اصل سویاں کی طرف، ہمارے ہاں

اشبا : ایک کلو (پھیل کر مکمل کلو میں)
 کلو کچی جسکی وزن سو گرام ایک کلو چائے کا پتہ
 ہندی خشک لال مرچ حسب پتہ

گھر کا پودا اجل کا چار (کھانے کے پتے) چھ (چاچا) اور
 اشبا کر لیں

پتلی میں تازیاں 30 گرام پتلی کے ساتھ ہوا قلم مسالا
 جلت ذائقہ کریم میں۔ شوگر میں کچھ تیز کر لیں جب
 پانی کم ہونے لگے اور کھول جائیں تو کچھ گرمی کر لیں
 پتے سے اگر اچھی طرح پھیل کر چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔
 آخر میں گھر کا پودا ذائقہ کریم میں گرمیوں اور کھولنے کے
 ساتھ چینی کر لیں۔ (چار کا پتلی بھی ضرور ڈالنا ہے خود
 بہت)

ق - سینے میں سختی یا دباؤ رکھنا کھانی ہیں؟

گھر سے باہر کھانا نہ کھنے پینے نہ یہاں صاحب کو
 بلکہ میں تو کتنی اولیٰ جتنی رقم باہر اکہ وقت کھانے پ کتنی
 ہے! انہی میں گھر میں ہی نہ ہوں اچھی ذمہ داری ہوتی ہے۔
 ہاں انہی میں گھر کھانے باہر چلے جاتے ہیں کبھی شاپنگ
 ضرور ہوتی ہے اور ہاں چائے تو صبحی حلقوں کے خیال سے کھا
 پیک کر دیتے ہیں اور کھاتے گھر آئے ہی ہیں (غضب میں
 ہاتھ نہ کھسکے ہاں پتہ لیب سا لگے ہے)

6 - پکانے کے ٹیڈوز کا انتخاب کرتے ہوئے موسم کو
 د نظر رکھتی ہیں؟

بہت دائل درست ہے کہ ہر پھل باہری اس کے
 موسم میں ہی اچھی لگتی ہے۔ اگر بہت نہ ہو تو رب
 غذائی مختلف موسم نہ مانات فن کے حساب سے پھل
 سبزوں سے تو زہا۔ کب آپ مڑی ہوئی کری میں پائے
 نہیں کھائیں اور نہ ہی سوپ سے لطف اٹھانے کو سکتی
 ہیں۔ اسی طرح سخت سہوی میں شایم کو بھی کھا جری سکتے
 کہنے اور بھڑکی / آموی کھانا عجیب لگتا ہے اور بہ
 میرے تجربے کی بات ہے کہ بے موسم کی سبزی بازار میں
 طوا کتنی ہی اچھی مل رہی ہے۔ پکا تو اس کا لاکھ تو نہیں
 ہو نا جو اصل موسم کا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ سب سوناٹوں
 کی رکھی ہوئی ہیں۔

چھوٹے ٹکڑے کر کے ذائقہ میں 'جب خودی سرخ ہو
 جائیں تو ہوا مل ہیں' ساتھ خود اسلانی 'خوئی در چچی
 چلائیں پھر کھو ذائقہ میں (اسل کن مشعل ملائی۔
 — رہیں اور کچھ گرمیوں میں جب ہواں پھول جائیں
 تو پتہ ذائقہ میں اور اچھی طرح میں کر کے دیکھ رہے ہیں۔

بہ اسی کم از کم 15 منٹ میں رہیں گی۔ تب تک آپ کے
 مسلمان کھانے سے انصاف کریں 'کب کا شعا بھی تیار۔
 ڈش میں گرم گرم نکھل کر پٹیں کریں اور رو نہ نہیں۔ اور
 سے ہوا میں گرمی چھڑا کر نہ ہو لے گا

3 - لیکن خاتون خانہ کی سلیبہ زندگی کا اقتدار ہوا ہے
 آپ لیکن کی خاتون کے لیے ایک خصوصی اہتمام کرتی ہیں۔
 بطور خاتون خانہ میرا اکثر وقت لیکن میں گزارا ہے اس
 لیے منگاری رضیو ساتھ ساتھ ہوتی رہتی ہے۔ مجھے سلیب
 نکھری ہوئی بہت بری لگتی ہے 'ہر چیز ہاتھ کے ہاتھ لکھانے
 کرتی ہوں۔ اور اگر جو بھی میرے مہاں صاحب کا لیکن
 سے گزارا ہو جائے تو میں۔ اسی اتنی چھلنی ہے کہ میں
 ہاتھ جو نہ لگتی ہوں۔

پتہ نہ فصلی فصلی بیجوں کو (جسکی اپنی) ساتھ لگا کر
 کرتی ہوں سو جلدی منت جاتی ہوں۔ (آپ بھی بہرگیب
 انہی میں)

4 - کھانے میں فب کہا جاتا ہے اسکی خصوصی ڈش
 جو آپ سنتا بھی نہاتی ہیں؟

میں صبح تو سب کو اپنے کھانوں (اسکول / جالب) کھانے
 کی جلدی ہوتی ہے 'لہذا ایشیا بیڑے کے ساتھ ایشیا / ایشیا
 / جیم / کھنوں پر ہی مشعل ہوتا ہے پھلے کر شت جو نہیں
 ہوتا) اکثر میں نیز میں باہر ایک کئی بند کو بھی اور برا کس چھن
 ذائقہ کر تک کالی مرچ کے ساتھ سینڈویچ بنانے لگتی ہوں۔
 (انہی ہوا سے بنا پانچ ہے) صبح تو میں پکا اور ایشیا گزار
 'جسکی ہوا سے لگنا ایشیا میں اہتمام ہوتا ہے۔ کبھی بازار کی
 طہ پوری پڑھنے چھوٹے۔ کبھی گھر میں ہی کچھ مڑی کھاتی
 ہائیں ہوں۔ یا گھر کے پرائیوٹ اور ایشیا (پرائیوٹ) کا میں
 چند ایشیا۔ اور میں ہائے کی چور۔ جسکی صبح صبح
 سب کی راجیب نو سب کوئی فنی ہیں۔ کھاتی کی ترکیب لکھ
 رہی ہوں۔ یہ کچھ آکٹول ہے اور بہت پتہ کی جاتی ہے۔

موسم کے پیکوان

خالد جیلانی

چھٹی اور ناشتا

کالی مرچ، خشک اور مرغی شامل کر کے اور اسی دہرہ سننے کو چھوڑیں۔ سبب اختلاف کو الگ بھی جانے میں یہ جنت میں اچھی طرح اور سالے میں ملانے ہوئے ساتھ ساتھ چھ بھی جلائی جائیں پھر تیل اور آبلے تک جو نہیں۔ گرامر اور اصول اور جانے کے ساتھ خوش فرمایا۔

کالی مرچ قیمہ اور مدد غنی دہلی

جزا ۱:	قیمہ
کوحاکلز	پراسن لوزرک
ایک ایک کھانے کا چوچ	پسی کالی مرچ
ایک کھانے کا چوچ	ہری مرچ
چار سے پانچ عدد	لال کی مرچ
کوحا پانے کا چوچ	تمک
حسب ذائقہ	تیل
نہیں کھانے کے چوچے	ترکیب :

ایک رینجی میں بیجے میں پانی ڈال کر لسن اندک کالی مرچ لال کی مرچ ہری مرچ اور خشک ڈال کر حلوں جب پانی خشک ہونے لگے تو اس میں تیل ڈال کر بیجے کو اچھے طریقے سے ٹھوس جب پانی خشک ہو جائے اور قہر گل جانے نو ہراد منہ لوہ سے ڈال کر سو تک ڈش میں لائیں اور گرم گرم مدد غنی دہلی کے ساتھ لطف اندوز ہوں۔ مدد غنی دہلی خشک ہوتی ہے اور اسے آنے کے اندر غنی ڈال کر گورھا جانا ہے۔ ایک چوچ آنے میں تین چوچے کئی ڈال کر قہر ڈالانی اور خشک لاکر ذرے خشک آنا کر حلوں میں اور بیجے ہٹا کر دہلی کی طرح تیل میں اور قدر سے اپنی کچھ پر پکائیں تاکہ مدد غنی دہلی اور خشک ہو۔

آلو کی ترکاری میوے اور سوچی کا حلوہ

چھٹی کا لہو اور حلوہ دی کا لہو نہ ہو یہ ممکن نہیں

کتنے ہیں کہ صبح کا ناشتا ہر شدہ کی طرح کرنا چاہیے اور ناشتا بھر پور ہونا چاہیے۔ چھٹی کے دن کا کھانا اگر بھر پور ناشتے سے ہو تو چھٹی کا مزہ بڑا ہو جاتا ہے۔ ایسے میں سب گھروالوں کی پسند و ناپسند کا خیال کر کے لیا ناشتا بنا جوئے شیر لانے کے حروف ہے۔ ہم نے پہلی کب کی اپنی مشکل کو ختم کرنے کے لیے ہم کچھ ایسی چیزوں کی ترغیب دینے رہی ہیں جنہیں کب چھٹی کے دن ناشتے میں بنا سکتی ہیں اور اگر وقت ہو تو چھٹی کے علاوہ بھی بنائیں۔ گھروالے سن طوف ہوں گے

چکن اور انڈے کا خانگینہ

جزا ۱:	مرغی
	انڈے
	پیاز
	نمک
	ہری مرچیں
	لال کی مرچ
	پسی کالی مرچ
	ہلدی
	تمک
	تیل
	ترکیب :

مرغی کو ایک رینجی میں پانی ڈال کر لپٹ لیں اور پھر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں۔ پیاز کو پکا مشورہ کر کے اس میں نمک اور ہری مرچیں اور ایک کٹ کر شامل کریں۔ لہب اس کو ذرا ہی دہرہ جو نہیں پھر اس میں لال کی مرچ بھی

ایسے میں قدیمیت اور ڈالنے سے بھرور آوکی ترکیبی
 ہر اول اور طبع سے مراد ہے
 ضروری اجزا :
 کوہا کو
 ایک کھلے کاچو
 کوہا کھلے کاچو
 کوہا کھلے کاچو
 حسب ضرورت

ترکیب :
 ایک کھلے کاچو
 ایک کھلے کاچو
 ایک کھلے کاچو
 حسب ضرورت
 ترکیب :
 ایک کھلے کاچو
 ایک کھلے کاچو
 ایک کھلے کاچو
 حسب ضرورت
 ترکیب :
 ایک کھلے کاچو
 ایک کھلے کاچو
 ایک کھلے کاچو
 حسب ضرورت

آو کو جمیل کرھوئے کھلے میں کات لیں ہر ایک
 دیکھ میں آو ڈال کر پانی اٹکھ لیں کہ آو گل جائیں ساتھ
 ہی اس میں لالی مرغ بلدی کھوئی سوئف لک ڈال
 در۔ جب آو گل جائیں تو ان میں پلے ہاتھ سے گھومت
 لیں اور اگر چاہیں تو اس میں خود اسامہ اور مسلا بھی شامل
 کر لیں۔ تیار ہو جانے پر پوریل کے ساتھ نکال فرمائیں۔
 ہر ایک کھلے کے اجزا :

طرہ سے قرانی چنپ
 ضروری اجزا :
 کھل
 ایک کھو
 ایک کھو
 جمعہ
 ایک کھلے کاچو
 ایک کھلے کے کچے
 ایک کھلے کاچو
 ایک کھلے کے کچے
 ایک کھلے کاچو
 2011
 ترکیب :
 ایک کھلے کاچو
 ایک کھلے کاچو
 ایک کھلے کاچو
 حسب ضرورت

قائن کات
 کھل
 تھل
 نیم کر پانی
 ترکیب :
 کوہا کو
 کوہا کھلے کاچو
 نمون سے ہار کھلے کے کچے
 حسب ضرورت
 حلقے کے لیے

چانچلے سارے سالے لگا کے دیکھنے کے لیے دکھ
 رہیں پھر چھینے ہوئے انگلیوں میں ڈال کے قرانی کریں تو کھل
 دیکھیں۔ خود کھنڈ قرانی کریں۔ مزاد قرانی چنپ تیار
 ہے پھر پتے کی چٹائی کے ساتھ گرم گرم کر لیں کریں۔
 پتے ہار لیں۔

ایک پتے میں آٹا کھلے اور نخل ڈال کر کر پانی سے 45
 گودھ کر ایک گھنے کے لیے دکھ رہیں۔ اب اس کے
 چھوٹے چھوٹے پتے بنا کر گور سے خود ڈال لگا کر پتہ
 درہ کے لیے دکھ رہیں۔ کر لیں میں بھی گرم کر کے پوری نکل
 کر لیں۔
 طبع سے اجزا :

سوئی
 چینی
 ایک کپ
 دو کپ



تھیلو کی گھنٹی

عابد کراچی

میرا تعلق ایک تعلیم یافتہ قبیلے سے ہے۔ خاندان میں سب لوگ جسے محدود پیمانے پر تعلیم بھی ملتی تھی۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سول سروس میں ہیں، کچھ میں نہیں، کچھ میں ہیں۔ آج کل سے شروع کر دی ہے۔ سب پر جب تک سے ایک لڑکے سے میری دوستی ہوئی۔ وہ لوگوں سے فون نمبر کا تبادلہ بھی کیا پھر ہماری ملازمت سنبھالنا ہوئی۔ میں نے اسے گھروں کو کر کے سب گھروں سے لیا۔ وہ بہت ذہین اور خوش فہم تھا۔ سب نے اس کو پسند کیا۔ لیکن گھر والوں نے مجھ پر واضح کر دیا کہ وہ کسی کام سے سلسلہ قائم نہیں کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق ایک غریب قبیلے سے تھا۔ وہ اپنے گھر میں سب سے بڑا تھا۔ اس سے چھوٹی تین بہنیں اور بھائی تھے۔ والد کی چھوٹی ہی رکان تھی۔ اس نے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لیے خود شہنشاہی بڑھا کر دی۔ گھر والوں کا خیال تھا میں ان کے اخراجات میں اضافہ نہیں کر پاؤں گی۔ اس لیے تعلیم مکمل کر کے باپ سے سبٹ ہونے کے لیے کم از کم پانچ سالہ کارہے۔ لیکن وہ کتنا تھا کہ وہ مجھے سبٹ چاہتا ہے۔ میرے بہتے نہ تو میں وہ سبٹ کر کے خود ہے کہ وہ سال کی بات چیت کے بعد ہم اپنے غریب گھنے گھنے کہ مجھے بھی اس کے سوا کوئی تھیلو نہیں آتا تھا۔ اس دور میں درمیانے طبقے کا ایک تعلیمی ادارہ اسکالر شپ تھا۔ اس میں اس کی والدہ کو نو ماہر جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔ وہ کچھ دن کر رہا تھا۔ ہاتھ کا نو شہرت گھرا لے اٹھا نہیں کر سکیں گے۔ میرے بھائی جرنی میں پاکستانی سفارت خانے میں کام کرتے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ بھائی۔ اس کا رُپ لائے۔ میں اس کی والدہ کو یہ سناں ایک عہد بتا دیا کہ والدہ میرے شدید اصرار کے درمیان مجھے نہ تو بھی اپنے گھر والوں سے لیا اور نہ ہی میرے باپ سے میں کوئی بات کی۔ جب میں بھی گئی اس کا ایک ہی جواب ہوا کہ اس کے گھر والے بہت کمزور ہیں۔ شادی سے پہلے وہ مجھے اپنے گھر میں لے جا سکتا۔ بھائی نے اسکالر شپ کی فائدہ جرنی چاہا۔ جرنی چاہنے کے اخراجات بھی میں نے ہی اپنے ہینک اکٹرا کر دئے۔ جرنی چاہنے کے بعد اس نے شروع شروع میں ذرا ایلو رکھا پھر تہہ بہ تہہ اس میں گئی آئی تھی۔ اب میں سول گزریں ہیں۔ وہ تعلیم مکمل کر کے وہاں جا رہا ہے۔ مجھ سے ایلو مکمل ٹیڑھ پر منتقل کر دیا ہے پہلے تو مصروفیت کے باعث بنا کر لایا رہا۔ اب صاف صاف کر دیا ہے کہ اس کا رہیں۔ آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے پھر وہ شادی بھی نہیں کرے گا۔ اور میں تمام رشتوں کو اٹھا کر گئی رہی۔ اب بے خاندان میں فری رشتہ داروں اور گزرتوں کو اس کے بارے میں پتا ہے سب گھنٹے ہیں کہ میرا وہاں سے ان کی جھنت ہو چکی ہے۔ پانچ ماہ تک جس کو چاہا جس کے لیے اپنی فرمائشیں میں نے ایک بل میں ۱۰۰ روپے... میں بھی کیا کرنا؟ مجھے سب کا اس کا کیا؟

راج : سادگی سے پہلے کی تھیلو اسی اہتمام کو کہتے ہیں وہ تو نا ہو سکتا ہے کہ فب کے لیے پسندواری کے جذبات رکھتا ہو لیکن یہ طے شدہ ہے کہ وہ شادی کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ یہی بات ہے کہ آپ کوئی فکر تھا۔ اور یہ سناں سناں بھی تھی لیکن فب نے اس حقیقت کو جاننے پر مجھے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ گھر والوں کے سمجھانے کے باوجود فب ایسی راستہ پر چلی رہی ہے۔ اگر وہ فب کے ساتھ مجھ پر ہونا تو کم از کم اپنے گھر والوں سے فب کا ذکر کرنا۔ فب کی قبیلے سے لوانا۔ باپ چاہنے سے پہلے اپنے گھر والوں کو فب کے گھر لے کر آنا لیکن اس نے اپنے گھر والوں سے اس سلسلے میں اتنا کہنا بھی گوارا نہ کیا۔ اب کارکھ اپنی جگہ بجائے کیونکہ اب اس کے ساتھ مجھ پر بھی نہیں اس کو کھانا مشکل ضرور ہے لیکن ہاتھیں نہیں۔ ضروری ہی خدا تمہاری سے کام نہیں لورہ۔ سوچیں کہ جو شخص فب سے محبت نہیں کرنا تھا۔ آپ کے حاضر نفس نہیں تھا۔ اس کے لیے کیا کرنا۔ اگر وہ فب سے سادگی کر بھی لیتا تو ہمیں خود فرض لورہ تعلیمی انسان فب کو کیا دے سکتا تھا۔ فب آجھے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ پڑھی لکھی ہیں۔ فب صحت مند ہے۔ فب نے اس بات کی سبھی نہیں کہ

رہاں کو ایک محبت کرنے والے کھس کھس کا ساتھ نصیب ہو۔

پس۔ حیدر آباد

پس۔ میں ایک لڑکے کو پسند کرتی ہوں میں ہی نہیں جو بھی پسند کرتا ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن شادی کی بات کرنے سے ہو گئی وہ شادی نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی والدہ کا اصرار تھا انہوں نے کہا کہ تم یہ شادی کر لو اور اپنی مرضی کی شادی بھی کر لیا تم قصداً اصرار دیا۔ جب ان کی شادی کی بات شروع ہوئی۔ فرائیو نے میری امی سے مشورہ کیا کہ اب میں کیا کرنا؟ میری امی نے اس وقت شادی وصال وغیرہ کھانے کے لیے ہی کہا کہ تم شادی کر لو پھر وہ میں دیکھیں گے کیا کرنا ہے۔ شادی کے بعد بھی ہمارا رابطہ برقرار رہا ان کی بیوی نے بھی کہا کہ اب اپنی مرضی سے شادی کر لیں مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ آخر میری امی اور ہم دونوں کو مشکوٰۃ سے ہنسنا یہاں تک پہنچی کہ ہماری شادی طے ہو گئی۔ اب جو رازہ مرضی سے دل سے نہیں نکلتی جب میرے گھر والوں نے مجھے چاہے سے اسے کی فرائیو نے صاف کہہ دیا کہ اگر آپ لوگ یہ شادی کریں گے تو ہمارا آپ سے ہر طرح کا تعلق ختم ہے ہم آپ سے کوئی رابطہ نہیں رکھیں گے اب جہاں آکر جو میری امی اور رازہ مرضی سے تعلق بھی چھینے ہوتے ہیں جہاں نہ ہوں وہاں میں سخت برائی کا آثار ہوں۔

راج۔ اچھی بہن اسنا سب تو یہی ہے کہ آپ اس کو تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیں اور اپنے گھر والوں کے سامنے سر جھکا دیا لیکن اگر قب خد کو اس سلسلے میں مجبور پاتی ہیں تو آپ کے گھر والوں کو اس بارے میں سوچنا چاہیے۔ آپ اپنے بچوں پر گھڑتی ہیں۔ سمجھو اور ہیں۔ ان کے اگر کوئی مسئلہ نہیں آتا ہے تو اسے سنبھالنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہیں اور سب سے بڑی بات کہ وہ لڑکا بھی قب کے ساتھ تعلق ہے اور قب کو آپ کے والدین کی مرضی سے ہی باقاعدہ شادی کر کے لے جانا چاہتا ہے۔ قب اپنی والدہ کو سمجھتا ہے کہ رازہ مرضی جس دن شادی ان کی چاہت کر لیں زندگی آپ نے گزارنی ہے ساتھ ان دونوں نے نہیں۔

اور یہ۔ گوجرانوالہ

پس۔ ۱۰ سال پہلے میری بہن کی شادی ہوئی۔ شادی سے پہلے دونوں ساتھ رہتے تھے۔ چار سال تک پونہو تھی میں ساتھ رہا۔ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے۔ ضخیم عمل ہونے پر لڑکے نے جاب کر لیا اور اس کے گھر والوں نے ہمارے گھر آکر رہنے کا پہلے لڑکے نے کہا تھا کہ اس کے والدین شادی سے باہر شادی پر رضامند نہیں ہیں لیکن وہ خزان کو مٹا کر لاؤ۔ ہمارے گھر والوں کو تو پہلے ہی اعتراض میں تھا جس ایک بیٹے پر رضامند نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن وہ بھی پہلے ہی سمجھی۔ اس نے کہا کہ وہ شادی کے بعد جاب نہیں چھوڑے گی۔ لڑکے کے گھر والوں کو اس بات پر بھی اعتراض تھا لیکن وہ اسے پہنچ کر ہرج سے سناؤں رہے۔ شادی ہو گئی لیکن بہن کی سسرال والوں سے ایک دن بھی نہیں فی۔ چھ ماہ بعد انہوں نے مجھ کو گھر کرانے کے لیے لیا۔ اب میری بہن گھر آ کر بیٹھ گئی ہے اس کا کہنا ہے کہ اس کا توجہ پر لڑکھیل سے مدد نہ ہوتی رکھتا ہے اس نے سوا پل پر مختلف لڑکھیل کے کھیلے ہیں۔ وہ اس سے ملنا نہ دیتا تھا ابھی ہے۔ گھر والے بہن پریشان ہیں۔

راج : محبت کی شادیوں میں یہ بڑی خرابی ہوتی ہے کہ لڑکیاں عموماً یہ توقع رکھتی ہیں کہ شادی سے پہلے والا محبوب رہے گا جو بات بات پر لڑکیوں کے کہے گا۔ وہ نہ جانے پر تھکتوں دماغے گا۔ ذرا سی تکلیف دے رہے ہیں یا کا اصرار کرے گا اور بچوں کے ختمے دے کر محبت کا اصرار کر رہے گا۔ شادی کے بعد عملی زندگی میں بھی لڑکیوں کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ فرصت دوسری طرف لڑکے بھی بڑی سے اس توجہ کے طالب ہوتے ہیں جو شادی سے پہلے انہیں حاصل تھا لیکن شادی کے بعد عموماً لڑکیاں تو ہر سے ہی نہیں خود سے بھی لاپرواہ ہوتی ہیں۔ وہ پہلے کی طرح خود پر توجہ نہیں دے سکتیں۔ چنانچہ لڑکے عموماً دوسری لڑکیوں کی طرف متوجہ ہونے لگتے ہیں۔

شادی نہیں کہ آپ کے سونے لڑکیوں کے ساتھ سمجھو ہوں۔ سوا لڑکے کو مٹا کر اتنا بڑا جملہ بات ہے۔ آپ اپنی بہن کو سمجھنا سیکھنا اور جاننا کہ یہ بات کریں۔ شادی اور طلاق میں کا کھیل نہیں ہے۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو م ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

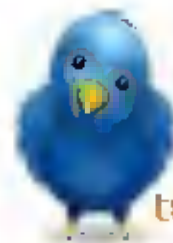
WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

بہنچنگی

بھی ہو جاتی ہے، جس طرح جسم کو خوراک کی ضرورت ہے، اسی طرح ہڈیوں کی جڑوں کو بھی نرم روکنے کے لیے نخل کی ضرورت ہے۔ اس بات کو اپنی عادت بنالیں۔ اگر زیادہ نہیں تو پختہ میں ایک ہار ضرور سولے سے پختے ہڈیوں کی جڑوں میں کسی آنتے نخل کی مٹائی کریں۔

صاف ستھرے سر گودھا

اس - میرا مسئلہ بڑھا ہوا بیحد ہے جس کے بارے میں پرنسٹن ہونا فطری بات ہے۔ پہلے تو اس میں نہیں تھا، میزک کے بعد یہ آہستہ آہستہ بڑھ گیا۔ کب تک رہا؟ کھانا بھی کم کیا ہے، پوری بھی کھاتی ہوں لیکن لختہ نہیں ہوا۔

راج - صاف ستھرا سب سے پہلے کب تبلیں رہتے تھے۔ بعض کے لیے سب سے پہلے کسی قسم کے کھانے کو سہارے قرار دینا اور کھانا پانی لینا۔ اس کے علاوہ جینا، خورد خورد دوسرے پھل پانچواں سے استعمال کریں۔ بعض دور ہوگا تو پختہ خوراک کم ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ پختہ کم کرنے کے لیے ایک آڑو روٹھ لکھ رہی ہوں جس نے بھی اس پر عمل کیا ہے اسے فائدہ ہوا ہے۔

گوراسا میں لے کر بہت کو آڑو کی طرف کریں اور ایک سے دس تک نہیں پھر گوراسا میں منہ کے ذریعے خارج کریں۔ یہ عمل چلتے پھرتے کھانا پکارتے ہی دیکھتے کسی

بھی وقت کیا جاسکتا ہے۔ دن میں کم از کم سو بار یہ عمل کریں۔ جلد ہی اس کی گہرائی گہرائی کے لیے تین تین میں مٹی کا پتھر لگا کر گاڑنا بیحد پائیلیں اور مہاراجن اسی سے منہ دھوئیں۔ ہر روز نیا بیٹھ استعمال کریں۔ ایک پختے ہند کپ کا پتھر یا کھمڑے کا کپ خوراک تیار نہ جائے گی۔



شہینہ عروبہ کراچی

اس - میرے سر میں ایسا آسانگلی ہے جس سے شہینہ استعمال کیے ہیں لیکن وہ بھی طرح دور نہیں ہوتی۔ خشکی کی وجہ سے بہت سانسے پرکھ بھی لگنے لگے ہیں۔ کیا آپ کوئی علاج تجویز کر سکتی ہیں اور ہاں مجھے بعض کی بھی فائدہ رہتی ہے۔

راج - چہرے پر دانے، بعض نوروں کی خشکی اور نالی کی بوجھ سے ہو جاتے ہیں۔ اس کے سب سے پہلے نظام جسم کو درست کرنے کی فکر کریں۔ روزانہ صبح صبح ورزش کریں۔ ایک گلاس پانی صبح پیند تھیں اس کے علاوہ دن میں بھی مٹھا زیادہ پانی پی سکیں۔ لٹا اچھا ہے۔ کھانے میں زیادہ سے زیادہ سبز پھل اور مٹھوں کا استعمال بعض کو درد کر سکتا ہے۔

جب تک ہڈیوں کی خشکی کا سہارا ہے۔ خشکی بعض اوقات ہڈیوں کو تھیل کی وجہ سے مفادار نہ ملنے کی وجہ سے

